فتح المنان

از

عبد الحق

جغرافیۃ العرب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی

ہم نے تفسیر میں عرب کے جغرافیہ اور تاریخ بیان کرنے کا وعدہ کیا تھا اسکا پورا کرنا اس لئے ضروری سمجھتے ہیں کہ قرآن مجید میں جو واقعات گذشتہ بطور عبرت بیان ہوئے انکی پوری کیفیت ذہن نشین نہیں ہوتی جب تک کہ جس زمین پر وہ گزرے ہیں اسکا صحیح حال معلوم ہو جاوے اور احادیث اور فن سیرت میں اور نیز فقہ میں جہاں عشری اور خراجی زمین کا بیان ہوتا ہے وہاں بھی بغیر جغرافیہ جانے اچھی طرح سے حال معلوم نہیں ہوتا اور استاد و شاگرد دونوں پر جہالت کا پردہ پڑا رہتا ہے۔ اور ہمارے معاصرین علماء کو اس طرف کچھ بھی توجہ نہیں اسلیئے جو جو غلط بیانیاں انسے سرزد ہوتی ہیں وہ ان مدارس کے لڑکوں کو جو فن جغرافیہ و تاریخ سے ماہر ہیں مضحکہ کرنے کا موقع دیتی ہیں۔ اور اسی طرح تاریخ عرب نہ جاننے سے بڑی بڑی پرخطر گھاٹیوں میں گرجانے کا اندیشہ ہوتا ہے اور بہت سی ٹھوکریں کھانی پڑتی ہیں اور اسی لئے اکثر تفاسیر موجودہ میں ان فنون سے بے خبر مفسروں نے سخت غلطیاں کھائی ہیں جو ارباب بصیرت پر مخفی نہیں۔

ہم قدیم و جدید جغرافیوں کو آگے رکھکر عرب کا جغرافیہ اور مختصر تاریخ اور اسی طرح عراق اور جزیرہ اور شام اور کنعان اور ایشیائے کوچک کا بھی مختصر سا حال لکھتے ہیں کیونکہ اسلامی کتابوں میں ان ملکوں اور انکے شہروں کا بھی ذکر آتا ہے۔

(۱) کتاب مسالک الممالک لابی اسحاق ابراہیم بن محمد الفارسی الاصطخری المعروف بالکرخی المطبوع بمطبع بریل لیڈن سنہ ۱۸۷۰ء)

ملک عرب ایک مستطیل زمین ہے جسکو بحر فارس مقام عبادان سے کہ جہاں دجلہ نہر آکر ملتی ہے احاطہ کرتا ہے اور پھر بحرین شہر کو احاطہ کرتے ہوئے شہر عمان تک پہنچتا ہے پھر سواحل مہرہ و حضرموت کو احاطہ کرکے عدن کیطرف مڑتا ہے پھر شمال کے رخ ایک کھاڑی ہوکر چلتا ہے اور جدہ تک پہنچتا ہے اور پھر آگے بڑھتا ہے یہانتک کہ حجاز و مدین تک جاتا ہے اور وہاں سے بھی گزرکر اس کھاڑی کی کہ جسکو بحر قلزم کہتے ہیں دو شاخوں میں سے ایک ایلہ پر تمام ہو جاتی ہے اور دوسری شاخ تاران اور جبیلات سے ہوکر قلزم پر تمام ہو جاتی ہے اور اسی لئے اسکو بحر قلزم کہتے ہیں۔ یہ عرب کی شرقی اور جنوبی اور کسیقدر غربی حدود ہیں۔

پھر حد عرب ایلہ سے شروع ہوتی ہے اور شہر لوط اور جھیل مردار سے (اسکو بحیرہ زغر بھی کہتے ہیں) ہوتی ہوئی شراۃ و بلقا کو طے کرکے جو علاقہ فلسطین سے ہیں اذرعات اور حوران اور بثنیہ و غوطہ کے پاس سے گزرکر جو علاقہ دمشق سے ہیں تدمر و سلمیہ کے

قریب سے گزرتی ہوئی جو علاقہ حمص سے ہیں۔ پھر خناصرہ اور بالس کو طے کرتی ہوئی جو قنسرین کے علاقہ ہیں فرات ندی تک جاملتی ہے پھر یہاں سے اس شمالی و شرقی حد کو دریا فرات تمام کرتا ہے جبکہ وہ رقہ اور قرقیسا اور رحبہ اور والیہ اور عانہ اور حدیثہ اور ہیت اور انبار کے پاس سے گزرتا ہے۔ اور پھر یہ حد کوفہ کے پاس سے ہوکر فرات کے وہانوں پر تمام ہوجاتی ہے۔

پھر وہاں سے یہ حد یوں چلے گی کہ اسکو کوفہ شہر کے نواح سے لو اور حیرہ اور خورنق کو لیتے ہوئے واسط تک پہنچا دو۔ اور یہاں ایک منزل تک دریائے دجلہ کے دہانے پھیلتے ہیں پھر وہاں سے بصرہ شہر کے نواح کو لیکر عبادان تک ملا دو۔

یہ ہے دیار عرب کا محیط اور حدود اربعہ۔ پس عبادان سے لیکر ایلہ تک جو بحر فارس و بحر ہند و بحر قلزم محیط ہے یہ تین ربع عرب کو شامل ہے جسمیں تمام شرقی اور تمام جنوبی اور کچھہ غربی حد آگئی۔ اور اب کچھہ غربی اور تمام شمالی حد جو باقی رہی تو وہ ایلہ سے لیکر مالس تک اور وہاں سے عبادان تک شمالی حد ہے۔ اور مالس سے انبار کے بھی آگے تک جزیرہ کی حد جنوبی ملتی ہے اور انبار سے لیکر عبادان تک عراق عرب کی جنوبی حد ملتی ہے اور ایلہ کے قریب سے ایک بیابان عرب سے ملحق ہوتا ہے غربی و شمالی حد میں جسکو تیہ بنی اسرائیل کہتے ہیں یعنی وہ بیابان جسمیں چالیس برس تک بنی اسرائیل ٹکراتے پھرے یہ بیابان عرب میں داخل نہیں اور یہ عمالیق اور یونانیوں اور قبطیوں وغیرہ اقوام کا مسکن تھا۔ انہیں اقوام سے بنی اسرائیل کو ان دنوں میں لڑائیاں پڑیں تھیں۔

اور اسی طرح ملک[۱] جزیرہ بھی عرب میں شامل نہیں ہرچند اسمیں ربیعہ و مضر کے قبائل آباد ہیں جیساکہ تغلب ربیعہ اور اسی طرح یمن کے قبائل شام میں آباد ہوگئے تھے اور وہ بھی قیصر روم کے تابع تھے اور مذہب عیسائی رکھتے تھے جیساکہ تنوخ اور غسان اور بہراء اور جنوب عرب و عراق میں اکثر عرب پارسی مذہب رکھتے تھے اور شاہان ایران کے مطیع تھے اور یمن میں بھی ایرانیوں کی حکومت تھی۔

عرب[۲] کی تقسیم

حد سرین سے لیکر کوہ یلملم کے بیابانوں تک اور پھر طائف سے لیکر سید تا نجد یمن تک ادہر شرق میں بحر فارس تک اس بڑے حصہ کو جو تمام عرب سے تقریبًا دو تہائی ہے ملک **یمن** کہتے ہیں جو پیداوار اور آبادی کے لحاظ سے اور حصوں سے [بڑھا] ہے

[۱] ملک جزیرہ وہ ملک ہی جو دریائے فرات اور دریائے دجلہ کے درمیان واقع ہے یعنی میان دو آب فرات و دجلہ۔ یہ بڑا شاداب اور آباد ملک ہے اور عراق عرب جزیرہ سے ملا ہوا ہی وہ بھی آباد ملک ہے عرب کے ملحقات میں سے ہے نہ عرب ۱۲ منہ

[۲] شرح اسکی یہ ہی کہ عرب پانچ حصوں پر منقسم ہی (۱) یمن یعنی عرب کا جنوبی حصہ اسکے حدود اربعہ یہ ہیں۔ غرب میں قلزم و جنوبی تہامہ شرق میں بحر فارس جنوب میں [بحر] عرب شمال میں حدود نجد و یمامہ وغیرہ اور اسکو یمن اسلئے کہتے ہیں کہ خانہ کعبہ سے مشرق کیطرف منہ کرکے کھڑے ہونے والے کے یہ بجانب دست یمن یعنی داہنی [طرف] واقع ہے اس کے اضلاع یہ ہیں۔ حضرموت۔ شحر۔ مہرہ۔ عمان۔ نجران (۲) نجد۔ اسکے معنی ہیں بلند زمین چونکہ یہ قطع مرتفع ہو اسلئے اسکو نجد کہتے ہیں اسکے حدود [یہ ہیں]۔ عرب میں حجاز و تہامہ۔ جنوب میں یمامہ و یمن۔ شمال میں فرات۔ شرق میں عراق عرب یہ حصہ زرخیز ہے شعرا نے اسکی بہت مدح کی ہے چنانچہ قیس بن ملوح [شا]عر کہتا ہے۔

[۳] تمتع من شمیم عرار نجد ٭ فما بعد العشیۃ من عرار ٭ دوسرا شاعر کہتا ہی ٭ سقی اللہ نجدا والسلام علی نجد ٭ ویا حبذا نجد علی القرب والبعد ٭ حرب البسوس عرب کی خونخوار جنگ [تھی] ملک یمن میں ہوئی

(باقی آیندہ)

قدیم زمانہ میں اسی سرزمین میں بڑے بڑے نامور بادشاہ اٹھے ہیں۔ قوم حمیر اور شاہان تبع اور قوم عاد کا یہی ملک ہے ان شاہان سابقہ نے تمام عرب ہی پر حکومت نہیں کی ہے بلکہ مصر اور عمران اور وہاں سے گزر کر اور ممالک پر بھی فتوحات حاصل کئے تھے۔ بلقیس بادشاہزادی جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ملک شام میں حاضر ہوئی تھی اسی ملک کی فرمانروا تھی اور سنرین سے لیکر سمندر کے کنارے کنارے تخمیناً مدین تک طول میں اور عرض میں شرقی سمت میں حجر سے لیکر جبل طے تک یمامہ سے گزرتے ہوتے بحر قلزم تک اس ٹکڑے کا نام **حجاز** ہے۔ مکہ مدینہ جدہ وغیرہ اسی ملک کے شہر ہیں۔ اور حد یمامہ سے لیکر مدینہ کے قریب تک بصرہ کے بیابانوں سمیت اور بحرین سمیت بحر فارس تک اس حصہ کا نام **نجد** ہے۔

اور عبادان سے لیکر انبار اور نجد اور حجاز تک کہ جسمیں اسد اور طے اور تمیم اور تمام قبائل مضر ہیں عراق کہلاتا ہے اور حد انبار سے لیکر مالبس تک ملک شام کی جانب کہ جسمیں تیما اور میدان خساف ہے وادی القریٰ اور حجر تک کو جزیرہ کہتے ہیں۔ اور مالبس سے لیکر ایلہ تک حجاز کے رخ سمندر کے کنارہ تک تبوک کے سامنے کے حصہ کو دیار طے تک بادیہ شام کہتے ہیں۔

بعض علماء مکہ کو تہامہ یمن میں اور مدینہ کو نجد میں قرب کی وجہ سے شمار کرتے ہیں۔ اور تہامہ کو یمن کا غربی وجنوبی حصہ سمجھتے ہیں۔

ملک عرب

۱۲ درجہ سے لیکر ۲۵ درجہ تک عرض شمالی میں اور ۳۳ درجہ سے لیکر ۵۹ درجہ تک طول شرقی میں ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ عرض اس ملک کا ۱۵۰۰ میل ہے اور طول زیادہ سے زیادہ ۱۴۰۰ میل ہے جغرافیہ کے میلوں سے اور رقبہ اسکا تخمیناً گیارہ لاکھ میل مربع ہے اور باشندے یہاں کے دو کروڑ سے زائد ہیں مذہب سب کا اسلام اور زبان عربی ہے۔ آدمی اس ملک میں ہر قسم کی رنگت اور قد و قامت کے ہوتے ہیں سیاہ فام بھی اور گندم گون بھی اور شمالی عرب کے سرخ وسفید۔ طبع بہادر اور مہمان نواز۔ ذکی الطبع غیور عفیف ہوتے ہیں مگر غصہ ور اور ہٹیلے بھی ہوتے ہیں۔ لڑائی اور شکار سے بہت رغبت رکھتے ہیں۔ تجارت کو عمدہ سمجھتے ہیں اور عمدہ زمین کے عرب کھیتی اور نخلستان کی تربیت کو بہت پسند کرتے ہیں صنعت وحرفت کم ہے یہ ملک اکثر ریگستان ہے جہاں کھیتی اور باغ اور نہریں اور چشمے کچھ نہیں قدرے گھانس ہوتی ہے جو انکے مواشی کو کافی ہو جاتی ہے اور ایسے بھی قطعات ہیں جہاں ہر قسم کی پیداوار ہوتی ہے اور ہر قسم کے درخت اور چھوٹے چھوٹے چشمے بھی ہیں مگر تمام ملک میں ایسی کوئی ندی یا نہر نہیں جسمیں کشتیوں کی آمد و رفت ہو اور بارہ مہینے جاری رہتی ہو اگر دجلہ و فرات کو عرب سے خارج کر دیا جائے عرب میں پہاڑ بھی بکثرت ہیں بیشتر تو سیاہ اور خشک پہاڑ ہیں جہاں چشمے اور شادابی اور درخت بہت ہی کم ہیں ازانجملہ **کوہ شراۃ** کا سلسلہ ہے جو ایلہ تک پہونچکر **عقبیٰ** سے گزرتا ہوا بحر احمر کے کناروں تک جا ملتا ہے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲) جو کلیب اور وائل بن ربیعہ کی خونخوار جنگ تھی اور جبل عکا دبھی اسی ملک میں ہے جہاں ابتک وہی قدیم عربی زبان فصاحت سے بولی جاتی ہے یہاں کا گھوڑا اور اونٹ ضرب المثل ہے (۳) تہامہ یہ عرب کا ایک غربی مستطیل ٹکڑا ہے اسکے غرب میں بحر احمر جنوب میں یمن کا ایک حصہ شمال میں حجاز شرق میں نجد و یمن۔ یہاں کی رات خوشگوار مشہور ہے یہ حصہ ریگستان ہے اور چھوٹا سا ٹکڑا ہے (۴) یمامہ یہ عرب کے شرقی ٹکڑے کا نام ہے اسکے غرب میں حجاز و تہامہ شرق میں بحر فارس بحرین وغیرہ جنوب میں یمن شمال میں نجد اور اسکو عروض بھی کہتے ہیں۔ یہاں کے گیہوں اور کھجور مشہور ہیں۔ (۵) حجاز یہ بھی ایک مستطیل ٹکڑا ہے عرب کے غربی حصہ میں اسکے غرب میں بحر قلزم ہے غربی حد جنوب کے رخ ملک تہامہ اور شمالی رخ ایلہ اسکے شرق میں نجد یمامہ ہے اور جنوب میں یمن اور تہامہ ہے۔ حجاز کے معنی ہیں پردے کے چونکہ یہ ملک ایک سمت سے تہامہ اور نجد کے درمیان ہے اسلئے اسکو حجاز کہتے ہیں مکہ مدینہ جدہ وغیرہ شہر اسی متبرک ٹکڑے میں واقع ہیں یہ ٹکڑا ریگستانی اور پہاڑی ہے کھیتی باغ بہت

کہیں سے چالیس میل اور کہیں سے اسّی میل ہے پھر یہ سلسلہ مشرق کی طرف موڑ کھاتا ہے یمن کو عبور کرتا ہی خلیج فارس سے آملتا ہے پھر وہاں سے بحرین کو طے کرتا ہوا فرات اور عمان کے دہانوں پر منتہی ہوتا ہے۔ اور مدینہ کے شرق میں کوہ طے کے بھی دو سلسلے ہیں جنکو آجا اور سلمیٰ کہتے ہیں یہ کوفہ سے مکہ آنیوالوں کو ملتے ہیں اور عرب کو جو جنوباً و شمالاً تقسیم کرتا ہے وہ کوہ عارض ہے اسکی جنوبی حد بلاد یمن ہیں سے جدہ کے قریب ملتی ہے پھر یہاں سے شمالی جانب چلتا ہے اور خلیج فارس تک جا پہنچتا ہے اور اسی پہاڑ پر شہر ہجر اور یمامہ ہے جہاں کے چشمے اور باغ نخلستان مشہور ہیں اور مدینہ کے شمالی جانب ایک پہاڑ ہے جسکو جبل احد کہتے ہیں اور جنوبی پہاڑ کو عیر کہتے ہیں اور حجاز کے پہاڑوں میں سے مکہ اور منیٰ کا پہاڑ ہو جسکو فاران بھی کہتے تھے عرب میں کوئی بھی جھیل نہیں اگر بحر لوط کو عرب میں شمار نہ کیا جاوے۔ ان پہاڑوں میں سے چھوٹے چھوٹے نالے نکلتے ہیں جو سمندر تک نہیں پہونچتے کچھ چلکر ریتے میں جذب ہو جاتے ہیں۔ البتہ صنعاء یمن کے قریب ایک نہر ہی جو بحر ہند میں گرتی ہے اور ایک چھوٹی سی نہر بلاد مہرہ میں بھی ہے جو اسی سمندر میں آملتی ہے۔ ان بلاد کے پہاڑوں کی ہوا معتدل ہے لیکن نشیبی قطعات اور ریگستانی میدانوں میں سخت گرم ہوا چلتی ہے عرب کے قطعات میں مختلف مہینوں میں بارش ہوتی ہے عرب کے بعض بلند پہاڑ ایسے بھی ہیں جنپر سردی اور کبھی کبھی برف جم جاتی ہے جیساکہ طائف کا پہاڑ یمن کے بعض بلند پہاڑ نہایت فرحت بخش ہیں۔ عرب کے بعض پہاڑوں اور انکے نشیبوں میں ایسے بھی قطعات ہیں جہاں زنجبیل۔ چنبیلی۔ کھجور۔ املی۔ نیشکر۔ بیگن۔ مرچ۔ انار۔ بادام۔ پستہ۔ انگور۔ سیب۔ ناشپاتی۔ لیموں۔ کیلا۔ انجیر۔ گلاب نرگس۔ بنفشہ۔ بیر۔ نارجیل۔ کھیرے۔ ککڑی۔ تربوز۔ خربوزے۔ ہر قسم کی چیزیں اور ہر طرح کے خوشرنگ اور خوشبودار پھول پیدا ہوتے ہیں خصوصاً نواح جنوبیہ میں۔ یمامہ کے گیہوں مشہور ہیں۔ باقی میدانوں میں جوار۔ باجرا۔ چنا۔ اسی قدر ہوتا ہے جو بمشکل وہیں کے لوگوں کو کافی ہوتا ہے عرب میں ہر قسم کے جانور بھی ہوتے ہیں۔ خصوصاً نجد کا گھوڑا تو دنیا میں مشہور ہے اسکے سوائے گدہا۔ گائے۔ بیل۔ اونٹ۔ خچر۔ بکثرت پیدا ہوتے ہیں۔ بھیڑ۔ بکری۔ ہرن۔ خرگوش۔ دنبہ بھی بہت ہوتا ہے۔ درندے بھی ہر قسم کے پیدا ہوتے ہیں۔ شیر۔ چیتا۔ بھیڑیا وغیرہ۔ پرند بھی بکثرت ہیں۔ چڑیا۔ کبوتر۔ فاختہ۔ چیل۔ کوا۔ ہدہد۔ عقاب۔ گدھ وغیرہ۔ اور جنوب عرب میں ایک جانور نسناس ہیلو نکا بڑا دشمن ہوتا ہے۔ آجکل عرب میں لوہے اور تانبے کی اور سیسہ کی کان۔ اور یمن میں عقیق یمنی کی کان مشہور ہے بلکہ یمن کے بعض پتھر بے بہا مشہور ہیں۔ اور کوہ سینا کے پاس بہت سی کانیں ہیں لیکن ابتک ظاہر نہیں ہوئیں اور چاندی سونے کی کانیں جنپر عرب کو کسی زمانہ میں فخر تھا افسوس آجکل نامعلوم ہیں۔

جب ہند اور مغربی ممالک میں آمد و رفت نہ تھی عرب کی تجارت بڑی ترقی پر تھی کس لئے کہ مغربی ملکوں میں مشرقی ملکوں کا مال اور مشرقی ملکوں میں مغربی ملکوں کی چیزیں عرب ہی کے وسیلہ سے آتی جاتی تھیں۔ عرب کو فن جہاز رانی میں بڑا کمال تھا وہ جہازوں پر ہند اور اسکے جزائر۔ اور چین و جاپان تک ادہر بحر احمر میں ہسپانیہ تک دلیرانہ سفر کیا کرتے تھے اور جب سے رستہ نکل آیا اور دخانی جہاز ایجاد ہو گئے تو عرب کی تجارت بالکل جاتی رہی عرب سے اب سنا۔ اور لوبان۔ صبر۔ مر۔ فلفل سیاہ۔ حنا۔ عود بن جاتے ہیں۔ اور یورپ سے عمدہ عمدہ کپڑے ریشمی اور اونی اور لوہے کی ساخت کے ہتیار وغیرہ اور بلور اور شیشے کے ظروف اور بارود و چھرے بہت آتے ہیں اور حبش سے ہاتھی دانت و بکریاں و مشک اور جنوبی افریقہ سے سونا اور ہاتھی دانت۔ کہربا اور غلام آکر بکتے ہیں۔ اور مصر و ہند سے چاول۔ شکر۔ تیل۔ اور ہند سے کتان و رسی اور شام سے صابون اور وہاں کی ساخت کے کپڑے آکر بکتے ہیں۔ قدیم زمانہ میں عرب کے بادشاہاں حمیر نے اور ملکوں پر بھی فتوحات حاصل کئے تھے

اسلام کے بعد عرب نے وہ کایا پلٹی تھی کہ روئے زمین کے فرمانروا علوم کے خزانچی صناعی و دستکاری کے استاد مانے جاتے تھے فن عمارت میں انکو ایک خاص ملکہ تھا۔ اسپین میں الحمرا، وغیرہ عمارات انکی یادگار ہیں۔

یہ سفر بحری و بری کے بڑے مشاق تھے چین تک اول ہی صدی میں جا پہونچے ادہر غرب میں سپین تک پہونچے۔ ترکستان وغیرہ ملک انکے گھوڑوں نے کھندل ڈالے تھے یہ جہاں جاتے تھے اسلام اور اپنے کمالات کو ساتھ لیجاتے تھے انکو غیر لوگوں پر بہت جلد فتح حاصل کرلینے میں بڑا کمال تھا مگر فتح کرتے ہی مفتوح قوموں کو اپنی نعمتوں اور عزت میں شریک کرلینا اپنی جوانمردی اور فیاض طبیعت کا شیوہ جانتے تھے اسلیئے جو ملک انہوں نے فتح کیا تھوڑے ہی دنوں بعد وہاں کے باشندوں کو نہال کردیا۔ یہ عہد اور قول و قرار کے بڑے سچے تھے انکے قوانین میں جو فروشی گندم نمائی کا دوسرا پہلو نہ تھا انکی پرہیز گاری اور فیاضی اسپر شجاعت غیر قوموں کو بہت جلد اپنی طرف کھینچ لیتی تھی عیاشی اور شہوت پرستی سے ان کو دلی نفرت تھی رعایا پر ظلم کرنا یا حیلہ و تدبیر سے انکا مال چھین لینا انکو کسی طرح بھی گوارا نہ تھا وہ محکوموں کو اپنی برابر عزت کا مستحق بنانے میں سرگرم تھے مگر اب کئی صدیوں سے یہ سب اوصاف کم ہوگئے اور دنیا بھر کی کوئی سرسبز سلطنت بھی انکے قبضہ میں نہ رہی۔ اب جو شاہان اسلام اور ملکوں کے فرمانروا ہیں انہیں عربوں کے تعلیم کیئے ہوئے شاگرد ہیں اب ہم اول حجاز کے مشہور شہروں کا ذکر کرتے ہیں۔

مکّہ مکرّمہ

دو پہاڑوں کے بیچ ایک مستطیل شہر آباد ہے اسکا طول معلاۃ سے مسفلہ تک تقریبًا دو میل ہے جنوب و شمال میں۔ اور سفل جیاد سے لیکر کوہ قیعقعان کی پشت تک عرض طول سے تخمیناً دو ثلث ہے۔

اسکے مکانات گارے اور چونے اور پتھر سے بنے ہیں۔ لکڑی کا بھی بہت کام ہے۔ شہر میں متعدد بازار ہیں خصوصًا بزازوں کا بازار تختوں سے پٹا ہوا ہے صرف دہوپ کے بچاؤ کے لئے بازار پر رونق ہیں ہر قسم کی چیز موجود ہے۔ رستوں اور بازاروں میں صفائی کا عمدہ انتظام ہے اور روشنی کا بھی آبادی بڑھجانے سے دونوں پہاڑوں پر بھی مکانات اور محلے آباد ہوگئے ہیں آب و ہوا گرم خشک مگر صحت بخش ہے۔ چونکہ سمندر سے یہ شہر بہت دور نہیں اسکی غربی سمت میں کہیں دو منزل کہیں اس سے بھی کم۔ سمندر یعنی بحر قلزم ہے اسلئے خشکی زیادہ نمودار نہیں ہوتی۔ مگر منطقہ حارہ کے قریب ہونے کی وجہ سے گرمیوں میں باد سموم چلتی ہے۔ شہر کے قدیم رؤسا میں سے جنکو اصلی باشندہ کہنا چاہیئے تین ہی گھر مشہور ہیں۔ ایک شریف کا جو امام حسنؓ کی اولاد میں سے ہے گویا یہ حجاز کا بادشاہ ہے گورنر حجاز جسکو باشا کہتے ہیں مکہ معظمہ میں رہا کرتا ہے سلطان المعظم کی طرف سے وہ شریف کا نگران رہتا ہے۔ کبھی کبھی باشا اور شریف میں بدمزگی ہوجانے سے حجاز اور اہل شہر کو تکالیف بھی پہونچتی رہتی ہیں دوسرا گھر شیبی کا ہے جسکے پاس کعبہ کی کنجی رہا کرتی ہے تیسرا عباسؓ کا خاندان ہے جنکو سقایۃ الحاج اور آب زمزم کی خدمت ہے۔ اکثر لوگ شہر کے آفاقی ہیں کوئی چار پشت سے کوئی دس پشت سے کوئی خود باہر سے آکر بسا ہے۔ مصر، شام، ہند، جاوا، عرب کے لوگ بکثرت موجود ہیں۔ ترکی نسلیں بھی ہیں بیشتر مخلوط ہیں۔ اور اسی لئے اس شہر کے لوگ گورے کالے موٹے دبلے خوبصورت بدصورت ہر قسم کے ہوتے ہیں مگر زبان اور لباس سب کا عربی ہے عربی زبان اس شہر کی اصلی زبان ہے۔

شریف مکہ کو حجاز کے قبائل بادشاہ مانتے ہیں اور سلطان المعظم کی طرف سے بھی وہ ایک بڑا سردار یا بادشاہ تسلیم کیا گیا ہے اور وہاں سے

اسکو بہت کچھ ملتا ہے۔ ایک کے بعد دوسرا شریف اسی خاندان سے مسند نشین ہوتا ہے۔

شہر کے لوگ نفیس مزاج ہیں مکانات میں عجب عجب آرایش کرتے ہیں۔ ہمیشہ پچھلی رات سے بازار کھل جاتے ہیں کھانے پینے کی چیزیں دن نکلتے تک بہت کچھ بک چکتی ہیں۔ اسباب معاش یہاں کئی قسم پر ہیں۔ اول تجارت یہ شہر بندر جدہ سے بہت قریب ہے سمندر کی راہ سے ہر ایک ملک سے ہر قسم کی چیز آتی ہے۔ غلہ پارچہ ظروف وغیرہ اسلئے اس شہر میں بڑے بڑے تاجر ہیں اور مرفہ الحالی سے گزران کرتے ہیں۔

(۲) حرفت۔ گرچہ یورپ کیطرح کسی کام کی بھی اس شہر میں کلیں نہیں ہیں مگر ہاتھ سے بنانے والے کاریگر بہت ہیں سینے کے اور لکڑی کے خصوصاً تسبیح کے کام سے بہت لوگ واقف ہیں اور یہی کام ہوتے ہیں (۳) وظائف خوار بیشتر کو تو حضرت سلطان المعظم کیطرف سے وظیفہ ملتا ہے حرم شریف کے بہت سے امام اور بہت سے موذن اور بہت سے خادم ہیں ان سبکا خرچ اور مسجد الحرام کا خرچ سب سلطان المعظم کی طرف سے آتا ہو جسکو خدیو مصر بھیجتا ہے اور شام سے بھی آتا ہے یہ کئی لاکھ روپیہ کا خرچ ہے (۴) حجاج کی خدمت اسمیں ایک جماعت مطوفین کی بھی ہے یہی لوگ پردیسی حاجیوں کو مکان کرایہ دلاتے ہیں اور انکی ضرورتوں کو رفع کرتے ہیں اور انکو حج کے ارکان بھی تعلیم کرتے ہیں پہلے روز یہ اپنی طرف سے ضیافت بھی کھلاتے ہیں یہ متعدد زبانیں جانتے ہیں۔ حاجی بے کھٹکے اپنی امانتیں انکے پاس رکھدیتے ہیں مگر آج تک انکی امانت داری میں کوئی دھبہ نہیں لگا خرید و فروخت بھی انہیں کی معرفت ہوتی ہے تو اچھی ہوتی ہے انہیں کی معرفت مدینہ جانیکے لئے اونٹ کرایہ ہوتے ہیں۔ یہ کام ہر شخص نہیں کرسکتا بلکہ وہی جو حکام کی طرف سے مجاز ہو۔

سلطان المعظم کے جو قانون حجاز خصوصاً مکہ اور مدینہ کی بابت ہیں نہایت نرم اور پر رحم ہیں۔ سلطانی انتظام بہت عمدہ ہے عدالتیں بھی ہیں میونسپل کمیٹی بھی ہے۔ سرکاری مدارس اور شفاخانہ اور ڈاکخانہ بھی ہیں تار گھر بھی ہے مگر اسوجہ سے کہ گاڑیوں کا رواج اس ملک میں نہیں صرف اونٹ گھوڑے خچر گدھے بارکشی کرتے ہیں۔ ایسی سڑکیں نہیں جنپر روڑی بچھی ہو اور گاڑیاں اور بگھیاں دوڑتی چلی جاویں۔ اور اس طرف حکام کو توجہ بھی نہیں۔

شہر میں مسافر خانے بھی بکثرت ہیں جنکو رباط کہتے ہیں جنمیں ہر قسم کا انتظام ہے۔ کرایہ کے مکان بھی بکثرت ملجاتے ہیں مکانات دو منزلے بلکہ سہ منزلے بھی ہوتے ہیں ہر طرف کھڑکیاں ہوتی ہیں صحن ندارد۔

شہر کے ایک گوشہ میں سلطانی لشکر بھی رہتا ہے۔ عمدہ چھاؤنی ہے حجاز کے لشکروں کا صدر مقام یہی ہے اور جدہ بھی ہو۔ شہر میں رات دن خدا تعالی کی عبادت اور تہلیل و تکبیر کا ہر جگہ چرچا رہتا ہے خصوصاً مسجد الحرام تو کسی وقت خالی نہیں رہتی۔ یہانکے آدمی عموماً عفت شعار پرہیزگار ہیں نہ شہر میں کہیں شراب خانہ ہے نہ کوئی مسکر چیز بکتی ہے نہ کوئی کسبی فاحشہ ہے۔ نہ ایسے وقوعہ ہوتے ہیں جیسا کہ ہند میں ہوتے ہیں۔ اتنے بڑے حج کے مجمع میں کبھی نہیں سنا گیا کہ کسی مرد نے کسی عورت پر ہاتھ ڈالا ہو نہ یہ کہ کسی نے کسی کو عورت یا مال کے لئے مار ڈالا ہو۔ نہ کوئی تھیٹر ہے نہ کوئی تماشہ گاہ ہے۔ نہ بدمعاشی اور بدکاری کے یہ طریقے ہیں نہ کوئی ایسی موشگافی وہاں جاتا ہے۔ عدالتوں میں زیادہ تر واقعات کا لحاظ ہوکر دادرسی مدنظر رہتی ہو نہ وہاں ملمع کاری ہو نہ دکھاوٹ کی یہ چمک دمک ہے کہ بال کی کھال کھینچی جاتی ہے اور نہ قانونی پیچ لڑا کر ملک کو مکر و فریب سکھانے والی وکلا ہیں نہ شیطان کی آنت

کی طرح مقدمات اسقدر طول پکڑتے ہیں نہ اہل مقدمات زیرباری اور بیکاری کے سبب برباد ہوجاتے ہیں۔

پولیس کا بھی عمدہ اسلوب ہے حتی المقدور لوگوں کی آسایش وامن کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ دکھاوے کی زرق برق اور مفت کے لئے تیچ تیچ نہیں نہ لوگوں کو شکنجوں میں کھینچا جاتا ہے یہی حال میونسپالٹی کا ہے۔ ضروری کاموں کے لئے مختصر سے ٹیکس ہیں نہ دکھاوے کی ٹیپ ٹاپ ہے۔ اور نہ ترکوں کے آرام کے لئے منظر وسیع میں لاکھوں روپیہ صرف کیا جاتا ہے نہ میلوں انکے لئے سڑک بنائی جاتی ہے نہ ان کے لیے ٹون ہال میں عیش ونشاط کے سامان بہم پہونچانے کی کوشش کیجاتی ہے نہ بات بات پر ٹیکس ہے۔ شہر میں جابجا نہر زبیدہ پھرتی ہے۔ اسی کے صاف اور شیریں پانی سے لوگ نفع اٹھاتے ہیں اور کام میں لاتے ہیں جابجا حوض بنے ہوئے ہیں جنمیں نہر پڑکر نکل جاتی ہے۔ لوگ وہاں نہاتے دھوتے وضو کرتے ہیں کوئی مانع نہیں نہ کوئی محصول ادا کرنا پڑتا ہے۔ شہر میں انگور، انار، کشمش، منقیٰ، کھجور وغیرہ میوہ بکثرت بکتا ہے اور ارزاں بکتا ہے۔ نہ شہر میں کوئی باغ ہے نہ سبز درختوں کے جھنڈ دکھائی دیتے ہیں نہ ترکاری اور سبزہ زار کے کھیت ہیں یہ سب چیزیں موجود ہیں جو طائف وغیرہ مقامات سے آتی ہیں یہ اس شہر کی بڑی برکت ہے۔

اس شہر میں تخمیناً تین لاکھ آدمی آباد ہونگے۔ خاص اس شہر اور مدینہ میں غیر مسلم کو آنے نہیں دیتے۔ لیکن یورپ کی سلطنتیں اپنے جاسوس بھیجتی رہتی ہیں جو بہ تبدیل لباس آیا کرتے ہیں۔ اور کبھی اپنی رعیت میں سے کسی مسلمان کو بھیجتے ہیں جو وہاں طرح طرح کے فتنے اٹھاتا ہے اور اس بات کی زیادہ کوشش کیجاتی ہے کہ شریف اور عربوں کو سلطان المعظم سے لڑا دیا جاوے تاکہ سلطان المعظم کے ہاتھ سے خدمت حرمین شریفین کا افتخار جاتا رہے۔

مسجدُ الحرام

تقریباً شہر کے وسط میں ہے اور اسکے چاروں طرف نہایت خوشنما سنگ مرمر کے ستونوں پر کئی کئی درجہ کے والان ہیں یعنی قبے بنتے چلے گئے ہیں اور اس نشیب کے وسط میں سنگ مرمر کا فرش ہے اسکے بیچوں بیچ ایک مربع بڑی بلند عمارت ہے جسکو کعبہ کہتے ہیں یہ عمارت مسقف ہے قد آدم کے قریب کرسی پر ایک دروازہ مقام ابراہیم وزمزم کے کنوئیں کی طرف ہے اس عمارت پر نیچے سے لیکر اوپر تک سیاہ ریشم کا کہ جسپر خط نسخ میں بناوٹ میں کلمہ شریف لکھا ہوا ہے غلاف پہنایا ہوا ہے اور نصف سے بلند سنہری حرفوں کا ایک پٹکا بنا ہوا ہے اور کعبہ سے ملی ہوئی مغرب رخ بیضوی شکل سنگ مرمر کی دیوار دو ہاتھ بلند ہے اسکو حطیم کہتے ہیں اور حجر بھی اسی طرف کعبہ کا سنہری پرنالہ پڑتا ہے جبکہ اسکی چھت پر بارش ہوتی ہے کعبہ کی چھت پر چڑھنے کا کوئی رستہ نہیں ہے۔

حطیم سمیت کعبہ کا طواف کیا جاتا ہے۔ اس رخ میں کعبہ کے ایک کونہ کو رکن عراقی دوسرے کو رکن یمانی کہتے ہیں اور اسی طرح دوسری طرف کے دونوں گوشوں میں سے ایک کا نام رکن شامی ہے اور دوسرے گوشہ پر جو دروازہ کعبہ کے قریب ہے گز سوا گز بلندی پر ایک سیاہ پتھر لگا ہوا ہے جو عمدہ عقیق ہے۔ ڈہال کی برابر چاندی کے حلقہ میں بندھا ہوا دیوار میں لگا ہوا ہے طواف کے بعد اسکو بوسہ دیتے ہیں اور اسکو حجر اسود یعنی کالا پتھر کہتے ہیں۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہونیکے سبب نہایت قابل تعظیم سمجھا جاتا ہے۔ دروازہ کے سامنے ایک کنوان ہے جسکو زمزم کہتے ہیں اور یہیں سقایۃ الحاج ہے جسکو سقایہ عباس کہتے ہیں۔ اور دار الندوہ جو جاہلیت میں قریش کی مجلس کا مکان تھا

اب حرم میں شامل ہو گیا ہے دار الامارۃ کے مغربی جانب میں تھا۔

صفا

جبل ابوقبیس کی ایک مرتفع جگہ کا نام ہے جیسا کہ مروہ جبل قعیقعان کے پتھر کا نام ہے جو اسکے مقابلہ میں ہو اور یہی وہ دونوں پہاڑ ہیں کہ جنکے بیچ شہر مکہ بستا ہے لیکن ابوقبیس جو شرقی جانب میں ہے قعیقعان سے بلند ہے جو غربی جانب میں ہو۔ قعیقعان کے پتھروں سے کعبہ کی عمارت چنی گئی ہے صفا و مروہ کا میدان آجکل بازار ہے جسمیں حاجی سعی کیا کرتے ہیں۔

منیٰ

مکہ سے عرفات کی جانب انہیں دونوں پہاڑونکے سلسلہ میں تقریباً تین میل ہے وہ ایک چھوٹی سی بستی ہو جہاں بازار بھی اور مکانات بھی ہیں اور اسکے وسط میں مسجد خیف ہے۔ اور یہیں وہ چھوٹے چھوٹے تین منارہیں جنپر حاجی سات سات کنکریاں مارا کرتے ہیں مکہ کے رخ کے منار کو جو منیٰ کے اخیر پر ہے جمرۃ العقبےٰ کہتے ہیں۔

مزدلفہ

منیٰ سے آگے بڑھکر عرفات کے رستہ پر بطن محسّر اور مازمین کے بیچ ایک مقام ہو جہاں عرفات سے واپس آکر رات کو حاج رہا کرتے ہیں بطن محسر منی اور مزدلفہ کے بیچ ایک وادی کا نام ہے اور مازمان دو پہاڑوں کی شاخ ہیں جو بطن عرنہ تک گئی ہیں۔

عرفات

عرنہ سے لیکر بنی عامر کے باغ تک کے میدان کا نام ہے اور وہیں وہ مسجد ہے جہاں ظہر اور عصر کی نماز ملاکر پڑھا کرتے ہیں۔ عرفات حرم مکہ میں داخل نہیں ہے۔ اسی طرح نعیم بھی خارج حرم ہے۔ عرفات مکہ سے تخمیناً آٹھ نو میل ہے۔

ثبیر

یہ بلند پہاڑی ہو جو منیٰ اور مزدلفہ سے دکھائی دیتی ہو ایام جاہلیت میں جبتک اس پہاڑی پر دھوپ نہ نکلی دیکھ لیتے تھے چلتے نہ تھے۔

مشعر الحرام

مزدلفہ میں ایک پہاڑی ہے اسی جگہ امام حج کے دنوں میں عشاء اور صبح کی نماز پڑھایا کرتا ہے۔

حدیبیہ

یہ مکہ سے ایک دن کے رستہ سے زیادہ پر ایک مقام ہے کسیقدر حرم میں اور کسیقدر حل میں داخل ہے۔ یہی وہ جگہ ہے کہ جب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم عمرہ کرنے کو آئے تو قریش برسر مقابلہ آئے اور اسی جگہ روک دیا اور یہیں صلحنامہ باہمی لکھا گیا۔

مدینہ

مکہ سے شمال کی جانب تقریباً دس منزل ایک شہر ہے کہ جسکی پختہ شہر پناہ بنی ہوئی ہے اسکی آبادی شہر پناہ سے بھی باہر ہے آبادی مکہ سے کم ہے۔ مکانات کا وہی طرز ہے۔ یہاں تقریباً سردی اور گرمی ایسی ہوتی ہے کہ جیسی ہندوستان کے دہلی شہر میں

اسکے اردگرد کھجوروں کے باغ بکثرت ہیں ان کو حائط کہتے ہیں ان میں کنوؤں اور کاریزوں سے پانی دیا جاتا ہے شہر کے وسط میں مسجد نبوی ہے جسکو حرم شریف کہتے ہیں یہ نہایت شان دار اور پر تکلف عمارت ہے جو لاکھوں روپیوں میں تیار ہوئی ہے اب جو مسجد موجود ہے وہاں آنحضرت صلعم کے عہد میں ایک محلہ تھا اور مسجد نبوی جو آپ کے عہد میں تھی اسی میں ایک چھوٹی سی جگہ تھی پھر عثمان غنیؓ نے وسعت دی، پھر خلفائے بنی امیہ نے ازواج مطہرات کے گھروں کو بھی اور دیگر گھروں کو بھی شامل کر لیا۔

مسجد کے گوشہ میں ایک مرتفع عمارت ہے جسکے اوپر سبز گنبد ہے اسکے اندر ایک درجہ چھوڑ کر ایک اور گنبد ہے جو ہر طرف سے بند ہے اسکے اندر حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر صدیقؓ و عمر فاروقؓ کا مزار شریف ہے۔ یہ تمام عمارت نہایت پر تکلف اور پر زر سبز مخمل سے ڈھکی رہتی ہے یعنی سبز مخمل کے بڑے بیش بہا پردے پڑے ہوئے ہیں جن پر زری کے حرفوں سے جو نہایت خوشخط ہیں کتبے لکھے ہوئے ہیں۔ اسی شہر کی غربی جانب میں وہ جگہ بھی ہے کہ جہاں آنحضرت صلعم عیدین کی نماز پڑھا کرتے تھے اور بقیع الغرقد شہر کے شرقی دروازہ کے باہر ایک پختہ احاطہ بنا ہوا ہے جسمیں بڑے بڑے صحابہ انصار و مہاجرین و اہل بیت کی قبریں ہیں۔ اب بھی یہی قبرستان ہے بڑی پر برکات اور عبرت خیز جگہ ہے۔ **قبا**، دو میل کے فاصلہ پر مکہ کے رخ ایک بستی ہے۔ ہجرت کر کے جو آنحضرت صلعم تشریف لائے پہلے یہیں اترے تھے۔ شہر کے جنوب اور شمال میں کئی میل کے فاصلہ سے پہاڑوں کے دو سلسلہ ہیں جنوبی سلسلہ کا نام جبل عیر ہے اور شمالی کا احد جو تخمیناً دو میل کے فاصلے سے ہے اور اسی کے دامن میں اُن شہدار کے مزارات ہیں جو جنگ احد میں شہید ہوئے تھے جنہیں حضرت کے چچا سید الشہدا حمزہ بھی ہیں رضی اللہ عنہم۔ مسجد نبوی کے غرب میں ایک بڑا کتب خانہ بھی ہے اور اسکے پاس مدرسہ بھی یہاں ابو بکر صدیقؓ کا گھر تھا۔ بازار وسیع نہیں مگر پر رونق ہیں شہر میں شیریں پانی اور سبز چیزیں اور میوے بکثرت ملتے ہیں نہایت شاداب جگہ ہے آدمی یہاں کے نہایت نرم دل اور مہربان اور مہمان نواز اور بے تکلف ہیں شہر کے شرقی طرف کئی میل کے فاصلہ پر بنی نضیر و بنی قریظہ ہے یہود کی گڑھیاں بھی تھیں جن کے اب کچھ نشان بتلانے سے معلوم ہو سکتے ہیں یہاں بھی متعدد مدرسہ اور شفا خانہ ہیں اور مسافروں کے لئے مہمانسرائیں ہیں چنانچہ ہمارے سرکار نظام الملک آصف جاہ مالک دکن خلد اللہ ملکہ کی طرف سے بھی ان دونوں مقدس شہروں میں ہزارہا روپیہ ماہوار للہ صرف ہوتا ہے اور عمدہ مکانات اور آسایش کے سامان مہیا کر رکھے ہیں۔ حضور پر نور میر محبوب علی خاں نظام الملک آصف جاہ بہادر شاہ دکن خلد اللہ ملکہ کا دست کرم نیک کاموں کے لئے بڑا فراخ ہے۔ حیدر آباد میں جس امیر کے متعلق وہاں کی خبر گیری ہے وہ ہمارے عنایت فرما نواب معزیار الدولہ بہادر سلّمہ اللہ انکی ہمت اور کوشش سے شاہ عالیجاہ کا عطیہ بڑی امانت سے مستحقوں کو پہنچتا ہے اور ہر سال حجاج کی ایک جماعت بھی روانہ کیجاتی ہے۔ یہ شاہ دکن خلد اللہ ملکہ کی فیاضی کی ایک چھوٹی سی نظیر ہے

فرع مدینہ کے جنوب میں چار دن کے فاصلہ پر ایک مقام ہے جہاں کھجوروں کے باغ بکثرت ہیں **عقیق** مدینہ سے مکہ کے رخ چار میل کے فاصلہ پر ایک وادی پر فرحت ہے جسکا پانی نہایت شیریں اور خوشگوار ہے۔

جحفہ

یہ سمندر سے دو میل کے فاصلہ پر بڑی آباد بستی ہے مکہ اور مدینہ کے رستہ میں اس سے آباد تر کوئی جگہ نہیں جیسا کہ مدینہ اور عراق کے

رستہ میں **فید** سے زیادہ پر رونق اور کوئی جگہ نہیں اور یہ دیار طے میں ہے اور طے کے دونوں پہاڑ اس جگہ سے دو دن کے فاصلہ پر ہیں اور یہاں کھجور بکثرت ہیں طے کے قبائل مواشی چرانے کو یہاں آیا کرتے ہیں۔

جبلہ

ایک قلعہ ہے آخر وادی ستارہ میں مرؔو اور عسفان کے بیچ۔ مکہ جانے والوں کو بائیں طرف ملتا ہی اس وادی کا طول دو دن کا سفر ہے جہاں کوئی بھی کھجور کا پیڑ نظر نہیں آتا اور اسکی پشت پر ایک اور وادی ہے جسکو سایہ کہتے ہیں اور بھی ہے جسکو سائرہ کہتے ہیں اسی جبلہ پر زمانہ سابق میں تمیم اور بکر بن وائل کی خوانخوار جنگ ہوئی تھی۔

خیبر

یہ مدینہ سے شمال و غرب میں چار منزل کے فاصلہ سے ایک مستحکم گڈھی ہے جسکے اندر ایک چھوٹا سا قصبہ بستا ہو اسکے آس پاس کھجور کے باغ بکثرت ہیں اور قابل کاشت زمین بھی بہت ہے۔ یہاں مالدار یہودیوں کی ایک قوم رہا کرتی تھی جنہوں نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے بد عہدی اور ایزا رسانی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا اسلئے انپر صلح حدیبیہ کے بعد چڑھائی ہوئی اور حضرت علیؓ کو سپہ سالار کیا گیا حضرت علیؓ نے اسکے دروازہ کو اکھیڑ کر پھینکدیا ابتک وہ پتھر موجود ہے جسکو پچاس آدمی بمشکل ہلا سکتے ہیں فتح کرنے بعد اسکے باغ اور زمین مسلمانوں کو تقسیم کر دی گئی۔ مدینہ کی فاقہ کشی اور تنگی دفع کرنے کا یہ پہلا سامان تھا۔ یہاں سے تیمہ چار منزل ہے وہاں سے حجر چار منزل ہے۔

مدینہ کے اطراف میں اور بھی چھوٹے چھوٹے قلعے ہیں جنمیں عرب کے قبائل آباد ہیں جیسا کہ **ینبع** بحر قلزم کے کنارہ پر مدینہ سے چار منزل یہ بہت ہی قریب بندر ہے۔ اور اسی کے متصل عیص اور مروہ ہے ینبع کے پاس جبل رضوی ایک سرسبز اور بلند پہاڑ ہے۔ فرقہ کیسانیہ[1] کہتا ہے کہ محمد بن حنفیہ ابتک زندہ اسی پہاڑ میں چھپے ہوتے ہیں۔ **ودّان** جحفہ سے ایک منزل پر ہے اور اس کے چھ میل کے قریب ابوا ہے یہاں جعفری اور حسنی قبائل رہتے ہیں جنمیں باہم لڑائیاں ہوا کرتی ہیں۔

جدّہ

یہ مکہ سے غربی جانب دو منزل کے فاصلہ پر سمندر کے کنارہ ایک عمدہ شہر آباد ہے جسکے چاروں طرف سنگین شہر پناہ بنی ہوئی ہے اسمیں بازار وسیع ہیں ہر قسم کے تاجر موجود ہیں اور مالدار لوگ بھی رہتے ہیں یہ حجاز کا سب سے آباد بندر ہے بحر قلزم سے مکہ جانیوالے لوگ اکثر یہیں اترتے ہیں پھر ایک منزل بیچ اگلی منزل مکہ ہے اسجگہ غیر سلطنتوں کے کونسل بھی رہا کرتے ہیں۔

طائف

چھوٹا سا شہر جبل غزوان پر آباد ہی مکہ سے شرقی رخ میں تین منزل پر۔ اس پہاڑ پر بنی سعد اور ہذیل کے تمام قبائل آباد ہیں۔ ثقیف و ہوازن کا بھی یہی مرکز ہے۔ یہ بڑی بلند جگہ ہے اسلئے سرد مقام ہے جسکی چوٹی پر برتن میں پانی جم جاتا ہے تمام حجاز میں اس سے زیادہ شاداب اور سرد سیر اور بہار افزا کوئی مقام نہیں۔ یہاں میوے بکثرت پیدا ہوتے ہیں۔ انگور قسم قسم کا انار نہایت شیریں اور بڑے

[1] شیعوں کا ایک فرقہ ۱۲ منہ

بڑے دانوں کا اور انجیر اور بہت سے میوے اور اسی طرح ترکاریاں بھی بہت ہوتی ہیں۔ مکہ میں جو میوے آتے اور ارزان بکتے ہیں سب کا خزانہ یہی مقام ہے۔ گرمیوں میں ترکی حکام اور دولتمند اشخاص اس پہاڑ پر چلے جایا کرتے ہیں مکہ سے وہاں تک تار لگا ہوا ہے اوپر عمدہ عمدہ مکانات اور باغ ہیں۔ مکہ شہر میں جو نہر زبیدہ جاری ہے جسکو زبیدہ خاتون ہارون رشید کی بیگم نے بنایا تھا اسی سلسلہ پہاڑ کے کسی چشمہ سے نکلتی ہے۔

اور بہی بستیاں حجاز میں ہیں لیکن اب ہم اسیقدر پر بس کرکے ملک حجاز کا بیان ختم کرتے ہیں۔

شمالی عرب کے مقامات

(حجر)

چھوٹا سا گاؤں وادی القریٰ کے قریب ہے ایک دن کے فاصلہ پر پہاڑیوں میں اور یہاں قوم ثمود کے مکانات ہیں جنکی نسبت قرآن مجید میں آیا ہے وثمود الذین جابوا الصخر بالواد۔ ہمنے انکے کھدے ہوے مکانوں کو دیکھا ہے جو ہمارے مکانوں کی مانند پہاڑ تراش کر بنائے گئے تھے ان پہاڑوں کو اثالب کہتے ہیں۔ یہ چند پہاڑ متصل ہیں ہر ایک دوسرے سے جدا ہے انکے اردگرد ریت ہے جسکے سبب اوپر چڑھنا نہایت دشوار ہے۔ اور یہیں وہ کنواں ہے جو صالح علیہ السلام کے ناقہ کے لئے معین ہوا تھا جیساکہ فرمایا تھا لہا شرب ولکم شرب یوم معلوم

تبوک

حجر اور شام کے بیچ ہے۔ شروع شام سے چار منزل کے فاصلہ پر شام کے نصف رستہ میں ایک قصبہ ہے جہاں ایک قلعہ بھی ہے اور باغ اور چشمے بھی ہیں کہتے ہیں اصحاب الایکہ کہ جنکی طرف حضرت شعیب علیہ السلام بھیجے گئے تھے یہیں رہتے تھے حضرت شعیب مدین کے رہنے والے تھے انکے لئے رسول ہوکر آئے تھے۔

مدین

قلزم کے کنارے تبوک کے محاذی چھ منزل کے فاصلہ سے ایک بستی ہے جو تبوک سے بڑی ہے اور یہیں وہ کنواں ہے کہ جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شعیب علیہ السلام کی بکریوں کو پانی پلایا تھا۔ ہمیں نے اسکو دیکھا ہے۔ مگر پاٹ دیا گیا تھا اسکے اوپر کسی نے گھر بنا لیا ہے اور یہاں کے لوگ چشمہ کا پانی پیتے ہیں۔ مدین دراصل قبیلہ کا نام ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھا اور انہیں میں سے حضرت شعیب علیہ السلام تھے حضرت موسیٰ انکے داماد تھے۔

بادیہ سماوہ

ایک بیابان ہے جو دومۃ الجندل سے لیکر عین التمر تک ہے۔ اس وادی میں پیڑ سرسبز بکثرت ملتے ہیں اور چشمے بھی اور اسی کے قریب میدان قادسیہ ہے۔

بادیہ خساف

یہ شہر بصرہ اور کوفہ کے درمیانی میدان میں ہے رعد سے لیکر مابس تک یہ بھی سرسبز ہے

صفین

یہ بھی اسی میدان میں ایک مقام ہے فرات کے قریب۔ یہ وہ جگہ ہے کہ جہاں حضرت علیؓ و معاویہؓ میں کئی مہینوں تک لڑائیاں ہوتی تھیں

یتماء

ایک قلعہ ہے تبوک سے شمال کی طرف۔ اسمیں ایک بستی ہو یہاں بھی چشمہ اور سبز درخت بکثرت ملتے ہیں۔

قلزم

بحر قلزم کے کنارے ایک بستی ہو اور اسی کے قریب یہ سمندر کی شاخ تمام ہوگئی ہو نہ یہاں کھیتی ہوتی ہو نہ کوئی سایہ دار درخت ہو نہ پانی شیریں ہے دور سے لاکر پانی پیتے ہیں مصر اور شام اور فلسطین اور حجاز کے قافلے یہاں آکر ٹھہرا کرتے ہیں۔ اور اسی کے سبب اسکو بحر قلزم کہتے ہیں۔

تاران

ایلہ اور قلزم کے درمیان اسی بحر کے کنارے پر ایک بستی ہے۔ یہاں پہاڑوں سے ہوا ٹکر کھا کر دریا میں بڑا طوفان برپا کرتی ہے اس دریا میں اس جگہ سے زیادہ اور کوئی مقام خطرناک نہیں اسی جگہ فرعون مع لشکر غرق ہوا ہے۔ اسکے بعد جنوب کیطرف ایک اور مقام ہے جسکو جبیلات کہتے ہیں یہاں بھی بڑا طوفان رہتا ہو پھر اس سے آگے بڑھکر جنوبی طرف میں ایک بستی ہو جسکو اُبلہ کہتے ہیں۔ یہ بھی بحر قلزم کے کنارہ ہے اگلے زمانہ میں یہاں یہود رہتے تھے یہاں کسیقدر شیریں پانی اور کھیتی بھی ہے مگر زیادہ گذران مچھلی کے شکار پر ہے ان لوگوں کو سبت کے روز شکار کھیلنے کی ممانعت ہوئی تھی انہوں نے عدول حکمی کی جسپر قہر نازل ہوا انکا واقعہ قرآن مجید میں مذکور ہو صورتیں مسخ ہوکر بندر اور سور نظر آنے لگے واسئلهم عن القرية التي كانت حاضرة البحر۔ اسی کے سامنے شرقی طرف مدین بستی ہو

(تیہ بنی اسرائیل)

یہ بیابان قلزم کے شرق سے شروع ہوتا ہے قلزم کی دونوں شاخوں کے بیچ جو بیابان ہو کوہ طور اور سینا وہیں واقع ہو مدین سو کئی منزل کے فاصلہ پر پھر یہ بیابان آگے چلکر شام اور عرب کے بیچ دور تک چلا گیا ہو۔ اسمیں عمالیق اور دیگر اقوام آباد تھے۔ آج کل اکثر عرب رہتے ہیں۔ انہیں جنگلوں میں چالیس برس تک بنی اسرائیل ٹکراتے پھرے ہیں یہ بیابان کہیں تو ایسا ہو کہ جہاں نہ پانی نہ سایہ دار درخت ہے سنگلاخ یا ریگستانی زمین اور خار دار پیڑ اور خشک پہاڑیاں ہیں۔ اور کہیں چشمے بھی ہیں کھجور کے درخت بھی ملتے ہیں۔

(یمن کے مقامات)

(اب میں یمن کے مقامات کو بیان کرتا ہوں)

عمان یہ ملک یمن کا شرقی حصہ سمندر کے کنارے اور کچھ جنوبی حصہ ایک مثلث کی صورت جس کی ابتدا شہر بحرین اور انتہا شرقی اور جنوبی حصہ کو لیتی ہوئی دفر تک ہو اور اسکے اس موڑ پر کہ جہاں سے شرقی حد تمام ہوکر جنوبی شروع ہوتی ہے شہر مسقط آباد ہے جو تجارت کی بڑی منڈی ہو اور یہاں سے ہندوستان کا کراچی بندر صرف تخمیناً چھ سو میل ہے اور ہندوستان اور عرب میں اس سے کم فاصلہ اور کسی طرف سے نہیں۔ ملک عمان کا کنارہ جو بحرین سے شروع ہوکر دفر پر تمام ہو جاتا ہے یہ دور تخمیناً گیارہ سو میل ہے اور عرض اس ملک کا تقریباً دو سو میل ہے۔ یہ ملک سرسبز ہے کھجوریں اور میوے بکثرت ملتے ہیں زراعت بھی ہے سمندر کے کنارے اسکے یہ بندر بہت مشہور ہیں صحار یہ بڑی تجارت گاہ ہے اور پر رونق ہے۔ مسقط یہاں عمان کا سلطان رہا کرتا ہے

جو خارجی مذہب رکھتا ہے یہ۔ رونق دار شہر ہے۔ مساجد و مدارس بکثرت ہیں۔ یہاں کا حلوی بہت مشہور ہے۔ بحرین یہ بھی ایک شہر ہے یہاں موتی نکلتے ہیں اسلئے یہاں لوگوں کی آمد و رفت بکثرت ہوا کرتی ہے یہ بھی مسقط کیطرح اور صحار کی طرح خلیج فارس پر آباد ہے۔

حضر موت

یہ ملک عدن اور عمان کے درمیان ہے اور اسکے درمیانی حصہ کو نجد الیمن کہتے ہیں۔ نجد کے لغوی معنی ہیں بلندی کے یعنی اونچی زمین جسکو اس ملک میں بانگر کہتے ہیں اور پست اور نشیب کو کھادر۔

اس ملک کو بلاد خیوان بھی کہتے ہیں اسلئے کہ بلاد خیوان بھی اسی میں واقع ہے۔ یہ سرسبز اور آباد ملک ہے۔ اور زمین قابل کاشت ہے اسکے مشہور شہر یہ ہیں۔ نجران یہ ایک بارونق شہر ہے اسلام سے پہلے یہاں عیسائی رہا کرتے تھے اور وہی مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مباہلہ کے لئے آئے تھے اسی کے قریب دوسرا شہر جرش ہے یہان بھی کھجور بکثرت ہیں اور آباد و شاداب جگہ ہے۔ اور ان دونوں سے آباد زیادہ شہر صعدہ ہے یہاں بھی چمڑے کے ویسے ہی کارخانے ہیں جیسا کہ صنعا میں ہیں اور یہاں تجار بکثرت آباد ہیں اور حسنی زیدی سردار یہیں رہا کرتا ہے۔ صنعا۔ یمن کا دارالسلطنت ہے اس سے زیادہ یمن میں کوئی شہر آباد اور بارونق اور مالدار نہیں ہے اسکی آب وہوا معتدل ہے گرمی سردی میں اور جگہ جانیکی حاجت نہیں پڑتی زمانہ گذشتہ میں شاہان یمن کا یہی شہر دارالامارۃ تھا جہاں ابتک بڑے بڑے نشانات عمارات سابقہ کے پائے جاتے ہیں اسی جگہ وہ قصر غمدان تھا جسکا حال ہم بیان کرینگے مگر اب ایک ڈھیر پڑا ہوا ہے۔ اور یہیں دو اور محل بھی تھے سلحین۔ بینون انہیں کے باب میں کوئی شاعر افسوس ظاہر کرتا ہے ؎ ہل من بعد غمدان او سلحین من اثر * و بعد بینون یبنی الناس بنیانا * اور اسی کے قریب[1] مارب کا بند رہے جو کسی زمانہ میں شام تک ملک کو شاداب کیا کرتا تھا اور یہ بھی دنیا کی عجائب چیزوں میں سے تھا وہ دو پہاڑوں میں دو میل تک کی دیوار ہے تین سو گز بلند مربع اور ترشے ہوئے پتھروں سے چنی ہوئی اور ایک پتھر کو دوسرے سے میخوں اور سیسے سے جوڑا گیا ہے۔ اس سے ان پہاڑوں اور نالوں کا پانی جمع ہوجاتا تھا اور ایک بڑی جھیل شیریں پانی کی دیکھنے میں آتی تھی اور پھر اس میں آبپاشی کے لئے بڑی حکمت او رپیمانہ سے روزن رکھے ہوئے تھے جن سے نالوں اور چھوٹی چھوٹی ندیوں کے طور سے ملک کی آبپاشی ہوتی تھی اور اس ملک میں باغ اور میوے بکثرت تھے منزلوں درختوں کے سایہ میں مسافر چلا جاتا تھا۔ لوگوں کی ناشکری سے یہ دیوار جسکو عرم کہتے تھے ٹوٹ گئی اور ابتک اسی طرح خراب پڑی ہے باغ ارم اسی کے سبب سے ترو تازہ تھا اور صنعا سے شمال و مشرق میں تخمیناً اسی میل کے فاصلہ پر شہر سبا کے کھنڈر پڑے ہوئے ہیں کسی زمانہ میں سبا بھی دنیا کے عمدہ شہروں میں سے تھا۔ بلقیس شہزادی اسی شہر کی رہنے والی اور یمن کی حاکم تھی جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئی تھی۔ اور سبا کو مارب بھی کہتے ہیں اور یہ بند رشہر سبا کے قریب بتلاتے ہیں نہ صنعا کے۔ اور یہی صحیح ہے۔ ید بحرہ یمن میں بلند پہاڑ ہے جسپر سبز درخت اور چشمے ہیں اور کھیتی بھی ہوتی ہے۔ شبام یمن کے مشہور پہاڑوں میں سے ہے جو بہت بلند ہے اسپر بکثرت آبادی ہے۔ عدن انتہا یمن بحر قلزم کے کنارے ایک چھوٹا سا شہر ہے جہازوں کے ٹھہرنے کی جگہ۔ اور اسی لئے انگریزوں نے حضرت سلطان ٹرکی سے ٹھیکہ لے رکھا ہے اور اپنا بہت سا سامان وہاں رکھتے ہیں صرف شہر عدن۔ باقی ملک اور گرد و نواح میں کچھ دخل نہیں۔ اس جگہ بھی موتی نکلا کرتے تھے۔

[1] قریب سبا اور یہ نہیں کہ صنعا کے سرمیں دو کوس بلکہ ضلع میں جس سے مراد سبا ہے ۱۲ منہ

ارض مہرہ ملک عمان اور حضر موت کے درمیان کا وہ حصہ ہے جو دریا شور سے ملا ہوا ہے۔ یہاں کا بڑا شہر شحر ہے یہ بے آباد ملک ہے یہاں خانہ بدوش قبائل آباد ہیں جنکا گزارہ مواشی پر ہے یہاں کا اونٹ تیز روی میں بہت مشہور ہے **بلاد خیوان** ارض مہرہ سو ملا ہوا ہے یہ علاقہ سرسبز ہے یمن کے بڑے قبائل یہاں آباد ہیں۔ **دیار کندہ**[۱] **وخولان وہمدان** یہ یمن کے اور نجد اور تہامہ کے درمیان ہیں۔ یہاں باغات اور آبادی موجود ہے۔ **بلاد اباضیہ** یہ خوارج کا مسکن ہے بلاد خیوان کے قریب بڑا سرسبز اور آباد ملک ہے کھیتی اور باغ اور چشمے بکثرت ہیں

مخہ عدن کا مشہور بندر ہے یہاں سے صنعا، وتریم بہت نزدیک ہے اور اسی طرح مکلا بھی مشہور بندر ہے حضر موت بھی ایک شہر ہے شرق میں دریا کے قریب اور اسکے نواح میں بہت ریت ہے جسکو احقاف کہتے ہیں اور یہیں حضرت ہود پیغمبر علیہ السلام کی قبر مشہور کرتے ہیں یہیں قوم عاد پر عذاب آیا تھا اور اسی کے قریب مقام بلہوت میں ایک ایسا گہرا کنواں ہے کہ جسکی تہ تک کوئی اتر نہیں سکتا۔ ملک یمن قوم عاد کا مسکن تھا اور انکے اب تک یادگار پائے جاتے ہیں۔

تہامہ

اس ملک کو بعض نے ملک یمن کا ایک حصہ قرار دیا ہے جسکا طول آٹھ سو میل عرض دو سو میل ہے یہاں شیریں پانی بکثرت ملتا ہے اسکو یوں خیال کرنا چاہیے کہ عرب کا غربی کنارہ جو بحر قلزم سے ملا ہوا ہے مدین سے لیکر عدن تک طول میں۔ اسکے دو حصے ہیں مکہ تک کا شمالی کنارہ ملک حجاز ہے اور مکہ سے عدن تک جنوبی کنارہ تہامہ ہے۔

اس قطعہ میں وہی پہاڑوں کا سلسلہ چلا آتا ہے جو حجاز میں تھا اور یہ پہاڑ بیشتر بحر قلزم کے متصل ہیں اور کہیں سے پھیل گئے ہیں کہیں سے کئی کئی سلسلے ہو گئے ہیں۔ اور پھر ریتا بھی ہے اور تہامہ کی رات اسی لئے مشہور ہے کہ دن میں تو آفتاب کی گرمی سے زمین آگ ہوتی ہے اور جب آفتاب غروب ہوا ہوا ٹھنڈی چلنے لگی ریت سرد ہو گیا پھر نہ پسو ہے نہ کھٹمل ہو مکے جلے بھنوں کو اس ریت کے نرم بستر پر کس مزے سے نیند آتی ہے زبید تہامہ کا بڑا اور آباد شہر ہے اور بھی شہر ہیں جیسا کہ معقر کدرہ جور عطنہ شرجہ دومیہ جمصہ غلافقہ مخہ کمران[۲] حردہ لسعہ شرمہ عثیرہ۔ رنقہ خصوف ساعد نہم وغیرہا۔

یمامہ

عرب کے مشرق میں بحر فارس سو ملا ہوا ملک ہو۔ یہ عمان سے اسی طرح ملا ہوا ہے کہ جس طرح تہامہ حجاز سے اسکی ابتداء طولانی بحرین کے نواح سے شروع ہوتی ہو اور شمال میں بڑھتے بڑھتے علاقہ کوفہ سے گزر کر بصرہ کے میدانوں تک جا ملا ہے۔ اور عرض میں سمندر کے کنارہ سے لیکر تخمیناً دو سو میل تک مغرب میں چلے جاؤ سب ملک یمامہ ہی کا علاقہ ملیگا۔ اور اسکے بعض علاقوں کو الحصا بھی کہتے ہیں۔

---

[۱] یہ یمن کے مشہور قبائل ہیں [۲] ہندوستان سے مکہ جانیوالے جہازوں کو اس جگہ حکماً ٹھہرایا جاتا ہو تا کہ امراض متعدیہ کا اثر زائل ہو جاوے اسکا نام قرنطینہ ہے۔ آبادی کمران سے دور ایک میدان میں غریب حجاج کو اتار دیا جاتا ہے جہاں نہ شیریں پانی ہے نہ سایہ دار درخت مسافروں کے لئے جھونپڑیاں بنادی ہیں کھانے پینے کی بھی چیزیں کم ملتی ہیں۔ یہ مصیبت یورپ کے روشن دماغ ڈاکٹروں اور خود غرض سلطنتوں کا فیض ہے اللہ رحم کرے ۱۲ منہ

یمامہ قبیلہ طلسم میں سے مرّہ کی بیٹی تھی جسکے نام سے یہ ملک نامزد ہے۔ زمانہ سابق میں طسم اور جدیس کے قبائل یمامہ میں رہا کرتے تھے بحرین تک پھیلے ہوئے تھے اور عاد اولی احقاف میں رہتے تھے جو عمان سے لیکر عدن تک پھیلے ہوئے تھے اور احقاف کا ایک مشہور ریگستان ہے یمامہ دو وادی ہیں جو شمال سے شروع ہوکر جنوب تک تمام ہوتی ہیں اس ملک میں بہت سے چشمے اور متعدد چھوٹی چھوٹی نہریں یا نالیاں رواں ہیں جن سے ملک نہایت سرسبز اور آباد ہے۔ یمامہ کے لوگ کہتے ہیں یہ ملک پانچ چیزوں میں بڑھکر ہے

(۱) یہاں کی عورتیں نہایت خوشرنگ ہوتی ہیں سنہری رنگت ایسی خوشنما ہوتی ہے کہ سونیکا زیور پہنے ہوتے دور سے معلوم نہیں ہوتا۔

(۲) یہاں کے گیہوں (۳) یہاں کی کھجور نہایت عمدہ ہے کہ ایسے اور کہیں نہیں ہوتی (۴) یہاں گوشت ایسا خوش ذائقہ اور عمدہ ہوتا ہے کہ پھر اور جگہ نہیں ملتا (۵) یہاں پانی بھی ایسا شیریں ہوتا ہے کہ پھر اور پانی کیسا ہی شیریں ہو منہ نہیں لگتا۔ ذات للتنوع۔

ایوان یمامہ میں عجائب دنیا سے تھا احسن التقسیم کا مصنف ابو عبداللہ محمد شامی کہتا ہے یمامہ درصل ملک ہجر کا سوانا ہے یعنی علاقہ اور ہجر کے مشہور شہر یہ ہیں۔ احساء سابون زرقاء اول عقیر۔

اسی طرح سے نجد الیمن کے ناحیہ یعنے سوانا اور علاقہ احقاف کو قرار دیتا ہے اور احقاف کے یہ شہر گنواتا ہے۔ خاص حضرموت حسب۔ اور اسیطرح سبا۔ کو بھی ناحیہ قرار دیتا ہے۔

عجائبات یمن

(۱) یمن کے بعض علاقوں میں سے عقیق سرخ اور یاقوت خالص اور لال برآمد ہوتا ہے جسکے آگے لال بدخشانی کی اصل نہیں اور بھی طرح طرح کے جواہر برآمد ہوتے ہیں یمنی ایک خاص پتھر ہے جو وہاں بکثرت موجود ہے اور اس ملک کی چیز ہے۔

(۲) یمن کے پہاڑوں میں ہر قسم کی کانیں موجود ہیں لوہا جست۔ تانبا۔ وغیرہ خصوصًا پھٹکری کے بڑے بڑے پہاڑ موجود ہیں جسکو شب یمانی کہتے ہیں۔

(۳) یمن کے ریگستان میں شتر مرغ پایا جاتا ہے۔ اور ایک عجیب جانور ملتا ہے جسکے پاؤں بیل جیسے منہ ہرن جیسا گردن صراحی دار کئی گز کی اونٹ سے بھی بڑی اور اسی طرح ٹانگیں بھی بڑی بڑی پتلی دبلی۔ یہ جانور اگر گردن بلند کرے تو چھ سات گز بلندی تک پہنچاوے (۴) اسکے بیابانوں میں بندر بکثرت ملتے ہیں خیر یہ تو اور جگہ بھی ہوتے ہیں مگر ایک اور جانور بھی ہے جسکو عدار کہتے ہیں وہ ایک چارپایہ ہے اسکی صورت انسان سے بہت مشابہ ہے جہاں کہیں انسان کو دیکھ پاتا ہے تو دوڑکر گھیر لیتا ہے اور نیچے ڈالکر اس سے مباشرت کرتا ہے خواہ مرد ہو خواہ عورت جسکے صدمہ سے انسان کمتر زندہ رہتے ہیں۔

(۵) اس ملک میں قدیم یادگار شاہان سلف کے ایسے ہیں کہ جنکا مثل اور دوسری جگہ تلاش کرنیسے بھی نہیں ملتا اور وہ عمارات یہ ہیں غمدان مارب قصر مسعود سد لقمان سلیحن صرواح مرداح بینون ہندہ ہیندہ فلثوم بردمہ۔

غمدان شہر صنعاء میں ایک چوکھانہ ایوان تھا جسکا ایک رخ زرد عقیق کا۔ دوسرا سرخ پتھر کا تیسرا سبز کا چوتھا سفید کا بنایا گیا تھا یہ ایوان نہایت مستحکم بنیادوں پر قائم تھا اور سات منزل بلند تھا ہر ایک منزل دوسری سے چالیس ہاتھ بلند تھی اور ہر منزل کی چھت ایک سنگ مرمر سے پٹی تھی اس ایوان کے چاروں طرف بڑی خوشنمائی اور نزاکت سے دریچے بنے تھے جو رنگ برنگ کے

عقیق اور بیش بہا پتھروں سے بنے تھے اور اس ایوان کے فرش اور چھت اور دیوار و نپر وہ گلکاری کی ہوئی تھی کہ دیکھکر عقل حیرت کرتی تھی کسی جگہ کسی بادشاہ کی بزم کا نقشا کھنچا تھا کہ پرستاران پریرو ہاتھوں میں ظروف لئے اس زمانہ کے عمدہ کپڑے پہنے کھڑی ہیں کہیں امراء صف بستہ کھڑے ہیں جنکی تصویریں اس کی شان و شوکت کو یاد دلا رہی ہیں۔ ایک بلند تخت پر کوئی بادشاہ باحشم و خشم بیٹھا ہوا اپنی جبروت و سطوت چند روزہ کو یاد دلا رہا ہے۔

اور اسکے ہر ایک گوشہ میں شیر کی مورت سنگ ہمرنگ شیر سے بنی ہوئی تھی اور طلسم یہ تھا کہ اسکے منہ میں آواز داخل ہو کر پھیر پھار کر پیچھے سے جو نکلتی تھی تو ہو بہو شیر کے غرانے کی آواز معلوم ہوتی تھی۔ اور ہر کمرہ میں ایک ایسا مصالح رکھا ہوا تھا کہ رات کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا بجلی کی روشنی ہو رہی ہے اور اس سبب سے تمام ایوان چمک اٹھتا تھا اور دیواروں کے پتھروں میں ایسی صفائی تھی کہ وہ روشنی رات کو دور سے دیکھنے والے کو معلوم ہوتی تھی۔ اندھیری رات میں جب کوئی صنعا کو دیکھتا تھا تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ صنعا بجلی کوند رہی ہے اور بارش ہو رہی ہے حالانکہ وہ سب اس ایوان کی روشنی ہوتی تھی اس ایوان کے کسی ستون پر خط حمیری میں لکھا ہوا تھا کہ جو شخص اس ایوان کو گرائیگا قتل کیا جائیگا یہ ایوان کسی مصلحت سے بحکم امیر المومنین عثمانؓ گرایا گیا آخر وہ شہید ہوئے اب ایک ڈھیر پڑا ہوا ہے اور کسی قدر زمین کے اندر کا حصہ باقی ہے۔

صنعا میں اس قسم کے اور بھی دو ایوان تھے جنکا نام سلیحن اور بینون تھا اسلام کے زمانہ تک یہ ایوان باقی تھے

(۶) یمن میں کپڑے بھی نہایت عمدہ بنتے تھے کسی زمانہ میں بردیمانی بڑی عزت سے دیکھی جایا کرتی تھی۔

یمن کے اقوام اور انکے عادات

یہاں اکثر قبائل بنی قحطان ہیں اور یہی عرب العربا شمار ہوتے ہیں پھر انکے باہم صدہا قبائل ہیں ان میں سے قبیلہ بنو حمیر جو شاہان یمن تھے نہایت معزز قبیلہ ہے۔ اور بعض قبائل فاطمیوں کے بھی دوسری صدی سے وہاں آباد ہیں۔

اہل یمن پرہیز گار، مہمان نواز، بہادر، علم پسند ہیں اب بھی دینیات کے عالم جسقدر یمن میں ملیں گے عرب کے کسی خطہ میں نہ ملیں گے۔

نجد

شرق و غرب میں یمامہ سے لیکر مدینہ تک اور جنوب و شمال میں مکہ کے محاذی ملک سے لیکر مدینہ کے سامنے تک یعنی حجاز میں مکہ اور مدینہ تک کی لمبائی کے مقابلہ میں دن نکلتے رخ یمامہ تک جو حصہ ہے اسکو نجد کہتے ہیں بعض نے بحرین اور نواحی کوفہ کو بھی نجد میں شامل کیا ہے بلکہ یمامہ کو بھی۔

مدینہ منورہ سے چند میل شرق کی طرف جانے سے نجد کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے۔ یہ حصہ یمن سے کم ہے مگر بڑا حصہ ہے پھر اسکے اندر متعدد ضلاع ہیں جو متعدد ناموں سے نامزد ہیں۔ یہ ملک مرتفع ہے۔ اسمیں پہاڑ اور ریتیلے میدان بکثرت ہیں اور آباد و شاداب اضلاع بھی ہیں جہاں کھجور ین اور ہر قسم کے میوہ دار درخت پائے جاتے ہیں۔ الغرض حجاز کے مقابلہ میں بحر فارس کی حد تک شرقی جانب کے حصہ کو نجد کہتے ہیں کوفہ بصرہ کا میدان بھی بعض کے نزدیک نجد میں داخل ہے اور بیابان قادسیہ اکثر کے نزدیک نجد میں داخل نہیں نجد کا گھوڑا اپنا نظیر نہیں رکھتا۔ وہ ریگستان جو مشہور ہے اسکا عرض شقوق سے اجفر تک اور طول جبل طے سے لیکر شرق میں بحر فارس تک ہے

وہ زرد اور نرم ریت ہے جہاں نہ کوئی سبز درخت نظر آتا ہے نہ کوئی چشمہ پانی کا۔

عرب کے قبائل

قادسیہ سے شقوق تک طول میں اور سماوا سے لیکر بصرہ کے جنگل تک عرض میں بنی اسد کے قبائل آباد ہیں پھر شقوق سے گزر کر جب دیار طے میں آجاؤ اور معدن نقرہ سے گزر جاؤ تو اسکے بائیں طرف سلیم کے قبائل ملیں گے اور دائیں طرف جہنیہ کے۔ اور مکہ و مدینہ کے درمیان بکر بن وائل کے قبائل اور مضر کے قبائل آباد ہیں اور مکہ کے شرق میں بنو ہلال اور بنو سعد اور ہذیل کے قبائل آباد ہیں اور طائف اور اسکے نواح میں بنی ثقیف اور اوطاس ہیں اور مکہ کے غرب میں مذحج وغیرہ مضر کے قبائل ہیں۔ بصرہ کے نواح میں سب سے زیادہ قبائل آباد ہیں اور انمیں سب سے زیادہ تمیم ہیں بحرین اور یمامہ تک اور قبیلہ طے کے بھی جنمیں سے حاتم طائی تھا اس نواح میں بکثرت ہیں یمن میں اکثر بنی حمیر اور انکے قبائل آباد ہیں۔ اب قبائل کے نام انکی نسلیں زیادہ پھیلجانے سے اور اور ناموں سے مشہور ہوگئے ہیں۔ خلیفہ اول کے عہد میں جو لشکر ملکوں کے فتح کرنیکو جمع کیا گیا تھا بیشتر یمن کے قبائل تھے اور بعد میں خلفار کے لشکروں کا خزانہ کوفہ اور بصرہ کے دوران کا نواح تھا اور پھر عراق عرب ہوگیا۔

عرب کے مقامات کی مسافتیں

کوفہ مدینہ سے بیس منزل ہے اور مدینہ سے مکہ تقریبًا دس منزل ہے۔ بصرہ سے مدینہ اٹھارہ منزل راور معدن نقرہ کے قریب کوفہ کا رستہ آملتا ہے۔ مدینہ سے بحرین تخمینًا پندرہ منزل۔ رقہ سے مدینہ بیس منزل اسی طرح مدینہ سے دمشق بیس منزل اور فلسطین بیس منزل اور مصر ساحل بحر کے رستہ سے بیس منزل شام اور عرب کا مصر سے کوئی جدا رستہ نہیں بلکہ دونوں کے رستے خشکی سے جانیوالوں کے لئے آپس میں ملجاتے ہیں اور یہیں سے تیہ بنی اسرائیل یعنی وہ بیابان کہ جسمیں وہ چالیس برس ٹکریں مارتے پھرے تھے شروع ہوتا ہے مدین سے نکلکر مصر اور فلسطین کے رستہ کی دو شاخ ہوجاتی ہیں۔ عدن سے مکہ تک دو رستہ ہیں ایک تو سمندر کے کنارہ کنارہ یہ دور کا رستہ ہے اور دوسرا صنعا، صعوہ جرش نجران طائف ہوکر یہ کم ہے تیسرا اور بھی رستہ ہے

لہ عرب کی قدیم تاریخ اچھی طرح معلوم نہیں مگر یہ ضرور ہے کہ سام بن نوح علیہ السلام کی کچھ اولاد عراق میں جا بسی تھی پھر ایک زمانہ کے بعد انپر حام کی اولاد غالب ہوگئی اور وہ تتر بتر ہوگئے کچھ تو شمال کی جانب آشور پہونچے اور بعض عرب کے رخ چل دیئے جنکو عرب کہنے لگے کس لئے کہ سامی زبان میں غین نہیں اس کی جگہ عین بولا جاتا تھا۔ بہرحال عراق سے خروج کرکے سام کی اولاد ملک عرب میں آبسی ایک زمانہ کے بعد ان میں مدیاں اور عیسو اور لوط کی نسل بھی مخلوط ہوگئی ادہر جنوبی ملک میں حام کی اولاد سے بھی خلط ہوا اسی لئے مختلف ناموں سے مختلف قبائل پیدا ہوئے اور پھر کچھ قبائل تو آفت ارضی و سماوی یا باہمی جنگ و جدل سے نیست و نابود ہی ہوگئے انکا نام و نشان بھی باقی نہ رہا اور کچھ کم ہوئے اور کم ہوتے ہوتے اور قبائل میں جا ملے انکے بھی اصلی قبیلہ کا نام و نشان باقی نہ رہا اس قسم کے قبائل کو بائدہ کہتے ہیں۔ انہیں میں سے عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح کا قبیلہ تھا دیکھو پن ۱۔ ۲۔ ۳۔ ۴، جو یمن میں آباد تھا اور انہیں میں کے بادشاہ نے باغ ارم لگایا اور بہشت بنائی تھی اور انہیں میں سے ثمود بن جاثر بن ارم بن سام کا قبیلہ تھا دیکھو پن ۱۔ ۲۔ ۳۔ یہ قبیلہ بھی یمن میں رہتا تھا لیکن انکو حمیر بن عبد شمس نے جسکا لقب سبا تھا وہاں سے نکالدیا اور پھر یہ شمالی عرب میں بمقام حجر آرہے تھے۔ اور انہیں بائدہ یعنے فنا شدہ قبائل میں سے قبیلہ طسم بھی ہے یہ لود بن سام کی اولاد میں سے تھا دیکھو پن ۱۔ ۲، اور انہیں فنا شدہ قبائل میں سے قبیلہ جدیس بھی ہے جو جاثر کی نسل سے تھا یہ دونوں قبیلہ ایک جگہ رہا کرتے تھے آخر کسی بات پر تلوار چلی اور برسوں چلی یہاں تک کہ دونوں قبیلوں کو نیست و نابود کردیا اور انہیں فنا شدہ قبائل میں سے جرہم اولے کا قبیلہ ہے اور انہیں میں سے قبیلہ عمالیق بن الیفاز بن عیسو ہے۔ یہ قبیلہ بنی اسرائیل کے عہد تک تھا۔ ان قبائل بائدہ کے صرف اشعار عرب کی زبان پر یادگار باقی ہیں اور انہیں سے کچھ کچھ انکے حالات بھی معلوم ہوتے ہیں۔ کل من علیہا فان ویبقےٰ وجہ ربک ذو الجلال والاکرام ۞ ۲ منہ

جو اس سے بھی کم ہے یہ تہامہ سے ہو کر پہاڑوں اور جنگلوں میں سے مگر یہ دشوار گزار ہے اس لئے ہر ایک نہیں جا سکتا۔
حضرموت اور مہرہ کے لوگ اپنے ملکوں کو عرضاً قطع کرتے ہوئے اس مقام پر آملتے ہیں جو مکہ اور عدن کے درمیان ہے عمان کے لوگوں کا رستہ مکہ تک خشکی سے دشوار گزار ہے اسلئے وہ جدہ تک دریا کے رستہ سے آتے ہیں اسی طرح عمان اور بحرین کا خشکی کی راہ سے دشوار گزار رستہ ہے عربوں کی باہمی مخالفت کیوجہ سے بحرین اور عبادان کا خشکی سے رستہ کف دست میدان ہونیکے سبب دشوار گزار ہے اسلئے دریا کے رستہ سے آتے جاتے ہیں۔ بصرہ سے بحرین اٹھارہ منزل ہے رستہ اچھا ہے پانی ملتا ہے مگر خطرناک ہے۔

عراق عرب

زمانہ قدیم میں دجلہ اور فرات کے درمیانی ملک کو یونانی مسوپوٹیمہ کہتے تھے۔ عراق اور جزیرہ دونوں اسی میں آگئے پھر انکی باہم یوں تقسیم کی گئی ہے کہ اسکا شرقی حصہ عبادان سے لیکر انبار تک وہ عراق عرب ہے اور انبار سے لیکر ملک شام کی جانب کہ جسمیں تہامہ اور میدان خساف بھی ہے اس ملک کو جزیرہ کہتے ہیں اور رمابس سے لیکر ایلہ تک حجاز کے رخ بتوک کے سامنے کا حصہ دیارطے تک کو بادیہ شام کہتے ہیں۔ عراق عرب کو قدماء کلدیہ بھی کہتے تھے۔

عراق کے مشہور مقامات

بغداد۔ دجلہ کے کنارہ پر آباد ہے۔ اسوقت اسمیں تخمیناً نوے ہزار یا لاکھ کے قریب آبادی ہے۔ بارونق شہر ہے خلفاء بنی العباس کے عہد میں یہ شہر دنیا کے شہروں پر فوقیت رکھتا تھا چنانچہ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ بغداد میں ساٹھ ہزار حمام علاوہ امراء کے حماموں کے تھے اور کئی لاکھ مسجدیں تھیں جنمیں امام اور موذن مقرر تھے اور شہر پناہ کے سترہ دروازے تھے ایک دروازہ سے دوسرے دروازہ تک کئی میل کا فاصلہ تھا۔ اس شہر کو ہلاکو خاں بن چنگیز خاں ملعون نے ساتویں صدی ہجری میں برباد کیا۔ اس کافر بادشاہ کو جو تاتاری تھا علامہ[1] نصیر الدین طوسی چڑھا کر لایا تھا۔

اس شہر میں بڑے بڑے بزرگان دین کے مزارات ہیں ازانجملہ حضرت سید عبدالقادر جیلانی کا مزار پاک ہے ازانجملہ حضرت امام اعظم کا مزار ہے اور شہر کے غربی رخ حضرت امام ہمام موسیٰ کاظم اور انکے پوتے حضرت محمد بن علی بن موسیٰ کا مزار پر انوار ہے۔ ابن خلکان کہتا ہے وکانت ولادۃ ابی الحسن موسیٰ الکاظم یوم الثلثاء قبل طلوع الفجر من شہور سنۃ تسع وعشرین ومأیۃ وتوفی خامس عشرین شہر رجب سنۃ ثلث وثمانین ومأیۃ وقیل انہ توفی مسموماً ودفن فی مقابر الشونیزیۃ خارج القبۃ وقبرہ ہناک مشہور مزار وعلیہ مشہد عظیم فیہ من قنادیل الذہب والفضۃ وانواع الآلات والفرش مالا یوجد وہی فی جانب الغربی۔ اور اسی جگہ کو کاظمین کہتے ہیں۔ مدائن جہاں ایوان کسریٰ ہے عجائب زمانہ میں سے ایک عمارت ہے بغداد کے قریب ہے اس شہر کی زبان عربی ہے مگر فارسی اور ترکی بھی مروج ہے یہاں یہود و نصاریٰ کا بھی مجمع ہے۔ سامرہ دجلہ کے کنارہ پر بغداد سے تخمیناً ستر میل شمال و مغرب میں ایک پر رونق شہر ہے اور اسکو سر من رای بھی کہتے ہیں اسجگہ حضرت امام علی نقی اور انکے پسر بزرگوار حضرت امام حسن عسکری کا مزار پاک ہے اور یہیں ایک غار بتلاتے ہیں جسکی نسبت شیعہ مشہور کرتے ہیں کہ اسمیں مہدی آخر الزماں جو بارہویں امام ہیں اور امام حسن عسکری کے پسر بزرگوار ہیں پانچ برس کی عمر میں بقول بعض نو برس کی عمر میں بقول بعض سترہ برس کی عمر میں اس غار میں خوف اعداء سے چھپے ہیں اور قیامت کے قریب نکلیں گے اور یہ واقعہ دو سو چھپتر ہجری کا ہے۔

[1] علامہ شیعہ تھا ابن علقمی وزیر بھی شیعہ تھا دونوں کی سازش سے خلافت بنی العباس کا خاتمہ ہوا ۱۲ منہ

کوفہ۔ بغداد سے جنوب ومشرق میں تخمیناً تین منزل ہے۔ کسی زمانہ میں یہ شہر بڑا آباد تھا اور مسلمانوں ہی نے اسکی بنیاد ڈالی تھی بغداد جون جون ترقی پاتا گیا یہ اجڑتا گیا۔ اب ایک معمولی قصبہ ہے۔

نجف کوفہ سے غربی رخ پانچ میل پر ایک شہر ہے کبھی یہ کوفہ کا ایک محلہ تھا۔ اس جگہ حضرت اسد اللہ الغالب علیؑ ابن ابی طالب کا مزار مقدس ہے چالیسویں سال ہجری میں رمضان کی ۱۹ شب میں تریسٹھ برس کی عمر میں شہید ہوئے۔ حضرت کی قبر ہارون رشید کے زمانہ تک مخفی تھی پھر تحقیق کر کے ہارون رشید نے اسجگہ ایک گنبد اور مسجد بنا دی ہے۔ اس قصبہ کو لوٹیرے بدوؤں کے ہاتھ سے مصیبت پہونچا کرتی تھی مگر حاجی محمد حسین خان صفہانی نے جو فتح علی شاہ قاچار شاہ ایران کا وزیر اعظم تھا بہت سا روپیہ صرف کر کے اسکی پختہ شہر پناہ بنوا دی جب سے امن ہو گیا اور آبادی بھی بڑھ گئی۔ اس سے پہلے نادر شاہ نے گنبد کو سنہری بنوا دیا تھا کہتے ہیں جواہر و اسباب طلائی و نقرئی جسقدر اس درگاہ میں ہے جو شیعوں نے نذر و نیاز میں بھیجا ہے اتنا کسی سلطنت کے خزانہ میں بھی نہو گا اور کوفہ کے نزدیک ایک اور جگہ ہے جسکو ذی الکفل کہتے ہیں یہاں حضرت حزقیل علیہ السلام کی قبر ہے جسکے پہلے متولی یہود تھے اب مسلمان ہیں ہر سال دور دراز سے یہود زیارت کو آیا کرتے ہیں۔

کربلائے معلےٰ۔ یہ بغداد سے جنوب ومغرب میں پچاس میل کے فاصلہ سے ایک آباد شہر ہے جو نجف سے بڑا ہے اور نجف سے یہ شمال ومغرب میں تخمیناً چالیس میل کے فاصلے پر ہے۔ فرات یہاں سے قریب ہے۔

حضرت امام حسینؓ کے عہد میں یہ ایک جنگل تھا جب حضرت کوفہ آتے ہوئے یزید کے لشکر سے اس مقام پر گھیرے گئے اور آپ اور آپکے ہمراہی یہیں شہید ہوئے اور آپکا اور آپکے ہمراہیوں کا یہیں مزار بنا تب سے ایک شہر بس گیا۔ آپکی شہادت کا واقعہ اکسٹھ ہجری میں محرم کی دسویں تاریخ ہوا اسوقت آپ کی عمر شریف چھپن برس کی تھی۔ یہاں کا گنبد بھی طلائی ہے شاہ فتح علی خاں کے عہد میں آقا محمد خان نے ۱۲۰۷ھ میں طلائی کرایا تھا۔ کاظمین کا گنبد بھی طلائی ہے یہ شہر کربلا دن بدن ترقی پر ہے آبادی عمدہ ہے بازار بھی خوب ہیں شہر کے وسط میں حضرت کی درگاہ ہے۔

رقہ۔ فرات کے کنارہ پر ایک قدیم قصبہ آباد ہے اسکے سامنے شمالی طرف میں پینسٹھ میل کے فاصلہ پر قصبہ حرّان واقع ہے اور رقہ سے غربی سمت تقریباً چوالیس میل مالبس ہے اور مالبس کے قریب صفین ہے کہ جہاں حضرت علیؑ اور امیر معاویہ میں لڑائی ہوئی تھی کربلا سے تخمیناً پچیس میل مشرق میں شہر حلہ ہے۔

لوگوں کا گمان ہے کہ قدیم شہر بابل کا حلہ ایک محلہ ہے جیسا کہ موصل نینوی شہر کا محلہ ہے۔

بصرہ۔ اسکے نیچے فرات اور دجلہ آکر باہم ملتے ہیں اور بحر فارس میں گرتے ہیں یہ شہر کبھی بارونق تھا مگر اب تو کھجور کی تجارت کی ایک بڑی منڈی ہے۔ بازار اور مکانات معمولی ہیں۔ زمین میں سیلابی کی وجہ سے نمی رہتی ہے گرمی بہت ہوتی ہے مچھر اور پسو بھی بیحد ہوتے ہیں۔

جزیرہ

مراصد الاطلاع میں ہے کہ جزیرۃ القور ہی التی بین دجلۃ والفرات وہا مجاور الشام تشتمل علے دیار مضر و دیار بکر سمیت الجزیرۃ لانہا بین دجلۃ والفرات وہما مقبلان من دیار الروم و ینحطان متبائنان حتے یلتقیان قریب البصرۃ ثم یصبان فے البحر وہی صحیحۃ الہواء بہا مدن جلیلۃ

وقلاع وحصون کثیرۃ من امہات مدائنہا حرّان والرہا والرقۃ وراس عین ونصیبین وسنجار والخابور ومار دین وآمد ومیافارقین والموصل وغیر ذلک۔ کہ جزیرہ اس ملک کو کہتے ہیں جو دجلہ اور فرات کے درمیان ہے اور اسکو یہ دونوں دریا گھیرے ہوئے ہیں اس لئے جزیرہ کہتے ہیں اور یہ دریا شام کے متصل ہیں اور دیار روم یعنی آرمینا سے آتے ہیں پھر موڑ کہاکر برابر مشرق کی طرف بہتے ہیں یہاں تک کہ بصرہ کے قریب آکر ملجاتے ہیں ربمقام قونہ جو بصرہ سے شرق میں ہے) اور بحر فارس میں جاگرتے ہیں جزیرہ میں دیار مضر اور دیا بکر شامل ہیں اور یہ صحت بخش ہے اسمیں بڑے بڑے قلعے اور شہر ہیں اور اس کے بڑے شہر یہ ہیں حرّان رہا رقہ راس عین نصیبین سنجار خابور ماردین آمد میافارقین موصل وغیرہ۔

یعنی غربی حصہ اس میان دو آب کا جو بڑا وسیع اور دو ثلث ہے اسکو جزیرہ کہتے ہیں اور شرقی حصہ کو عراق۔ قدیم زمانہ میں یہ ملک بڑی شہرت اور فوقیت رکہتا تھا۔ بابل اور نینویٰ کے بادشاہ اسی سرزمین کے تھے جو ایک وقت شاہنشاہ مانے جاتے تھے۔ انکی عمارات کے یادگار اب تک زمین سے برآمد ہوتے ہیں۔

اور اس میان دوآب کے شمال ومشرق کے ملک کو کردستان کہتے ہیں جسکو یونانی خارجیہ کہتے تھے یہ ایک مستطیل ٹکڑا ہے یہ بھی اس شہر میں شریک ہے۔ عراق عرب کو قدما کلدیہ کہتے تھے۔ کلدانی بادشاہ بخت نصر وغیرہ یہاں کے تھے اور کلدانی زبان اسی ملک کی قدیم زبان کا نام ہے جو اب بالکل متروک ہے۔ جزیرہ اور کردستان کے غرب شمال کے حصہ کو شمال میں بحر اسود تک اور غرب میں اس پہاڑی سلسلہ تک کہ جس میں سے دجلہ اور فرات نکلے ہیں۔ آرمینا کہتے ہیں۔ پھر پہاڑی سلسلہ سے غرب کے رخ سمندر تک یعنی بحر روم تک اور شمال میں بحر اسود تک کو ایشیاء کوچک کہتے ہیں اور اناطولی بھی۔ اس کا طول غرب سے شرق تک تخمینا ہزار میل ہے اور عرض جنوب وشمال میں چار سو میل سے پانسو میل تک ہے اور قدماء اسیکو روم کہتے تھے اسکے مشہور شہر۔ سمرنا یعنی ازمیر اور بروسا اور قونیہ اور پلمیرا اور آفس کہ جہاں اصحاب الکہف غاریں چھپے تھے اور جہاں دیانا۔ کا گنبد[1] تھا۔ ایشیاء کوچک اور یورپ کے اس بر اعظم کے بیچ کہ جس کے شرقی کونہ پر قسطنطنیہ ہے صرف سمندر کی ایک کھاڑی حد فاصل ہے جو تخمینًا ساٹھ ستر کوس لمبی اور کہیں دو کوس کہیں اس سے بھی کم چوڑی ہے جسکو ڈارڈینلز کہتے ہیں اسکا جنوبی سرا بحر روم سے ملتا ہے اور شمالی بحر اسود سے۔

پھر فرات سے لیکر سمندر کے کنارہ تک غرب میں اور شمال میں حلب سے لیکر جنوب میں حدود عرب تک کے قطعہ کو شام اور یونانی شیریہ کہتے ہیں جسکے غرب میں جزیرہ سائپرس ہے جسکو عرب قبرس کہتے ہیں جو تخمینًا ایکسو چالیس میل لمبا اور چالیس میل چوڑا ہوگا۔

شام کے حدود مختلف رہے ہیں کبھی فلسطین اور جزیرہ اور عراق کو شام کہتے تھے۔ شام کے مشہور شہر حلب دمشق حماۃ۔ حمص انطاکیہ وغیرہ ہیں۔ اور قدما اس ملک کو ارام بھی کہتے تھے

اس کے پانچ ضلعے ہیں۔ (۱) قنسرین (۲) حمص (۳) دمشق (۴) اردن (۵) فلسطین۔

فلسطین شام کے غرب جنوب میں ہے

یہ چھوٹا سا مستطیل قطعہ ہے جسکے غرب میں بحر روم ہے اور اسکو کنعان اور ارض مقدس بھی کہتے ہیں اسکا مشہور شہر یروشلم

[1] یہ گنبد عجائبات دنیا سے شمار ہوتا تھا ۱۲ منہ

یعنے بیت المقدس ہے اور اس کے ساحل پر بیروت، قیصریہ وغیرہ شہر آباد ہیں۔ یہ سمندر کے قریب قریب تخمیناً ڈیڑھ سو میل جنوب وشمال میں طویل اور تخمیناً چالیس پچاس میل شرق وغرب میں عریض ایک مستطیل ٹکڑا ہے مخروطی شکل جسکی نوک شمال میں ہے۔ اس ملک کے جنوب ومشرق میں جھیل مردار ہے جسکو عرب بحر منتنہ کہتے ہیں۔ اسی کے کنارہ حضرت لوط علیہ السلام کی بستیاں سدوم اور عمورہ وغیرہ تھیں جو انکی بدکاری سے الٹ گئیں۔ ان الٹی بستیوں کے آثار ابتک شام کے آنے جانے والوں کو نظر آیا کرتے ہیں وانہا لبسبیل مقیم اور اس ملک کے جنوب، وغرب میں وہ بیابان بھی ہے جسکو تیہ بنی اسرائیل کہتے ہیں۔ قلزم کی دونوں شاخوں کی جڑ سے لیکر شمال میں بحر روم تک تخمیناً سو میل طول اور شرقاً غرباً قلزم کے کناروں سے لیکر بحر المیت یعنی جھیل مردار کے کناروں تک یہیں بنی اسرائیل چالیس برس تک میدانوں میں ٹکراتے پھرے تھے۔ اس ملک کی زبان عبرانی اور شام کی سریانی اور کلدیہ کی کلدانی کہلاتی تھی۔

اب عموماً ان سب ملکوں کی زبان عربی ہے۔

یہ تمام ملک حضرت سلطان المعظم کے قبضہ میں ہیں۔ کسی زمانہ میں ان ملکوں میں متعدد سلطنتیں تھیں جزیرہ کی جدا اور عراق کی جدا اور کردستان کی جدا اور آرمینا کی جدا اور ایشیاے کوچک کی جدا اور فلسطین کی جدا۔ اور عجب یہ ہے کہ ہر ایک ملک کے بادشاہ پاس بے شمار فوج اور شاہی سامان تھا۔ خاص فلسطین کو دیکھو کہ اس کے فرمانروا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد سے بخت نصر شاہ بابل کی چڑھائی تک بنی اسرائیل تھے حضرت داؤد وسلیمان علیہ السلام بھی انہیں فرمانرواوں میں سے نینوی اور بابل کے بادشاہوں کی دولتمندی مشہور رہے۔ اسوقت یہ ملک بڑے آباد اور سرسبز تھے جنکے کاریزوں اور نہروں کے ڈھنٹے پھوٹے نشان ابتک پائے جاتے ہیں۔ یہ ملک سردسیر اور شاداب ہیں آب ہوا معتدل۔ سردی میں بعض مقامات پر برف بھی پڑتی ہے۔ ان ملکوں میں میوے بکثرت ہیں اور آبادی بہت ہے یہ قومیں زیادہ آباد ہیں۔

(۱) ترکمان یہ قبائل ان تمام ممالک میں پھیلے ہوئے ہیں (۲) کرد (۳) اعراب جنکو بدو کہتے ہیں۔ عیسائی اور یہودی قومیں بھی ہیں مگر یہ تینوں قومیں بہادر اور جنگجو اور قوی ہیں۔ اگر یہ بدامنی نہ پیدا کریں تو ان ممالک میں پھر اور کوئی بدامنی نہیں پیدا کر سکتا یہ ممالک روئے زمین پر اسلئے فخر کر سکتے ہیں۔

(۱) سلطنت وحکومت کی بنیاد طوفان نوح کے بعد یہیں پڑی۔ اور بڑے بڑے بادشاہ نامور یہیں سے اٹھے۔

(۲) طوفان کے بعد حضرت نوح علیہ السلام اور انکی اولاد کا یہی وطن ہے یہیں سے نکلکر اور ملکوں میں پھیلے۔

(۳) حضرات انبیاء علیہم السلام کا یہی مولد ہے اسی سرزمین سے نامور انبیاء اٹھے مگر ان سب کے بعد عرب سب پر فوقیت لیگیا کس لئے کہ اس سرزمین سے حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوے اور حکمت وعلوم اور ایمان ومعرفت کے چشمے اسی ملک سے نکلے۔

بخت نصر اور نینوی کے بادشاہوں۔

اور بنی اسرائیل کے بادشاہوں کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تین سو تینتیس ۳۳۳ برس پیشتر یونانی بادشاہ سکندر اکبر ان ملکوں پر

مسلط ہوا۔ اسکے بعد اردشیر بابکان کے عہد تک عراق و جزیرہ میں یونانی قابض تھے اور بعد میں دور تک رومی مالک تھے شام اور فلسطین پر بھی رومیوں کا قبضہ تھا حضرت عیسٰے علیہ السلام کے عہد تک اور اسکے بعد زمانہ اسلام تک۔ مگر ایران اور عراق کے کچھ حصوں پر اردشیر اور اسکے جانشین ایرانی بادشاہ مسلط تھے۔ ہمارے حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد میں روم یعنی ایشیاے کوچک اور شام کا دجلہ تک ہرقل مالک تھا اور ایران اور اسکے نواح کا کسرٰی اور جزیرہ میں غسان قوم کے عرب قیصر کی طرف سے فرمانروا تھے۔

عرب میں ایک زمانہ میں بنی حمیر کی سلطنت تھی اور مدتوں تک باقی رہی۔ یہانتک کہ اسلام سے کچھ آگے ذونواس کا حبش کے رہنے والے نجاشی نے خاتمہ کیا اور نائب جسکو ابرہہ کہتے تھے اور نجاشی خانہ کعبہ کی بے ادبی سے غارت ہوا اسکے بعد اسکا بیٹا یکسوم بادشاہ ہوا اسکو سیف بن ذی یزن حمیری نے انوشیروان کی مدد سے ہلاک کیا اور وہ بھی ایک حبشی کے ہاتھ سے مدت تک سلطنت کرنے کے بعد مارا گیا اسکے بعد انوشیرواں نے اپنا گورنر مرزبان یمن پر بھیجدیا۔ اسکے بعد مرزبان کا بیٹا خرخرہ حاکم یمن ہوا اور ہرمز نے اسکو معزول کردیا اور اسکی جگہ باذان کو بھیجدیا یہ باذان یمن پر اسلام کے زمانہ تک حکومت کرتا رہا یہانتک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یمن کے حاکم بناکر معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بھیجے گئے۔

ادہر یمامہ اور بحرین واطراف کوفہ و بصرہ میں یمن کے بادشاہوں کی خودسری سے ایک مستقل سلطنت ہوگئی تھی انوشیروان کے عہد میں اس سلطنت کا مالک نعمان بن المنذر تھا۔ اور یہ بادشاہ مجوس تھے اور شاہان ایران کے تابع تھے۔ اسلام سے دو ایک صدیوں پہلے عرب میں طوائف الملوکی ہوگئی تھی۔ قبائل آپس میں لڑا کرتے تھے۔ حرب البسوس بھی اسی زمانہ کی جنگ ہے پھر اسلام کا آفتاب بلند ہوا تو عرب پر سایہ افگن ہو کر عراق و شام وغیرہ ممالک پر قبضہ کرتے ہوئے مشرق میں چین تک اور مغرب میں اندلس تک جا پہونچا اور اپنا قدم جمادیا۔ وللہ الحمد حمدًا کثیرا۔

مطبوعہ دہلی پرنٹنگ ورکس چاوڑی بازار دہلی

بتصحیح فقیر محمد عبد التواب چشتی غفرلہ از مدرسہ امینیہ دھلی

ولقد یسرنا القرآن للذکر فهل من مدکر

الحمد للہ والمنۃ کہ تفسیر نادر زمانہ موضح اسرار قرآن مجید بطرز محققانہ یعنی

تفسیر فتح المنان

مشہور بہ

تفسیر حقانی

جلد ہشتم

یہ جلد ایک پارہ عم تیساؤن کی تفسیر ہی جسمیں اعجاز قرآنیہ کا اظہار ہو

المجلد الثامن

(سورہ نبأ مکیہ ہے اسمین چالیس آیات دو رکوع ہین)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ۝ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ۝ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ۝ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝

وہ کیا پوچھ رہے ہیں؟ کیا وہ بڑی خبر؟ (حادثۂ قیامت)، کہ جس میں وہ اختلاف کر رہے ہیں ایسا نہ کرنا چاہئے عنقریب جان لیں گے (ہم) پھر کہتے ہیں ایسا نہ کرنا یا عنقریب جان لینگے

ترکیب

عمّ اصلہ عن ما فادغمت النون فی المیم وحذفت الالف لیتمیز الخبر عن الاستفهام وکذلک فیم وبم۔ والاستفهام فی اللفظ فی المعنی تفخیم القصة کما تقول ای شئ تزید اذا عظمت شانہ عن النبأ العظیم عن بدل من الاولی والف الاستفهام التی ینبغی ان تعاد محذوفة وعن الاولی متعلقة بیتساءلون وقیل عن الثانیة متعلقة بفعل محذوف غیر مستفهم عنہ ای یتساءلون عن النبأ علی ہذا التقدیر عن النبأ جواب الاستفهام کما فی قولہ تعالی لمن الملک الیوم للہ الواحد القہار الذی ہم فیہ مختلفون الموصول صفة للنبأ بعد وصفہ بکونہ عظیما۔

تفسیر

اس سورت کو سورہ تساؤل اور سورہ نبأ بھی کہتے ہیں یہ بالاتفاق مکے میں نازل ہوئی ہے اس میں چالیس یا اکتالیس آیات دو رکوع ہیں اسکی مناسبت سورۂ مرسلات سے مسئلہ معاد میں ہے اور ہجرت سے پہلے یہی مسئلہ زیادہ تر مبحوث عنہا تھا۔

شان نزول اس کا یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں مبعوث ہوئے اور آن انسانی اعمال کی جزا و سزا کے منکروں کو ایک آنے والے دن کی خبر دی کہ ایک دن آنیوالا ہے جس میں یہ دنیا زیر و زبر ہو جائیگی اور انسان بار دگر زندہ ہونگے اور اُن کے نیک و بد اعمال کی اُن کو جزا و سزا ملے گی (یہ خبر عقلمند کے نزدیک البتہ بڑی خبر ہے۔ کس لئے کہ شتر بے مہار ہو کر نفسانی خواہشوں کو پورا کرنیوالوں اور پھر سلسلہ حیات کو اسی حیات پر تمام سمجھنے والوں کو ایک سخت پریشانی کا سبب اور نہایت فکر کی بات ہے) تب وہ کفار بار بار تعجب کی راہ سے حضرت نبی علیہ السلام سے دریافت کرتے تھے کہ کب وہ دن ہے اور یہ کیونکر ہوگا کہ بوسیدہ ہڈیاں پھر زندہ ہونگی؟ اُن کے اس سوال اور تعجب کا ان آیات میں ذکر کرتا ہے۔

فقال عم یتساءلون کہ یہ لوگ کیا پوچھ رہے ہیں؟ خدا تعالی کو معلوم تھا جس چیز کا وہ سوال کرتے تھے۔ مگر یہ ایک محاورہ ہے کہ جب کوئی بڑی بات پوچھتا ہے یا چاہتا ہے تو کہتا ہے تو کیا پوچھتا ہے۔ کیا چاہتا ہے یعنی یہ پوچھنے اور چاہنے کی چیز نہیں۔ تساؤل باہم سوال کرنا ایک دوسرے سے پوچھنا۔ یہ پوچھنے والے کون تھے؟ بظاہر کفار تھے کہ تعجب و انکار و تمسخر کی راہ سے آپس میں چرچا کرتے اور پوچھتے تھے۔ فراء کہتے ہیں تساؤل بات چیت کو بھی کہتے ہیں گرچہ باہم سوال و جواب نہو کما فی قولہ تعالی واقبل بعضہم علی بعض یتساءلون قال قائل منہم انی کان لی قرین یقول ائنک لمن المصدقین اس تقدیر پر یہ معنے ہیں کہ وہ آپس میں کس چیز کا چرچا کرتے ہیں؟

شان نزول

یعنی یہ چرچا کرنے اور تعجب و انکار کرنے کی بات نہیں بلکہ مان لینے کی چیز ہے ۔ جمہور کے نزدیک یہ پوچھنے یا چرچا کرنیوالے کفار تھے کس لئے کہ اس کے بعد کلا سیعلمون اور ہم فیہ مختلفون میں ضمیریں کفار کی طرف پھرتی ہیں اس لئے یتسآءلون کی ضمیر بھی ان ہی کی طرف پھرنی چاہئے دوسرا قول یہ ہے کہ مسلمان و کفار باہم ایک دوسرے سے پوچھتے تھے ۔ کفار مسلمانوں پر شبہات پیش کرتے تھے وہ جواب دیتے تھے تیسرا قول یہ ہے کہ مسلمان و کفار سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتے تھے مسلمان اس لئے کہ اور بھی یقین قوی ہو جاوے اور کفار تمسخر کی راہ سے یا شکوک و شبہات وارد کرنے کی غرض سے ۔

ف اس جگہ تکرار کلام محض وعدہ و توبیخ کے لئے ہے

پھر آپ ہی فرماتا ہے عن النبإ العظیم الذی ہم فیہ مختلفون اُس بڑی چیز سے سوال کرتے ہیں کہ جس میں اختلاف کر رہے ہیں یعنی کیا وہ بڑی خبر پوچھ رہے ہیں ؟ جس کا پوچھنا اور تعجب کرنا لازم نہیں لفظ عظیم اس طرف اشارہ کر رہا ہے کہ وہ تو ایک بڑی بھاری بات ہے اسکی عظمت دلوں پر خود بخود اثر ڈال رہی ہے بشرطیکہ دلوں پر حجاب ظلمانی اس اثر سے روکنے والے نہوں اور جملہ ہم فیہ مختلفون بھی اسی طرف اشارہ کر رہا ہے کس لئے کہ اختلاف کرنا اس بات کی صریح دلیل ہے کہ اس بڑی خبر کے بطلان پر بھی انکے پاس کوئی برہان قاطع اور تسلی بخش دلیل نہیں بلکہ محض توہمات ہیں پھر انکے زور پر الہامی باتوں پر اسقدر انکار اور اصرار حماقت ہے ۔

نبأ عظیم کی تفسیر

نبا ۔ کے معنی ہیں خبر ۔ نبأ عظیم بڑی خبر ۔ وہ کیا ہے ؟ اس میں تین قول ہیں اول قیامت اور اس پر چند دلیل ہیں (۱) یہ کہ بعد میں فرمایا ہے سیعلمون جس سے تہدید مراد ہے اور تہدید قیامت میں زیادہ متحقق ہے (۲) یہ کہ بعد کی آیات میں الم نجعل الارض مہادا الخ میں وہ دلائل بیان فرمائے ہیں جو اسکی قدرت و جبروت انعام و افضال کے نمونہ ہیں جن سے قیامت برپا کرنے پر اپنا قادر ہونا ثابت کرنا مقصود ہے (۳) یہ کہ لفظ عظیم ایک اور جگہ بھی قرآن میں قیامت پر اطلاق ہوا ہے بقولہ تعالیٰ الا یظن اولئک انہم مبعوثون لیوم عظیم یوم یقوم الناس لرب العالمین و قولہ تعالیٰ قل ہو نبأ عظیم انتم عنہ معرضون دوسرا قول یہ کہ نبأ عظیم سے مراد قرآن شریف ہے اور اس میں اِن کا اختلاف تھا کوئی اسکو سحر کوئی شعر گوئی اگلوں کے قصے کہتا تھا اور نیز نبأ جسکے معنی خبر کے ہیں قرآن سے زیادہ چسپاں ہیں کس لئے کہ قرآن خبر دیتا ہے برخلاف قیامت کے کہ وہ مخبر عنہ ہے تیسرا قول یہ کہ اس سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ہے اور وہ بڑی چیز ہے جسنے دنیا میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا پہلے قانون اور رسم و رواج پلٹ دیئے پرانی بادشاہتیں غارت کر کے نئی قایم کر دیں ان ہی باتوں سے اُن کفار کو جو دقیانوسی خیالات کے پابند اور پرانی لکیر کے فقیر تھے آنحضرت کی نبوت میں اختلاف تھا ۔ اختلاف بمعنی انکار

مختلفون کی تفسیر

قیامت کا اکثر عرب کو انکار تھا اور تعجب سے کہتے تھے ۔ اذا متنا و کنا ترابا ذلک رجع بعید ۔ اور کچھ قائل بھی تھے ۔ نصاریٰ معاد جسمانی کے منکر تھے صرف معاد روحانی کے قائل تھے بلکہ اب بھی ہیں یہود کے بعض فرقے بالکل قیامت کے منکر تھے اور ہنود تناسخ کے پیرایہ میں سزا و جزا کے قائل ہیں پھر قیامت کی کیفیت میں بھی سخت اختلاف تھا بعض کہتے تھے کہ مرکر انسان کی روح جنوں یا فرشتوں میں ملجاتی ہے اور اسی کا نام قیامت ہے پھر اُس عالم میں اِس جسم سابق میں آنا محال ہے اور نہ یہ آسمان و زمین فنا ہونگے نہ عناصر بلکہ جس طرح یہ قدیم ہیں اسیطرح ابدی بھی ہیں البتہ ان سے باہم ترکیب پاکر جو چیزیں پیدا ہوتی ہیں وہ حادث ہیں اور وہی فنا پذیر بھی ہیں ۔ ان سب کے جواب میں فرماتا ہے کلا سیعلمون تمہارے خیالات صحیح نہیں عنقریب یعنی مرنیکے بعد تمکو معلوم ہو جاویگا ثم ہم پھر کہتے ہیں کلا تمہارے خیالات صحیح نہیں سیعلمون تمکو قیامت اور اسکی اصلی کیفیت عنقریب معلوم ہو جاویگی کس لئے کہ دنیا روزے چند ہے ۔

اَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡاَرۡضَ مِهٰدًا ۙ﴿۶﴾ وَّ الۡجِبَالَ اَوۡتَادًا ۙ﴿۷﴾ وَّ خَلَقۡنٰكُمۡ اَزۡوَاجًا ۙ﴿۸﴾ وَّ جَعَلۡنَا نَوۡمَكُمۡ سُبَاتًا ۙ﴿۹﴾ وَّ جَعَلۡنَا الَّيۡلَ

کیا ہم نے زمین کو بچھونا اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنا دیا اور ہمنے تمکو جوڑے جوڑے پیدا کیا اور تمہاری نیند کو آرام بنا دیا اور رات کو

لِبَاسًا ۙ﴿۱۰﴾ وَّ جَعَلۡنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۪﴿۱۱﴾ وَّ بَنَيۡنَا فَوۡقَكُمۡ سَبۡعًا شِدَادًا ۙ﴿۱۲﴾ وَّ جَعَلۡنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ۪ۙ﴿۱۳﴾ وَّ اَنۡزَلۡنَا مِنَ الۡمُعۡصِرٰتِ

اوڑھنا بنا دیا اور ہمنے دن روزگار کے لئے بنایا اور تمہارے اوپر سات مضبوط (آسمان) بنائے اور چمکتا ہوا چراغ بنایا اور ہمنے برستے بادلوں سے

مَآءً ثَجَّاجًا ۙ﴿۱۴﴾ لِّنُخۡرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّ نَبَاتًا ۙ﴿۱۵﴾ وَّ جَنّٰتٍ اَلۡفَافًا ﴿ؕ۱۶﴾

پانی کا ریلا اتارا تاکہ اس سے اناج اور گھانس اور گھنے باغ اگاویں

ترکیب

الاستفھام للتقریر ای جعلنا۔ الارض مفعول اول ومھادا مفعول ثان لجعلنا والجعل بمعنی الخلق وفیہ معنی التقدیر والتسویۃ وقیل بمعنی التصییر والمھاد جمع مھد بمعنی الفراش قرأ الجمھور بالجمع وقری مفردًا۔ اوتادا جمع وتد ای میخ، وخلقناکم معطوف علی المضارع المنفی داخل فی حکمہ ازواجًا حال ای متجنسین متشابھین جمع زوج۔ سباتا قال الزجاج السبات ان ینقطع عن الحرکۃ والروح فی بدنہ وحاصل المعنی الراحۃ ای جعلنا نومکم راحۃ لکم معاشا منصوب علی الظرفیۃ والمعاش مصدر میمی بمعنی المعیشۃ شدادا جمع شدیدۃ ای قویۃ محکمۃ وہاجا والوھاج المضیئی من قولھم وہج الجوہر ای تلألأ المعصرات فیہا قولان الاول وہو احدی الروایتین عن ابن عباس وقول مجاہد ومقاتل وقتادہ والکلبی انہا الریاح التی تثیر السحاب ومن بمعنی الباء والمعنی انزلنا بالریاح المثیرۃ للسحاب الثانی وہو الروایۃ الثانیۃ عن ابن عباس اختیار ابی العالیۃ والربیع والضحاک انہا السحاب بوجوہ منہا انہ قال المؤرج المعصرات السحائب بلغۃ قریش ماء موصوف ثجاجا صفۃ والمجموع مفعول انزلنا والثجاج شدۃ الانصباب یقال ثج الماء ای سال بکثرۃ وثجہ ای اسالہ فیکون لازمًا ومتعدیًا الفافا ای بساتین ملتفۃ۔ قال صاحب الکشاف انہ لا واحد لہ کالاوزاع والاخیاف الجماعات المتفرقۃ والجماعات المختلطۃ والآخرون اثبتوا لہ واحدا ثم اختلفوا فیہ فقال الاخفش والکسائی واحدہا لف بکسر اللام وقیل بضمہا وقال المبرد واحدہا لفاء جمعہ لف وجمع لف الفاف وقیل جمع لفیف کشریف واشراف والمعنی ان کل جنۃ فیہا الاشجار المجتمعۃ المتقاربۃ یقال امرأۃ لفاء اذا کانت غلیظۃ الساق مجتمعۃ اللحم یبلغ من تقاربہا ان یتلاصق۔

تفسیر

اس دن یا اس خبر کی عظمت بیان فرما کر اسکے بعد چند دلائل بیان فرماتا ہے جو اسکی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کا کافی ثبوت کرتی ہیں اور جن سے یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ وہ قادر مطلق اور حکیم برحق ہے عالم کو درہم برہم کر کے ایک دوسرا اور عالم پیدا کرنے پر قادر ہے اور اس عالم کو فنا کر کے دوسرے عالم کے پیدا کرنے میں جو کچھ اسکی حکمت ہے اسکی کیفیات وخصوصیات تک عقول بشریہ کو رسائی نہیں پھر ایسی چیزوں سے سوال کرنا محض نادانی ہے اور یہ وہ چیزیں ہیں جنکے بنانے میں ذرا بھی کسیکو شرکت نہیں۔ یا یوں کہو کہ وہ دن جسکی وہ خبر پوچھتے اور اسکے آنے کی جلدی کرتے ہیں وہ یوم الفصل ہے جیسا کہ بعد میں بیان ہوتا ہے ان یوم الفصل الخ جس دن مطیعوں اور نافرمانوں میں بالکل امتیاز ہو جائیگا نہ مکان میں شرکت نہ کھانے پینے کے کسی سامان میں شرکت باقی رہیگی نہ اسباب تعیش وموجبات راحت میں برخلاف دنیا کے کہ یہاں ان سب چیزوں میں مؤمن و کافر مطیع عاصی سب شریک ہیں پھر یہاں وہ دن کیونکر آسکتا ہے اسلئے جلدی کرنا اور سوال کرنا عبث ہے اور نیز یوم الفصل کی حقیقت بھی فی الجملہ بیان کر دیگی کہ وہاں یہ

آسمان ہونگے جو آج تیر قائم ہیں نہ یہ آفتاب ہوگا نہ یہ زمین ہوگی نہ یہ پہاڑ ہونگے جنکے نفع میں سب شریک ہیں نہ ان بدلیوں سے پانی برسے گا۔ باغوں اور نباتات کی روئیدگی کے اور یہی سامان ہونگے۔ نہ یہ رات اور دن ہونگے جن میں رات کو پڑ کر بے خبر سوتے اور دن کو روزی تلاش کرتے پھرتے ہیں اُن کے سوال کا بھی فی الجملہ جواب دینا مقصود تھا اسلئے اسکے بعد یہ نو چیزیں بیان کرتا ہے جنپر دنیا اور اسکی زندگی مربوط ہے فقال (۱) الم نجعل الارض مہاداً کہ کیا ہمنے زمین کو تمھارے رہنے چلنے پھرنے کے لئے فرش نہیں بنایا؟ ضرور بنا دیا۔ اگر زمین ہوا کی طرح خفیف اور پانی کیطرح نرم اور آگ کی طرح گرم ہوتی تو تم کہیں اسپر بس سکتے تھے؟ ہرگز نہیں۔ پھر ہمارے اس انعام میں مؤمن و کافر سب ہی تو شریک ہیں برخلاف دار آخرت کے کہ وہاں مطیعون کے رہنے کی اور جگہ ہے نافرمانوں کی اور اس سے یہ بھی تم غور کرسکتے ہو کہ جس قادر مطلق نے کرۂ ارض کو ایسا بنایا کیا وہ اسکو فنا نہیں کرسکتا؟ اور نئی زمین نہیں بنا سکتا۔ ضرور بنا سکتا ہے جو دنیا کے گھر کا فرش ہے جس پر ہوائیں اڑنے اور رہنے چلنے کیلئے (۲) والجبال اوتاداً کیا ہمنے پہاڑوں کو میخیں نہیں بنا دیا؟ ضرور بنا دیا جس سے یہ فرش ہلتا نہیں۔ اسمیں بھی کافر و مومن سب شریک ہیں اور پہاڑوں سے جو کچھ نفع ہیں سب اپنے حصہ پا رہے ہیں برخلاف یوم الفصل کے۔ پھر کیا وہ قادر مطلق جس نے پہاڑوں میں ثقل پیدا کرکے زمین کو ڈگمگانے اور ہلنے جلنے سے محفوظ رکھا وہ ایک روز اسکو ہلا نہیں سکتا واذا رجت الارض رجا۔

حکماء حال کے نزدیک زمین حرکت کرتی ہے جیسا کہ اور ستارے اپنے مدار پر گھومتے ہیں یہ بھی دورہ تمام کرتی ہے انکے نزدیک بھی ان آیات سے انعام الٰہی اور اسکی حکمتِ بالغہ کا کافی ثبوت ہے کس لئے کہ اب اس طرح حرکت کرتی ہے کہ اسپر رہنے والوں کو کچھ بھی لغزش نہیں جیسا کہ کشتی میں پتھر ڈالدینے سے وہ ادہر ادہر ڈگمگاتی نہیں اور ایک خاص انداز پر چلتی ہے زمین کے فرش بنانے اور پہاڑوں کو میخیں بنانے سے ان کے نزدیک یہی مراد ہے اور یہ اس کا بڑا انعام اور قدرت کاملہ کا نمونہ ہے۔

یہ فرش بناکر اسکو یوں ہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ (۳) وخلقناکم ازواجاً تمکو اے بنی آدم جوڑے جوڑے پیدا کیا مرد کا جوڑا عورت اور عورت کا مرد بنایا تاکہ اس فرش پر رہیں اور اولاد جنیں اور پھولیں پھلیں۔ اس نعمت میں بھی کافر و مومن سب ہی شریک ہیں ازواج کے معنیٰ اور بھی عام ہیں کہ صفات کے لحاظ سے ایک کے مقابلہ دوسرا ہے بادشاہ ہے تو فقیر بھی ہے غنی ہے تو مفلس بھی ہے نیک ہے تو بدکردار بھی ہے حسین ہے تو بدشکل بھی ہے کالے ہیں تو گورے بھی ہیں عقلمند ہیں تو احمق بھی ہیں علیٰ ہذا القیاس۔ اس میں اسکی قدرت کاملہ کا اظہار ہے کہ جسنے ایک ہی فرش پر ایک ہی مادہ سے کیسی مختلف چیزیں بنا دیں۔ اور نیز انسان کو اسکی فطرت اور آفرینش میں مجبوری بھی دکھا دی اور ثابت کر دیا کہ انسان کو جو ہمنے قدرت دی ہے وہ محدود ہے اپنے اندر بھی فطری چیزوں میں تغیر نہیں کرسکتا۔ پھر کیا وہ قادر مطلق تمکو بارِ دگر پیدا نہیں کرسکتا اور تمھارا یہ اختلاف تو صاف صاف کہہ رہا ہے کہ تمہارے مختلف اعمال کی جزا و سزا کا ایک اور گھر ہے۔ پھر اس دنیا کے فرش پر تمکو کس طرح سلایا (۴) وجعلنا نومکم سباتاً اور ہمنے تمھاری نیند کو تمہارے لئے راحت بنا دیا اگر رات کو یا دن کو انسان اچھی طرح نہ سوئے اور نوم غریق نہ آوے جسکو سبات کہتے ہیں یا سرے سے نیند ہی نہ آوے اور جو آوے تو غریق نہ ہو بلکہ نیم خوابی سی ہو تو پھر دیکھئے حضرت انسان کی کیا حالت ہوتی ہے؟

اس میں بھی کافر و مؤمن سب شریک ہیں برخلاف یوم الفصل کے کہ وہاں مجرموں کو نیند کہاں۔ بیقراری اور سوزش میں نیند کب آتی ہے؟ دنیا کی یہ بیفکری کی نیند یاد کرکے رویا کریں گے۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ نعمت ہے اس کا شکر یہ کرو بقدر ضرورت اس سے کام لو پھر طلب معاش یا یاد الٰہی میں وقت گزارو نہ یہ کہ سو سو کر عمر گزار دو۔ اور نیز یہ موت کا بھی ایک نمونہ ہے کہ ابھی تو باتیں کرتے تھے یا چٹ پٹ سو گئے دنیا سے غفلت ہوگئی۔ گویا مرگئے۔

پھر جو تمکو ہر روز مارتا اور ہر روز جلاتا ہے پھر کیا وہ موت کی نیند کے بعد اس خواب سے بیدار نہ کریگا؟ جسپر کہیں گے من بعثنا من مرقدنا۔ ضرور کریگا اور اصل بیداری وہی ہوگی اس جہان کی بیداری بھی خواب ہے بلکہ خواب پریشان (۵) وجعلنا الیل لباسا اور ہم نے رات کو اوڑھنا بنا دیا یعنی پردہ رات پردہ دار ہے اس پردہ میں کوئی برائی کرتا ہے کوئی بھلائی چور چوری کرتا ہے۔ زناکار چھپکر زنا کرتا ہے عابد و زاہد نماز تہجد اور مراقبہ و ذکر میں بیٹھا ہوا ہے اور نیند کا وقت بھی رات ہی ہے۔ ستر کی وجہ سے رات کو لباس کہنا استعارہ ہے۔

ف کسی نے ابن عباسؓ سے دریافت کیا کہ نکاح دن میں بہتر یا رات میں؟ آپنے فرمایا رات میں کس لئے کہ رات کو بھی قرآن میں لباس کہا ہے اور عورت کو بھی ہن لباس لکم اس لئے عورت اور اسکے نکاح کو رات ہی مناسب ہے۔ ایک لباس کو دوسرے سے مناسبت ہے یہ اسکی پانچویں نعمت ہے پھر جسنے تمکو یوں راحت سے سلایا اور جگا کر بھوکا نہیں رکھا بلکہ (۶) وجعلنا النہار معاشا اور ہمنے دن کو تمھاری روزی کے لئے بنایا۔ اس میں بھی کافر و مؤمن سب شریک ہیں برخلاف اس دن کے کہ نیک بہشتوں میں آرام کرتے ہونگے بد جہنم میں جلتے ہونگے روزی تلاش کرنا کجا اہل دنیا کی فطرت میں ہے کہ رات کو سوتے اور دن کو معاش کے کاروبار میں مصروف ہوتے ہیں اگر ہمیشہ رات رہتی یا ہمیشہ دن رہتا تو عافیت کا دائرہ تنگ ہو جاتا۔ آفتاب اور دیگر سیارات کی گردش یا کہو زمین کی آفتاب کے گرد حرکت جیسا کہ حکماء جدید کا خیال ہے اس طرح اور اس نظام سے کہ رات اور دن پیدا ہوں اس کی قدرت اور حکمت کی دلیل ہے پھر جو ان اجرام کو ایک خاص ارادے پر حرکت دے رہا ہے کیا اس کے نزدیک بار دگر پیدا کرنا مشکل ہے؟ ہرگز نہیں۔

یہ دنیا کی حاصل کار باتیں تھیں یعنی رات کو سونا اور دن کو روزی کے دھندے میں لگنا اس میں غافل عمر تمام کر جاتے ہیں ان دو مشغلوں کے سوا دار آخرت کی فکر تک نہیں۔ اب اس گھر کی چھت کا حال بیان فرماتا ہے (۷) وبنینا فوقکم سبعا شدادا کہ ہمنے تمھارے اوپر سات چھت مستحکم بنائیں جو زمانے کے گزرنے سے ہرگز پرانی نہیں ہوتیں اور نہ ان میں کوئی قصور و فتور واقع ہوتا ہے ابتک ویسے ہی ہیں۔ اس کاریگری کی یہ کاریگری قابل غور ہے وہ سات چھت کیا ہیں سات آسمان کہ جنہیں سات ستارے دورہ کرتے ہیں اور ان ستاروں کی تاثیر حرارت و برودت روشنی و تاریکی سے سب نیک و بد فائدہ اٹھاتے ہیں بخلاف یوم الفصل کے کہ وہاں نیکوں کے لئے جنت میں چھت کی جگہ بلند مرتبہ لوگوں کے مکان ہیں جنکی روشنی انپر پڑتی ہوگی اور وہ بلند مرتبہ حضرات انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام ان ماتحتوں کی ترقی میں مدد کریں گے اور بدوں کو جہنم کے طبقات احاطہ کئے ہونگے اور یہی انکی چھت ہوگی اور کفار اپنے ظلمات کفر میں اپنے سے اوپر والوں کو اور بھی زیادہ عذاب میں مبتلا سمجھیں گے۔

حکماء حال کے نزدیک سبع شدادا سات ستارے ہیں جو یکے بعد دیگرے قایم ہیں اور اپنے مدار پر حرکت کرتے ہیں اور جس فضا میں یہ حرکت کرتے ہیں وہ انکے آسمان ہیں مگر کوئی دوربین ابتک ایسی نہیں پیدا ہوئی جو اسقدر دور دراز کی فضا کو جس میں اجرام لطیفہ ہیں محسوس کر سکے پھر آسمان کا انکار محض مکابرہ ہے۔

اب اس دنیا کے گھر کا چراغ بھی ضرور تھا اس لئے فرماتا ہے (۸) وجعلنا سراجا وہاجا اور ہم نے چمکتا ہوا چراغ بھی بنا دیا دن کو آفتاب رات کو ماہتاب اور ستارے جنکے نور سے نیک و بد برابر نفع اٹھاتے ہیں برخلاف یوم الفصل کے کہ جنت میں آفتاب کی روشنی کی ضرورت نہ ہوگی اور جہنم میں سرے سے کوئی روشنی ہی نہ ہوگی اندھیرا ہی اندھیرا ہوگا۔ اور نیز یہ بھی اسکی قدرت کاملہ کی برہان ہے کہ آفتاب میں یہ نور دیا اور پھر ان ستاروں کے انوار میں یہ فرق پیدا کر دیا کہ کسی کی روشنی گرم ہے تو کسی کی سرد۔ پھر کیا وہ حکیم اس جہان میں نیکو اور بدوں کو جزا و سزا نہیں دے سکتا؟ ضرور دیسکتا ہے اور دیگا۔ یوں ہی معطل نہ چھوڑے گا۔

اس کے بعد اس جہان میں جو بندوں کی راحت کا سبب ہے اسکو بھی بیان فرماتا ہے کہ ایسا گھر بنا کر ہم تمکو اس تدبیر سے کھانا کھلاتے ہیں فقال (۹) وانزلنا من المعصرات ماءً ثجاجاً کہ ہم بادلوں سے پانی کا ریلا اتارتے ہیں۔ بادلوں سے پانی کا برسنا اور وہ بھی اس طرح سے کہ چھوٹی چھوٹی بوندیں برستی ہیں اسکی حکمت و قدرت کی دلیل ہے۔ حکماء نے کہا ہے کہ آفتاب کی حرارت سے زمین سے ابخرات اوپر چڑھتے ہیں اور ہوا کے بارد طبقہ میں جاکر جم جاتے ہیں پھر ان سے پانی برستا ہے۔ یہ ٹھیک مگر اس سلسلہ اسباب میں جو کچھ کاریگریاں ہیں انکو تو دیکھو جہاں عقل حیرت میں آکر یہی کہدیتی ہے کہ تو ہی مسبب الاسباب ہے تیرے ہی ہاتھ ہیں ۔۔۔۔ ہر کام کی ڈوریاں ہیں پھر یہ پانی بیکار نہیں بلکہ اس لئے ہے لنخرج به حبًا ونباتا وجنات الفافا کہ اس سے ہم اناج پیدا کرتے ہیں جو لے ابن آدم تمہارے کھانے میں آتا ہے ۔اور نبات بھی پیدا کرتے ہیں یعنی جڑی بوٹیاں کہ جن میں تمہارے چارپایوں کی بھی غذا ہیں اور دوائیں تمہارے بھی کام آتی ہیں اور کچھ ان میں سے خوشبو اور مصالح کا کام دیتی ہیں اور جنات الفافا اور گھنگے باغ اگاتے ہیں جن میں طرح طرح کے میوے پیدا ہوتے ہیں اور انکی سبزی و شادابی تمہاری عشرت و فرحت کا سبب ہے۔ اب دیکھو ایک پانی ہے اس سے کیا کیا مختلف چیزیں پیدا ہوتی ہیں یہ اسکی قدرت کی دلیل ہے۔ اس میں بھی کافر و مومن برابر نفع اٹھاتے ہیں کوئی امتیاز نہیں برخلاف اس جہان کے کہ وہاں نیکوں کے اعمال و اعتقادات و احوال کے باغ و انہار اور میوے بنکر سامنے آوینگے اور بدوں کے اعمال بد اور عقاید فاسدہ زقوم و ماء حمیم بنکر ظاہر ہونگے ۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اس جہان میں تمام منافع میں شرکت ہے امتیاز کلی نہیں۔ بلکہ اس جہان کی فنا و تخریب کے بعد ایک اور جہان ہوگا جہاں بدوں کو نیکوں کے ساتھ کسی راحت اور نفع میں شرکت نہ ہوگی پس وہ دن فیصلہ کا ہے اور وہیں جزا و سزا کامل ہے اور وہی فصل یعنی امتیاز کلی کا بھی دن ہے۔

ف ان آیات میں جس طرح اس عالم کے منافع میں شرکت عمومی بیان کی گئی کہ جو یوم الفصل کے برخلاف ہے اسی لئے یہ جہان دار جزا و سزا ہو بھی نہیں سکتا بلکہ ایک اور جہان کا انتظار کرنا چاہیے جسکی تمام انبیاء علیہم السلام خبر دیتے چلے آئے ہیں اور جسکی اول منزل ہر ہر فرد انسانی کے لئے موت ہے اور سب کے لئے اس جہان کی تخریب جسکو آیندہ بیان فرماتا ہے اور جسکی نسبت سوالات کرنا اور تعجب کرنا عقل کی کوتاہی ہے اسی طرح ان آیات میں اسکی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ اور نعمت شاملہ کا بھی ہر فرد انسانی کے لئے ثبوت ہے جس سے یہ بتلایا جاتا ہے کہ تم اس محسن اور قادر مطلق حکیم برحق کی نافرمانی کرتے ہو اور ان نعمتوں میں اور معبودوں کو شریک ٹھیرا کر ملزم[1] بنتے ہو توہمات فاسدہ کے گھوڑے دوڑاتے ہو یہ کمال ناسپاسی اور پوری نمک حرامی ہے جسکی سزا ابدی جہنم ہے اور نیز ان آیات میں حیات و موت اور بقا و فنا کا بھی نقشہ دکھایا ہے۔ مثلاً آفتاب طلوع کرتا ہے پھر نصف النہار پر اپنے کمال کو پہنچتا ہے پھر ڈھلنا شروع ہوتا ہے آخر غروب ہو جاتا ہے اور دنیا میں روشنی کی جگہ اندھیرا چھا جاتا ہے یہی حال انسان کا ہے کہ پیدا ہوتا ہے اور جوانی کی حد تک پہنچکر ڈھلنا شروع ہوتا ہے آخر ایک روز زمین کے پردے میں یہ چمکتا ہوا مہتاب غروب ہو جاتا ہے اور اس کے وجود عارضی پر ایک عدم کی اندھیری رات چھا جاتی ہے یہاں تک کہ اسکا نام و نشان بھی باقی نہیں رہتا پھر جس طرح ایک مدت معین کے بعد آفتاب بارد گر طلوع کرتا ہے اسی طرح یہ مہ پارہ بھی نئی دنیا اور دوسرے جہان میں پھر طلوع کرے گا اور اسی طرح پانی سے سبزہ لگنے میں بھی حیات و موت کا نمونہ ہے، پانی کے قطرے سے یہ پیدا ہوتا ہے جو اس کے ماں باپ کی ٹپکتی بدلیوں سے برسا تھا پھر اس سے ایک بوٹا اگھا اور کیا کیا جوانی اور لڑکپن کی بہاریں آئیں آخر پژمردہ ہوتا چلا اور سوکھ کر زمین پر گر پڑا اور ہوا میں اسکی ریزے ریزے اوڑتے پھرے۔ اسی طرح رات اور دن خواب و بیداری بھی نمونہ ہیں۔

---

[1] بھلا کوئی بتلائے تو سہی کہ ان چیزوں میں سے کونسی کسی اور معبود نے بنائی ہے یا بنانے میں مدد دی ہے پھر وہی معبود واحد قابل پرستش ہے ۱۲ ع یعنی اس جہان کا برباد ہونا دوسرے جہان کیلئے سب کیلئے یہی منزل ہے ۱۲ منہ

إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيقَاتًا ۝ يَوْمَ يُنفَخُ فِي الصُّورِ فَتَأْتُونَ أَفْوَاجًا ۝ وَفُتِحَتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا ۝

بے شک فیصلہ کا دن معین ہو چکا ہے جس دن صور پھونکا جاوے گا تو تم جوق جوق چلے آؤ گے اور آسمان کھولا جاوے گا تو اس میں دروازے بن جاویں گے اور

وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ۝ إِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ۝ لِّلطَّاغِينَ مَآبًا ۝ لَّابِثِينَ فِيهَا أَحْقَابًا ۝

پہاڑ اڑائے جاویں گے تو ریتا ہو جاویں گے بیشک دوزخ تو شریروں کی تاک میں ہے انکا ٹھکانا ہونے کے لئے اس میں قرنوں پڑے رہیں گے

لَّا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا وَلَا شَرَابًا ۝ إِلَّا حَمِيمًا وَغَسَّاقًا ۝ جَزَاءً وِفَاقًا ۝ إِنَّهُمْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ حِسَابًا ۝

نہ وہاں کسی ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے اور نہ کسی پینے کی چیز کا مگر گرم پانی اور زخموں کی پیپ پورا پورا بدلہ ملے گا کیونکہ وہ حساب کی توقع نہ رکھتے تھے

وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كِذَّابًا ۝ وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ كِتَابًا ۝ فَذُوقُوا فَلَن نَّزِيدَكُمْ إِلَّا عَذَابًا ۝ ع

اور ہماری آیتیں بے باکی سے جھٹلایا کرتے تھے اور ہم نے ہر چیز قلمبند کر رکھا ہے پھر ان سے کہا جائیگا لو چکھو سو ہم تمہارے لئے عذاب ہی زیادہ کرتے رہیں گے

ترکیب

کان میقاتا الجملۃ خبر ان یوم الفصل اسمہا یوم ینفخ بدل من یوم الفصل او عطف بیان۔ الصور اما جمع الصورۃ فالنفخ فی الصور عبارۃ عن نفخ الارواح فی الاجساد واما ہی عبارۃ عن قرن ینفخ فیہ افواجا حال من فاعل تاتون وہی جمع فوج لے جماعات جماعات والفاء فی فتاتون فصیحۃ وفتحت معطوف علی ینفخ وصیغۃ الماضی علی تحقق الوقوع وقیل عطف علی فتاتون مرصادا خبر کانت والمرصاد اسم للمکان الذی یرصد فیہ کالمضمار للمکان الذی یضمر فیہ الخیل وکذا المنہاج۔ وقیل مفعال من الرصد والمفعال من ابنیۃ المبالغۃ کالمعطار علی ہذا ان جہنم ترصد اعداء اللہ وتشہق علیہم للطاغین ان قلنا ان جہنم مرصاد للکفار فقط فکان قولہ للطاغین من تمام ما قبلہ ای جہنم کانت مرصاداً للطاغین ثم قولہ مآبا بدل من قولہ مرصادا وان قلنا انہا مرصاد للکفار وللمومنین ثم قولہ علی مرصادا وکان للطاغین مآبا کلاما مبتدءًا مآبا خبر ثان لکانت للطاغین متعلق بہ او بمحذوف او بکانت المآب المرجع یقال آب یؤب اذا رجع۔ لابثین منصوب علی الحال المقدرۃ من الضمیر المستکن فی الطاغین۔ واحقابا منصوب علی الظرفیۃ وہی جمع حقب بضمتین وہو الدہر والاحقاب الدہور وتقدیر الحقب عند اہل اللغۃ ثمانون سنۃ واصل الحقب الترادف والتتابع یقال احقب اذا اردف لا یذوقون الجملۃ حال من الضمیر فی لابثین او صفۃ لاحقابا او مستانفۃ لبیان ما اشتملت علیہ من انہم لا یذوقون فی جہنم او فی الاحقاب برداً ولا شرابا۔ برد خنکی آب یا ہوا۔) وقیل النوم والشراب الماء جزاء وفاقا اے موافقا لاعمالہم فوفاقا صفۃ لجزاء اما علی حذف المضاف اے ذا وفاق واما علی المبالغۃ ونصب جزاء علی انہ مفعول مطلق من فعل محذوف قال الفراء والاخفش جازیناہم جزاء وافق اعمالہم وقال الزجاج جوزوا جزاء وفاقا۔ قال الفراء الوفاق جمع الوفق والوفق والموافق واحد انہم کانوا الجملۃ مستانفۃ وتعلیل لاستحقاقہم الجزاء المذکور۔ وکل شئی منصوب علی الاشتغال ای احصینا کل شئی وقری بالرفع علی انہ مبتدا ما بعدہ خبرہ کتابا فی نصبہ وجوہ احدہا انہ تمییز من احصینا والثانی انہ حال ای مکتوبا فی اللوح والثالث انہ مصدر من معنی الاحصاء والتجوز اما فی المصدر او فی الفعل اذ یراد بالاحصاء والکتب الضبط

تفسیر

اسکے بعد قیامت کے چند احوال بیان فرماتا ہے (۱) ان یوم الفصل کان میقاتا کہ فیصلے کا دن موقت و معین ہو اس وقت سے پہلے

تمھارے انکار و صرار کیوجہ سے آ نہیں سکتا کس لئے کہ اسوقت کے لئے چند چیزیں لازم ہیں اوّل یہ کہ ارواح کا بار دیگر ابدان سے تعلق دوئم یہ کہ جب تک یہ تمام کارخانہ دنیا درہم برہم نہوا اور اسکے گھر کی چھت اور فرش اور قندیل اور اسکے سامان رزق و راحت جنکا آج فائدہ عام ہے منقطع نہ کر دیئے جاویں اور تمام آنے والی روحیں اس گھر میں آکر فائدہ نہ اٹھالیں اس وقت تک قیامت نہیں آئیگی میقاتاً کے یہ بھی معنے ہیں کہ یوم الفصل میقات یعنی حد ہے اس عالم کے تمام ہونیکی یا وقت ہے ان چیزوں کا کہ جنکا اللہ نے وعدہ کیا ہے یا وقت ہے اجتماع خلایق اور معاملات کے فیصلہ کا۔

میقات کے لفظ میں انکے سوالات کا جواب بھی ہے کہ کیوں جلدی کرتے ہو اور کس لئے تعجب کی راہ سے پوچھتے ہو آخر ہر ایک بات کی حد بھی تو ہوتی ہے دنیا کا حادث ہونا جب تمکو ان سب دلائل مذکورۂ بالا سے ثابت ہوگیا تو یہ جان لینا کچھ بھی مشکل نہیں کہ ہر حادث کی انتہا اور حد بھی ہے ایک روز یہ کارخانہ تمام بھی ہونا ہے پس وہی قیامت ہے اور وہ اس دنیا کی انتہائی حد ہے

(۲) یوم ینفخ فی الصور اس دن صور پھونکا جاویگا۔ پہلے صور پھونکنے سے تمام دنیا الٹ پلٹ ہو کر نیست و نابود ہو جاویگی جیساکہ اس صور اول کے حالات بعد کی آیات میں آتے ہیں اور چونکہ وہ حالات اور واقعات ہولناک ہیں اس لئے اُن کو بعد میں جداگانہ بیان فرماتا ہے اس کے بعد بار دیگر صور پھونکا جاویگا۔ اور صور ایک بگل یا ترہی کیسی مجوف چیز ہے۔ حضرت اسرافیل اس میں پھونک مارینگے جسکی سخت آواز کی تاثیر سے یہ عالم خراب ہوگا۔ اسکے بعد بار دگر پھونکیں گے تو اسکی تاثیر سے تمام ارواح اپنے اپنے اجسام سے متعلق ہو جاوینگی اور اجسام گو ریزے ریزے ہو گئے تھے مگر وہ ریزے باقی تھے جمع ہو جاوینگے تب ایک بار دگر زندہ ہوگا اور فتاتون افواجا تم سب کے سب جوق جوق تخت رب العلمین کی طرف عدالت کے لئے آ ؤگے۔ افواجا کے معنے کی قرآن مجید میں بہت جگہ تشریح آئی ہے ایک جگہ آیا ہے یوم یحشر اعداء اللہ الی النار فہم یوزعون ایک جگہ ہے واذا النفوس زوجت ایک جگہ ہے یوم ندعوا کل اناس بامامہم اور احادیث میں بھی تفصیل و تشریح بہت کچھ ہے۔ پس نیکوں کی جدا جماعت ہوگی۔ بدوں کی جدا۔ پھر نیکوں میں سے نمازیوں کی جدا۔ صدقات وخیرات دینے والوں کی جدا۔ صابروں کی جدا تو شاکروں کی جدا۔ رات میں چھپ کر عبادت کرنے والوں کی جدا۔ مجاہدین کی جدا۔ اشاعت علم و دین کرنے والوں کی جدا۔

بدوں میں مشرکوں کی جدا۔ پھر مشرکوں میں سے آفتاب پرستوں کی جدا۔ اصنام پرستوں کی جدا۔ ارواح غیر مرئیہ سے مدد مانگنے والوں کی جدا تو بہمات پرستوں کی جدا۔ حضرات انبیاء و اولیاء علیہم السلام کے پوجنے والوں کی جدا ملائکہ کے پوجنے والوں کی جدا جنون بھوتوں سے مدد مانگنے والوں کی جدا۔ پھر زناکاروں کی جدا تو ظالموں کی جدا۔ دغابازوں جھوٹ بولنے والوں کم تولنے والوں کی جدا جماعت ہوگی۔ ہر ایک جماعت کا نشان ہوگا اور اسپر لکھا ہوگا کہ یہ فلاں جماعت ہے ہر ایک جماعت عدالت میں حاضر ہوگی اور اپنے اعمال کا بدلہ پاویگی۔

اسکے بعد صور اول کی کیفیات بیان فرماتا ہے (۳) وفتحت السماء فکانت ابوابا اور آسمان کھولے جاویں گے تو اس میں دروازے ہو جاویں گے اسکے معنے میں مفسرین کے کئی قول ہیں اوّل یہ کہ صور پھونکنے سے آسمان میں دراڑیں پڑ جاوینگی جنکو دروازوں سے تعبیر کیا ہے۔ اور یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی مستحکم گول چھت گرتی ہے تو پہلے اس میں دراڑیں پڑ جاتی ہیں۔ دوئم یہ کہ ملائکہ کے لشکر نازل ہونے کے لئے جو دنیا کے خراب کرنیکو آئینگے آسمان میں بہت دروازے ہو جاویں گے۔ یہ دنیا کی چھت گرنے کا حال تھا جسکو سبعاً شداداً سے تعبیر کیا تھا اسکے بعد فرش کے اٹھائے جانے کا حال بیان فرماتا ہے (۴) وسیرت الجبال فکانت سرابا کہ پہاڑ اڑائے جاوینگے اور ریزہ ریزہ ریتے کی مانند ہو جاویں گے یہ وہ

پہاڑ تھے جو زمین کی میخیں تھیں پھر جب وہ نہ رہے تو زمین کہاں ؟ ان دونوں کے ضمن میں باقی اور چیزوں کی فنا بھی بیان ہوگئی کس لئے کہ جب آسمان و زمین نہ رہیں گے تو انکے اندر رہنے والے کہاں ؟

اس کے بعد پھر صور دوم کے بعد کے حالات بیان فرماتا ہے جو دربار الٰہی میں پیش ہونیکے بعد ظاہر ہونگے سب سے اول بدوں کے حالات بیان فرماتا ہے جو دنیا میں اسدن کو بھول بیٹھے تھے اور شہوات و لذات میں فریفتہ ہو کر حق سبحانہ سے باغی ہوگئے تھے اب دربار الٰہی اور عدالت ربانی سے ان کے لئے کیا حکم ہوتا ہے ! فقال (۵) ان جہنم کانت مرصادًا للطاغین مآبا کہ جہنم سرکشوں یعنی بدکاروں مشرکوں کافروں کی تاک میں ہوگی ۔ منتظر ہوگی کہ کب میرے منہ کا لقمہ ہوتے ہیں آخر اس میں ڈالے جادینگے اور یہی ان کا ٹھکانا ہوگا اور ٹھکانا بھی ایک دو گھڑی کے لئے نہیں بلکہ (۶) لابثین فیہا احقابا ۔ سالہا سے دراز اور قرنوں اور مدتوں اس میں جلیں گے ۔ کافر و مشرک تو ابدالآباد وہاں رہیں گے اور ایماندار گنہگار ایک زمانے کے بعد نکل آئیں گے ۔ افسوس حیات دنیا تو چند روزہ تھی دس بیس پچاس ساٹھ ستر اسی ۔ سو دو سو برس جہاں لذات و شہوات کے مزے اڑاتے تھے اس کے بدلے یہاں ہزاروں لاکھوں برس بلا میں مبتلا ہونا پڑا ۔ کیا برا سودا کیا ۔ اور کیا بری کمائی کر کے آئے گھڑی دو گھڑی کے ایسے مزے پر پھٹکار جسکے بدلے برسوں گوناگوں عذاب اور تکالیف بھگتنی پڑیں کوئی عاقل ایسا نہیں کریگا مگر اس جہاں میں غفلت اور شیطانی تخیلات کے پردے عقلوں پر پڑے ہوتے ہیں جن کے اٹھانے کو حضرات انبیا علیہم السلام دنیا میں آتے اور کتاب الٰہی ساتھ لائے ۔

پھر اس جہنم میں کیا ہوگا ؟ لایذوقون فیہا بردًا ولا شرابا الا حمیما وغساقا کہ وہاں ان بدبختوں کو کوئی ٹھنڈک میسر نہ آئے گی ۔ نہ ٹھنڈا پانی نہ سرد ہوا نہ سرد مکان نہ سرد لباس سرد کھانے نہ ٹھنڈک دینے والی چیزیں آنکھوں کے سامنے ہونگی ۔

بعض علماء فرماتے ہیں برد سے مراد نیند ہے ۔ عرب میں برد کا اطلاق نوم پر بھی ہوتا ہے کہ اس مصیبت میں انکو نیند نہ آویگی اور استعارہ کے طور پر چکھنے کی نفی کر کے یہ بتلا دیا کہ ذرا بھی ٹھنڈک میسر نہ آئیگی دل بھر کر تو کجا ۔ نہ بدن کی ٹھنڈک نہ دل کی ٹھنڈک نہ آنکھوں کی ٹھنڈک نہ کانوں کی ۔ لفظ کو عام رکھنا بہتر ہے اور شراب سے مراد پانی ہے کہ اور تو کیا جو دنیا میں ہلکی چیز ہے یعنی پانی جو قیدی اور خونی کو بھی پلا دیا جاتا ہے وہاں انکو وہ بھی نصیب نہ ہوگا بلکہ اس کے بدلے الا حمیما کھولتا ہوا پانی جو منہ جھلس دے وہ ملیگا اور کہانے کو وغساقا جہنمیوں کے زخموں کی پیپ حمیم اور غساق کے معنے میں مفسروں نے بہت کچھ کلام کیا ہے ۔

اور یہ کس لئے جزاء وفاقا یہ ان کا پورا بدلہ ہوگا ۔ شہوت و حب جاہ و مال کی آگ جو دل میں بھڑکا کرتی تھی وہی تو یہ آگ ہے ۔ اب اس سزا اور کامل جزا کے مستحق ہونے کی وجہ بیان فرماتا ہے کہ ان کو یہ سزا کیوں دیگئی فقال انہم کانوا لایرجون حسابا کہ وہ حساب کی توقع نہ رکھتے تھے واضح ہو کہ نفس انسانیہ کو دو قوتیں عطا ہوتی ہیں ۔

اول ۔ قوت نظریہ کہ حقیقت الامر کو ٹھیک ٹھیک دریافت کرے ۔

دوسری قوت علمیہ کہ اس صحیح دریافت کے موجب عمل بھی کرے جنکی یہ دونوں قوتیں درست ہیں وہ سعادت مند ہیں اور جن کی یہ دونوں قوتیں فاسد ہیں وہ شقی ہیں ۔ سو ان کفار کی قوت علمیہ کا فاسد ہونا تو اس جملہ سے بیان فرما دیا اور اسی لئے کسی گناہ کا نام نہیں لیا کہ اسکی وجہ سے ان کو یہ دن نصیب ہوا حالانکہ بہت سے گناہ تھے بلکہ عموماً قوت علمیہ کا فساد ظاہر فرمایا اور وہ اس لئے کہ انسان جب اپنے اعمال پر باز پرس اور حساب کا اعتقاد نہیں رکھتا تو نفس کی خواہشوں کے پورا کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتا ۔ کوئی گناہ ہو اس کے نزدیک

کچھ بھی بڑی بات نہیں۔ اور کسی نیک کام کی مشقت بھی سر پر نہیں رکھتا۔ بازپرس اور حساب ہی کا خیال انسان کو ہر ایک بدی سے روک دیتا ہے اور نیکی کو عمل میں لانے پر تحریک کرتا ہے جن قوموں میں یہ اعتقاد نہیں وہ برائی میں کوتاہی نہیں کرتیں نیکیوں سے دور رہتی ہیں۔ عیسائیوں میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ ہمارے تمام گناہوں کے عوض حضرت مسیح علیہ السلام کفارہ ہو گئے۔ اب ہم سے کچھ بازپرس نہیں پھر شراب خوری اور زناکاری اور عیاری کا کونسا کام ہے جو ان سے رہ گیا ہے۔

قوت نظریہ کا فساد اس جملہ سے ثابت کرتا ہے وکذبوا بآیتنا کذابا اور ہماری آیات کو عام ہے کہ آیات قرآنیہ ہوں یا آیات قدرت ہوں سب کو جھٹلایا اور خوب ہی جھٹلایا یعنے حق کے منکر اور باطل پر مصر تھے اس سے معلوم ہوا کہ روارت و فساد میں حد سے بڑھ گئے تھے اس لئے جزاء وفاقا کے مستحق ہوئے۔

اس کے بعد یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ ہم نے ان کی شقاوت کے اصول بیان کر دیئے ورنہ جزئیات اعمال اور ہر ایک بات جو وہ کرتے تھے اور ہر ایک اعتقاد باطل جسکے وہ پابند تھے وہ بھی ہمیں سب معلوم ہیں کس لئے وکل شیئ احصیناہ کتابا کہ ہر شئے کو ہمنے گھیر رکھا ہے ہر ایک چیز ہمارے احاطۂ علم میں ہے اور علم بھی کیسا کہ اسکو دفتر غیب میں لکھ رکھا ہے اس سے ثابت ہوا کہ جزئیات کا علم تفاصیلہا خصوصیاتہا کیفیاتہا وکمیاتہا حق سبحانہ کو حاصل ہے اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جس طرح ان کے اعمال واقوال واعتقادات ایک ایک ہمکو معلوم ہیں اسی طرح ہر ایک کے مناسب وقتاً فوقتاً جو جو سزائیں ہونگی وہ بھی ہم کو معلوم ہیں اس لئے جزاء وفاق دیا جانا صحیح بات ہے گویا اس جزاء وفاق کی یہ بھی ایک دلیل ہے جس میں ضمناً منکروں کے شبہ کا بھی رد ہے کہ خدا کو ہمارے ہر روز کے کام اور خیالات کیونکر معلوم ہیں۔ اور معلوم ہیں تو اس وقت کیونکر یاد رہیں گے۔ پھر جب یہ نہیں تو جزاء وفاق کا دعویٰ غلط ہے خلاصہ جواب یہ ہے کہ ہمکو ہر شئے معلوم ہے اور معلوم بھی کس طرح کہ ہمنے اسکا احصار کر لیا ہے جو کمال علمی اور علم کا اعلیٰ مرتبہ ہے اور احصار بھی اس قسم کا ہے کہ وہ دفتر غیب میں درج ہے جہاں نسیان و ذہول کا گزر بھی ممکن نہیں۔ وہ کچھ ایسا لکھنا نہیں کہ جیسا دنیا کے دفتروں میں قلم سے کاغذ پر لکھا جاتا ہے جس میں تلف ہو جانے کا خطرہ باقی رہتا ہے بلکہ وہ ایک ثبوت علمی ہے اور عالم غیب میں چھپ جانا اور نقش ہو جانا ہے اور وہ لوح علمی ہمیشہ اسکے حضور میں رہتی ہے۔

جب یہ ہے تو ہر ایک عمل بد اور قول بد اور اعتقاد فاسد پر ہم وقتاً فوقتاً ایک سزا اس کے مناسب دینگے فلن نزیدکم الا عذابا اور یہ بھی ہے

کہ جوں جوں بیمار کا زمانہ مرض دراز ہوتا جاتا ہے تکلیف پر تکلیف بڑھتی جاتی ہے۔ اسی طرح جہنمیوں کے عذاب کی کیفیت

ہوگی۔ لحہ بہ لحہ عذاب اور دکھ بڑھتا جاوے گا۔ اور اس میں اس طرف بھی تعریض ہے کہ اے منکر و بد کارو

جس طرح باوجود پند و نصیحت کے تم دم بدم سرکشی اور بدی میں بڑھتے جاتے ہو آگے ہی

پاؤں رکھتے ہو پیچھے نہیں ہٹاتے اسی طرح تمہیں دم بدم عذاب زیادہ ہوتا جاویگا

کسلئے کہ ہم کہہ چکے ہیں جزاء وفاقا اعمال کے موافق جزا دیجاویگی فلن نزیدکم

جو فاء کیساتھ کلام صادر ہوا گویا اسی تمام کلام سابق کو مدلل

کر کے نتیجے کے طور پر ثابت کر دیا یہ

کمال بلاغت ہے!

إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا ۝ حَدَائِقَ وَأَعْنَابًا ۝ وَكَوَاعِبَ أَتْرَابًا ۝ وَكَأْسًا دِهَاقًا ۝ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا كِذَّابًا ۝

ضرور پرہیزگاروں کو کامیابی ہے (ان کیلئے) باغ ہیں اور انگور اور نوجوان ہم عمر عورتیں اور پیالہ چھلکتا ہوا نہ وہاں بیہودہ بات سنیں گے اور نہ مکر جانا

جَزَاءً مِّن رَّبِّكَ عَطَاءً حِسَابًا ۝ رَّبِّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمَٰنِ لَا يَمْلِكُونَ مِنْهُ خِطَابًا ۝

آپ کے رب کی طرف سے (انکو) بدلہ دیا جائیگا (اور) انعام گن گن کر جو رب ہے آسمانوں اور زمین کا اور (انکے اندر کی سب چیزوں کا جو بڑا رحم و کرم کرنیوالا ہے انکو اسے بات کرنیکا مقدور نہ ہوگا

ترکیب

مفازا اسم ان وللمتقین خبرہا والمفاز مصدر میمی بمعنے الفوز والظفر بالمطلوب والنجاۃ من الہلاک ولذا یطلق المفازۃ علی الفلاۃ[1] تفاولاً بالخلاص منہا وقیل الفوز النجاۃ والہلاک ایضا فاطلاق المفازۃ علی الفلاۃ حقیقی حدائق بدل من مفازا بدل الاشتمال او بدل الکل علے طریق المبالغۃ۔ وہی جمع حدیقۃ[2] ہی کل بستان محوط علیہ من قولہم احدقوا بہ اے احاطوا بہ وکذا اعنابا معطوف علی حدائق وہی جمع عنب (انگور) وکواعب عطف علی اعنابا وہی جمع کاعبۃ وہی الناہدۃ[3] التی تکعبت ثدیہا ای استدرات مع ارتفاع اترابا صفۃ کواعب وہی جمع ترب بالکسر ہمزاد[4]۔ یقال ہذہ ترب ہذہ وہن اتراب صراح۔ وکاسا موصوف دہاقا صفتہ عطف علی کواعب۔ الکاس جام باشراب مونث جمعہ کوؤس۔ واذا لم تکن فیہا خمر فلیس بکاس۔ دہاق بالکسر جام پر وہاق پر کردن جام را وبر ریختن آب را (صراح) لایسمعون الجملۃ حال من الضمیر فی خبران ویجوزان یکون مستانفا والضمیر فی فیہا یرجع الی الکاس ای لایجری بینہم لغو فی الکاس التی یشربونہا بخلاف کاس الدنیا وقیل یرجع الی الجنۃ ای لایسمعون فی الجنۃ مایکرہونہ کذابا بالتخفیف اے کذبا وبالتشدید اے تکذیبا من واحد لغیرہ۔ بخلاف۔ مایقع فی الدنیا عند شربہا الخمر جزاء منصوب علی انہ مصدر ای جازاہم جزاء من ربک صفۃ لہ عطاء بدل منہ حسابا مصدر اقیم مقام الوصف او باق علی مصدریۃ مبالغۃ او ہو علی حذف مضاف وفی معناہ کلام طویل قیل معناہ کافیا ماخوذ من قولہم اعطانی ما احسبنی ای ماکفانی وقیل معناہ بقدر ما وجب لہ فیما وعدہ من الاضعاف ماخوذ من قولہم حسبت الشی اذا اعددتہ وقدرتہ وقیل معناہ کثیرا۔ والاول ارجح وفی القاموس حسبک درہم کفاک وشیٔ حساب کاف ومنہ عطاء حسابا۔ رب السموات الخ بالرفع علی الابتداء وفی خبرہ وجہان احدہما الرحمن فیکون ما بعدہ خبرا آخر او مستانفا والثانی الرحمن نعت ولایملکون الخبر ویجوزان یکون رب خبر مبتداء محذوف ای ہو رب السموات الرحمن وما بعد مبتداء وخبر ویقرأ رب والرحمن بالجر بدلا من ربک لایملکون الجملۃ مستانفۃ لما تفیدہ الربوبیۃ العامۃ من العظمۃ والکبریاء۔

تفسیر

دار آخرت میں اشرار و بدکاروں کی جو حالت ہوگی اس کو بیان کرکے ابرار و صلحاء کا حال بیان فرماتا ہے تاکہ بیان پورا ہو جاوے یا یوں کہو کہ بدکاروں کے حق میں بیان فرمایا تھا کہ ان کو عذاب دم بدم زیادہ ہوگا۔ اسکی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ پرہیزگاروں کو جو ہر دن نئے عیش و کامرانی میں دیکھیں گے اور بھی دل جلیں گے گویا یہ روحانی عذاب ہوگا اس لئے پرہیزگاروں کا حال بیان فرماتا ہے فقال ان للمتقین مفازا کہ ضرور بالضرور پرہیزگاروں کو وہاں ہر طرح کی کامیابی اور سعادت اور حیات جاودانی اور کامرانی حاصل ہے ایسی

[1] فلاۃ صحرا خالی از آب وخورش ۱۲ منہ [2] وہ باغ جسکی دیوار ہو ۱۲ منہ [3] یعنی پستان ابھری ہوئی ہوں ۱۲ منہ [4] ہم سن اور ہم عمر ۱۲ منہ

کچھ شبہ نہ کرنا چاہئے۔ متقی کون ہے؟ جو عقائد درست کرنے کے بعد بری چیزوں سے بچے اور جنکا حکم ہے انکو کرے۔ پھر تقوے کے چند مراتب ہیں۔ اول مرتبہ توحید اور ایمان ہے اس مرتبہ میں ہر مومن متقی ہے۔ گو وہ گناہگار ہی کیوں نہو۔ دوم مرتبہ ایمان کے بعد اعمال صالحہ کو عمل میں لانا برے افعال سے بچنا۔ اس مرتبہ میں گناہگار ایماندار کو متقی نکہا جاوے گا جب تک کہ کبائر سے نہ بچے اور فرائض و واجبات کا پابند نہ ہو۔ تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ ماسوی اللہ کسی کی محبت اس کے دلپر نہ ہو یہ اولیاء اللہ کا مرتبہ ہے اور تقوی کا انتہا درجہ ہے کہ ماسوا اللہ کوئی چیز ان کے قلوب صافیہ تک نہیں پہونچتی وہ اس کے سوا سب سے بچتے ہیں۔ قرآن مجید میں لفظ متقی کو مطلق رکھا ہے کیا تعجب ہے کہ اسکی رحمت گناہگار ایمان داروں کو بھی مفازیعنی کامیابی سے حصہ دے۔

جس طرح متقی میں اطلاق تھا اسی طرح مفازا میں بھی کوئی تخصیص نہیں بلکہ ہر قسم کی کامیابی مراد ہے روحانی ہو یا جسمانی لیکن بندوں کی عام رغبتیں ان چند چیزوں کی طرف زیادہ ہوتی ہیں اسلئے اس کامیابی کے خزانے میں سے ان چند جواہر کو بیان فرماتا ہے فقال حدائق[۵] باغ رہنے کو ملیں گے۔ زبان عرب میں حدیقہ اس باغ کو کہتے ہیں جسکی چاردیواری ہو اور ہم جلیسوں اور یاروں کے ساتھ اسی میں رہنے سے لطف بھی ہوتا ہے۔ یہ وہ باغ ہیں جو دنیا میں توحید و ایمان سے لگائے تھے اور اعمال صالحہ سے سینچے گئے تھے اور معارف سے آراستہ کئے گئے تھے۔ یہ لفظ بھی عام تھا باغ کہنے میں جو کچھ نعمتیں باغوں میں ہوتی ہیں سب ہی آگئی تھیں پر کوئی یہ نہ سمجھے کہ ان باغوں میں شاید وہ چیزیں نہوں جو ہمکو مرغوب ہوتی ہیں اور نئی قسم کی چیزیں ہوں۔ دنیا میں اقالیم کے لحاظ سے باغوں کا مختلف حال ہوتا ہے۔ چہ جائیکہ دوسرے جہاں کے باغ اس لئے اپنی مہربانی سے اس خطرہ کو بھی دور کرتا ہے اور ان باغوں میں جو دل پسند چیزیں ہونگی انکا ذکر فرماتا ہے فقال واعنابا[۶] کہ وہاں انگور بھی بکثرت اور عمدہ ہونگے۔ انگور ایک ایسا میوہ ہے جو غذا کا کام بھی دے سکتا ہے اور اس سے شراب بنتی ہے اور نیز باغ میں انگور ٹٹیوں پہ ہوتا ہے اس کا سایہ اور بھی لطف دیتا ہے اس عمدہ باغ میں جہاں کھانے پینے کے یہ سامان ہوں اگر ماہرو ہم نشین نہوں تو کچھ بھی لطف نہیں اس لئے فرماتا ہے وکواعب اترابا کہ وہاں نوجوان عورتیں بھی ہوں گی جن کی جوانی کی پستان ابھی ابھری ہونگی یہ نوعمری اور سادگی معشوقوں میں اور بھی لطف تازہ کرتی ہے پھر ان کی نوعمری اور نئی جوانی کے ساتھ اگر اہل جنت بڑی عمر کے ہوں تو بھی لطف نہو انسان اپنے ہم عمروں سے رغبت کیا کرتا ہے اور وہیں اس کا دل کھلتا ہے نوجوان لڑکی بوڑھے مرد سے کبھی لطف صحبت نہیں پاتی۔ اس لئے اترابا کا لفظ بھی ارشاد فرما دیا کہ یہ متقی بھی انکے ہم سن یعنی نوجوان ہونگے پھر یہ سب کچھ ہو اور دل میں حجاب ہو اور چوچلے اور اچھل کود نہو تو سوئی سوئی سی صحبت رہتی ہے اس لئے اس کا بھی سامان کر دیا جائیگا وکاسا دہاقا کہ جام شراب کے دور چلیں گے جن سے ایک فرحت و سرور تازہ ہوگا۔ دہاق کے معنے بھرے ہوئے کے بھی ہیں یعنی لبریز پیالے اس سے اور بھی لطف ہوتا ہے اور پے درپے کے بھی معنے ہیں کہ یکے بعد دیگر اس جام کا تسلسل جاری رہے گا۔ یہ وہ شراب محبت الٰہی ہے جو دنیا میں ساقی کوثر کے میخانے سے عطا ہوئی تھی۔

شراب کے ساتھ اگر اس کی خرابیاں بھی ہوں جیسا کہ دنیا کی شراب میں ہوتی ہیں بیہوشی اور درد سر اور اہل مجلس کی بیہودہ بکواس یا مار پیٹ تو کچھ بھی مزہ نہیں اس لئے فرماتا ہے لایسمعون فیہا لغوا ولا کذابا کہ وہاں ایذا اور مار پیٹ تو کیا کوئی لغو بات بھی سننے میں نہ آئیگی اور نہ جھوٹی بات نہ کوئی دل کو رنج دینے والی بات کہ اسکو کوئی جھٹلاوے اور رنج ہو۔ اس میں اشارہ ہے کہ علم و ادراک اور اخلاق پر کوئی برا اثر پیدا نہو گا یہ دنیا کی شراب محبت الٰہی کا ظہور ہے جسکے نشے میں احوال و مقامات کے ابکار اور ان کے ثمرات کے پھل کھاتے اور وقار و تہذیب کو عمل میں

لاتے تھے۔ دنیائی شراب اور یہاں کی اور نعمتوں اور آخرت کی شراب اور وہاں کی نعمتوں میں شرکت اسمی ہے ورنہ انکی حقیقت جدا جدا۔ ان کی اور "چہ نسبت خاک را با عالم پاک" یہاں کی فانی اور ظلمانی چیزوں پر نام کی شرکت سے وہاں کی چیزوں کا قیاس کرکے اعتراض کرنا بے فہمی ہے اس لئے فرماتا ہے جزاء من ربک کہ یہ سب نعمتیں بدلہ ہیں بندوں کے اعمال و عقائد و معارف کا تیرے رب کی طرف سے اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو یہاں بوئے گا وہی وہاں کاٹے گا جیسا کریگا ویسا پاوے گا بغیر تقویٰ انتیار کئے ان نعمتوں کی ہوس کرنا اور اپنی اضافی نسبتوں کو وسیلہ سمجھنا کہ ہم فلاں کی اولاد فلاں کے شاگرد ان کے مرید ہیں کچھ مفید نہیں ہے۔ دنیا جہاں متقی بننے کا آئینہ کھلی ہوئی ہیں۔

کوشش کرو اور تقوے کا سرمایہ حاصل کرو جزاء کو رب کیطرف سے کہنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ تو اعمال کی جزاء ہے گر جزاء بھی کسی تنگدل تنگ حوصلہ شخص کیطرف سے نہیں بلکہ اے محمد صلعم تیرے رب یعنی پرورش کرنے والے کی طرف سے جسکی بخشش اور جود کے دریا رواں ہیں جو ایک ذرا سے کام کے بدلے میں سیکڑوں حصہ بڑھکر دیگا اور اس دنیا کی چند روزہ کوشش میں تمام باقیہ و صافیہ عطا فرماویگا اس لئے فرماتا ہے عطاء کو یہ سب کچھ گو جزاء یا اعمال کے بدلے میں ہے مگر اسقدر اور ایسی چیزیں درحصل عطا یعنی بخشش ہے اور بخشش بھی کیسی حسابا کافی اور پوری اور بہت کچھ اور یہ اس لئے کہ یہ انعام و افضال اسکی طرف سے ہیں جو رب السموات والارض وما بینہما آسمانوں اور زمین اور انکے اندر کی چیزوں کا پرورش کرنیوالا ہے۔ ہر ایک چیز کو بغور دیکھئے تو اس کے وجود اور ذات اور اسکے بقا میں سیکڑوں عنایات ہیں بغیر کسی سابقہ واسطہ یا عمل کے۔ درختوں کو پتے عطا فرمائے انکی جڑوں میں زمین سے غذا حاصل کرنیکی قوت دی پھر رنگارنگ کے پھول دیئے جو نہایت خوشنما ہیں جنکے نقل کرنے میں بڑے بڑے صناع اور کاریگر نقاش حیران ہیں پھر جب اس عالم میں بے کسی عمل اور کوشش کے اس نے ہر ایک شئے پر یہ عطا و فضل کیا تو اس جہاں میں اسکی عطا کا کیا ٹھکانا ہے جس کے لئے ذرا سا عمل کا ہی بہانہ ہے۔

اب یہ شبہہ کرنا کہ نعماء آخرت کو جزاء کہنا جو بدلہ ہوتا ہے اور پھر اوس کو عطاء کہنا جو بے بدل ہوتی ہے تعارض ہے" محض کم فہمی ہے جزاء اور لحاظ سے ہے تو عطا اور لحاظ سے۔

رب السموات الخ کے بعد اور بھی صفت جود کا اظہار کرتا ہے الرحمٰن کہ وہ عطا کس کی طرف سے ہے رحمٰن کی طرف سے جسکی رحمت کا کچھ حساب نہیں۔ ہر ذرہ پر بے شمار رحمتیں ہیں جن کا کسیکو بھی استحقاق نہیں لایملکون منہ خطابا اور کوئی اپنے استحقاق کی بابت اس سے کچھ بھی نہیں کہہ سکتا جس کو جو کچھ دیا محض فضل ہی فضل ہے جسکو نہیں دیا وہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ چیز مجھے کیوں نہیں دی کیونکہ اسکو کسی کا دینا نہیں آتا جو وہ اپنا حق جتلاوے اور گلہ کرے ف ابن عباس فرماتے ہیں کہ لایملکون کی ضمیر کفار کی طرف پھرتی ہے کہ کفار قیامت میں اس سے کچھ کلام نہ کرسکیں گے یعنی وہ متقیوں پر رحمٰن ہوگا انکو شرف کلام حاصل ہوگا مگر یہ نعمتیں دیکھ کر کفار کو اسکی ہیبت و جبروت دیکھکر کلام کرنیکی قدرت نہوگی۔ مگر اول معنی بہت ٹھیک ہیں اور اس جملہ سے شفاعت کا انکار نہیں ثابت ہوتا کس لئے نفی جو ہے تو استحقاق جتلانے میں کلام کرنیکی ہے اور شفاعت میں استحقاق نہیں جتلایا جاتا بلکہ وہ بھی فضل و کرم پر موقوف ہے اور فضل و کرم کا دروازہ بڑا وسیع ہے ہر مومن اس سے وہاں کلام کریگا بلکہ عذر و معذرت کے لئے کفار بھی کلام کرینگے صرف نفی کلام استحقاق کی ہے حاصل یہ ہے کہ رحمٰن بھی ہے اور اس کے ساتھ یہ ہیبت و جبروت بھی ہے کہ کوئی بات نہیں کرسکتا بے اذن کے۔

يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۙ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ۝ ذٰلِكَ الْيَوْمُ

جس دن کہ روح اور فرشتے صف باندھکر کھڑے ہوں کوئی نہیں بولے گا مگر وہ کہ جسکو رحمٰن نے اجازت دی ہوگی اور اسنے بات بھی ٹھیک کہی ہوگی وہ دن

الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ۝ اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا ۚ يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ

برحق ہے پھر جو چاہے اپنے رب کے پاس ٹھکانا بنا رکھے ہمنے تمکو ایک عنقریب آنیوالے عذاب سے ڈرایا ہے۔ جس دن کہ انسان آپ دیکھ لیگا کہ اس نے کیا آگے بھیجا تھا

وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ۝

اور کافر کہے گا اے کاش میں خاک ہو جاتا

ع ۲

ترکیب

یوم منصوب بلا یملکون او بلا یتکلمون صفا حال ای صافین او مصدر ای یصفون صفا والجملة مستانفة او حالیة الا من استثناء من قوله لا یتکلمون ای لا یتکلم احد الا الماذون من الرحمن فالاستثناء متصل وقال معطوف علی قوله اذن ذلک مبتدا الیوم الحق خبره الی ربه مآبا الی متعلقة بمآبا قدم علیه اہتماما ورعایة للفواصل فمن شاء المفعول محذوف شرط اتخذ جوابه یوم ینظر یوم منصوب علی انه بدل من عذابا او ظرف لمضمر ہو صفة لہ ای عذابا کائنا یوم ینظر المرء ما موصولة قدمت یداہ صلة والعائد محذوف والصلة والموصول المجموع منصوب محلا علی انه مفعول ینظر والمرء فاعله ویقول معطوف علی ینظر۔

تفسیر

پہلے فرمایا تھا کہ اس سے کوئی کلام نہیں کر سکتا اسکی ہیبت وجلال کبریائی کی وجہ سے اب اسبات کی اور بھی تشریح کرتا ہے کہ یہ کس روز کا واقعہ ہے اور اسدن کی کیا کیفیت ہوگی فقال یوم یقوم الروح والملئکة صفا کہ جس روز روح اور فرشتے پرا باندھے کھڑے ہونگے عین دربار کا وقت ہوگا اور ہیبت وجلال کبریائی سے ہر ایک کا دل لرزتا ہوگا تو اس روز لا یتکلمون الا من اذن له الرحمن وقال صوابا کہ وہ روح اور ملائکہ جو خدمت میں صف باندھے کھڑے ہوں گے بات نہ کریں گے ہیبت وخوف کے سبب مگر ان میں سے وہی کلام کرے گا جسکو رحمٰن کلام کرنیکی اجازت دیگا اور اجازت پاکر بھی وہ واہی تباہی باتیں نہ کرے گا بلکہ ٹھیک ٹھیک ادب وقاعدے کو ملحوظ رکھکر یا یہ معنی کہ وہی کلام کریگا یعنی شفاعت اسی کے لئے کریں گے کہ جس کے حق میں اجازت خدا تعالیٰ نے دی ہوگی اور یہ حال ہوگا کہ وہ شخص کہ جسکے لئے شفاعت کی اجازت ہوگی وہ شخص ہوگا کہ جسنے دنیا میں ٹھیک بات کہی ہوگی اور وہ صحیح بات کیا ہے نیکی کا حکم اور بدی سے ممانعت یا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ یہ قول صواب ہے یعنی مومن کے حق میں کلام کرنیکی اجازت پاکر بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یتکلمون کا فاعل روح اور ملائکہ ہی نہیں بلکہ سب زمین وآسمان کے رہنے والے یعنی سب آسمان وزمین کے رہنے والے ہیبت الٰہی سے بات بھی نہ کر سکیں گے صرف وہی بات کریگا جسکو اجازت ہوگی اور وہ بعد اسکے بات بھی غلط اور بیقاعدہ نہ کر سکے گا یعنی شفاعت میں کسی کافر ومشرک کی بابت لب کشائی نہ کر سکے گا اور اسی طرح اگر وہ کسی کی گواہی میں اجازت پاکر بولیگا تو کچھ رو رعایت نہ کریگا نہ کمی زیادتی جو بات ٹھیک ہے اسیقدر کہیگا۔

ان آیات میں اُن مذاہب باطلہ کا کس خوبی کے ساتھ بطلان ہے جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے عہد میں تھے اور کچھ اب بھی ہیں اور انکے مذاہب بڑے غلط خیالات پر مبنی تھے۔ عرب کے بعض مقامات پر عیسوی مذہب کی حکومت تھی وہ یہی کہتے تھے اور اب بھی کہتے ہیں کہ بنی آدم کے تمام گناہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے ذمے لے گئے اور انکے عوض آپنے تین روز جہنم میں رہنے کی سزا پائی

بس اب قیامت میں بازپرس اعمال کا تو کھٹکا ہی نہیں صرف مسیح علیہ السلام پر ایمان لانا یعنی انکو خدا او رخدا کا بیٹا تصور کرلینا کافی ہوگا پھر اس روز حضرت مسیح علیہ السلام کے تو تمام کارخانہ ہاتھ ہی میں ہو گا وہ اپنے بندوں کو جنت میں لیجاوینگے اور وہ سب خدا کے دہنے ہاتھ کرسیوں پر جا بیٹھیں گے اب جو چاہو کرو مشقت عمل اور قید حلال وحرام بیکار ہے ۔ اس عقیدہ کا بطلان کردیا گیا کہ وہاں اسکے برابر کون کرسی پر بیٹھ سکتا ہے وہ روح جسکو تم روح القدس کہتے ہو اور جسکو الوہیت کا ایک اقنوم قرار دیتے ہو اور حضرت مسیح کی تائید ان سے ہوا کرتی تھی وہ بھی اور فرشتوں کے ساتھ باادب صف بستہ کھڑے ہونگے بغیر اجازت کے بات بھی نہ کرسکیں گے اور سفارش کرینگے تو اسکی کہ جسنے حق بات دنیا میں کہی نہ اسکی کہ جس نے کفر بکا اور خدا تعالیٰ کی ذات بیچون وبیچگوں کے حصے بخرے کر ڈالے ہوں اور اقنوم قرار دیئے ہوں اور اسی لئے روح کا ذکر اس آیت میں آیا ۔

اس سے روح حیوانی یا انسانی یا نباتی یا جبرئیل علیہ السلام مراد نہیں بلکہ روح اعظم جو ایک اور دوسری چیز ہے یعنی سب فرشتوں سے بڑا فرشتہ (ابن عباس) ، ادھر مشرکین عرب کا یہ عقیدہ تھا کہ وہ حضرات ملائکہ اور انبیاء وصلحاء اور دیگر اوہام کو بھی اس غرض سے پوجتے تھے کہ انکو اسکے گھر کا مختار سمجھتے تھے دنیا میں تمام حاجات کے پورا کرنے کا ان ہی کو مسبب کہتے تھے اور اسی لئے انکی خوشنودی اور تقرب کے لئے انکی نذر ونیاز کرتے تھے اڑے وقت انکے نام کی دہائی دیتے تھے المدد المدد پکارتے تھے اور آخرت میں انکو اپنی بخشش کا وسیلہ جانتے تھے اور بہت تو آخرت کے قائل ہی نہ تھے اس خیال کا بطلان بھی ان آیات میں کردیا گیا کہ تمام آسمان وزمین کے رہنے والے باادب کھڑے ہونگے کسیکو لب ہلانے کی قدرت نہوگی مگر اجازت پاکر سفارش بھی کرینگے تو اسی کی کہ جسنے حق بات دنیا میں بولی تھی توحید ورسالت کا اقرار کیا تھا نہ خدا کے دشمنوں باغیوں سرکشوں کی ۔ اسی کے قریب قریب دنیا کے تمام مذاہب کے تراشیدہ خیالات عالم آخرت کے باب میں ہیں جنمیں حق سبحانہ کی تنقیص ہے اور انکے خیالی معبودوں کی عظمت ہے اور اسی طرح جو کچھ ان لوگوں کو شہادت کی بابت گمان ہے کہ ہمارے حق میں مفید شہادت دینگے یہ بھی غلط کیلئے کہ وہ سچ اور حق بات کہیں گے خواہ مفید ہو یا مضر اور یہ اس لئے کہ ذلک الیوم الحق کہ وہ دن حق ہے ۔ آج جو حق وباطل میں اشتباہ ہو جاتا ہے اس روز نہو گا حق کا ظہور ہو گا باطل باقی نہ رہے گا پردہ کھل جائیگا ۔ یا یہ معنی کہ اس دن کا آنا حق ہے جس میں یہ حال ہو گا اس کے آنے میں کچھ شبہ نہیں وہ آنیوالا ہے اور اس روز سوائے حق سبحانہ کی پناہ اور ٹھکانے کے اور کوئی پناہ اور کوئی ٹھکانا نہیں فمن شاء اتخذ الی ربہ مآبا پھر جو چاہے اپنے رب کے پاس ٹھکانا بنالے تقویٰ اختیار کرلے بری راہ سے ہٹ جاوے جو جہنم تک پہنچاتی ہے ۔ ایمان وپرہیزگاری ایک سیدھا رستہ ہے جو حق سبحانہ تک پہنچاتا ہے اس راہ میں چلتے چلتے انسان اللہ کے قرب وجوار رحمت میں پہنچ جاتا ہے ۔ پھر اس رستہ کا اختیار کرنا اللہ کے ہاں اپنا ٹھکانا بنانا ہے ۔

آدمی جب کسی نئے شہر میں جاتا ہے تو ضرور فکر کرتا ہے کہ وہاں رہنے ٹھہرنے کا کوئی بندوبست کرنا چاہئے پھر اس دن کا آنا برحق ہے اور ہر انسان کو اس نئے جہان میں جانا ہے جہاں کا مالک اور بادشاہ اللہ ہے پھر جو پہلے سے اس سے آشنائی پیدا کئے بغیر وہاں جاتا ہے تو اس پر ہزار افسوس وہ وہاں کیسا مارا مارا پھریگا اور جہنم میں ڈالا جاوے گا ۔ اہل اللہ اس جہان میں ہی حق سبحانہ کو اس طرح ٹھکانا بناتے ہیں کہ ہر کاروبار میں دل اسی کی طرف لگا رہتا ہے جہاں کہیں ادھر سے ذرا غفلت ہوگئی تو گھبرا کر اسکی طرف دوڑتے ہیں کہ جیسا کوئی گھر بھول جاتا ہے اور جب اس کا رستہ پاتا ہے تو دوڑ کر ادھر ہی آتا ہے اسکی روح پاک کا وہی حیز طبعی اور مرکز اصلی ہو جاتا ہے بے اسکے کہیں قرار اور چین نہیں آتا ۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب ۔ اس عالم سے گزرنے کے بعد پھر تو انکے اور حق کے درمیان کوئی حجاب جسمانی بھی حاجز نہیں رہتا یہ اسی کے درباری ہو جاتے ہیں

ہدایت اور گمراہی کا رستہ بتا کر اور آنیوالے دن کی مصیبت جتا کر پھر اپنے بندوں پر حجت تمام کرتا ہے فقال انا انذرناکم عذاباً قریبا کہ ہمنے تو اے بنی آدم تمکو بہت نزدیک کی مصیبت سے خبردار کردیا ہے قیامت کا دن گو ابھی دور ہے مگر آنیوالی چیز گو دور ہو بہت ہی قریب ہے اور نیز عقلمند ہزار کوس دور کی مصیبت کو قریب ہی سمجھتا ہے اور دنیا کی زندگی بہت ہی بے ثبات ہے۔ موت بہت ہی قریب ہے اور موت اُس دن کا دروازہ ہے اِس لئے مرکر جو کچھ انسان کو پیش آنیوالا ہے وہ بہت ہی قریب ہے کس لئے کہ مرکر انسان کے بڑے کام کی ظلمت جو نفس پر غالب تھی ہولناک صورتوں میں پیش آتی ہے اور ایماندار وں کا ایمان اور نیک کاموں کی روشنی عمدہ صورتوں میں ظہور کرتی ہے اس جہان میں نفس ادراکات و تصرفات میں مصروف ہے اس لئے وہ صورتیں اور وہ اشیاء جو اُسکے نیک و بداعمال کا ظہور عالم مثالی میں متشکل ہو رہے ہے اُسکو دکھائی نہیں دیتا لیکن جب مریگا اور نفس ان شواغل سے فارغ ہوجاویگا تو اُس روز سب کچھ دیکھیگا یوم ینظر المرء ما قدمت یداہ اُس روز انسان دیکھ لیگا کہ اُسنے کیا کرکے آگے بھیجا تھا اور کیا کیا کام نیک و بد کئے تھے وہ سب عالم مثالی میں اپنی اپنی مناسب صورتوں میں اُسکو نظر آوینگی ما قدمت یداہ کے لفظی معنی ہیں کہ کیا اُسکے دونوں ہاتھوں نے آگے بھیجا تھا اُسکو دیکھ لیگا اس سے مراد اُسکی کوشش ہے مگر ہاتھ دنیا میں ہر کام کا ذریعہ ہیں اِس لئے ہاتھوں کی طرف منسوب کرنا ایک محاورہ ہے۔

پھر جب وہ پردہ کھلجاویگا اور کافر اپنے کفر اور بداعمال کو ہیبتناک صورتوں میں دیکھے گا کہ اُسکے ہلاک کرنے پر تیار ہیں اور کوئی ٹھکانا اور پناہ نہ پاویگا تو بقول الکافر وہ کافر کہیگا یالیتنی کنت ترابا کہ اَے کاش میں خاک ہوا ہوتا یا خاک ہوجاتا اور انسان نہ پیدا ہوتا جو آج اس مصیبت کو نہ دیکھنا پڑتا اور نہ مجھسے کوئی گناہ سرزد ہوتا۔ انسان کے جسم کی اصل خاک ہے کیونکہ غذاؤں سے نطفہ بنا اور غذائیں خاکی چیزوں سے بنیں تو ایسے وقت اپنی اصل حالت کی آرزو کریگا کہ کاش میں خاک ہی رہتا انسان نہ بنایا گیا ہوتا۔ استنے ہیر پھیر کر انسان بنے اور یہ مصائب دیکھنے میں آئے۔ اور اپنے جسم کا مآل کار بھی انسان خاک ہی دیکھتا ہے۔ کہ مرکر سب کچھ خاک ہوجاتا ہے اس جہان میں روح کے زندہ و باقی ہونیسے جب یہ بلائیں دیکھیگا۔ تو آرزو کریگا کہ اَے کاش خاک ہوجاتا روح باقی نہ رہتی۔

عبد بن حمید و ابن جریر و ابن ابی حاتم و ابن المنذر و بیہقی نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ قیامت کے روز خدا تعالیٰ حیوانات کا حساب لیکر نیک و بد کا بدلہ دیکر حکم دیگا کہ سب خاک ہوجاؤ وہ سب خاک اور نیست ہوجاوینگے اُس وقت کافر آرزو کریگا کہ اَے کاش میں بھی خاک ہوجاتا زندہ نہ رہتا۔ ابتدا خاک تھی اور انتہا بھی خاک ہے۔ ہر اعتبار سے آرزو خاک بنجانے یا ہونیکی کریگا۔

ف بعض صوفیہ کرام فرماتے ہیں کہ کافر کے اس قول سے کہ کاش مَیں خاک ہوتا یہ مراد ہے کہ کاش دنیا میں خاک ہوتا تکبر و غرور نکرتا خاکسار بنکر احکام الٰہی مانتا۔ بعض فرماتے ہیں کہ کافر سے مراد خاص ابلیس ہے کہ وہی سب کافروں کا پیر و مرشد ہے جب وہ حضرت آدم اور اُنکی نسل کو جو خاک سے پیدا ہوئے ہیں دیکھیگا کہ حق سبحانہ نے اُن کو کیا کیا عزت بخشی تب آرزو کرے گا کہ کاش مَیں بھی خاک سے پیدا ہوتا آگ سے نہ بنتا جس پر مَیں نے فخر کیا تھا خلقتنی من نار و خلقتہ من طین۔

ف واضح ہو کہ کافر کا حال بیان فرمایا مومن گناہگار کا ذکر نہیں کیا۔ اِس لئے مومن کے اعمال بد نے گو اُس میں تاریکی پیدا کردی تھی لیکن اسکے ایمان اور اعتقاد صحیح نے بھی اُس میں ایک بڑی نورانی ہیئت پیدا کردی ہے۔ کشاکش کے بعد انجام کار نور ایمان ظلمت اعمال بد پر غلبہ پاوے گا اور ہیئت ظلمانیہ گھٹا کی طرح پھٹ جاویگی جب کہ آفتاب ایمان کا نور چمکے گا اس لئے وہ بھی انجام کار نجات پاوینگے برخلاف کافر کے کہ وہاں نور کا نام بھی نہیں اللھم نورنا بنور الایمان والعرفان۔

سورہ والنازعات مکیہ ہے اسمیں چھیالیس ۴۶ آیات دو ۲ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

وقف لازم

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۙ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۙ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ۙ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۙ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۶

قسم ہے گھسیٹ لانیوالوں کی گھسکر اور دآسانی سے گرہ کھولدینے والونکی اور انکی جو تیرتے پھرتے ہیں پھر انکی جو دوڑکر آگے بڑھتے ہیں پھر انکی جو انتظام کرنے پھرتے ہیں۔

ترکیب

و للقسم جارۃ النازعات مجرور مقسم بہا و الناشطات والسابحات عطف علیہ بالواو فالسابقات فالمدبرات عطف بالفاء لکونہا مسببۃ عن التی قبلہا کانہ قیل واللاتی تسبحن فیسبقن کما تقول قام فذہب فضرب وانتصاب غرقا علی انہ مصدر محذوف الزوائد ای اغراقا او علی الحال ای ذوات اغراق یقال اغرق فی الشئی یغرق فیہ اذا اوغل فیہ وبلغ غایتہ وکذا نشطا وسبحا وسبقا مصدر والنصب علی انہا مفعول مطلق وامرا مفعول بہ وقیل حال ای یدبرون ماموراتٍ وجواب القسم محذوف ہو عند الفراء لتبعثن وقال الاخفش والزجاج لتنفخن فی الصور نفختین وقال الکسائی الجواب المحذوف ہو ان القیامۃ واقعۃ والدلیل علی جمیع الاقوال مابعدہا من الآیات۔ وقیل الجواب مذکور ثم فیہ اقوال الاول انہ قولہ قلوب یومئذ واجفۃ والثانی ہو ہل اتاک حدیث موسیٰ الثالث ہو قولہ تعالیٰ ان فی ذلک لعبرۃ لمن یخشیٰ۔

تفسیر

ابن عباسؓ ابن الزبیر فرماتے ہیں کہ یہ سورہ بھی مکہ میں نازل ہوئی ہے اس میں چھیالیس آیات دو رکوع ہیں۔ مناسبت اس سورت کو سورۂ عم یتساءلون سے یہ ہے کہ اُس سورہ میں کفار کا سوال مع جواب مذکور تھا جو وہ قیامت کے بارہ میں انکار کے طور سے کیا کرتے تھے اس سورہ میں قیامت کے مبادی قسم کے طور سے ذکر فرما کر بعد میں قیامت اور اُس جہان باقی کی مجملاً کیفیت بیان فرمائی تاکہ ان نادانوں کو معلوم ہو کہ قیامت دور نہیں کس لئے کہ اُسکے مبادی یعنی موت اور اُسکے سامان بہت قریب ہیں اور یہ موت قیامت کا دروازہ ہے اسی لئے کہا گیا ہے کہ من مات قامت قیامتہ جو مر گیا اُسکی قیامت برپا ہوگئی اور نیز ان پانچ چیزوں کی قسم کھا کر موت کی کیفیت بھی بیان فرمادی کہ بدن کی روح کھینچکر اور گھسیٹ کر اُنکے جسم سے نکالی جاتی ہے اور غافل و مست شہوات دنیا کو یوں فرشتے گھسیٹ کر لیجاتے ہیں اور نیکوں کی روح کی جسم سے گرہ کھولدیجاتی ہے گویا وہ اُس عالم کی مشتاق تھے خصوصاً جبکہ نزع میں وہاں کی کیفیت سے وہ خبردار ہوچکے تھے تو اُس تن کے پنجرے میں اسطرح تڑپتے اور پھڑ پھڑاتے تھے کہ جس طرح مرغ چمن جو پنجرے میں بند ہو چمن دیکھکر اور مرغان چمن کی آوازیں سنکر تڑپا اور پھڑ پھڑایا کرتا اور مشتاق ہوتا ہے کہ جلد قفس کا دروازہ کھولدیا جاوے تو اُڑ جاؤں ؎

آواز من برسانید بمرغان چمن ٭ کہ ہم آواز شما در قفسے افتادست ٭ یہی حال مؤمن کا ہوتا ہے پھر فرشتے اُسکی گرہ اور قفس کا دروازہ کھولدیتے ہیں پھر وہ ارواح طیبات اُڑتی ہوئی اور ایک دوسرے سے تیز روی کرتی ہوئی عالم قدس میں جا پہونچتی ہیں ؎ خرم آن روز کزیں منزل ویران بروم ٭ راحت جان طلبم وسوئے جاناں بروم ٭ در ہوائے رخ تو ذرہ صفت رقص کنان ٭ تالب چشمہ خورشید درخشان بروم ٭ پھر اس عالم میں ملائکہ اُنکے لئے اُنکے درجات کے موافق اُنکے عیش جاودانی کا سامان وانتظام کرتے ہیں سبحان اللہ پانچ چیزوں کی قسم کھا کر

قیامت کا برپا ہونا بیان فرمایا مگر ان پانچ چیزوں کے ذکر سے نفوس بشریہ کو اُس عالم کا مشتاق بنا دیا اور اُن میں سے بدکاروں اس خسیس جہاں پر شیدا ہو کر یہیں بسر جانے والوں کو پرحذر یہی کر دیا اور بتا دیا کہ خود نہ جاؤ گے تو گھسیٹ کر فرشتے بری حالت سے لیجائیں گے یہاں رہنا نہیں ہوگا۔

یا یوں کہو کہ اُس سورہ میں اُنکے سوال قیامت کے درجواب یوں فرمایا تھا فتاتون افواجا کہ تم گروہ گروہ اور جماعت جماعت ہو کر عدالت میں حاضر ہو گے اب یہاں اس سورہ کے مطلع یعنے شروع میں پانچ چیزوں کی قسم کھا کر اُن پانچ صفات کی طرف اشارہ کر دیا کہ جنکے سبب ہر نیک و بد کو اپنے مراتب سعادت و شقاوت میں دوسرے سے امتیاز ہے اور ہر ایک صفت کا ایک گروہ ہوگا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ نفوس انسانیہ جب سعادت کیطرف عروج کرنا چاہتے ہیں تو انکو یہ پانچ مرتبے طے کرنے پڑتے ہیں انکے بعد اُس مقصود کو پہنچتے ہیں **اول** مرتبہ یہ کہ جو چیزیں اُسکے اس مقصود کے خلاف اور اُسکے لئے حائل و مانع ہیں اور انکی طرف اسکی طبیعت مائل ہے تو اسکو ضرور ہے کہ طبیعت کو کھینچکر اور نفس کو گھسیٹ کر اُدھر سے لاوے اور اپنے مطلب کی تحصیل میں کوشش کرے اس مرتبے کو والنازعات غرقا سے تعبیر کیا۔ شہوات و لذات کے روکنے میں یہ حالت زیادہ واقع ہوتی ہے۔ شرع میں اسکو مجاہدہ کہتے ہیں۔ ہر کام میں جسکے کرنے کا ارادہ کیا جاتا ہے اول مجاہدہ اور بڑی کوشش اور بڑی عرق ریزی درکار ہے۔ سُست اور ہوا و ہوس کے بندے نہ کبھی دنیاوی مقاصد میں کامیاب ہوئے ہیں نہ دینی میں۔ بادشاہوں کو ملک گیری میں پہاڑ اور دشوار گزار جنگل طے کرنے پڑے ہیں گرمی سردیوں کی تکالیف اُٹھائی ہیں۔ علم حاصل کرنے میں علماء نے بڑی بڑی عرق ریزیاں کی ہیں۔ اولیاء اللہ نے بڑی شدید ریاضتیں کی ہیں سالہا راتوں جاگے ہیں نفس سے لڑائیاں کی ہیں چلے کھینچے ہیں۔ **دوسرا** مرتبہ یہ ہے کہ ان ریاضات اور مشقتیں اُٹھانے کے بعد ایک ملکہ پیدا ہو جاتا ہے اور اس کام میں ایک نشاط و سرور معلوم ہونے لگتا ہے اور اشتیاق پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اب ان موانع و شہوات کے مقابلے نہیں کرنے پڑتے میدان صاف ہو جاتا ہے اس کو نشاط کہتے ہیں اور اس مرتبہ کو والنشطت نشطا سے تعبیر فرمایا اہل اللہ کے نزدیک اس حالت کا نام جو ریاضات و مجاہدات کے بعد پیدا ہوتی ہے شوق و ذوق ہے۔ یہی شوق بڑی بڑی مشکلوں کو آسان کر دیتا ہے۔ **تیسرا** مرتبہ یہ ہے کہ اُس شغل میں پوری مہارت پیدا ہو جاتی ہے اور بے تکلف وہ کام اُس سے سرزد ہونے لگتا ہے اس مرتبہ کو والسبحت سبحا سے تعبیر فرمایا کہ اچھی طرح تیرنا۔ کس لئے کہ تیرنے والا کسی آڑ بغیر بے کھٹکے سیر کرتا ہے اس مناسبت سے اس مرتبہ کو سیاحت کہتے ہیں۔ اہل سلوک کے نزدیک اس کا نام سیر احوال و مقامات ہے۔ اب یہاں سے شاہد مقصود تک رسائی شروع ہوتی ہے حضرت عائشہ صدیقہ سے کسی نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے اخلاق پوچھے اُنہوں نے فرمایا کہ آپ کا خلق قرآن ہے یعنی قرآن پر عمل کرنا آپکے لئے بے کلفت و مشقت ہے۔

چوتھا مرتبہ یہ کہ اپنے ہمسروں سے اس شغل میں بڑھ جاوے یہ سب سے آگے دوڑے اس حالت کو فالسبقت سبقا سے تعبیر فرمایا اور یہ اعلیٰ کمال ہے۔ صوفیہ کرام کے نزدیک اسکا نام طیران و عروج ہے اس کے بعد **پانچواں** مرتبہ یہ ہے کہ جمیع مراتب کمال کو طے کر کے دوسروں کی تکمیل کرنے لگے اور لوگوں کا اس کام میں مقتدا و مرشد ہو جاوے اور اس مقصود کے طالب اس سے رجوع کریں۔ اس مرتبہ کو فقراء کے نزدیک رجوع و نزول و دعوۃ الخلق الی الحق کہتے ہیں۔ اس مرتبہ کو اس عبارت سے تعبیر فرمایا۔ فالمدبرات امرا۔

چونکہ ہر ایک مرتبہ عمدہ ہے اس لئے انکی قسم کھاتا ہے۔ اور یہی مضامین میں اس سورہ کو سورہ عم یتساءلون سے مناسبتیں ہیں۔ اب ہم آیات کی

تفسیر بیان کرتے ہیں والنازعات غرقا نزع کشیدن چیزے از جائے خود و برکندن و مانند شدن بہ پدر و کشیدن کمان یقال نزع فی القوس ای مدہا و فلان فی النزع ای فی قلع الحیوٰۃ۔ نزاع آرزومند شدن یقال نزع الی اہلہ نزوع پرداختن از کار (ع ف اک ۲) بیر نزوع بالفتح و نزیع چاہ کہ قعر او نزدیک باشد (از صراح) غرق آب از سر گذشتن و سخت کشیدن کمان را و مبالغت کردن در مدع و ذم و جز آن۔ استغراق فرا گرفتن ہمہ را۔ اغتراق در آمیختن اسپ با اسپان دیگر۔ صراح۔ نازعات نازعۃ کی جمع ہے جو اسم فاعل ہے اور غرقا مصدر ہے۔ ان دونوں لفظوں کے کئی معنے ہیں اس لئے یوں بھی معنے ہوئے کہ قسم ہے اُنکی جو کھینچتے ہیں ڈوب کر۔ یا یوں کہو قسم ہے انکی جو کمان کھینچتے ہیں زور سے یا یوں کہو قسم ہے اُنکی جو سخت آرزومند ہیں۔ یا یوں کہو قسم ہے اُنکی جو اپنے کام سے بالکل فارغ ہونے والے ہیں۔

ہر ایک معنی پر کلام طویل ہے۔ پہلے معنے کہ جو کھینچتے ہیں ڈوب کر۔ اس میں متعدد اقوال ہیں۔ جمہور کہتے ہیں کہ نازعات سے مراد وہ فرشتے ہیں جو جان نکالتے ہیں۔ خدا تعالیٰ فرشتوں کی قسم کھاتا ہے جو اسکی بہتر مخلوق ہے اور ان میں سے بالخصوص اُن فرشتوں کی جو روح کھینچتے ہیں گھس کر۔ اس سے کفار کی جانکنی مراد ہے کہ انکی روح عالم آخرت کے مصائب سے ڈر کر اُنکے بدن میں اِدھر اُدھر تمام اطراف و جوانب میں چھپتی پھرتی ہے اس لئے وہ ملائکہ بھی اُنکے اجسام میں گھسکر روح نکالتے ہیں۔ اسی طرح نشطت۔ سبحت۔ سبقت۔ مدبرات سے بھی مراد ملائکہ ہیں جنکو باعتبار انکے صفات و حالات کے مختلف صفات سے تعبیر فرمایا اور اسی تغایر وصفی کو تغایر ذاتی کیطرح عطف کا باعث سمجھنا چاہئے اس تقدیر پر یہ شبہ وارد ہوتا ہے کہ نازعات وغیرہ مؤنث کے صیغے ہیں اور فرشتہ مؤنث نہیں بلکہ خدا پاک نے کفار کو فرشتوں کے مؤنث کہنے میں الزام دیا حیث قال وجعلوا الملٰئکۃ الذین ہم عباد الرحمٰن اناثا الآیہ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ عرب کی زبان میں جمع اور جماعات کو بصیغہ مونث تعبیر کرتے ہیں اور ملائکہ سے اشخاص مراد نہیں بلکہ جماعات۔ بعض کہتے ہیں کہ نازعات غرقا سے مراد ستارے ہیں اور یہ حسن بصریؒ کا قول ہے اور انکو نازعات باعتبار طلوع کے کہتے ہیں کہ وہ اپنے آپکو کھینچکر اوپر لاتے ہیں اور غرقا سے اشارہ اُنکے غروب کی طرف ہے۔ اس میں اپنے عجائب قدرت اور عالم کے عروج و نزول اور فنا و بقا پر اپنا قادر ہونا ثابت کر کے یہ دکھایا جاتا ہے کہ اے بنی آدم ہم قیامت بپا کرنے پر بھی قادر ہیں اور یہ کہ جب یہ روشن اجسام غروب کرتے ہیں تو پھر تمہارا غروب یعنی فنا و موت کیا بات ہے اور پھر جس طرح غروب کے بعد یہ طلوع کرتے ہیں قیامت کے روز تم بھی بار دگر طلوع کرو گے اور اسی طرح نشطت وغیرہا سے بھی مراد ستارے ہیں باعتبار اُنکے اوصاف کے۔ اور ایک جگہ ستاروں کی نسبت یوں بھی آیا ہے وکل فی فلک یسبحون اس تقدیر پر مدبرات امرا سے ستارے مراد لینے میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ تدبیر امور حق سبحانہ کے ہاتھ میں ہے نہ ستاروں کے اس لئے اکثر مفسرین نے یہ کہا کہ اخیر جملہ سے مراد ملائکہ کرام ہیں وہ خدا تعالیٰ کیطرف سے ارضی و سماوی معاملات کے سرانجام دینے پر مامور ہیں۔ مگر ستاروں کے مدبرات ہونیکی یہ توجیہ بھی ہو سکتی ہے کہ حرارت و برودت شعاع و ضیاء کی وجہ سے انکی تاثیرات زمین پر پڑتی ہیں پھل پکتے ہیں پھول آتے ہیں وفیہ ما فیہ بعض کہتے ہیں ان پانچوں کلمات سے مراد ارواح ہیں۔ پس نازعات سے مراد وہ ارواح ہیں جو اس عالم سفلی اور ظلمانی پر مبتلا ہیں اسلئے انکا جسم سے فراق نزع شدید ہے یعنے کھینچکر اور گھسیٹ کر سختی سے دور کئے جاتے ہیں اور جو ارواح علائق جسمانیہ سے الگ ہیں اور اُنکو عالم علوی کا ازحد اشتیاق ہے وہ بہت جلد اوپر کو جسم چھوڑ کر روانہ ہوتی ہیں انکی اس سیر کو نشط اور سباحت سے تعبیر کیا پھر ان میں بھی درجات متفاوت ہیں۔

بعض اور بہی سریع السیر ہیں جیسا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام واولیاء کرام کی ارواح طیبات اور اُن ہیں سے بعض عالم علوی کے مدبرامور بہی ہیں چنانچہ احادیث صحیحہ سے منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہیں تمہارے آگے جاتا ہوں کہ تمہارے لئے تیاریاں کروں اور اسیطرح سیدنا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام بہی اس عالم ہیں ارواح مؤمنین کے مربی ومدبر امور ہیں۔ بلکہ جو لوگ ایمان واعمال صالحہ سے منور ہو کر اُس جہاں میں جاتے ہیں وہ اپنے اُن آنیوالے عزیزوں محبوں کے لئے جنت ہیں تیاریاں کیا کرتے ہیں۔

بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ حضرات اولیاء وانبیاء کی ارواح پاک گروہ ملائکہ میں ملجاتی ہیں پھر ملائکہ کی طرح وہ بہی تدبیر عالم سفلی ہیں مصروف ہوتی ہیں۔ پہلی اُمتوں نے جو حضرات انبیاء واولیاء کرام وملائکہ عظام کی پرستش اور اُن سے نذرونیاز کرکے اپنے مقاصد کا سرانجام چاہنا دستور کرلیا تھا غالباً وہ اسی خیال سے تھا جسکو اسلام نے رو کردیا اور بتادیا کہ گو وہ مامور ہیں مگر کرتے وہی ہیں جو حکم الٰہی ہوتا ہے نہ وہ کسیکی نذرونیاز سے خوش ہوتے ہیں نہ پکارنے دہائی دینے پر اُنکے کام بناتے ہیں وہ حق سبحانہ کی مرضی کے تابع محض ہیں اُن کا ذاتی ارادہ واختیار ان معاملات ہیں کچھ بہی نہیں۔

بعض کہتے ہیں یہ پانچوں کلمات غازیوں کے گھوڑوں کی بابت ہیں۔ نازعات وہ گھوڑے جو گردن کھینچکر اور بلند کرکے چلتے ہیں اور وہی ناشطات ہیں یعنی دار الاسلام سے نکلکر دار الحرب کی طرف جانے والے ماخوذ ہے قول عرب سے ثور ناشط اذا اخرج من بلد الی بلد اور وہی سابحات ہیں۔ دوڑنے کو سباحت سے تعبیر کیا کرتے ہیں اور اسی لئے تیزرو گھوڑوں کو سبوح کہتے ہیں اور وہی سابقات ہیں کہ ایک دوسرے سے آگے دوڑکر دشمن کے سامنے جاتے ہیں اور انجام کار یہی تدبیر امر یعنی فتح وظفر کرتے ہیں اور یہ اسناد مجازی ہے کہ ان ہی کے سبب سے دشمن پر فتح وغلبہ حاصل ہوتا ہے۔ ابومسلم اصفہانی کہتے ہیں کہ ان پانچوں کلمات سے مراد غازی ہیں پس نازعات غازیوں کے ہاتھ ہیں اور ناشطات اُن کے تیر ہیں جو اُنکی کمانوں سے شپاشپ چھوٹتے ہیں اور سابحات اُنکے گھوڑے ہیں جو اس موقع پر دھاوا کرتے ہیں اور وہی سابقات ہیں کہ بڑھکر دشمن تک پہنچتے ہیں اور ان ہی کو مجازاً باعتبار انجام فتح وظفر کے مدبرات کہا گیا ہے۔ والنشطت نشطاً۔ نشط۔ نشاط بالفتح شادمانی نمودن وگرہ کشادن نشیطہ آنچہ غزاۃ درراہ یا بہناز غنیمت ناشط گاؤ دشتی۔ نشط گزیدن مار ونبرون اندوہ وآب برکشیدن از چاہ بے بکرہ وگرہ آسان بستن۔ نشوط چاہ کہ دلو از وے بہ بسیار کشیدن برآید وایضاً نوعے از ماہی۔ از صراح۔ ان لغوی معانی کے لحاظ سے ہر ایک توجیہ چسپاں ہوسکتی ہے۔

والسبحت سبحاً۔ سبح۔ سباحہ بالفتح والکسر شناوری کردن۔ سبح تصرف کردن در معاش قولہ تعالیٰ ان لک فی النہار سبحاً طویلا۔ ورفتار اسپ فرش سابح۔ سبحہ بالضم مہرہا کہ عدد تسبیح بوی گیرند۔ ونماز وذکر تسبیح پاکی وبپاکی یاد کردن سبحان اللہ معناہ التنزیہ للہ نصب علی المصدر یہاں بہی ہر معنی مناسب چسپاں کرلینے چاہئیں فالسبقت فالمدبرات کے معنے ظاہر ہیں اول سبقت یعنی پیش روی اور آگے بڑھنا اور دوسرے کے معنے تدبیر کرنا آگے بڑھنے والوں تدبیر کرنیوالوں کی قسم کھاتا ہے مگر سب سے اول معنی صاف ہیں یعنی قسم ہے اُس جماعت کی جو اپنے نفس کو کسی کام ہیں کھینچتے ہیں یعنی کوشش وسرگرمی کرتے ہیں اور قسم ہے اُس جماعت کی جو نیک کاموں ہیں نشاط وشوق پیدا کرتے ہیں اور قسم ہے اُس جماعت کی جو نیک کاموں ہیں دوڑتے ہیں پھر اُس جماعت کی قسم جو اس دوڑ کے بعد آگے بڑھتے ہیں سبقت کرتے ہیں پھر اُس جماعت کی قسم جو ان مراتب سے فارغ ہو کر لوگوں کی تکمیل ورہنمائی کی تدبیر کرتے ہیں اور چونکہ یہ اخیر دونوں جماعت پہلی تینوں جماعت سے بالاتر ہیں اس لئے ف لائی گئی جسکو ف تعقیب کہنا چاہئے۔

ن وجوہ مذکورہ بالا ارواح ... سوا ... جو الفاظ ... سے پیدا ہوسکتے ہوں سب منصوص نہیں معانی ... عالم نے اپنا ... معنے ... ہیں ۱۲

وقف لازم — يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۙ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ؕ قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ۙ اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۘ يَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا

جس دن کہ زمین لرزے — پے درپے زلزلہ آئیں — کتنے ایک دل تو اُس روز دھڑکتے ہونگے — اُنکی آنکھیں نیچی ہونگی — منکر کہیں گے

وقف لازم — لَمَرْدُوْدُوْنَ فِي الْحَافِرَةِ ؕ ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ؕ قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ۘ فَاِنَّمَا هِيَ

کہ کیا ہم پہلی حالت کی طرف لوٹائے جائینگے (دوبارہ زندہ ہونگے) ارے اُسوقت کہ جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہوجاوینگے کہتے ہیں تب تو یہ پھر آنا بڑا ہی ٹوٹا ہے — پھر وہ واقعہ

زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۙ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ؕ

جاگ جاوینگے — صرف ایک ہی ہیبتناک آواز تو ہے پھر تو وہ اُسیوقت میدان میں آموجود ہونگے

ترکیب

یوم منصوب بالجواب المضمر والتقدیر لتبعثن یوم ترجف الراجفۃ اے فی الوقت الواسع الذی یحصل فیہ النفختان وقیل منصوب بما دل علیہ قلوب یومئذ واجفۃ ای یوم ترجف رجفت القلوب۔ والرجفۃ الحرکۃ والاضطراب یقال رجف یرجف اذا اضطرب ومنہ قولہ تعالیٰ یوم ترجف الارض والجبال وقیل ہی الصیحۃ العظیمۃ وقیل ہدۃ الذکۃ والصوت الہائل من قولہم رجف الرعد یرجف رجفا ورجیفا ومنہ قولہ تعالیٰ فاخذتہم الرجفۃ فعلی ہذا الراجفۃ صیحۃ عظیمۃ تتبعہا الرادفۃ الجملۃ منصوب علی الحال من الراجفۃ والمعنی لتبعثن یوم النفخۃ الاولی حال کون النفخۃ الثانیۃ تابعۃ لہا۔ والرادفۃ کل شئی جاء بعد شئی آخر یقال ردفہ ای جاء بعدہ قلوب مبتدأ یومئذ منصوب بواجفۃ وہی صفۃ للقلوب ابصارہا مبتدأ ثان خاشعۃ خبرہ والجملۃ خبر الاول۔ والضمیر فی ابصارہا راجع الی اصحاب القلوب۔ وجف۔ وجیف طپیدن وتوجے از رفتار شتر (مع فاک[2]) ایجاف راندن شتر براں رفتار ومنہ قولہ تعالیٰ فما اوجفتم علیہ من خیل ولا رکاب۔ ءانا الجملۃ الاستفہامیۃ مقولۃ یقولون الحافرۃ عند العرب اول الشئی وابتداء الامر ومنہ قولہم رجع فلان علی حافرتہ ای علی الطریق الذی جاء عنہ والمراد الحالۃ الاولی واصل الحافرۃ الطریقۃ حفرہا اے اثر فیہا بمشیتہ فیہا جعل اثر قدمیہ حفرا فہی فی الحقیقۃ محفورۃ الا انہا سمیت حافرۃ کما فی عیشۃ راضیۃ وماء دافق۔ احتفار زمین کندن حضرہ باالضم کندہ حافر سم ستور حافرہ اول ہر چیزے (صراح) ءاذا کنا الجملۃ تاکید للانکار والعامل فی اذا مضمر یدل علیہ مردودون قرأ الجمہور نخرۃ وقرأ حمزۃ والکسائی ناخرۃ قال الاخفش ہما لغتان ای معناہما واحد۔ وقیل ان الناخرۃ غیر النخرۃ لان الناخرۃ من النخیر بمعنی الصوت کنخیر النائم والمخنوق فہی العظام الفارغۃ التی یحصل من ہبوب الریح فیہ صوت والنخرۃ من نخر العظام ینخر فہو نخر کعفن یعفن عفن اذا بلی وصار لولمستہ لتفتت تلک مبتدأ کرۃ خاسرۃ خبرہ الساہرۃ وجہ الارض قال الفراء سمیت بہا لان فیہا نوم الحیوان وسہرہم وقیل الساہرۃ ارض بیضاء۔

تفسیر

ان مذکورہ بالا چیزوں کی قسمیں کھا کر فرماتا ہے کہ اے منکرین قیامت تم اس کا کیا انکار کر رہے ہو تم ضرور مرنے کے بعد بار دیگر حساب کیلئے زندہ کئے جاؤگے یوم ترجف الراجفۃ اُس روز کہ لرزنے والی چیزیں لرزیں یعنی زمین اور پہاڑ طلیس اور وہ تتبعہا الرادفۃ پے درپے لرزہ اور زلزلہ آوے یہ نفخ صور اول کے وقت ہوگا کہ زمین ہلجاویگی اور پے درپے لرزے آکر یہ تمام دنیا نیست ونابود ہو جاویگی اس کے بعد بار دگر ہر ایک انسان زندہ ہوگا۔ ابتدائے نفخ صور اول سے لیکر نفخ ثانی تک ایک متصل زمانہ ہے اس لئے اس میں زندہ ہونا صحیح ہو سکتا ہے ورنہ صرف نفخ اول صور میں تو کوئی زندہ نہ ہوگا بلکہ زندہ لوگ مرجاوینگے۔

ابن عباس فرماتے ہیں یوم ترجف الراجفۃ سے مراد وہ بڑی ہیبتناک آواز ہے جو نفخۂ اولی کے وقت ہوگی جس سے زمین و آسمان وحوش وطیور حیوان و انسان نیست و نابود ہو جاوینگے۔ اور تتبعہا الرادفۃ سے مراد نفخۂ ثانیہ ہے یعنے بار دگر صور پھونکنا جس سے تمام حیوان و انسان بار دگر زندہ ہونگے اور ان دونوں نفخ صور میں بمقدار چالیس برس کا زمانہ ہوگا۔ اور رادفہ اس لئے بار دگر صور پھونکنے کو کہتے ہیں کہ وہ اول کے بعد ہے۔ اور ایک شے سے بعد کی چیز کو رادفہ کہتے ہیں اور گھوڑے پر دو شخص بیٹھنے والوں میں سے آخر کو ردیف کہتے ہیں۔

امام احمد و ترمذی و حاکم وغیرہ نے اُبی بن کعبؓ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب چوتھائی رات گزر چکتی تھی تو فرمایا کرتے تھے اے لوگو اللہ کو یاد کرو۔ راجفہ آئی اس کے پیچھے رادفہ آتی ہے۔ موت اور اُسکے سامان قریب آپہنچے۔ ابوہریرہؓ سے نقل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ اللہ سبحانہ فرماتا ہے یوم ترجف الراجفۃ تتبعہا الرادفۃ کہ زمین اور جو اُس پر ہے ہلیں گے کہ جس طرح کشتی ڈگمگایا کرتی ہے (اخرجہ ابوالشیخ وابن مردویہ والدیلمی) ابو مسلم ان دونوں جملوں سے قیامت کے احوال مراد نہیں لیتے بلکہ راجفۃ و رادفۃ سے مراد مشرکوں کے گھوڑے۔

پھر جب یہ حالت ہوگی تو اُس روز قلوب یومئذ واجفۃ بہت دل دھڑکتے ہوں گے کس لئے کہ عمر رائگاں گئی۔ پھر عمل کرنے کا موقع نہیں رہا برے اعمال اور خیال کا نتیجہ سامنے آیا جہنم جوش مار رہی ہے۔ احکم الحاکمین کی طرف سے دار و گیر ہو رہی ہے۔ اور ایسی حیرت و دہشت طاری ہوگئی و ابصارہا خاشعۃ کہ اُنکی آنکھیں شرم کے مارے نیچی ہونگی۔ ان مصائب کو دیکھ نہ سکیں گے خوف کے وقت جبکہ سامنے مہلک سامان موجود ہوتے ہیں تو ملزم آنکھ بند کر لیتا ہے اور شرمندگی سے بھی آنکھیں نیچی ہو جاتی ہیں۔

قیامت کا حال بیان فرما کر کفار کے اقوال نقل کرتا ہے کہ وہاں تو یہ حالت ہوگی اور وہ وقت قریب آلگا ہے اور یہ لوگ اب اس دنیا میں غفلات ولذات کے نشہ اور جہالت کی تاریکی میں کس غرور سے یقولون ائنا لمردودون فی الحافرۃ کہتے ہیں کہ کیا ہم بار دگر پھر اس حالتِ حیات کی طرف لوٹائے جائیں گے یعنے کیا مر کر ہم بار دگر زندہ کئے جاوینگے؟ یہ کہنا ان کا تمسخر اور غرور کی وجہ سے تھا۔ اذا کنا عظاما نخرۃ ارے کیا جب ہماری ہڈیاں بوسیدہ اور چورا چورا ہو جاوینگی اُس کے بعد پھر زندہ ہونگے؟ یہ انکی ناقص سمجھ میں محال بات تھی اور اسکو خدائے قدیر کی قدرت سے باہر جانتے تھے قالوا تلک اذا کرۃ خاسرۃ کہتے ہیں تب تو یہ بار دگر جینا بڑے نقصان کی بات ہے۔ یعنی اگر مدتوں کے بعد زندہ بھی ہوئے تو یہ زندگی نقصان کی ہوگی۔ کس لئے کہ اتنی مدت میں کوئی عضو کہیں گیا ہوگا کوئی کہیں پھر جو کوئی زندہ ہوا تو کسیکی اُنگلی نہ ہوگی کسی کے پاؤں نہونگے کوئی اندھا ہوگا۔ کسی کے بال نہ ملینگے وغیرہ وغیرہ اور نیز اقارب بھی اس حالت میں نہ ہونگے۔ اور دنیا میں جو کچھ کمایا تھا وہ بھی نہوگا اور نیز اس لئے بھی کہ جتنے قیامت کے منکر ہیکر اعمالِ صالحہ و ایمان سے غفلت اختیار کی اور آج اُنکی پرسش ہو رہی ہے اور ہم خالی ہاتھ رہے۔ الحاصل ان وجوہ سے اس زندگی کو خاسرہ سمجھتے تھے یعنی اگر تسلیم بھی کر لیا جاوے کہ بار دگر زندہ ہونگے تو وہ زندگی ناقص ہوگی اور یہ اُس حکیم و قدیر کی شان سے بعید ہے اس لئے بھی وہ اس بار دگر زندہ ہونے کو محال جانتے تھے اور اس پر یہ دلیل لاتے تھے۔ ان کے جواب میں اس کا امکان بلکہ وقوع بتلاتا ہے فقال انما ہی زجرۃ واحدۃ کہ یہ کرہ یعنے بار دگر جینا کچھ مشکل نہیں صرف ایک سخت آواز یعنی نفخ صور سے ہو جاوے گا۔

کوئی حالتِ منتظرہ نہوگی فوراً ہر ایک بدن تیار ہو جاوے گا۔ اور اجزاء بدن مجتمع ہونگے۔ اسی وقت ان ابدان سے ارواح کو متعلق کر دیا جاوے گا

گویا سوتے کو جگا دیا۔ اس لئے فرماتا ہے فاذاہم بالساہرۃ کہ پھر تو جب ہی وہ یعنی انکی روحیں انکے بدنوں سے متعلق ہو جاوینگی اور جاگ جاوینگی یا یوں کہو فوراً وہ میدان میں حاضر ہو جاوینگے۔

اول

اول[ف] معنے چسپاں تر ہیں کس لئے کہ اس زندگی کے بعد جو موت طاری ہوتی ہے اس کو خواب سے تشبیہ تام ہے چند وجوہ سے اول یہ کہ جسم سالم اور صحیح موجود ہوتا ہے اور خواب کی وجہ سے بیکار ایک جگہ پڑا رہتا ہے نہ چلتا پھرتا ہے نہ کسی سے بات چیت کرتا ہے۔ نہ کھاتا پیتا ہے نہ کسیکو جواب دیتا ہے۔ یہاں کچھ ہی ہوا کرے اسکو اسکی کچھ بھی خبر نہیں ہوتی۔ یہی حال موت سے ہو جاتا ہے۔ وہی جسم ہے۔ وہی اس کے اعضا ہیں مگر ایک تختہ سا پڑا ہے نہ اب اسکو جورو بچوں کی پروا ہے نہ کسی یار دوست کی۔ نہ دنیا کے زرو جواہر مرغوب چیزوں کی جن کے لئے مارا مارا پھرتا تھا۔ نہ ان سے متمتع ہو سکتا ہے۔ سب بیکار پڑا ہے۔ اور جس طرح خواب میں اسپر بہت کچھ واقعات گزرتے ہیں کہیں باغوں کی سیر کرتا پھرتا ہے۔ دوستوں سے ملکر لطف صحبت اٹھاتا لذت و سرور پاتا ہے کہیں کسی مکان تنگ میں بند کیا جاتا ہے مار پٹتی ہے۔ سانپ بچھو ڈستے ہیں روتا پیٹتا ہے چیختا ہے چلاتا ہے پاس والوں کو کچھ بھی خبر نہیں ہوتی نہ جسم پر ان خواب کی راحتوں یا تکلیفوں کا کچھ اثر نمودار ہوتا ہے۔ نہ خواب کی حالت میں ان خواب کے واقعات کو فرضی اور خیالی سمجھتا ہے بلکہ اصلی بلکہ خواب کو ہی خواب بیدار ہو کر سمجھتا ہے۔ خواب میں تو اسی عالم کو اصلی حالت اور سچے واقعات سمجھتا ہے یہی حال میت کا ہے۔ جب اس پر ادھر سے بیہوشی ہوئی اور دوسرا عالم منکشف ہوا اور فرشتوں سے آمنا سامنا ہو گیا پھر کوئی بہاریں لوٹ رہا ہے۔ ملائکہ پاک صورت و حوریان مہر طلعت سے باتیں کر رہا ہے۔ انکے جلسوں میں بیٹھا ہوا ہے باغ قدس کی بہاریں دیکھ رہا ہے۔ کسی پر وہاں گرز پڑ رہے ہیں جہنم کی لپٹیں اس کو کھائے جاتی ہیں۔ مکان تاریک و تنگ میں محبوس ہے سانپ بچھو ڈس رہے ہیں روتا ہے چلاتا ہے۔ مگر اس کے جسم پر کوئی اثر نہیں نہ جسم کے دیکھنے والوں کو کچھ دکھائی دیتا ہے۔ پھر جس طرح خواب سے بیدار ہونے والا پھر ایک دوسرے عالم میں آتا ہے اور یہاں کے حالات دیکھ کر اس عالم کو عالم خواب و خیال سمجھتا ہے۔ اسی طرح مردے جب سخت آواز سے خواب عدم سے جگا کر بیدار کئے جاوینگے تو ایک اور زندگی دیکھیں گے اور اٹھکر کہیں گے من بعثنا من مرقدنا کہ کس نے سوتے ہوئے ہم کو جگا دیا؟ اس لئے باردگر زندگی کو زجرۃ واحدۃ ایک تند آواز سے وابستہ کیا۔ جیسا کہ خواب سے بیدار کرنا ایک تند آواز سے ہوا کرتا ہے اور جیسا کہ اس عالم میں خواب سے بیدار ہوتا ہے اس لئے اس عالم میں آواز تند سے بیدار ہونا بیان فرمایا۔

اور یہی موت کو اور مر کر باردگر جینے کو انسان کی زندگی اور اس کے خواب اور اسکی بیداری سے مشابہتیں ہیں اور یہ کلام تخیلی نہیں بلکہ مقدمات حقہ اور یقینیہ پر مبنی ہے اس لئے یہ ایک برہان یا حجت ہے جسکو ہر ایک ذی شعور سمجھ سکتا ہے۔

[ف] یعنی لفظ ساہرہ کے دو معنے ہیں اول یہ کہ فوراً یہ لوگ قیامت کے دن جاگ اٹھیں گے موت کی نیند سے۔ دوم یہ کہ فوراً میدان حشر میں الحاضر ہوں گے اول معنے زیادہ مناسب اور بہت چسپاں ہیں کس لئے کہ موت کو خواب سے زیادہ مشابہت ہے اور سہر بیداری کو کہتے ہیں حیات اخروی بیداری اور موت خواب سے بہت مشابہ ہے چند وجوہ سے جن میں سے ایک وجہ تفسیر میں بیان کی گئی۔ ۱۲ منہ

هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَىٰ ۝ إِذْ نَادَاهُ رَبُّهُ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝ اذْهَبْ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ۝ فَقُلْ هَل لَّكَ　وقف لازم

آپکو کچھہ موسٰی کا بھی حال معلوم ہوا؟ جبکہ اُنکے رب نے اُنکو پاک وادی طوی میں پکارا کہ تم فرعون پاس جاؤ کیونکہ اُسنے سر اٹھا رکھا ہے پھر (جاکر) کہو کیا

إِلَىٰ أَن تَزَكَّىٰ ۝ وَأَهْدِيَكَ إِلَىٰ رَبِّكَ فَتَخْشَىٰ ۝ فَأَرَاهُ الْآيَةَ الْكُبْرَىٰ ۝ فَكَذَّبَ وَعَصَىٰ ۝ ثُمَّ أَدْبَرَ يَسْعَىٰ ۝ فَحَشَرَ

تو چاہتا ہے کہ سدھر جائے اور میں تجھے تیرے رب کی راہ بتاؤں کہ تو ڈرنے لگے پھر موسٰی نے اُسکو بڑی نشانی دکھائی سو اُسنے جھٹلایا اور نہ مانا پھر پیٹھ پھیر کر جلد باہر (لوگوں کو) جمع کیا

فَنَادَىٰ ۝ فَقَالَ أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ ۝ فَأَخَذَهُ اللَّهُ نَكَالَ الْآخِرَةِ وَالْأُولَىٰ ۝ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَن يَخْشَىٰ ۝　ع ۲۶ ۳

پکارا تو کہا کہ میں ہی تمہارا بڑا معبود ہوں پھر تو اُسکو اللہ نے آخرت اور دنیا کی رسوائی میں گرفتار کیا بے شک اس میں ہر ایک ڈرنے والے کے لئے (بڑی) عبرت ہے

ترکیب

ہل استفہامیۃ او بمعنی قد والجملۃ مستانفۃ لبیان مسئلۃ النبوۃ اذ متعلق بحدیث لا باتاک لاختلاف وقتیہما طوی قرئ بالتنوین وترکہ وہما سبعیتان فمن صرفہ جعلہ اسم وادٍ ومکانٍ وجعلہ نکرۃ ومن لم یصرفہ جعلہ بلدۃ وبقعۃ وجعلہ معرفۃ۔ وہو وادٍ بین الشام وقلزم وہو بدل من الواد اذہب ای قال اذہب وقیل ہو تفسیر للنداء تزکی قرأ الجمہور بالتخفیف وقرأ نافع وابن کثیر بتشدید الزاء علی ادغام التاء فی الزای قال ابو عمرو بن العلاء علی الاول معناہ تکون زکیا مؤمنا وعلی الثانی الصدقۃ۔ والی متعلقۃ بمحذوف وہو رغبۃ او توجہ وہو مبتدأ لک خبرہ واہدیک معطوف علی تزکی منصوب بان والفاء فی فتخشی لترتیب الخشیۃ علی الہدایۃ یسعی حال من الضمیر فی یسعی نکال الآخرۃ وفی نصب نکال وجہان احدہما ہو مصدر لان اخذ ونکل بمعناہما واحد والثانی ہو مفعول لہ ای اخذہ اللہ لاجل نکال الآخرۃ والاولی۔ ورجح الزجاج القول الاول لعبرۃ اسم ان فی ذلک خبرہا

تفسیر

مسئلہ معاد پر دلائل عقلیہ بیان فرمانیکے بعد وہ دلائل نقلیہ بیان فرماتا ہے جن کا تعلق ایک جم غفیر کے مشاہدہ سے ہے یعنی سینکڑوں آدمیوں نے مردوں کو زندہ ہوتے دیکھا ہے اور جو چیز بظاہر قابل حیات نہیں اس میں حق سبحانہ نے روح پھونکدی ہے۔ اور یہ تاریخی واقعات (جو حضرت موسٰی علیہ السلام اور انکے اتباع کے عہد میں اُنکی برکت و معجزات سے سرزد ہوئے تھے) عرب میں مشہور اور معروف تھے اسلئے حضرت موسٰی علیہ السلام کا ذکر فرماتا ہے فقال ہل اتٰک حدیث موسٰی کہ کیا تجھے موسٰی کی بات پہونچی؟ یعنی ضرور پہنچی۔ پھر دیکھو کیا اُنکے وقت میں مردہ زندہ نہیں ہوا جس کا قصہ سورۂ بقرہ میں موجود ہے۔ اور نیز انکے پاس ایک عصا تھا جو سانپ بن جاتا تھا۔ پھر مردہ کا زندہ کرنا خشک لکڑی کے سانپ بنانے سے کچھہ بڑھکر ہے؟ ہرگز نہیں۔

یا یوں کہو کہ مسئلہ معاد کے بعد مسئلہ نبوت کا ثابت کرنا بھی اہم مقاصد میں سے تھا اسلیئے ایک مسلم النبوۃ نبی کا ذکر کرتا ہے اور اُسکے ضمن میں مسئلہ معاد کو بھی ثابت کرتا ہے اور یہ بھی اشارہ کرتا ہے کہ اے قریش تم نے موسٰی کا حال تو سُنا ہوگا وہ فرعون کے پاس ہماری طرف سے رسول بنکر گئے فرعون اور اُسکی قوم اے قریش دولت و حشمت میں تم سے بدرجہا بڑھکر تھے اُنہوں نے ہمارے رسول کا کہنا نہ مانا معجزات کو جھٹلایا پھر اُس کا اور اُسکے سرداروں کا یہ انجام ہوا کہ ہمنے اُنکو دنیا اور آخرت کی رسوائی میں گرفتار کیا دنیا میں قلزم میں ڈوب کر مرے آخرت میں جہنم کی آگ میں پھینکے گئے اُنکے سرو سامان سب دھرے رہے۔ اب تم جو ہمارے رسول کے ساتھہ وہی معاملہ کرتے ہو جو فرعون نے موسٰی سے

کیا تھا۔ سو تم بھی اپنے لیئے دنیا و آخرت کی خواری کے لئے تیار ہو جاؤ۔

حضرت موسیٰ کا حال اکثر سورتوں میں بتفصیل مذکور ہے مگر اس سورہ میں جو کہ نزول میں ان سے مقدم ہے اجمالاً ذکر فرمایا گیا فقال اذ ناداہ ربہ بالواد المقدس طوی کہ جب موسیٰ کو اُسکے رب نے یعنی ہمنے پاک جنگل میں جسکا نام طوی ہے اور کوہ طور بھی وہیں واقع ہے پکارا۔ یہ مختصر کیفیت ہے اور تفصیل اسکی یہ ہے کہ حضرت موسیٰ شہر مصر میں پیدا ہوئے تھے۔ بنی اسرائیل کے خاندان میں۔ فرعون نجومیوں کی اس خبر سے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص ایسا پیدا ہوگا جس سے تیری ہلاکت ہوگی اُنکے ہر ایک بچے کو قتل کروا ڈالتا تہا۔ اس خوف سے موسیٰ کی ماں نے موسیٰ کو لکڑی کے صندوق میں بند کرکے دریائے نیل میں ڈالدیا بہتے ہوئے فرعون کے محلوں میں آنکلے اُسکی بیٹی نے دیکھ لیا صندوق کھولا گیا تو چاندسا لڑکا دکھائی دیا۔ فرعون کے کوئی بیٹا نہ تھا اُسکی بیوی نے بیٹا بنا لیا۔ ان ہی کے گھر میں ناز و نعمت سے پرورش پائی جوان ہوئے تو ایکبار بازار میں دیکھا کہ ایک فرعونی ایک اسرائیلی کو مار رہا ہے اسرائیلی نے موسیٰ سے فریاد کی۔ آپ مظلوم کے چھڑانے کو بڑھے فرعونی باز نہ آیا تو اُس کے آپنے ایک گھونسا مارا جس سے وہ مرگیا اس خوف سے کہ فرعونی اور فرعون مجھے نہ پکڑیں موسیٰ مصر چھوڑ کر قلزم پار شہر مدین میں آئے جہاں حضرت شعیب علیہ السلام رہا کرتے تھے یہاں اُنکی ایک بیٹی سے آپنے شادی کرلی آٹھ یا دس برس یہاں رہے آپ مصر کا شوق ہوا اور سمجھے کہ اب اس قصہ کو لوگ بھول گئے ہونگے۔ بیوی بچے بھی ساتھ چلے۔ بیوی حاملہ تہیں رستہ میں ایک منزل پر وادیٔ طوی میں پہنچکر راہ بھول گئے۔ سردی کا موسم تھا رات ہوگئی تھی آپنے دور سے ایک آگ کا چمکارا دیکھا۔ بیوی اور غلاموں سے کہا تم یہیں ٹھیرو مَیں آگ پاس جاتا ہوں آگ لاؤں گا تمہارے تاپنے کے لئے اور اگر آگ نہ ملی تو رستہ تو بتا دیگا رستہ پوچھ لونگا۔ آپ اُس مقام پر آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک درخت پہ تجلی ہے اور ہر ایک شاخ و برگ سے ملائکہ کی تسبیح و تہلیل کی آوازیں آرہی ہیں حضرت موسیٰ دیکھکر حیران ہوگئے پھر ایک ایسا نور عظیم الشان متجلی ہوا کہ حضرت موسیٰ کی آنکھیں دیکھ نہ سکیں اور موسیٰ کو آواز آئی کہ اے موسیٰ مَیں رب العلمین ہوں قریب آ یہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے موسیٰ نے عرض کیا میرا عصا ہے فرمایا اسکو زمین پر ڈالدے۔ ڈالا تو سانپ بن گیا موسیٰ ڈر کر پیچھے بہاگنے لگے فرمایا ڈر نہیں اسکو اٹھالے اٹھایا تو پہر عصا تہا۔ اور کہا اپنا دایاں ہاتھ تو بغل میں دبا کر نکال۔ نکالا تو آفتاب کی طرح چمکنے لگا۔ یہ دو معجزے یا نشانیاں عطا کرچکے بعد فرمایا کہ ہمنے تجھے رسول کیا تو اذہب الی فرعون انہ طغی شاہ مصر کے پاس جا کیونکہ وہ سرکش ہوگیا ہے خدائی دعویٰ کرتا ہے۔ بندگانِ خدا کو ایذا دیتا ہے نہایت بدکار ہے اور اُسکے سبب سے اسکی قوم بدکاری کے دریا میں ڈوبی ہوئی ہے وہاں جاکر فقل ہل لک الی ان تزکی یہ کہہ کہ کیا تجکو اس بات کی رغبت و خواہش ہے کہ تو درست ہوجاوے تیرے اخلاق بد دور ہوجاویں اور تو ان تمام روحانی نجاستوں سے پاک و صاف ہوجاوے اور پاک ہونیکے بعد واہدیک الی ربک تیرے رب کا تجھے رستہ بتاؤں جب تک انسان روحانی نجاستوں میں آلودہ رہتا ہے اُسکو اُسکے رستہ تک ہی رسائی نہیں اُس تک تو کجا۔ یہی تاریکیاں حجاب حاجز ہیں بندے کو خدا تک نہیں پہنچنے دیتیں اول تزکیہ پھر تحلیہ ہے۔ اور صرف یہی بات نہیں کہ تجھے رستہ بتادوں وہاں پہنچے یا نہ پہنچے بلکہ پہنچا ہی دوں کس لیئے کہ کمال ہدایت ایصال الی المطلوب ہے نہ ارادۃ الطریق اور مرشد کامل جو مدبرات امرا میں مذکور ہیں انکا یہی کام ہے اور حضرات انبیا علیہم السلام ان میں فرد کامل ہیں اسلئے فرمایا فتخشی کہ پھر تو ڈرنے لگے کس لیئے کہ دربار الٰہی میں جب پہنچ ہوجاتی ہے تو بہیمیت کمزور ہوجاتی ہے اور جلال الٰہی کا پرتو اوپر پڑتا ہے جس لیئے

حضرت موسیٰ کا قصہ

بندہ ڈرنے اور لرزنے لگتا ہے جو بادشاہ کے دربار تک ہی نہیں پہنچا اُس پر دربار کی کیا ہیبت پڑیگی خشیت وتبیل وصال ہو اس مقام پر عجز گر پڑے اور کچھہ نہیں بن آتا تے فرعون اگر تجکو ان سب باتوں کی رغبت ہے تو میں کوشش کروں۔ کیونکہ طالب کے لیئے ارادت شرط ہو ورنہ محرومی ہے۔ فرعون سے ارادت تو ظاہر نکی بلکہ انکار و مقابلہ کرکے پوچہا کہ راہ دکہانا اور درست کرنا تو بعد کی بات ہے پہلے اپنا رسول ہونا تو ثابت کیجئے ہم کس دلیل سے جانیں کہ تجکو خدا نے ہمارے پاس بہیجا ہے؟ اسلئے فاراہ الایۃ الکبریٰ حضرت موسیٰ نے فرعون کو بڑی نشانی دکہائی۔ بڑی ہی نشانی کیا تہی؟ بعض علما فرماتے ہیں ید بیضا بعض کہتے ہیں عصا دکہایا کہ وہ سانپ بن گیا اور فرعون اور اُسکے درباری ڈر کر بہاگنے لگے اور یہی قول قوی ہے۔ بعض کہتے ہیں دونوں معجزے دکہائے ہر ایک کو آیۃ کبریٰ کہا جا سکتا ہے۔ یہ اول ملاقات کا معاملہ ہے۔ اور بعد میں تو اور بہت معجزات دکہائے جن کا ذکر جلد دوم سورۂ بقرہ کی تفسیر تاریخ بنی اسرائیل میں ہم کر چکے ہیں۔ مگر فرعون معجزات دیکہہ کر بہی ایمان نہیں لایا بلکہ فکذب وعصیٰ جھٹلا دیا اور کہدیا کہ یہ جادو ہے میرے جادوگر اس سے بہی بڑھکر دکھا سکتے ہیں اسلئے میں تیرا اُن سے مقابلہ کراتا ہوں اور ایکروز مقرر کرکے تیرے مقابلہ کے لئے اُنہیں بلاتا ہوں چنانچہ اُسنے ایسا کیا مگر جادوگر عاجز ہوکر ایمان لے آئے لیکن فرعون نے اس پر بہی خدا کی نافرمانی کی کہ ان جادوگروں کو ایمان لانے کے جرم میں مروا ڈالا۔ اس پر بہی بس نہ کی بلکہ ثم ادبر یسعیٰ اُس نے اسکے بعد پشت پھیرنے یعنی نافرمانی میں کوشش کی اور بنی اسرائیل کو اور زیادہ تکالیف دینی شروع کردیں اور یہ قصد کیا کہ موسیٰ تو کیا ہیں اُسکے خدا کا مقابلہ کروں گا اسلئے اُسنے ایکروز درباریوں کو جمع کیا فحشر اور جب سب جمع ہوگئے تو فنادیٰ منادی کی فقال انا ربکم الاعلیٰ کہ میں ہوں تمہارا بڑا رب نہ موسیٰ کا خدا۔ بس تم موسیٰ کے کہنے میں نہ آنا میری اطاعت کرنا۔

فرعون اور اُسکی قوم بت پرست تہی مگر فرعون اپنی سرکشی سے خصوصاً موسیٰ کے مقابلہ میں اپنے زور و قوت جتانیکو لوگوں کے سامنے کہتا تہا کہ میں بڑا رب ہوں تمہاری پرورش میرے ہاتہہ میں ہے جسکو جسقدر چاہوں دوں جسکو چاہوں سزا دوں پھر اتنا اختیار میرے سوا کسکو ہے خدا تعالیٰ کا محسوس نہونے کے سبب قائل نہ تہا اس لئے وہ بیعقل اپنے آپکو رب اعلیٰ سمجہتا تہا ہندوستان میں پہلے زمانوں میں راجاؤں کو معبود سمجہا کرتے تھے۔ یہی مصر کا دستور تہا۔

جب فرعون نے موسیٰؑ کی بات نہ مانی اور سرکشی میں ترقی کرتا گیا تو فاخذہ اللہ اُسکو اللہ جبار و قہار نے پکڑ لیا اور کس بلا میں مبتلا کیا نکال الآخرۃ والاولیٰ آخرت کے عذاب میں اور دنیا کے عذاب میں۔ اُس روز اُسکی ساری خدائی بوسیدہ ہوکر ہوا میں اڑ گئی۔

اس گرفتاری کی تفصیل اور سورتوں میں موجود ہے کہ فرعون اپنا لشکر لیکر موسیٰ علیہ السلام اور اُنکی قوم کو گرفتار کرنے نکلا تہا بنی اسرائیل قلزم سے پار اتر گئے دریا نے رستہ دیدیا بعد میں جو فرعون اور اُسکا لشکر آیا تو سب غرق ہوگئے یہ تو دنیا کی رسوائی تہی آخرت کے لیئے جہنم تیار ہے آخرت کو اسلیئے مقدم کیا کہ دنیا کی رسوائی بمقابلہ آخرت کی رسوائی کے کچہہ نہیں اصل عذاب رسوائی وہیں کی ہے اسلئے اُسکے اسباب سے بچنا چاہیئے ان فی ذلک لعبرۃ اس بیان میں عبرت اور نصیحت ہے مگر کس کے لئے لمن یخشیٰ اُسکے لئے جو خدا سے ڈرتا ہے اور اُس کے دل پر کفر اور بدکاری کی سیاہی چہا نہیں گئی ہے اُسکو عبرت و نصیحت ہو سکتی ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا فرمودہ غلط نہیں اور جو کچہہ وہ کہتے ہیں وہ یقینی ہے ہو کر رہیگا اُن سے مقابلہ کرنیوالا انجام کار خراب ہوتا ہے کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی۔ مگر جو بدبخت ازلی ہے اُسکو عبرت و نصیحت نہیں ہوتی کیسا ہی حادثہ ہو وہ اُسکو ایک معمولی بات خیال کرتا ہے اب بہی خدا تعالیٰ کی آیات قدرت وقتاً فوقتاً ہماری عبرت کو ظاہر ہوتی ہیں۔ وبا۔ بربادی خاندانہا۔ بجلی۔ ہوا۔ زلزلہ باری وغیرہ مگر دل کے اندہے اُنکو معمولی بات جانتے ہیں

ف۷ کس لئے کہ توریت سفر خروج کے (۷) باب میں یہی ہے ۱۲ منہ

ءَاَنۡتُمۡ اَشَدُّ خَلۡقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰهَا ۟ رَفَعَ سَمۡكَهَا فَسَوّٰىهَا ۟ وَ اَغۡطَشَ لَيۡلَهَا وَ اَخۡرَجَ ضُحٰهَا ۟ وَ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ

کیا تمہارا بنانا بڑی بات ہے یا آسمان کا؟ جسکو اسنے بنایا۔ جسکی چھت بلند کی پھر اسکو سنوارا اور اسکی رات اندھیری کی اور اسکی روشنی نکالی اور زمین کو اس کے بعد

ذٰلِكَ دَحٰىهَا ۟ اَخۡرَجَ مِنۡهَا مَآءَهَا وَ مَرۡعٰىهَا ۟ وَ الۡجِبَالَ اَرۡسٰىهَا ۟ مَتَاعًا لَّكُمۡ وَ لِاَنۡعَامِكُمۡ ۟

ہموار کیا (پھر) اس میں سے پانی اور چارہ نکالا اور پہاڑوں کو اس کا وباؤ کیا تمہارے اور تمہارے چارپایوں کے برتنے کے لئے

ترکیب

انتم مبتدأ اشد خبرہ خلقا تمیز منہ السماء مبتدأ والخبر محذوف ای اشد والتردید بین الجملتین بالہمزۃ وام بناہا الجملۃ مستانفۃ وقیل حال من المحذوف قال الزجاج والفراء والکسائی تم الکلام عند قولہ بناہا لانہ من صلۃ السماء والتقدیر ام السماء التی بناہا بحذف التی رفع سمکہا مستانف لبیان البناء۔ او صفۃ۔ سمک بمعنی داشتن وسقف خانہ وعیع اض ۲) یقال سمک اللہ السماء سمکا۔ سموک ملبند شدن یقال سنام سامک ای عال مرتفع۔ سمک بالتحریک ماہی۔ سماک سموک ج۔ از صراح غطش اغطاش تاریک کردن شب راو تاریک شدن متعدی ولازم ص۔ والارض منصوب بفعل محذوف ای وحی الارض وکذا الجبال ای وارسی الجبال قری بالرفع علی الابتداء متاعا مفعول لہ او مفعول مطلق ای متع متاعا

تفسیر

منکرین حشر کو ان دلائل کے بعد یہ شبہ پیدا ہوتا تھا کہ لکڑی کا سانپ بنانا اور دیگر حیوانات لا یعقل کا ہر برسات میں پیدا کر دینا یا مینڈک کی مٹی سے مینڈک پیدا کر دینا اور بات ہے کلام انسان اشرف المخلوقات کے بارو گر زندہ ہونے میں ہے اسکا جواب دیتا ہے ءانتم اشد خلقا ام السماء کہ کیا تمہارا بنانا اول بار یا بار دیگر بڑی بات ہے یا آسمان کا؟ یعنی جس قادر مطلق نے ایسا وسیع اور بلند آسمان بنایا اور اسمیں یہ صنعتیں رکھیں اور جسنے زمین کو بنایا اور اسکو ایسا اور ایسا کیا اور اس میں سے انسان اور حیوان کی خورش پیدا کی جسکی قدرت اور حکمت کے ایسے بڑے نمونہ موجود ہیں پھر اسکے نزدیک انسان کا بارو گر پیدا کرنا کون بڑی بات ہے؟ کس لئے کہ جو بڑی چیز جس میں بے انتہاء باریکیاں رکھی ہیں پیدا کر دینے پر قادر ہے وہ چھوٹی چیز کے پیدا کر دینے پر بدرجہ اولی قادر ہے خصوصاً جبکہ ایکبار اسکو پیدا بھی کر چکا ہو۔

اس کے بعد آسمان کی پیدایش اور اسکے اندر جو صنعتیں رکھیں انکو بیان فرماتا ہے اول رفع سمکہا کہ اسکی چھت کسقدر بلند کی زمین سے لاکھوں کوس بلند ہے نہ وہ کسی ستون پر قائم ہے نہ کسی دیوار پر رکھا ہوا ہے دوم فسوٰہا یہ نہیں کہ بیڈول اسکو بلند کر دیا بلکہ ٹھیک کیا ہر موقع پر ہر چیز ہے نہ اس میں شگاف ہو نہ ٹیڑھا ترچھا پن ہو سوم واغطش لیلہا واخرج ضحٰہا اسکی رات اندھیری کی یعنی اس طور پر رکھا کہ گردش سے رات پیدا ہوتی ہے اور کیسی اندھیری ہوتی ہے اور پھر دوسری پلٹی میں دن پیدا ہوتا ہے کیسی روشنی پیدا ہو جاتی ہے؟ اور آسمان ہی پیدا کرکے نہیں چھوڑ رہا بلکہ والارض بعد ذلک دحٰہا اس کے بعد یعنی آسمان کے سنوارنے کے بعد زمین کو ہموار کیا۔ پیدا تو اول زمین کو کیا اس کے بعد آسمان کو پیدا کیا اور اسکو ٹھیک کرکے زمین کو ہموار اور موزوں کیا۔ ان آیات اور سورۂ فصلت کی ان آیات ثم استوٰی الی السماء اور سورۂ بقرہ کی آیات ہو الذی خلق لکم ما فی الارض الخ وان آیات قل ائنکم لتکفرون بالذی خلق الارض فی یومین الخ میں کچھ تعارض نہیں۔ اسکی تشریح و تفصیل ہم سورۂ بقرہ کی تفسیر میں کر چکے ہیں۔ اخرج منہا ماءہا ومرعٰہا زمین سے پانی نکالا کنوؤں اور چشموں سے اور چارہ پیدا کیا والجبال ارسٰہا اور پہاڑوں کو اس کا دبا بنایا جس سے ڈگمگاتی نہیں۔ متاعا لکم ولانعامکم تمہارے برتنے اور آرام پانے اور تمہارے چارپایوں کے برتنے اور کھانے کے لئے۔ پھر جو مصالح زمین و آسمان میں جسنے ملحوظ رکھکر انکو بنایا ہے کیا وہ انسان کو بارو گر زندہ نہیں کر سکتا؟ ضرور کر سکتا ہے۔

فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْکُبْرٰی ۝ یَوْمَ یَتَذَکَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰی ۝ وَبُرِّزَتِ الْجَحِیْمُ لِمَنْ یَّرٰی ۝ فَاَمَّا

پھر جبکہ وہ بڑا حادثہ آموجود ہو جس دن کہ انسان اپنے کئے کو یاد کرے گا اور دیکھنے والوں کے سامنے جہنم لائی جائیگی پھر

مَنْ طَغٰی ۝ وَاٰثَرَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ۝ فَاِنَّ الْجَحِیْمَ ہِیَ الْمَاْوٰی ۝ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَہَی النَّفْسَ

جسنے سرکشی کی ہوگی اور دنیا کا جینا ہی پسند کر لیا ہوگا سو اُس کا تو دوزخ ہی ٹھکانا ہے اور جو اپنے رب کے پاس کھڑا ہونے سے ڈرا اور دل کو

عَنِ الْہَوٰی ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ ہِیَ الْمَاْوٰی ۝

خواہشوں سے روکا پھر بیشک اسکا تو جنت ہی مقام ہے

ترکیب

فاذا شرط الطامۃ قال المبرد ہی عند العرب الداہیۃ طم طم وراتیا فشتن دعع ف اض ۲ / یقال فوق کل ذی طامۃ طامۃ ویریدن۔ والطامۃ قیامت صراح قال المبرد ہی من قولہم طم الفرس طمیما اذا استفرغ جہدہ فی الجری وطم الماء اذا املاء النہر کلہ وقال اللیث الطم طم البئر بالتراب ہو الکبس ویقال للشئ الذے یکبر حتی یعلو طم والطامۃ الحادثۃ تطم علی ماسواہا کبیر۔ والعامل فی اذا جوابہا وہو معنی قولہ یوم یتذکر قال الواحدی جواب اذا محذوف والتقدیر اذا جاءت الطامۃ الکبری دخل اہل النار النار واہل الجنۃ الجنۃ وقیل جوابہا قولہ فان الجحیم ہی الماوی وکانہ جزاء مرکب علی شرطین یوم یتذکر الظرف بدل من اذا وقیل من الطامۃ الکبری۔ وبرزت معطوف علی جاءت قراٗ الجمہور یری بالتحتیۃ وقرأت عائشۃ وعکرمۃ ومالک بن دینار وزید بن علی بالفوقیۃ ای لمن تراہ الجحیم فاما شرطیۃ من موصولۃ طغی صلتہا واثر معطوف علی طغی آثر اختار فان الجحیم الجملۃ جواب الشرط ہی الماوی لہ اوالالف واللام عوض عن المضاف الیہ وقس علیہ اما من خاف مقام ربہ قیامہ بین یدیہ وقال الجلال جواب اذا فاما من طغی الخ۔

تفسیر

آسمان وزمین کی بناوٹ میں اپنی حکمت بالغہ وقدرت کاملہ کا ثبوت دیکر بظاہر تو یہ بات ثابت کی تھی کہ ہم انسان کے بارہ گر زندہ کرنے پر قادر ہیں اور ضمناً یہ بھی بتایا تھا کہ در اصل ہمیں مربی و رزق رسان ہیں۔ ہم ہی نے تمہارے لیئے یہ گھر بنایا جسکی چھت آسمان اور فرش زمین ہے اور جس میں تمہاری معیشت کے کل سامان ہیں پھر ہم ہی قابل پرستش ہیں ہمارے ساتھ عبادت و استعانت میں دوسرے کو شریک کرنا کمال ناشکری ہے اور ہماری عبادات واطاعت شکر گزاری اور حق شناسی ہے۔ اسمیں مسئلہ توحید کا بھی کامل ثبوت کر دیا گیا۔ اب یہ بات ظاہر کرتا ہے کہ یہ دنیا کا گھر اور اسکی نعمتیں ہمیشہ کے لیئے نہیں آخر ایکروز یہ گھر بگڑنا ہے اور تمہیں ایک دوسرے گھر میں جاکر سدا رہنا ہے جہاں انسان کو اُسکی کوشش اور عمل کا نتیجہ نیک یا بد بھگتنا پڑیگا اور اس دار امتحان میں جو کچھ کیا تھا اس کا بدلہ پانا ہوگا اور اس گھر میں بسانے سے یہی مقصود بھی تھا نہ کہ یہیں رکھنا اور یہ کب ہوگا فاذا جاءت الطامۃ الکبری جبکہ بڑا حادثہ یعنی قیامت آوے۔ طامہ بڑا حادثہ جو اور سب حادثوں پر غالب ہو اور کبری میں اور بھی تاکید ہے یہ موت کے حادثے اور دنیا کے جمیع حوادث انقلابات سلطنت و دریائی طغیانی پہاڑوں کی آتش فشانی قوموں کے زیر وزبر ہونے نئے مکانوں کے بننے پہلوں کے گرنے انسان کے بڑھاپے اور دولتمند و فقیر ہونے سب سے بڑھکر ہے کس لیئے کہ اُس حادثہ میں یہ تمام عالم ہی زیروزبر ہو جائیگا یہ گھر فنا ہو جاویگا۔ ان آیات میں پھر اس مسئلہ معاد کی تصویر کھینچی جاتی ہے اور یہی خیال انسان کو نیکی پر اُبھارتا اور بدکاریوں سے روکتا ہے۔

قیامت میں آسمانوں کا پھٹنا زمین کا فنا ہونا پہاڑوں کا اُڑتے پھرنا جو نفخ صور اول سے متعلق ہے تو طبیہ و تمہید ہے اور اصل مقصد انسان کا بار دگر زندہ ہوکر اپنے اعمال و ایمان کا بدلہ پاتا ہے اس لیئے طامۃ کبری کے بعد جو قیامت ہے اُس اصلی مقصد کو بیان فرماتا ہے فقال یوم یتذکر الانسان ماسعٰی یعنی جسدن کہ آدمی یاد کریگا کہ اُسنے دنیا میں کیا کیا تہا اُسکو وہ قوی اور حواس عطا ہونگے کہ جو کچھہ آج دنیا میں کرکے بھول گیا ہے اُس روز وہ سب یاد آجاویگا اور اعمال کا نیک و بد نتیجہ اپنی مناسب اشکال میں اُسکو آنکھوں سے دکہائی دیگا و برزت الجحیم اور مظہر قہر الٰہی جسکو جہنم یا جحیم کہتے ہیں ظاہر ہو جاویگی لمن یرٰی ہر ایک دیکھنے والے کے لیئے۔ آج جو یہ تفرقہ ہے کہ اُسکو اہل بصیرت حضرات انبیاءؑ و اولیاؒ دیکھتے ہیں اوروں کو دکھائی نہیں دیتی اور اسی لیئے شتر بے مہار ہوکر لوگ لذات و شہوات میں گرے پڑتے ہیں اور اسکی کچھہ بھی پروا نہیں کرتے اور محسوس نہونیکے سبب انکار کرتے ہیں اُس روز یہ نہوگا ہر ایک کھلم کھلا دیکھے گا لمن یرٰی کے لفظنے تعمیم کردی۔ پہر اس قہرمان الٰہی کے ظاہر ہونے سے یہ نہوگا کہ تمام بنی آدم کو اُس میں جہونکدیا جاویگا بلکہ فاما من طغٰی جسنے سرکشی کی دنیا میں کہ حد مقرر سے آگے پاؤں دھرا۔ یہ لفظ جمیع گناہوں کو شامل ہے معاملات سے لیکر عبادات تک حکم الٰہی سے سرتابی تجاوز طغیان ہے۔ یہ قوت نظریہ کے فساد کی طرف بھی اشارہ ہے کس لیئے کہ جسنے اللہ کو پہچان لیا وہ اپنے نفس کو حقیر جانیگا اور ہر دم خداوند قہار و جبار کو انتقام پر قادر سمجھے گا پہر اُس سے طغیان یعنی سرکشی سے کوئی گناہ سرزد نہ ہوگا رہا مقتضی بشری جسکے بعد توبہ و ندامت ہو وہ طغیان نہیں واثر الحیٰوۃ الدنیا اور طغیان ہی پہ بس نہیں بلکہ زندگی دنیا پر بھی ریجھہ گیا ہو۔ یہ قوت عملیہ کے فساد کی طرف اشارہ ہے حدیث شریف میں آیا ہے کہ دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے اس میں کوئی بھی شبہ نہیں کہ جب انسان دنیا کی زندگی پہ فریفتہ ہو جاتا ہے اور دوسرے جہاں میں جانیکا اُسکو یقین نہیں ہوتا تو وہ رات دن اسباب عیش و آرام کے جمع کرنے میں مصروف رہتا ہے خواہ حرام سے خواہ حلال سے کسی طرح سے ہو مال و زر زمین و جائداد پیدا کرنے کے خیال میں ایسا غرق ہوتا ہے کہ پہر اُسکے مقاصد کے حاصل کرنے میں کیسا ہی گناہ اور حق تلفی ہو پروا نہیں کرتا نہ جہوٹ بولنے اور دغابازی کرنیسے حذر کرتا ہے نہ ظلم کرنیسے ڈرتا ہے اپنا شیوہ منافقانہ بنانا دنیاداری کے اصول میں سے جانتا ہے۔ پہر اسکو نماز و روزہ یا اور کسی نیکی کی فرصت و مہلت کہاں ہے رات دن اسی میں رہتا ہے خواب بھی اسی کے دیکھتا ہے آخر اسی حال میں دنیا سے جاتا ہے فان الجحیم ہی الماوٰی تو لامحالہ دوزخ ہی اُسکا مقام اور ٹھکانا ہوتا ہے۔ مرتے ہی وہ عالم برزخ میں اس بلا میں مبتلا ہو جاتا ہے کس لیئے کہ یہ وہی تو اسکا طغیان و حب الدنیا ہے جو جہنم کی شکل میں ظاہر ہوگئی اور حشر میں اور بھی ظہور ہوگا واما من خاف مقام ربہ اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونیسے ڈرا۔ جو شخص اس خیال کو دل میں جگہ دیگا وہ ہر قسم کی بدکاری اور گناہ سے دور رہیگا اور یہ صفت وصف طغیان کی ضد ہے جسمیں یہ صفت ہوگی وہ نہوگی اور اسی خیال پر بس نہیں بلکہ ونہی النفس عن الہوٰی وہ نفس کو خواہش نفسانی سے بھی روکتا رہا جس طرح وہ دونوں صفتیں جمیع قبائح اور الواث کو شامل تہیں اسیطرح یہ دونوں صفات جمیع طاعات و حسنات و تطہیر باطن و ظاہر و مکارم اخلاق کو شامل ہیں۔ اور ان نیک صفتوں میں سے اول دوسری کیلئے علت ہے کس لیئے کہ نفس کی بدکاریوں سے لگام روکنا جب ہی ہوسکتا ہے کہ جب یہ تصور کرلیگا کہ مجھے ایک روز خدائے جلیل و جبار کے سامنے کھڑا ہونا اور حساب دینا ہے خاف مقام ربہ میں قوت نظریہ کی تکمیل کیطرف و نہی النفس میں قوت عملیہ کی تکمیل کیطرف اشارہ ہے ایسے پاک لوگوں کا فان الجنۃ ہی الماوٰی بہشت انجام ہے وہی انکا مقام ہے وہ عالم قدس میں بادشاہت کیا کرینگے سبحان اللہ ان دو آیتوں میں دار آخرت کا حال اور نیکی و بدی کا انجام اور اصول سعادت و شقاوت کس خوبی سے بیان فرما دیئے۔ ان آیات میں تعمیم ہے کوئی کیوں نہو جو ایسا ہوگا یہ انجام ہوگا بعض مفسرین کہتے ہیں کہ پہلے دونوں جملوں میں عامر بن عمیر کی طرف اشارہ ہے جو بدکار دنیا پرست تہا اور اخیر کے جملوں میں اُسکے بھائی مصعب بن عمیر کیطرف اشارہ ہے جو تارک الدنیا تہجد گزار تہا احد میں شہید ہوا جسکے لئے پورا کفن بھی نہ تہا سر ڈہانکتے تہے تو پاؤں کھلجاتے تہے اور جو پاؤں ڈہانکتے تہے تو سر کھلجاتا تہا

يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ۝ فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰهَا ۝ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا ۝ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ

(اے رسول) آپسے اُس گھڑی کا حال پوچھتے ہیں کہ اُس کا کب وقت ہے؟ آپکو اسکے ذکر کی کیا پڑی اسکی خبر تو آپکے رب کے پاس ہے آپ تو اُس گھڑی سے اسکو ڈراتے ہیں

مَنْ يَّخْشٰهَا ۝ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا ۝

کہ جو اسے ڈرتا ہے۔ جسدن کہ اسکو دیکھ لیں گے تو یہی سمجھیں گے کہ دنیا میں، گویا ہم ایک شام یا اُسکی صبح تک ٹھیرے تھے۔

ترکیب

ایان ظرف زمانی مبنیٌ علی الفتح مبتدأ مرسٰہا خبرہ ای منتہیٰ قیامہا قال ابو عبیدۃ مرسی السفینۃ مستقرہا والجملۃ بیان السوال فیم اصلہ فیما ای فی ای شئے خبر والمبتدا انت من ذکراھا بیان لای شئی والمعنی لست فی شئی من ذکر وقت قیامتہ انما یعلمہا اللہ تعالیٰ خاصتہ والاستفہام انکاری ورد لسوال المشرکین عنہا الی ربک متعلق بثابت خبر منتہاھا مبتدأ ای منتہیٰ علمہا فلا یعلم لتعیین قیامہا الا ہو والجملۃ تاکید للجملۃ الاولیٰ فی ردسوالہم وکذا انما انت الخ منذر مضاف الی من وہذا قرأۃ الجمہور وقرئ بالتنوین قال الفراء کلاہما صواب کقولہ بالغ امرہ وموہن کید الکافرین وقال صاحب الکشاف الاصل ہو التنوین والاضافۃ تخفیف وکلاہما یصلح للحال والاستقبال کانہم کان اسمہا ہم لم یلبثوا خبرہا یوم یرونہا ظرف لقولہ لم یلبثوا ای یظنون انہم لم یلبثوا فی الدنیا الا عشیۃ او ضحٰہا ای عشیۃ یوم او بکرتہ۔ وصح اضافۃ الضحیٰ الی العشیۃ لما بینہما من الملابسۃ فانہما طرفا النہار والاضافۃ عند العرب تصح بادنیٰ مناسبۃ یقولون ناتیک الغداۃ او عشیتہا واتیک العشیۃ اوغداتہا۔ والعشیۃ من الزوال الی الغروب الضحیٰ ہو البکرۃ الی الزوال۔

تفسیر

کفار عرب نے جب قیامت میں دوزخ کا ظاہر لایا جانا اور بدون کا سزا اور نیکوں کا جزا پانا سنا اور نیکی و بدی کا اصول ہی معلوم کیا تو بجائے اسکے کہ اصولِ حسنات پر عمل کرتے اور بدی کے رستے سے رکتے خود قیامت سے ہی سوال کرنے لگے ایان مرسٰہا کہ اس کا کونسا وقت ہے؟ یہ کمال نادانی ہے۔ کس لئے کہ اگر طبیبِ حاذق کسیکو کہے کہ تمہارا مرض مہلک ہے علاج کرو ورنہ مرجاؤ گے تو احمق بیمار یہ پوچھے کہ اگر سچے ہو تو بتاؤ کہ کب مرونگا۔ حالانکہ اُسکو اپنا مرض معلوم کرلینے کے بعد علاج کیطرف متوجہ ہونا چاہیئے تہا نہ کہ حکیم سے لایعنی سوال کرنا اور تمسخر سے پیش آنا۔ اس لئے آنحضرت صلعم کو فرماتا ہے فیم انت من ذکراھا تجھے کیا پڑی جو اس کا وقت ذکر کرے اول تو یوں کہ انکو کچھ فائدہ نہیں کس لئے کہ وقوع سے پہلے وقت کی خبر کو کب سچا جانینگے اور وقوع کے بعد کوئی تدبیر باقی نہیں دوئم الی ربک منتہٰہا اس کا علم اور وقت کی تعیین تیرے رب ہی کو معلوم ہے کیونکہ وہ ایسا حادثہ ہے جو تمام عالم کے ارکان کو درہم برہم کردیگا اور اس کا سبب اس عالم کے سوا اور ہی کوئی ہے پہر کسی علم اور قرائن سے کسیکو کیونکر معلوم ہوسکے اور حق سبحانہ اُسکی خبر اس لئے نہیں دیتا کہ کارخانۂ عالم درہم برہم ہوجاویگا بدون کو نیکی سے باز رہنے کے لئے ایک یہ بہی حیلہ ملیگا کہ ابہی دل کہولکر شہوت پرستی کرو کیا ابہی قیامت آئے جاتی ہے؟ وہ تو بہت دور ہے۔

انما انت منذر آپ کا کام اے نبی خبردار کردینا اور لوگوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کردینا ہے مگر آپکے انذار سے نفع اسی کو پہنچے گا جو من یخشٰہا قیامت سے ڈرتا ہے اور جانتا ہے کہ مجھے ایکروز سامنے جاکر حساب دینا ہے وہی اپنے امراض کے علاج کے لئے روحانی حکیموں سے چارہ جوئی کریگا۔ اور وہ کیوں اتنی جلدی کررہے ہیں کانہم یوم یرونہا لم یلبثوا الا عشیۃ او ضحٰہا جس روز وہ قیامت کو دیکہیں گے تو اس جہان کی یہ زندگانی ایسی کم معلوم ہوگی کہ یوں سمجہیں گے کہ ہاں آدہے دن رہے تہے صبح یا شام۔ بد حواسی سے پورے طور پر یہ بہی معلوم نہ ہیگا کہ کب تک رہے تہے اول دن یا پچہلے دن۔ دنیا کی عافیت کا خیال آویگا تو صبح سے دوپہر تک رہنا خیال کرینگے کس لئے کہ یہ فرحت کا وقت ہوتا ہے اور رنج و تکالیف کا خیال آویگا تو اخیر دن کا رہنا ڈہلتی پہرتی چہاؤں سا بیان کرینگے۔

ع ۲

سُورَۃُ عَبَسَ مَکِّیَّۃٌ ھِیَ اِثْنَتَانِ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰیَۃً وَّ رُکُوْعٌ وَّاحِدٌ ھِیَ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓی ۝ اَنْ جَآءَہُ الْاَعْمٰی ۝ وَمَا یُدْرِیْکَ لَعَلَّہٗ یَزَّکّٰٓی ۝ اَوْ یَذَّکَّرُ فَتَنْفَعَہُ الذِّکْرٰی ۝

(محمد) اتنی بات سے کہ انکے پاس اندھا آیا ترش رو ہو گئے اور مونہہ موڑ لیا اور آپکو کیا خبر کہ شاید وہ سدھر ہی جاتا یا نصیحت کی باتیں یاد کرتا یا وہ سوچتا سو اس کو نصیحت نفع دیتی

اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی ۝ فَاَنْتَ لَہٗ تَصَدّٰی ۝ وَمَا عَلَیْکَ اَلَّا یَزَّکّٰی ۝ وَاَمَّا مَنْ جَآءَکَ یَسْعٰی ۝ وَھُوَ یَخْشٰی ۝ فَاَنْتَ

لیکن وہ جو پرواہی نہیں کرتا سو آپ اسکے لئے توجہ کرتے ہیں حالانکہ آپ پر اسکے نہ سدھرنے کا کوئی الزام ہی نہیں۔ لیکن وہ جو آپکے پاس دوڑ کر آتا ہوا آئے اور وہ ڈر رہا ہو

عَنْہُ تَلَھّٰی ۝ کَلَّآ اِنَّھَا تَذْکِرَۃٌ ۝ فَمَنْ شَآءَ ذَکَرَہٗ ۝ فِیْ صُحُفٍ مُّکَرَّمَۃٍ ۝ مَّرْفُوْعَۃٍ مُّطَھَّرَۃٍ ۝

سو اس سے آپ بے پروائی کرتے ہیں ہرگز ایسا نہ کرو یہ ایک نصیحت ہے۔ پھر جو چاہے اسکو یاد کرے یہ (قرآن) مکرم بلند مرتبہ مقدس صحیفوں میں

بِاَیْدِیْ سَفَرَۃٍ ۝ کِرَامٍ بَرَرَۃٍ ۝

نیک بخت لکھنے والوں کے ہاتھوں میں رہتا ہے

ترکیب

ان جاء لان جاء مفعول لاجلہ والعامل فیہ اما عبس او تولی علی الاختلاف بین البصریین والکوفیین فی التنازع والمختار مذہب البصریین لعدم الاضمار فی الثانی۔ او یذکر عطفا علی یزکی داخل فی حکم الترجی معہ فتنفعہ قرأ الجمہور برفع المضارع عطفا علی یذکر وقرئ بالنصب علی جواب التمنی فی المعنی تصدی التصدی الاصغاء وقیل ہو تفعل من الصدی وہو الصوت الذی یسمع من الجبل ویجوز ان یکون الالف بدلا من دال ویکون من الصدد وہو الناحیۃ والجانب۔ قرأ الجمہور بالتخفیف علی طرح احد التائین تخفیفا وقرأ نافع وابن محیصن بالتشدید علی الادغام وما علیک الخ ای لیس علیک باس فی ان لا یتزکی والجملۃ فی محل النصب علی الحال من الضمیر فی تصدی یسعی حال من فاعل جاء وہو یخشی حال من فاعل یسعی علی التداخل او من فاعل جاءک علی الترادف تلہی والتلہی التشاغل یقال تلہیت من الامر ای تشاغلت عنہ وکذا تلہیت ولیس من اللہو۔ انہا الضمیر الی الموعظۃ والضمیر فی ذکرہ للقرآن فی صحف حال من الہاء وقیل الجار والمجرور نعت لتذکرۃ وما بینہما اعتراض وکذلک بایدی الخ وقیل فی صحف خبر ثان لانہا وما قبلہا اعتراض والاول تذکرہ سفرۃ جمع سافر من السفارۃ وہو السعی بین القوم او من الکتابۃ قال الزجاج یقال للکاتب سفر بکسر السین وسافر لانہ یسفر ای یکتب۔ والاصل ان معناہ الاظہار یقال اسفر الصبح اذا اضاء ویقال اسفرت المرأۃ اذا کشفت النقاب عن وجہہا وفی السفارۃ والکتابۃ یوجد ذلک المعنی ولہذا یطلق علیہما۔ بررۃ جمع بار۔

تفسیر

یہ سورۃ بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ اس میں بیالیس آیات ایک سو تیس کلمات پانسو پینتیس حرف ہیں اور اس سورۃ کا نام سورہ عبس اس لئے ہے کہ اس کے نزول کا باعث عبوس یعنی ترش روئی تھی۔

ف مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کفار کو سمجھا رہے تھے اور انکے بیہودہ سوالات اور حکم حجتوں سے ملول ہو رہے تھے اتنے میں ایک اندھا جسکا نام عبد اللہ بن ام مکتوم تھا آیا اور آپ سے قرآن سننے کی التجا کی آنحضرت اسکی طرف ملتفت نہ ہوئے اور اشراف قریش ہی کی طرف مخاطب رہے اور اسکے بار بار سوال کرنے سے چیں بجبیں ہوئے اسپر یہ سورہ نازل ہوئی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ قدر سمجھائی گئی کہ بیکس طالب صادق مرغوب ہے دولت اور مغلس کو سمجھانا ہے ... طالب صادق کو ترش کیا ... اپکو کیا معلوم کہ یہ اندھا سدھر جاتا اور اسکا

(فوائد)

ف تقربات میں مرتبہ بالا ہو جاوے اور دین کے بڑے بڑے ہادیوں میں سے ہو جاوے گو بظاہر اندھا ہے مگر قلبی وروحی استعداد میں ممکن ہے کہ ہزار آنکھوں والوں سے بڑھکر ہو جس سے وہ خود بھی درست ہو جاوے اور درست ہو کر اوروں کی بھی اصلاح وتربیت کرنے لگے۔ ۱۲ منہ

جملہ اولی لعلہ یزکی میں خود اسکی درستگی اور صلاحیت کی طرف اشارہ ہے اور دوسرے جملہ او یذکر فتنفعہ الذکری میں اس کی ترقی اور مرتبہ ارشاد و تکمیل تک پہنچ جانے کی طرف اشارہ ہے کس لئے کہ یذکر تذکیر سے ہے اور یہ لفظ قرآن میں دوسروں کے سمجھانے کے معنی میں اکثر وارد ہوا ہے پھر جب وہ اس بتیں پہنچ جاوے گا تو اے محمد تیری نصیحت کا پورا نفع اسکو پہنچے گا چونکہ اسکی استعداد کا پورا حال کہ کمال ہی کے مرتبہ تک ہے یا تکمیل کے مرتبہ تک آنحضرتؐ و صحابہ کو معلوم نہ تھا گو اتنی بات معلوم تھی کہ یہ ہونہار ہے اسلئے بلفظ او ان دونوں جملوں کو ذکر فرمایا جو مانعۃ الخلو ہے۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ لعلہ کی ضمیر کافر کی طرف پھرتی ہے نہ اعمی کی طرف تب اس آیت کے یہ معنی ہوئے کہ اے محمدؐ تجھے کیا معلوم کہ وہ کافر کہ جسکے سمجھانے کے لئے آپ اسقدر دردسری اور عرق ریزی کر رہے ہیں اور اسکی طرف ایسے متوجہ ہیں کہ اس اندھے کی بات کا جواب بھی نہیں دیتے بلکہ اسکے درمیانی سوال سے ترش رو ہوتے ہیں اسمجھ ہی جاوے گا اسکی نجاست کفر اس سے دور ہو جاوے گی یا وہ سمجھا جاوے گا[1] اور اسکو تیری نصیحت سے نفع پہونچے گا؟ پھر جب یہ معلوم نہیں تو اس کی طرف اس قدر توجہ اور اس اندھے غریب سے کہ جس میں استعداد ہے بے اعتنائی کرنا کیا! اس لئے فرماتا ہے اما من استغنٰی فانت لہ تصدی[2] کہ جو تیرے ارشاد و ہدایت سے بے پروائی کرتا ہے اور اس کے مقابلہ میں اپنے عقائد فاسدہ اور خیالات باطلہ اور حیات دنیا اور اس کے عیش و نشاط کو بہتر جانتا ہے آپ اس کے درپے ہو رہے ہیں کوشش کر رہے ہیں یہ سمجھ کر کہ اسکی بے پروائی اسکو اس دریائے ضلالت میں غرق کر دے گی اس کا پہلے تدارک کرنا چاہئے اور جو شوقین ہے اس کا شوق ضرور اسکو اس ورطہ ضلالت سے بچا لیگا۔ خلاصہ یہ کہ آنحضرت صلعم مریض کی حالت موجودہ کو دیکھکر سخت بیمار کی طرف زیادہ متوجہ ہوتے تھے کس لئے کہ رحمۃ للعالمین کا تقاضا یہی تھا اور حق سبحانہ عواقب امور کو دیکھتا تھا کہ جو مریض قابل علاج اور اس میں شفا پانے کی صلاحیت ہے آپ اسکو چھوڑ کر اس لاعلاج مریض کی طرف کیوں اسقدر متوجہ ہوتے ہیں اگر وہ مرجاوے تو مرجائے آپ کا ذمہ نہیں۔ اسی مضمون کو اس جملہ میں ادا فرمایا ہے وما علیک الایزکی اور تجھ پر کوئی الزام نہیں اگر وہ کافر بے پرواہ درست اور پاک نہو جائے کس لئے کہ آپ کا کام تبلیغ ہے اب سدھرنا یا نہ سدھرنا استعداد ازلی پر موقوف ہے۔ اور تبلیغ کا مستحق یہ متکبر بے پرواہ منہ پھیرنے والا نہیں بلکہ واما من جاءک یسعٰی الخ جو شوق میں تیرے پاس دوڑتا آوے اور خداترس بھی ہو جیسا کہ ابن ام مکتوم آپ کو ان سے متوجہ ہونا چاہئے مگر آپ کی رحمدلی اور شفقت اسکے برخلاف اس دوسرے گمراہ کی طرف متوجہ ہے جو جہنم کے کنارہ کھڑا آپ کو دکھائی دے رہا ہے اسلئے آپ اس شوقین سے التفات نہیں کرتے فانت عنہ تلہی بلکہ اس سے منہ موڑ کر دوسرے کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں کلا ہرگز ایسا نہ کرو کیونکہ حکمت الٰہی کا مقتضے یہ نہیں کس لئے کہ انہا تذکرہ یہ آیات تذکرہ ہیں یعنے خدا کے نام اور صفات و افعال و احکام اور اس کی جزا و سزا اور محبت و معرفت و خوف و رجا کو یاد دلاتی ہیں اور خدا سے ملانے کا رستہ بتاتی ہیں سو یہاں خود طالب کی رغبت و ارادت درکار ہے یہاں یہ چاپلوسی اور التجا اور سر ہونا مفید نہیں من شاء ذکرہ جو چاہے اپنی رغبت

---

[1] یہ اس تقدیر پر کہ یذکر بصیغہ مجہول پڑھا جاوے جیسا کہ بعض کی قرارت ہے۔ ۱۲ منہ [2] تصدی کان دھر کہنا۔ آواز جو خالی مکانوں اور خشک لکڑیوں سے نکلتی جاوے۔ یہاں بہر حال کوشش [illegible] کیلئے یہ لفظ مستعمل ہوتا ہے اور اسی لئے مخبروں کو متصدی کہتے ہیں کہ وہ اپنے کام میں کوشش و ہوشیاری کرتے ہیں ۱۲ منہ

اور شوق سے اس قرآن کو یاد کرے۔ قرآن مجید کلام الٰہی ہے اس میں اسکی ذات وصفات وتہذیب نفس کے متعلق بہت کچھ ہے اور بالخصوص اس میں ایک تاثیر ہے کہ اسکے تلاوت کرنے والے پر ایک تجلی ہوتی ہے جس سے روح میں نورانیت اور بہیت کو شگفتگی پیدا ہوتی ہے اسلئے حدیث شریف میں آیا ہے کہ القرآن حبل اللہ المتین کہ قرآن بندہ کے لئے خدا کی طرف سے ایک مضبوط رسا ہے جس نے اسکو پکڑ لیا بام سعادت پر چڑھ گیا۔ اور امام جعفر صادق نے فرمایا ہے تجلی اللہ لعبادہ فی کلامہ ولکنہم لایبصرون کہ اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں بندوں کے لئے متجلی ہوتا ہے لیکن بندے دیکھتے نہیں۔

اوصاف قرآن

اب قرآن مجید کی چند خوبیاں بیان فرماتا ہے اور ضمناً کفار قریش پر تعریض بھی کرتا ہے جو نجاست کفر وفسق وحب شہوات میں آلودہ تھے اور ان کو قرآن عظیم کی طرف التفات نہ تھا اور وہ تعریض یہ ہے کہ یہ قرآن ایسے پاک ہاتھوں کا لکھا ہوا بلند شان اوراق میں ہے کہ ناپاک روحی لوگ اگر اس سے تنفر کریں اور اسکی خوبیوں سے انکی آنکھیں اندھی رہیں اور انکے ناپاک ہاتھ اسکو تلاوت کرنے میں مس نکریں تو کچھ تعجب نہیں اسلئے اے پیغمبر علیہ السلام آپ انکی طرف متوجہ نہوں بلکہ ظاہر کا اندھا روشن دل ہو وہی اسکا مستحق ہے۔ اور وہ اوصاف یہ ہیں۔ فی

اول

صحف مکرمۃ مرفوعۃ کہ قرآن مجید گرامی قدر بلند شان صحیفوں میں ہے یعنی اوراق میں۔ اس سے بعض کے نزدیک یہ مراد ہے کہ کتب سابقہ میں رجو معزز اور بلند مرتبہ ہیں قرآن مجید کے مطالب عالیہ موجود ہیں یا انمیں اسکا ذکر خیر ہے جیساکہ فرمایا ان ہذا لفی الصحف الاولی صحف ابراہیم وموسیٰ اور ایک جگہ یہ آیا ہے وانہ لفی زبر الاولین اکثر مفسرین یہ فرماتے ہیں کہ صحف مکرمہ مرفوعہ سے مراد وہ الواح نورانیہ ہیں ہیں جو آسمان ہفتم میں ہیں اور وہیں سے وقتاً فوقتاً قرآن مجید تھوڑا تھوڑا دنیا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا کرتا تھا۔ مرفوعہ کے معنی بلند سو وہ بلند بھی ہیں اور رفیع القدر بھی ہیں اور مطہرۃ پاک بھی ہیں کہ وہاں کسی ناپاک کا ہاتھ نہیں پہنچتا۔ بعض کہتے ہیں صحف مکرمہ ایماندار وںکے قلوب ہیں جنمیں قرآن مجید بطور حفظ کے مکتوب ومنقوش ہے نہ تحریف کو گنجایش ہے نہ کسی آفت کو رسائی ہے اور وہ دل خدا کے نزدیک مکرم ومعظم ہیں اور پاک بھی ہیں نجاسات کفر وشرک وتلویثات حب شہوات ان تک چھو بھی نہیں گئی ہے۔

دوم

دوم بایدی سفرۃ کرام بررۃ وہ قرآن ناپاک اور خیانت آمیز ہاتھوں سے نہیں لکھا گیا بلکہ کاتبوں کے ہاتھ سے جو کرام یعنی بزرگ اور مقدس اور بررہ نیک ہیں۔ یا تو اس سے مراد ملائکہ ہیں اگر صحف مکرمہ سے مراد الواح نورانیہ ہیں۔ یا دنیا کے نیک اور باخدا لوگ جو قرآن کو حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم سے لکھا کرتے تھے نہ وہ اپنی خواہش نفسانی سے کم وزیادہ کرتے تھے نہ کسی غرض سے اسمیں ہیر پھیر کرتے تھے خیانت اور خود غرضی انکے پاس بھی نہ پھٹکی تھی۔

یہ دو وصف ایسے ہیں کہ جن سے قرآن مجید جمیع کتب پر فوقیت رکھتا ہے اور انہیں کے سبب آج تک اسی اصلی چمک دمک سے باقی ہے اس میں کوئی گرد وغبار پیدا نہیں ہوا نہ ہوگا۔ برخلاف اور کتابوں کے کہ ان میں ذلیل اور ناپاک اور ناخدا ترس ہاتھ بھی لگے ہیں اس لئے کوئی کتاب دنیا میں ایسی نہیں جسکی نسبت یہ کہا جاوے کہ یہ وہی ہے جیسی کہ تھی توریت وانا جیل وزبور میں جو کچھ تغیرات ہوئے انکا کوئی منصف مزاج اہل کتاب بھی انکار نہیں کرسکتا۔ رہی زند واستا اور دساتیر پارسیوں کی آسمانی کتاب اور ہندوؤں کی کتاب چاروں وید۔ وہاں تو یہ بھی تحقیق نہیں کہ کس مصنف کی تصنیف ہیں اور وہ کہاں کے رہنے والے تھے انکے ماں باپ کا کیا نام تھا کیا عمر تھی کیا کیا کرتے تھے اور بعدہ کس نے ان سے لیا اور کس طرح محفوظ رکھا۔ ان اوصاف قرآنیہ میں یہ بھی اشارہ ہے کہ دنیا میں کوئی کتاب نفیس کاغذوں پر مطلا حرفوں میں لکھے جانے اور عمدہ صندوقوں اور بلند طاقوں میں رکھے جانے سے معزز ومحترم نہیں ہوسکتی جبتک کہ اسمیں یہ خوبیاں نہوں۔

قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ۝ مِنْ اَیِّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ ۝ مِنْ نُّطْفَةٍ ؕ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ۝ ثُمَّ السَّبِیْلَ یَسَّرَهٗ ۝

انسان غارت ہوجاوے کیسا ناشکر ہے اسکو کاہے سے بنایا؟ ایک بوند سے۔ اسکو بنایا پھر اسکا اندازہ کیا پھر اسکے لئے راہ آسان کردی۔

ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ۝ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ۝ كَلَّا لَمَّا یَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ ۝

پھر اسکو موت دی پھر اسکو قبر میں رکھوایا پھر جب چاہے گا اسکو اٹھا کھڑا کرے گا حسن چیز کا اسکو حکم دیا تھا اسکو پورا ہی نہیں کیا

ترکیب

قتل الانسان الجملۃ فی الظاہر خبر و فی المعنی انشاء وہی دعاء علیہ وہی من اشنع دعوات العرب لان القتل اشد مصائب الدنیا۔ والدعاء علی الانسان یلیق بالعاجز واللہ سبحانہ قادر فوجہہ انما اوردہ علی اسلوب کلام العرب ومحاوراتہم۔ ما اکفرہ صیغۃ التعجب۔ والجملۃ الثانیۃ انما اوردہا علی محاوراتہم من ای شئی خلقہ استفہام والغرض زیادۃ التقریر فی التحقیر ومن تتعلق بخلق من نطفۃ جواب الاستفہام والوقف علیہ جید۔ من تتعلق بخلق خلقہ الخ کلام مبتدأ لبیان خلقۃ الانسان السبیل منصوب بفعل مضمر یدل علیہ المذکور ای یسر السبیل یسرہ کلا ردع وزجر للانسان الکافر عما ہو علیہ من التکبر والاصرار علی الکفر۔ لما بمعنی لم وفاعل یقض عند الجمہور ہو الانسان وقیل اللہ تعالیٰ۔ وفاعل امر بالاتفاق ہو اللہ جل ذکرہ

تفسیر

کفار قریش کے بڑے بڑے متکبر و مغرور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں حاضر تھے جبکہ ابن ام مکتوم آئے تھے اور اسیوجہ سے آنحضرت صلعم کو ابن ام مکتوم کا سوال انکے اثناء وعظ میں برا معلوم ہوا تھا کہ اس غریب کیطرف متوجہ ہونے میں ان متکبروں کو برا معلوم ہوگا اور اسی لئے یہ ہدایت پانی سے محروم رہجاویں گے سو اس بات پر اول تو حق سبحانہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تنبیہ کی ایسے طالب صادق اور غریب آدمی کی خاطر شکنی نہ چاہیے تھی اور اب ان متکبروں کے مایہ غرور کو باطل کرتا ہے فقال۔

قتل الانسان ما اکفرہ کہ مارا جاوے انسان کیا ہی ناشکر ہے ہمنے تندرستی دولت مال و اولاد اسلئے عطا کیا تھا کہ اسکا شکریہ ادا کرے اور ہماری طرف متوجہ ہو اور اسکو ہمارا عطیہ سمجھے نہ کہ اور غرور میں آکر ہمارے سامنے سرکشی کرے میرے فرستادوں کا کہنا نہ مانے غریب مفلس خدا پرستوں کو حقارت کی نگاہوں سے دیکھے یہانتک کہ انکے ساتھ مجامع خیر[1] وعظ و پند و عبادت میں بھی شریک ہونا عار جانے

ف بعض مفسرین کہتے ہیں کہ انسان سے مراد خاص اشخاص ہیں پھر بعض کہتے ہیں کہ عموماً کفار مراد ہیں اور بعض کہتے ہیں انہیں سے خاص عتبہ بن ابی لہب مراد ہے جو بڑا متکبر تھا اور گویا یہ آیت خاص اسی کیلئے ہے مگر اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ کسی کی خصوصیت نہیں جو کوئی دولتمند متکبر ہو۔

ف خدائے پاک بددعا خاص محاورۂ عرب اور انکے اسلوب کلام کے لحاظ سے کرتا ہے ورنہ وہ خود غارت کرسکتا ہے اور یہی حال تعجب کا ہے وہ خود جانتا ہے مگر یہ بھی اور اسی قسم کے جمیع الفاظ و جملے محاورہ کے لحاظ پر ہیں کس لئے کہ جس زبان میں کلام کیا جاتا ہے اسکے محاورات استعمال میں لانا فصاحت و بلاغت ہے اسکے بعد انسان کے تکبر باطل کرنیکے لئے آپ ہی پوچھتا ہے کہ من ای شئی خلقہ کہ انسان کو خدا نے کس چیز سے بنایا ہے؟ پھر آپ ہی جواب دیتا ہے من نطفہ کہ ایک بوند یعنے منی کے ناپاک قطرہ سے یہ حضرت کی اصل ہے جو بدن پر یا کپڑے پر لگ جاوے تو دھوئے بغیر چارہ نہو پھر اس پر یہ غرور یہ فرعون فاں کہ ہمچو من دیگرے نیست۔ پھر اس قطرہ میں کیا کاریگری کرکے انسان کو بنایا خلقہ فقدرہ اس منی کے

[1] آجکل یورو پین عیسائی دیندار عبادتگاہوں میں بھی دیسی لوگوں کو اپنے ساتھ اپنے تکبر سے شریک ہونا پسند نہیں کرتے چہ جائیکہ ساتھ کھانا اور بیٹھنا یہ دعوی دینداری اور یہ غرور اس سے موجود مذہب عیسوی کے پیروؤں کا اندازہ ہوسکتا ہے کہ اب کہانتک ان میں مذہب عیسوی کا اثر تام باقی ہے اور یہی حال رحمدلی عفت پرہیزگاری پابندی عہد ادائے حقوق ہمسائیگی کا ہے جو عیسوی چلی گئی اسکا دھبہ باقی ہے ۱۲ منہ

قطرہ سے انسان کی آفرینش کی اسمیں سے اعضاء بدن مناسب بنائے جان ڈالی رحم میں حیض مادر سے جو وہ بھی نجس چیز ہے غذا پہنچائی۔ اے واہ آفرینش ایسی چیز سے کہ پیشاب کی راہ سے نکلی اور دوسری پیشاب گاہ کے رستہ سے رحم میں گئی یہ ہے حضرت انسان کے وجود دنیاوی کی اصل جسپر یہ غرور ہے پھر پیدا کرکے یوں ہی بیکار ہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ فقدرہ اسکا اندازہ کیا عمر کا اندازہ رزق کا اندازہ جو کچھ دنیا میں نیک بد کام کریگا سب کا اندازہ کیا رحم میں رہنے کا اندازہ کیا ف تعقیب بیان کے لئے ہے نہ کہ تعقیب تقدیر کے لئے کس لئے کہ جب پیدا کیا تھا جب ہی بلکہ اسکے پہلے ہی اس کی سب باتوں کا اندازہ علم ازلی میں ہو چکا تھا۔ ابو درداء نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل ہر ایک بندے کے پیدا ہونے سے پہلے پانچ چیزوں سے فارغ ہو چکتا ہے اسکی اجل اور اسکے عمل (خیر وشر) اور اسکے سکون وقرار اور اسکی حرکت واضطرار اور اس کے رزق سے یعنی یہ سب باتیں پہلے ہی سے اندازہ ہو چکی ہیں۔

(رواہ احمد) یہانتک کہ انسان جو پیدا ہو کر بڑھتا ہے خواہ جسم میں ترقی کرے جیسا کہ لڑکا یا علوم ومعارف میں ترقی کرے یا کسب اموال میں سب کچھ پہلے ہی سے مقدر ہو چکتا ہے جسمانی حرکت میں کیا ممکن ہے کہ لڑکی لڑکے کے رستہ کو طے کرے جہاں جہاں بال برآمد ہونے قضاء وقدر نے مقرر کر دیئے ہیں وہیں سے برآمد ہوتے ہیں پھر اعضاء جسم کی بالیدگی میں ذرا بھی تناسب میں فرق نہیں ہونے پاتا کیا ممکن ہے کہ قوی نامیہ ناک کو ٹانگ کی برابر بڑھا دیں یہ اندازہ ماں کے پیٹ میں رہنے سے پہلے ہو چکتا ہے۔ پھر جب اپنی عمر طبعی کا ایک زمانہ اس تنگ تاریک مکان میں پورا کر چکتا ہے اور اب وہ مکان اسکی آیندہ ترقیوں کے قابل نہیں رہتا تو قضاء وقدر اسکو اس تنگ رستہ سے باہر لاتی ہے ثم السبیل یسرہ اور اس تنگ رستہ کو اسپر سہل کر دیتی ہے تو جینے کے پورے پاتے بچے کو خیال کرو اور عورت کے اندام نہانی کو خیال کرو کہ کیسا تنگ رستہ ہوتا ہے مگر پھر کس حکمت سے باہر نکالتے ہیں اول تو اندام نہانی میں نرمی اور قدرے وسعت رطوبات کے ذریعہ سے کر دیتے ہیں پھر بچہ بوقت ولادت ملہم غیبی کے کہنے سے پہلے سر باہر نکالتا ہے اور جہاں ایسا نہیں ہوتا بڑی مشکلیں پیش آتی ہیں اختیار قضاء وقدر ثابت کرنیکے لئے کبھی ایسا بھی کر دکھاتے ہیں۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ سبیل سے مراد بالخصوص عضو مخصوص ہی نہیں بلکہ عام ہے اسکو بھی شامل اور پیدا ہونے کے بعد اور سب رستوں کو شامل چنانچہ پیدا ہوتے ہی اسکو ماں کی پستانوں سے دودھ پینے کا رستہ آسان کر دیتے ہیں ہاتھ سے پستان پکڑ کے چوستا ہے اور بھوک کا اظہار اپنے رونے سے کرتا ہے اور منہ میں پستان کو کس انداز سے دباتا ہے کہ دودھ نکل آوے پھر اسکے اور غذاؤں کا رستہ آسان ہوتا ہے کہ دانت برآمد کر دیتے ہیں جس سے روٹی وغیرہ کھانا آسان ہو جاتا ہے۔ پھر اسکو معاش کے رستے آسان کر دیتے ہیں۔ حرفت۔ صنعت۔ زراعت۔ تجارت میں کیسی کیسی ایجادیں کرتا ہے اسیطرح تندرستی بیماری سفر وحضر مقابلہ اعداء بنانے مکان و دیگر اسباب آسایش کے طریقے اسکے لئے تا زیست آسان کئے جاتے ہیں یہانتک کہ بری سفر کی آسانی کیلئے ریل اور بحری سفر کیلئے دخانی جہاز بنا دیئے یعنی انکے بنانے کے علوم اسکے دلمیں القا کئے۔ الغرض اسکے ہر ایک کمال تک پہونچنے کے رستے آسان کئے خیر وشر نفع ونقصان میں امتیاز کرنے کی عقل عطا کی یہانتک کہ راہ آخرت کو اور راہ وصول الی اللہ کو بھی دکھا دیں اور انبیاء علیہم السلام بھیجکر اور مرشدوں اور ہادیوں کو قائم کرکے آسان کر دیا اور اسی طرح شقاوت کے رستے بھی بدنصیبوں کے لئے آسان کر دیئے کسی نے شراب ایجاد کی کسی نے اشعار اور مزامیر سے قوی شہوانیہ کو حرکت دی تو حرص کے گلے میں بدکاری کا طوق ڈالا۔ دنیات سے غفلت کے پردے ڈالے نادیدہ امور آخرت پر توہمات کے پتھر برسائے شبہات کے عمیق گڑھوں میں گرے یہ سب رستے شقاوت کے ہیں انکو بھی قضاء وقدر نے آسان کر دیا۔ زانی کو جس طرح عورت فاحشہ کا ملنا آسان کر دیا اسی طرح عابد کو رات میں جاگنا اور تہجد پڑھنا آسان کر دیا۔ بخیل کو پیٹ پر پتھر باندھ کر مال وزر جمع کرنا آسان کیا تو سخی کو اسکے لئے صرف کرنا نامرد کو بھاگنا تو شجاع کو میدان جنگ میں کود پڑنا پارسا کو پارسائی تو فاحشہ کو بے حیائی۔ یہ تمامی حیات دنیا کا مختصر سا نقشہ اس مختصر جملہ میں ختم کر دیا

اسکے بعد دوسرے عالم کا حال بیان فرماتا ہے فقال ثم اماتہ پھر اس انسان کو موت دی جیسا پیدا ہونا بے اختیاری تھا ویسا ہی مرنا بھی بے اختیاری ہے لاکھ تدبیر کرے کہ نہ مرے یا ضعف و پیری و مرض وغیرہ اسباب کو آنے نہ دے یا آئے ہوں کو دفع کردے ہرگز نہیں کرسکتا۔ دنیا میں بڑے بڑے حکیم و دانشمند آئے کلیں ایجاد کیں کہربائی قوتیں دریافت کیں بڑے بڑے علوم ایجاد کئے مگر موت دفع نہ کرسکے یہ بھی اسکی قدرت کاملہ کا ایک بڑا نمونہ ہے۔ اور یہ موت دوسرے جہان میں پہنچانیکا دروازہ ہے تاکہ جو کچھ اس دنیا کے کھیت میں اس نے بویا تھا اسکو کاٹے اور جو کچھ ان کمالات کے حاصل کرنے میں محنت و مشقت کی تھی انکا ثمرہ پاوے اور جو کچھ برے کام کئے تھے تن پروری و شہوت پرستی میں عمر گرانمایہ برباد کی تھی اب دیکھئے اس کا وہ محبوب جسم اور وہ لذائذ جسمانیہ کس طرح سے اس سے چھوٹتے ہیں اور پھر وہاں اس فعل بد کا کیا برا نتیجہ پاتا ہے درحقیقت موت بھی ایک بڑی نعمت ہے اگر مدتوں جئے تو پھر زیست کی تلخی بھی ایسی دیکھے کہ الٰہی توبہ چہ جائیکہ کبھی نہ مرے اور نیز پہلوں کی وراثت پچھلوں کو نہ پہونچے آیندہ آنیوالوں کے لئے دنیا تنگ ہوجاوے۔ اور بالخصوص اہل سعادت کیلئے تو موت بہت ہی بڑی نعمت ہے یہی دنیا کی کشاکش او مشقت عمل سے انکو رہائی دیتی ہے اور اسی لئے یہ لوگ موت کے آرزومند رہا کرتے ہیں کیونکہ دنیا انکے لئے سخت قیدخانہ ہے۔

چند برسوں رہکر اس عالم جا و دانی کو دیکھنے والوں یا یقین کرنیوالوں کو اس سے نفرت ہوجاتی ہے دل بھر جاتا ہے ؎ دلاتاکے دریں کاخ مجازی کنی مانند طفلاں خاکبازی۔ الغرض جس طرح ماں کے پیٹ کی منزل سے ترقی کرنیکے لئے باہر آتا ہے اسی طرح اس منزل تنگ و تاریک سے بڑی ترقی کرنے کے لئے جاتا ہے یہ موت وہاں کی ولادت ہے۔ پھر اسکو موت دیکر نیست و نابود ہی نہیں کرڈالتے بلکہ فاقبرہ اسکو قبر میں داخل کرتے ہیں۔ قبر شرع میں عالم برزخی کا نام ہے خواہ کوئی دریا میں ڈوب جاوے یا آگ میں جلجاوے یا اسکی لاش ہوا میں لٹکتی رہے بہرحال اسکو قبر میں جانا ہوتا ہے وہاں اسکو ثواب و عذاب بھگتنا پڑتا ہے اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ خدا تعالیٰ مرنے کے بعد قبر میں رکھتا ہے تناسخ کے طور پر یا اور کسی طرح سے پھر کر اس جہان میں نہیں آتا جیسا کہ ماں کے پیٹ سے نکلکر بار دگر اس میں نہیں جاتا۔ عرف میں قبر اس گڑھے کو کہتے ہیں کہ جس میں لاش دفنائی جاتی ہے یہ بھی بندے کے لئے نعمت ہے جسکی تعلیم قابیل کے عہد میں ہوئی۔ اس سے پہلے جانوروں کی طرح لاش پڑی سڑا کرتی تھی کتے گیدڑ چیل کوے کھایا کرتے تھے مرنے والیکی کمال بیحرمتی ہوتی تھی اور نفرت ہوتی تھی اور لوگوں کو تکلیف پہونچتی تھی امراض پھیلتے تھے۔ لوگ گھن کھاتے تھے۔ پھر جب اسکو دفنا دیا تو یہ سب باتیں جاتی رہیں۔ پردہ ڈھک گیا یہ تعلیم بھی ایک انعام الٰہی ہے جس لئے فاقبرہ کے جملے میں یاد دلایا۔

پارسی یعنے مجوسی تو ابتک اپنے مردوں کی لاش کو اسی جاہلانہ دستور کے موافق یوں ہی چھوڑ دیتے ہیں صرف اتنی بات کرتے ہیں کہ ان لاشوں کے لئے ایک مکان بنا رکھتے ہیں کنوئیں کی طرح کا اور اسمیں ایک دروازہ ہوتا ہے اور لاش کو دھر کر وہاں چلے آتے ہیں گدھ اور چیل کوے اسکو کھاتے ہیں اور اس مکان کو یہ دخمہ کہتے ہیں۔ اور اکثر ہنود آگ میں جلا دیتے ہیں باقی اور تمام اقوام مسلمان عیسائی یہودی و دیگر اقوام خاک میں دباتے ہیں۔

ہنود کہتے ہیں دفنانے سے جلانا بہتر ہے اول یوں کہ آگ پاک کردیتی ہے اور زمین کو ناپاک کرنا وہاں مردے کو سڑانا بیجا ہے اسکا جواب یہ ہے کہ آگ پاک نہیں کرتی بلکہ فنا کرتی ہے اور جلانے میں مردے کی لاش کی بڑی بیحرمتی ہے دیکھنے والونکے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں دور دور بدبو پھیلتی ہے اور پھر راکھ پاؤں میں روندی جاتی ہے اڑتی پھرتی ہے ناپاک چیزوں پر بھی اڑکر جاتی ہے اور پھر مردے کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہتا نہ دوستوں عزیزوں کو اسکی یادگار دیکھنے اور عبرت حاصل کرنیکا موقع رہتا ہے نہ محبوں کو قبر دیکھکر

دل ٹھنڈا کرنیکی جگہ رہتی ہو۔ اور اسی لئے قبر میں دفنائی ہوئی میت کو اپنی لاش سے ایک روحانی تعلق باقی رہتا ہو اور یہی سبب ہو کہ حضرات انبیا علیہم السلام و اولیا کرام کی قبروں سے برکات و فیوض مشاہدہ ہوتے ہیں برخلاف جلادینے کے کہ جسم سے بالکل تعلق منقطع ہو جاتا ہو اور دہوئیں اور آگ سے ارواح کو آمیزش ہو کر شیاطین و جنات سے مشابہت ہو جاتی ہو۔ اور دفنانے میں اور بہی مصالح ہیں اوّل یہ کہ انسان کا مادہ خاک ہو تو اسکو اسکی اصل خاک ہی کیطرف پھیرلانا چاہیئے جیساکہ فرمایا منہا خلقناکم وفیہا نعیدکم ومنہا نخرجکم تارۃ اخریٰ یہ آگ سے نہیں بنا تھا کہ اسکو آگ کے حوالے کیا جاتا ہو دوم اس دفنانے میں انسان کے فطرتی سفر اور اسکے منازل اور انکی مشابہت کو باقی اور برقرار رکہنا ہے برخلاف جلا دینے کے کیونکہ ماں کا پیٹ اس کی ایک منزل تہی جسکے بعد وہ اس عالم میں آیا ہے اب یہاں کا سفر تمام کرنیکے بعد جب قبر میں دفنایا تو گویا دوسرے جہان کی رستخیز کے لئے ایک اور نئے حمل میں آیا اس جہان کی سو پچاس برس کی عمر کے لئے حمل مادری نو مہینے کا کافی تہا مگر اس جہان کی زندگی ابدی ہے اسکے لئے حمل بہی ایساہی طویل و دراز مدت ہونا چاہیئے پس نفخ صور ایک دروازہ ہے جس کے بعد حمل قبری سے لوگ پیدا ہو کر ایک ابدی جہان میں آویں گے اور اسی لئے اس حمل قبری کے زمانہ کو برزخ کہتے ہیں جو حیات دنیا اور حیات آخرت کے درمیان ہے اور اسی لئے کبہی اسکو خواب اور قبر کو خوابگاہ سے تعبیر کرتے ہیں اور قبر کو مرقد کہتے ہیں سوم جب بچہ پیدا ہوتا ہو تو گویا حق سبحانہ اپنی ایک امانت و ودیعت رکہتا ہو پہر جس طرح اسکو پالا پرورش کیا جاتا ہو اسی طرح روح نکلنے کے بعد اسکو دفنانا اور زمین کے سپرد کرنا گویا امانت کو مالک کے حوالے کر دینا ہے اور امانات و خزاین کے لئے زمین ہی موضوع ہے نہ آگ۔ انہیں معانی کو خیال کر کے ایک شاعر کہتا ہے ؎ مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم ٭ تو نے وہ گنجہائے گرانمایہ کیا کئے ٭ چہارم اپنے دوست یا دوست یا بزرگ کی لاش کو آپ دہکتی آگ میں جلانا اور لاٹھیوں سے اسکی ہڈیوں کو چورا چورا کرنا علاوہ بے ادبی کے انسانی رحمدلی و مروت و محبت کے بہی برخلاف ہے۔ برخلاف اسکے باعزت و شان اسکو ایک شایستہ طور پر زمین میں دفن کرنا گویا اسکو ایک مکان یا تہ خانے میں پہونچانا ہے پنجم دفنانے میں بسا اوقات بہت سی جانیں جو سکتہ کے اشتباہ سے مردہ سمجھکر دفن کر دی گئیں کسی وجہ سے جلد قبر کہل جانے پر زندہ نکل آتے اور پہر برسوں جیتے جلا دینے میں یہ احتمال بہی باقی نہیں رہتا۔ اسکے سوائے جو ظالموں نے کسی کو زہر دیکر یا گلا گھونٹ کر یا قتل کر کے دفن کیا تہا موقع پر مطلع ہو جانے کے بعد لاش سے ملاحظہ جرم بہی ممکن ہے مگر جلا دینے میں تو پورا پورا اخفاء واردات ہے جس میں ستمگاروں کو اپنی اس وحشیانہ حرکت پر پورا اطمینان ہوتا ہے۔ اور بہی بہت سے وجوہ ہیں۔

پھر اس حمل قبر کے بعد جو ایک اور نئی زندگانی کی ولادت ہوگی اس کا حال بیان فرماتا ہے فقال ثم اذا شاء انشرہ کہ پھر جب چاہے گا اللہ تعالیٰ اس مردہ کو اسکی قبر سے زندہ کر کے کھڑا کر دیگا تاکہ اس جہان میں اس جہان کے اعمال خیر و شر کا پورا بدلہ پا دے گویا یہاں آکر اپنی الٹی پلٹیوں کے بعد انسان اپنی منزل مقصود کو پہونچگیا اور اب یہاں سے اسکو اور کہیں نہیں جانا۔ اسی لئے اس جہان کے کارآمد افعال و اعمال و عقائد تعلیم کرنے کے لئے حضرات انبیاء علیہم السلام بہیجے گئے کہ انسے خبر پاکر وہاں کے لئے بڑی سرگرمی سے طیاری کریں لیکن کلا لما یقض ما امرہ کہ بیشک انسان نے پورا نہیں کیا جسکا اسکو حق سبحانہ نے بمعرفت انبیاء علیہم السلام اسی کی بھلائی کے لئے حکم دیا تہا۔ یا یوں کہو کہ انسان اس جہان کی نعمتوں کو دیکھکر جو اسکو بے سابقہ عمل عطا ہوئیں یہ قیاس کرتا ہے کہ وہاں بہی بغیر عمل و ایمان یوں ہی نعمتیں ملیں گی اسلئے اسکے جواب میں فرماتا ہے کلا ہرگز نہیں ایسا کبہی نہ ہوگا کس لئے کہ پہلے یہ مامور نہ تہا اب مامور ہوا نیک و بد کی تمیز دی گئی تعمیل احکام کی طاقت دی گئی اسپر جو اسنے نافرمانی کی مضر چیزوں اور برے کاموں کو عمل میں لایا عمدہ کو چھوڑا جنکا اثر اسکی روح پر پہونچا ضرور سزا و جزا پاویگا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں آیت کے یہ معنی ہیں ہرگز نہیں اللہ نے کبہی وہ قضا و قدر میں مقرر نہیں کیا ہے جو انسان اپنی خواہش سے اپنے لئے آپ تجویز کرتا ہے۔ اور امر کرتا ہے کہ مجھے یوں ملیگا اور یہ پاؤنگا جیساکہ ہنود و یہود و عیسائی من گھڑت باتیں بتایا کرتے ہیں۔ انسان کی ابتدا و انتہا کن مختصر الفاظ میں بیان فرما دی ٭

فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَى طَعَامِهِ ۝ أَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ۝ ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا ۝ فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ۝ وَعِنَبًا

پھر آدمی اپنی خورش ہی کو دیکھے کہ ہمنے اسکو کس طرح پیدا کیا — کہ ہم نے اوپر سے پانی برسایا — پھر ہمنے زمین کو چیر پھاڑ کر — اس میں اناج اگایا — اور انگور

وَقَضْبًا ۝ وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا ۝ وَحَدَائِقَ غُلْبًا ۝ وَفَاكِهَةً وَأَبًّا ۝ مَتَاعًا لَكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ ۝

اور ترکاری — اور زیتون — اور کھجور — اور گھنے باغ — اور میوے اور چارہ (اگایا) تمہارے اور تمہارے چارپایونکے برتنے کے لئے

ترکیب

انا قرأ الجمهور بالکسر علی الاستیناف والکوفیون بالفتح علی انہ بدل من طعامہ بدل الاشتمال لان نزول المطر سبب لحصول الطعام فھو کالمشتمل علیہ اوبتقدیر اللام اے لانہ والمعنی فلینظر الانسان اے انا صببنا الماء صبًا وعنبا معطوف علے حبا وانبات العنب باعتبار شجرتہ وکذا قضبا فیہ قولان الاول انہ الرطبۃ وہی التی اذا یبست سمیت بالقت واہل مکۃ یسمونہا بالقضب واصلہ من القطع وذلک لانہ یقضب مرۃ بعد اخری وہذا قول ابن عباسؓ والثانی ہو قول المبرد انہ العلف بعینہ وبہ قال الحسن البصریؒ۔ قضیب۔ اقتضاب بریدن واقتضاب الکلام ارتجالہ وقضبہ اے قطعہ۔ قضب وقضبہ سپست مقبضہ سپست زار۔ قضیب شاخ درخت قضبان جمع ونرہ خروغیرآں۔ تقضیب شاخ بریدن از درخت بہار۔ قضابہ بالضم شاخ ریزہائے بریدہ افادہ صراح۔ ونخلا معطوف علیہ جمع نخلۃ وکذا حدائق جمع حدیقۃ وہی البستان غلبا جمع غلب وغلباء کما یجمع احمر وحمراء علی حمر یقال حدیقۃ غلباء اے غلیظۃ الشجر ملتفۃ ویقال رجل اغلب اذا کان عظیم الرقبۃ ویقال اسد اغلب لانہ مصمت العنق وابا۔ الاب ہو المرعی قال صاحب الکشاف لانہ یوب اے یوم وقیل الاب الفاکہۃ الیابسۃ لانہا توب للشتاء اے تعد۔ متاعًا منصوب لانہ مفعول لہ لانبتنا وقال الزجاج ہو منصوب لانہ مصدر مؤکد لقولہ فانبتنا لان انبات ہذہ الاشیاء امتاع للانسان والحیوان

تفسیر

قرآن مجید کی عادت ہے کہ کسی مقصد پر دلائل انفس کے بعد دلائل آفاق بیان فرمایا کرتا ہے تاکہ دل میں زیادہ اثر پیدا کرے یہاں غرور انسان کا ابطال کیا تھا اور مقصود تر اپنی قدرت کاملہ کا اظہار تھا کہ جس میں کسیکو بھی شرکت نہیں جس پر رد شرک و اثبات توحید ہویدا تھا اور اس مقصود کے اثبات سے یہ مطلوب تھا کہ وہی خدائے قادر واحد لاشریک انسان کو مرنے کے بعد زندہ بھی کرسکتا ہے اور اسکے اعمال نیک و بد کی جزا و سزا بھی دیسکتا ہے۔ اس مقصود کے اثبات کے لئے پہلے پہلے وہ دلائل بیان فرمائے تھے کہ جنکا خود انسان کی پیدائش اور اس کے حالات سے تعلق تھا اب بیرونی دلائل بیان فرماتا ہے فقال فلینظر الانسان الی طعامہ کہ آدمی اپنے کھانے کی طرف نظر کرے کہ ہمنے اسکو کس طرح پیدا کیا ہے؟ انا صببنا الماء صبا کہ ہمنے اوپر سے پانی برسایا بادل اٹھا اور بادلوں میں سے کس لطف کے ساتھ پانی برسایا۔ بادلونکا پیدا کرنا اور پھر ان میں سے پانی برسوانا کیا اے بنی آدم تمہارے کسی علم و حکمت کا اثر ہے؟ ہرگز نہیں ثم شققنا الارض شقا پھر ہمنے حکمت بالغہ سے زمین کو پھاڑا کہ اسمیں سے سہولت سے گھانس اور جڑی بوٹیاں برآمد ہوتی ہیں۔ ان جڑی بوٹیوں کا وجود آسمانی پانی سے ہے وہ بمنزلہ نطفہ انسانی کے ہے اور زمین بمنزلہ رحم کے ہے اور یہ نباتات بمنزلہ مولود کے ہیں پھر زمین کو پھاڑ کر فانبتنا فیہا حبا ہمنے اس زمین میں سے اناج نکالا یعنی جن سے دانہ پیدا ہوتا ہے جیسا گیہوں چنا جوار باجرہ جو انسان کے کھانے میں آتے ہیں

اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ وعنبا انگور بھی اگائے یعنی اسکی بیل بھی اگائی انگور میں غذائیت بھی ہے کہ صرف اسی کو کھا کر پیٹ بھر سکتا ہے اور میوہ پن بھی ہے اور پھر انگور سے سینکڑوں کارآمد چیزیں بنتی ہیں اور اسپر بھی بس نہیں کی بلکہ وقضبا یعنی جنکو بغیر پکانے کے یوں بھی توڑ توڑ کر کھا جاتے ہیں جیسا مولی گاجر شلغم پیاز کھیرا۔ ککڑی خربوزہ۔ تربوز وغیرہ۔ اور پھر اسی پر بس نہیں بلکہ وزیتونا یعنی زیتون بھی پیدا کیا کہ جسکا تیل بہت سے کام آتا ہے اور اس کی لکڑی سے بڑے بڑے فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ اور ایسے بھی میوے پیدا کئے جو مہینوں رہ سکیں اور دور دراز ملکوں تک جاسکیں اور جنکو کھا کر انسان مدتوں زندہ رہ سکے یعنی ونخلا کھجور۔ یہ بھی بہت کام آتی ہے اسکا بھی کھانے کے سوا عمدہ سرکہ اور شراب بنتی ہے اور سال بھر تک اسکو رکھکر کھا سکتے ہیں اس کی مٹھائی عمدہ عمدہ کھانوں میں پڑتی ہے اور پھر بس نہیں بلکہ وحدائق باغ پیدا کئے جنمیں طرح طرح کے پھل اور پھول اور کارآمد میوے ہوتے ہیں اور باغ بھی کیسے ؟ غلبا گھنکے کہ جن کے سایہ میں سرور اور دل کو نور پیدا ہوتا ہے اور ان میں بڑے بڑے موٹے درخت پیدا کئے کہ میوے دینے کے علاوہ ان کی لکڑی عمارت اور دیگر اشیاء میں کارآمد ہوتی ہے۔ گاڑیاں بنتی ہیں صندوق بنتے ہیں اور پلنگ اور کرسیاں اور کیا کیا آرایش وراحت کے سامان تیار ہوتے ہیں اور باغ کے سوا۔ وفاکھۃ اور بھی صحرائی میوے پیدا کئے۔ جنگلوں اور پہاڑوں میں کیسے کیسے خودرو درخت میوے دار ہیں اور کیسے کیسے عمدہ پیڑ اور جھاڑ ہیں۔ صحرائی شریفہ اور کیلا اور بہت سی چیزیں ہیں جنکو وہاں کے لوگ جانتے ہیں اور ان کے سوا۔ وابا خودرو گھانس۔ اور چارہ بھی پیدا کیا۔

یہ سب چیزیں کس لئے پیدا کیں متاعا لکم تمہارے فائدہ اٹھانے کو ولانعامکم اور تمہارے چارپایوں گائے بیل۔ بھیڑ۔ بکری۔ بھینس گھوڑے کے دنے کیلئے کہ وہ جانور ان چیزوں کو کھا کر زندہ رہیں اور تم ان سے فائدہ اٹھاؤ کسیکا دودھ پیو بچے لو کسی کے بالوں کو کام میں لاؤ عمدہ عمدہ شالیں اور دوشالے بناؤ اور کسیکو فربہ کر کے اسکا گوشت کھاؤ اور کسی پر سواری کرو اور کسی پر بوجھ لادو۔

اب ہر ایک بات کو غور کرو تو آپ معلوم ہو جائیگا کہ یہ کارخانہ خود بخود نہیں بنگیا ہے جیسا کہ دہریہ اور طبیعیہ کہتے ہیں ضرور تمہارا نور عقل تمکو رہنمائی کرے گا کہ ضرور بالضرور ان سب چیزوں کا خالق جسنے ہر ایک میں ایک کیا ہزاروں مصلحتیں اور قدرت کاملہ کے نمونہ رکھے ہیں ان سب سے نرالا بڑا قادر و حکیم ہے۔ اور اسکے سوا وہ لے بنی آدم تمپر رحیم بھی ہے کہ اس نے صرف تمہارے پیٹ بھرنے کے لئے کیسے کیسے سامان پیدا کئے ؏ ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کار اند * تا تو نانے بکف آری وبغفلت نخوری * ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرمانبردار * شرط انصاف نباشد کہ تو فرماں نبری *

پھر جس قادر مطلق نے آسمانی بوند سے یہ چیزیں بنائیں اور ایک بوند سے تمکو بنایا اور عرصہ وجود میں کیسی کیسی پلٹیئیں دیں ہر دن ہر ایک نیا روپ اس کا بدلا اس کی ابتدا میں کچھ اور ہی قدرت کا جلوہ دکھایا اور اسکے شباب میں اور ہی شان نمایاں کی اور اس کے اخیر میں جبروت کی اور ہی تجلی دکھائی۔ اس شے کو قدرت کا گھوڑا بنا کر اسکو میدان وجود میں کیسا دوڑایا۔ ہر شے پر قدرت کو سوار کیا کیا وہ انسان کو جو اشرف المخلوقات ہے اسی میدان میں ٹھکرا کر نیست و نابود کر دیگا یا اسکو کسی اور جہان میں نہ لیجائیگا ، ضرور لے جائیگا انسان کی اندرونی اور بیرونی ساخت بتا رہی ہے کہ یہ تیز رو کہیں اور جانے والا ہے اور یہ دانہ قبر میں سے ضرور پھر اُگے گا *

فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ۝ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ۝ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ۝ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ۝ لِكُلِّ امْرِئٍ

پھر جبکہ وہ شور برپا ہو جس دن کہ انسان دور بھاگے گا اپنے بھائی سے اور ماں باپ سے اور بیوی سے اور اولاد سے (دور بھاگے گا) ہر شخص کی (اس روز)

مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ۝ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ۝ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ۝ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا

ایسی حالت ہوگی جو اسکو اوروں کی طرف سے بے پرواکر دیگی (اپنی ہی پڑی ہوگی) کتنے ایک چہرے تو اس روز دمکتے ہنستے شاداں ہونگے اور کتنے ایک مونہوں پر اس دن خاک

غَبَرَةٌ ۝ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ۝

پڑی ہوگی (اور) سیاہی چڑھ رہی ہوگی یہ وہی منکر بدکار ہونگے

ترکیب

فاذا حرف الشرط جاءت فعل الصاخۃ فاعلہ والجملۃ شرطیۃ والجواب محذوف یدل علیہ الکلام الآتی وہو لکل امری منہم الخ الصاخۃ الصیحۃ وسمیت بہا لشدۃ صوتہا کانہا تصخ الاذان ای تصمہا فلا تسمع واصل الکلمۃ من الصخ وہو الطعن والصک یقال صخ راسہ بحجر ای شدخہ والغراب یصخ بمنقارہ فی دبر البعیر ای یطعن - وہی النفخۃ الاخیرۃ - والفاء للدلالۃ علی ترتیب ما بعدہا علی ما قبلہا یوم منصوب بمقدر ای اعنی ویکون تفسیرًا للصاخۃ او بدل من اذا جاءت لکل امری منہم خبر شان یغنیہ مبتدء یومئذ ظرف لہ والجملۃ مستانفۃ مسوقۃ لبیان سبب الفرار - وجوہ مبتدء والنکرۃ لوقوعہا فی مقام التفصیل والتوزیع صلحت للابتداء یومئذ متعلق بہ مسفرۃ خبر اول ضاحکۃ خبر ثانی مستبشرۃ خبر ثالث ووجوہ یومئذ مبتدأ علیہا غبرۃ خبر ترہقہا قترۃ خبر ثان - رہق بالتحریک برنشستن گرد بر چیزے وفرو پوشیدن رنج کشف ۲) قولہ تعالٰی ولا یرہق وجوہہم قتر ولا ذلۃ - وفی الحدیث اذا صلی احدکم الی الشیٔ فلیرہقہ ای فلیغشہ ولا یبعد منہ - و خود را بر حرام وتباہی داشتن یقال فیہ رہق وستم کردن قولہ تعالٰی فلا یخاف بخسا ولا رہقا ای ظلما - وسفاہت وطغیان قولہ تعالٰی فزادوہم رہقا ای سفہا وطغیانا ونزدیک آمدن ودریافتن چیزے را صراح -

قتر - قترۃ بفتحتین گرد قتر جمع - تقتیر اقتار کذلک وبوے بریاں برانگیختن وبخور کردن زن ودرویش شدن مرد -

غبر غبار بالضم غبرۃ بفتحتین گرد - غبرہ بالضم تیرگی - صراح - قال زید بن اسلم القترۃ ما ارتفعت الی السماء والغبرۃ ما انحطت الی الارض - وقال ابن عباسؓ القترۃ سواد الوجہ - اولئک مبتدا ہم الکفرۃ الخ خبر کفرۃ جمع کافر والفجرۃ جمع فاجر والفاجر المائل عن الحق -

تفسیر

اور یہ کب ہوگا فاذا جاءت الصاخۃ جس دن کہ صاخہ آوے یعنی قیامت جسکے نفخ صور سے شور برپا ہوگا ف قیامت کو اس کے اوصاف ہیبتناک کی وجہ سے ہر ایک وصف سے یاد کیا گیا ہے کبھی اسکو طامۃ کبرٰی کبھی واقعہ کبھی الحاقۃ کبھی القارعہ کبھی الصاخۃ - وہ کیسا دن ہوگا اور کب اسکا ظہور ہوگا یوم یفر المرء من اخیہ جسدن کہ آدمی اپنے بھائی سے بھاگے گا یعنی اسکی مصیبت میں شریک ہونا پسند نہ کرے گا اپنی ہی خلاصی کی پڑی ہوگی - وامہ اور اپنی مادر مہربان سے بھی آنکھیں چرالیگا - نااہل تو دنیا میں بھی ماں سے منہ پھیر لیتے ہیں بیوی اور اولاد پر فدا ہوتے ہیں - وابیہ اور اس کے بعد باپ کی طرف توجہ ہوتی ہے سو اس روز باپ سے بھی الگ ہو جائیگا

اسکی شفقت پرورش کا کچھ خیال بھی نہ آویگا وصاحبتہ اور بیوی کی بھی کچھ پرواہ نہ کریگا۔ آج جسکو مال و عزت اور گھر کی تمام برکات کا خزانچی جانتا ہے حرام و حلال جو ملتا ہے اسی کے آگے لاکر دھرتا ہے اور اسکی غیرت کے لئے جان دینے کو تیار ہوجاتا ہے اور جو اسکی بڑی مونس درد و غم کی شریک اور بڑی دلربا اور معشوق ہوتی ہے اس روز اس سے بھی منہ پھیر لیگا۔ وبنیہ اور پیاری اولاد اور محبوب لڑکوں سے بھی آنکھیں پھیر لیگا جنکے لئے آج دنیا میں خدا کو بھولا ہوا ہے اور رات دن انہیں کے لئے مال و زر جمع کرنے میں کوشش کرتا ہے۔

ان آیات میں غالباً ادنے سے اعلیٰ کیطرف ترقی ہے کس لئے کہ سب سے اول انسان کو اولاد اور ان میں سے نرینہ اولاد پیاری ہوتی ہے اسکے بعد بیوی پھر اسکے بعد باپ کہ جوانی میں بوڑھے باپ کا ترکہ ملنے کی امید ہوتی ہے اسکے بعد ماں اسکے بعد بھائی سوادنے سے لیکر اعلیٰ تک جو کچھ اسکے لخت جگر اور محبوب دلی ہیں اور جنکی محبت و ہمدردی ایک فطری بات ہے خاص لوگوں کے سوائے جسکو دیکھو انہیں کی محبت میں سرگردان ہے اور انہیں کے خیال کی بھاری بیڑیوں میں جکڑا ہوا ہے اس روز ایسی آپا دھاپی ہوگی کہ ان سے بھی کنارہ کرے گا اور کسی کے بدلے آپ سزا پانا ہرگز قبول نہ کرے گا بلکہ اپنے حسنات میں سے حصہ دینا بھی گوارا نہ کرے گا جب ان سے یہ حال ہوگا تو اور رشتہ داروں دوستوں ہموطنوں کی تو کیا پرواہ ہوگی۔

یہی مضمون اور کئی ایک جگہ بھی قرآن مجید میں آیا ہے ولا یسئل حمیم حمیما یبصرونہم۔ ولا یغنی مولی عن مولی شیئا۔ وغیرہا من الآیات۔ اور کیوں ایک دوسرے کی پروا نکریگا لکل امری منہم یومئذ شان یغنیہ کہ ہر ایک شخص ان مذکور لوگوں میں سے اپنی ایک ایسی حالت میں ہوگا کہ وہ حالت اسکو دوسروں سے بے پروا کردیگی اپنی پڑی ہوگی دوسرے کی خبر نہ ہوگی۔ اور مصیبت میں ایسا ہوا کرتا ہے۔

ف یہ حالت کب ہوگی؟ قیامت میں اسوقت کہ قہر و جبروت الٰہی کا ظہور ہوگا اور دروازہ شفاعت کا نہ کھلا ہوگا ہر ایک نبی نفسی نفسی کریگا سب اولین و آخرین حضرت آدم علیہ السلام پاس آکر عرض کرینگے کہ آج آپ جو سب کے باپ ہیں شفاعت کیجئے وہ کہیں گے نوح کے پاس جاؤ اسی طرح وہ کہیں گے ابراہیم کے پاس جاؤ وہ کہیں گے موسیٰ کے پاس جاؤ وہ کہیں گے عیسیٰ کے پاس جاؤ وہ کہیں گے حضرت محمد مصطفےٰ کے پاس جاؤ آج اسکے قابل وہی ہیں پھر سب آنحضرت صلعم کے پاس آئیں گے آپ شفاعت کریں گے آپکی شفاعت قبول ہوگی پھر اور انبیاء و اولیاء و صلحاء شفاعت کرینگے اور حساب شروع ہوگا تب وجوہ یومئذ مسفرۃ اسدن بہت سے منہ روشن ہونگے خصوصاً جبکہ ان کو نعیم جنت اور عطار کا ملنا معلوم ہوگا یہ نیک لوگ ہونگے۔ بزرگوں نے فرمایا ہے وہ ہونگے جو رات کو اندھیرے میں نماز پڑھا کرتے تھے یا جنکے چہروں پر اللہ کی راہ میں غبار پڑی تھی یا جنکے چہروں پر سعادت کے حاصل کرنے اور اعمال کی مشقت بھوک پیاس کی شدت اور خوف الٰہی سے تیرگی پیدا ہوئی تھی یہ آثار وضو سے۔ ضاحکۃ مستبشرۃ ہنستے ہونگے بشاش ہونگے حساب سے فارغ ہوکر جنت میں جاتے وقت جو دنیا میں خوف الٰہی سے روتے اور غفلت و اعمال بد پر غمگین ہونگے وہ اس روز ہنستے اور بشاش ہونگے یہ اہل سعادت کا ہوگا اسکے بعد اہل شقاوت کا حال بیان فرماتا ہو وجوہ یومئذ علیہا غبرۃ کہ بہت سے منہ پر اس روز غبار پڑی ہوگی جو نعیم دنیا میں چہرے چلنے چہرے رکھتے تھے اور خدا سے غافل تھے ترہقہا قترہ اور جہنم اور اعمال بد کی سزائیں سامنے دیکھکر چہروں پر سیاہی چڑھ جاویگی یا پھٹکار کی سیاہی۔ یہ کون ہیں اولئک ہم الکفرۃ الفجرہ یہ کافر بدکار ہیں۔ کفر اور اسکے ساتھ بدکاری اور بھی غضب ہے۔ سبحان اللہ انسان کی ابتدا اور حالت حیات و ممات و دور آخرت کی کیفیت کن مختصر الفاظ میں کس دل کش انداز سے بیان فرمائی۔ یہ کمال اعجاز ہے۔

سُورَۃ تکویر مکیہ ہے اسمیں انتیس آیات اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ ۝ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْکَدَرَتْ ۝ وَاِذَا الْجِبَالُ سُیِّرَتْ ۝ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۝

جبکہ سورج دہندلا ہو جاوے اور جبکہ ستارے دہندلے ہو جاویں اور جبکہ پہاڑ اڑتے پہریں اور جبکہ گابہن اونٹنیاں چہٹی پہریں

وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ۝ وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝ وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ۝ وَاِذَا الْمَوْءٗدَۃُ

اور جبکہ جنگلی جانوروں میں رول پڑے اور جبکہ دریاؤں میں جوش ہو اور جبکہ جانوروں کے جوڑے لگائے جاویں اور جبکہ زندہ گاڑی ہوئی لڑکی

سُئِلَتْ ۝ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝ وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۝ وَاِذَا السَّمَآءُ کُشِطَتْ ۝ وَاِذَا الْجَحِیْمُ سُعِّرَتْ ۝

پوچہی جاوے کہ کس گناہ پر ماری گئی تہی اور جبکہ نامہ اعمال کہولے جاویں اور جبکہ آسمان کی (نیلی)[س] چادر اتاری جاوے اور جبکہ دوزخ دہکائی جاوے

وَاِذَا الْجَنَّۃُ اُزْلِفَتْ ۝ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ ۝

اور جبکہ بہشت پاس لائی جاوے (تب) ہر شخص جان لے گا کہ وہ کیا لیکر آیا ہے۔

ترکیب

اذا شرطیۃ وکذا ما بعدہا وجواب الکل علمت نفس الخ الشمس مرفوع بفعل محذوف یفسرہ مابعدہ لان اذا تطلب الفعل وہذا عند البصریین وصاحب الکشاف۔ وعند الاخفش والکوفیین یجوز رفعہ بالابتداء وقس علیہ البواقی والتکویر الجمع۔ ماخوذ من کار العمامۃ علی راسہ یکورہا والمراد ذہاب نورہا ولذا قیل فی التفسیر اے طمست وقال الآخرون انکسفت۔ وقیل معنی التکویر الطرح والسقوط قال الاصمعی یقال طعنہ فکورہ اذا صرعہ فقولہ اذا الشمس کورت اے القیت ورمیت عن الفلک وقیل انہا ماخوذۃ من الفارسیۃ یقال للاعمیٰ کور۔ کورت اے جعلت عمی انکدرت اے تساقطت وانقضت یقال انکدر الطائر من الہوی اذا انقض واصل الانکدار الانصباب۔ العشار جمع عشراء کنفساء جمع نفاس وہی التی اتی علی حملہا عشرۃ اشہر وہی النفس الاموال عند العرب عطلت اے ترکت ہملا بلا راع وبلا حلب حشرت جمعت من کل ناحیۃ وکل شئ من دواب البر لا یستانس فہو وحش والجمع وحوش۔ سجرت قرئ بالتخفیف والتشدید۔ قال القشیری ہو من سجرت التنور اسجرہ سجرا اذا احمیتہ نشرت اے فتحت وبسطت للحساب لانہا تطوی عند الموت وتنتشر عند الحساب کشطت والکشیط القلع عن شدۃ۔ کشط برہنہ کردن وجل از پشت ستور برگرفتن فقط لغتہ فیہ صراح سعرت سعر افروختن آتش وحرب ازلفت زلف پیش شدن صراح۔

تفسیر

یہ سورہ بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی۔ ابن عباس وابن عمر وابن زبیر و عائشہؓ یہی فرماتے ہیں اس سورۃ کی انتیس آیات ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جسکو یہ منظور ہو کہ قیامت کو آنکھ سے دیکھے تو اسکو چاہیے کہ اذا الشمس کورت اور اذا السماء انفطرت اور اذا السماء انشقت پڑہے (اخرجہ احمد والترمذی وحسنہ وابن المنذر والطبرانی والحاکم) یعنے ان سورتوں میں قیامت کا پورا پورا نقشہ کہینچکر دکہا دیا گیا ہے۔

ن؎ جیسے بہریں

ل؎ العشار دس مہینے کی گابہن اونٹنیاں ۱۲ منہ

س؎ یعنی اب جو نیلی چادر اوڑہے ہوئے ہے نیلا دکہائی دیتا ہے یہ اتار لیجاوے اور آتش تیز سرخ ہو جاوے ۱۲ منہ

ربط اس سورہ کا سورہ عبس سے یہ ہے کہ اس میں قیامت کا ہولناک واقعہ اخیر میں بیان ہوا تھا کہ اس روز بھائی بھائی سے اور بیٹا باپ سے اور ماں سے اور خاوند جورو سے اور باپ بیٹوں سے بھاگے گا۔ اب اس سورہ میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ صاخہ کہ جس روز یہ ہوگا کب ہوگا اور اس مصیبت کے اسباب کیا ہونگے؟ فقال اذا الشمس کورت جبکہ آفتاب لپیٹا جاوے یعنی اسکی روشنی جو پھیلی ہوئی اور تھان کیطرح دنیا میں سفید چادر بچھی ہوئی ہے تہ کر دی جاوے اور آفتاب بے نور ٹھیکری کی چکتی سی رہجاوے استعارہ ہے اسکے بے نور ہونے سے۔ یا یہ معنی کہ پھینکدیا جاوے اور توڑ دیا جاوے کس لئے کہ تکویر لپیٹنے اور پھینکنے کو بھی کہتے ہیں۔

اول حادثہ

واضح ہو کہ تخریب عالم کیلئے بارہ نشان بتائے گئے ہیں کہ جب یہ بارہ چیزیں ہونگی تب علمت نفس ما احضرت ہر ایک جان لیگا کہ وہ کیا لیکر آیا ہے۔
ان بارہ میں سے چھ تو وہ ہیں جو صور اول کے بعد ہونگے اور چھ صور دویم کے بعد ہونگے۔ اور ان بارہ حوادث کے بعد اس دنیا کا کچھ بھی نام و نشان باقی نہ رہے گا اور نفوس انسانیہ کا اس منزل سے یک لخت تعلق منقطع ہو جاویگا اور یہی تعلقات اسکے جہل و بے خبری کے اسباب ہیں پھر جب یہ نہ رہیں گے تو انکشاف تام اور ظہور کلی ہو جانیکے سبب ہر ایک کو معلوم ہو جائیگا کہ اسنے اس دنیا کی اندھیری رات میں کیا کیا تھا کوئی بات مخفی نہ رہیگی۔ یہ ہے ان حوادث دوازدہ سے علمت نفس ما احضرت کا تعلق اور شرط سے جزا کا ارتباط ان چھ میں سے جو نفخ صور اول کے بعد واقع ہونگے سب سے بڑا حادثہ آفتاب کا بے نور ہو کر گر پڑنا اور نیست و نابود ہو جانا ہے کیونکہ اس دنیا کی بنیاد آفتاب کے نور اور اسکے وجود پر قایم ہے روشنی میں انسان ہر چیز کو دیکھتا ہے اور محسوسات میں امتیاز کرتا ہے اور یہی سبب ہے کہ دن میں اسکے حواس منتشر زیادہ ہوتے ہیں اور اسی سبب سے رات میں اہل مراقبہ و اہل ریاضت اپنی نسبت باطنی کی ترقی کیا کرتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ رات میں عشاق اور بیماروں کو اور ہر ایک مبتلائے مصیبت کو اپنا درد زیادہ معلوم ہوتا ہے اور یہی باعث ہے کہ ساحر اور تاثیرات نفسانیہ کے عامل اپنا عمل رات میں زیادہ موثر پاتے ہیں۔ اسکے سوا آفتاب کی حرارت اور تاثیر سے سیکڑوں چیزیں پیدا ہوتی ہیں انقلابات عظیمہ واقع ہوتے ہیں۔ تغیرات ظہور کرتے ہیں اشیاء کی عمر اور لڑکپن اور جوانی اور بڑھاپا آفتاب ہی کے سبب سے ہے۔ یہ دنیا کا چراغ ہے یہ نہ ہو تو اندھیر ہے اور انہیں باتوں کو مستقل تاثیر سمجھکر بہت سی قوموں نے پرستش شروع کر دی اور سورج دیوتا کہنے لگے اور ہزاروں منتر اسکی مدح میں بن گئے۔ ہنود کا گایتری منت اسی کی بید مدح میں ہے جو عمدہ عبادت خیال کیجاتی ہے۔ ہنود کے علما کو اقرار ہے کہ آفتاب کیا بلکہ عناصر کی مدح اور احکام پرستش سے وید بھرے پڑے ہیں۔ آریہ فرقہ وید کو چھپا کر جو تاویلات رکیکہ کرتا ہے اسپر وہ پنڈت ہنستے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس شرمناک دھبہ کو یہ تاویلات مٹا نہیں سکتیں۔

اس میں آفتاب پرستوں اور نیچران طبیعتوں اور دہریوں کا بھی کام رد ہے جو آفتاب کو پوجتے اور دہریہ اسی کو علت فاعلیہ سمجھتے ہیں اور اس کو قدیم اور ابدی خیال کرتے ہیں کہ تمہارا معبود ایک روز یوں لپیٹ کر دھر دیا جائیگا۔ آفتاب زمین سے لاکھوں حصہ بڑا ہے جب یہ خراب ہوا تو پھر زمین کی خیر نہیں۔ آفتاب کے بعد اور ستارے ہیں انکے اجرام کی عظمت بھی زمین سے سیکڑوں بلکہ ہزاروں درجہ زیادہ ہے لیکن وہ آفتاب سے کم ہیں اگر آفتاب نظر نہ آوے تو یہ ستارے بھی آسمان کی زینت اور روشنی کے قنادیل اور تاثیر مختلفہ پیدا کرنیکے اسباب ہیں اسلئے انکی حالت بھی بیان فرماتا ہے واذا النجوم انکدرت اور جبکہ تارے جھڑ پڑیں گر جاویں یہ دوسرا حادثہ ہے نجم کے لفظ سے روشنی اور ظہور سمجھا جاتا ہے اسلئے انکے لئے لفظ انکدرت استعمال ہوا جسمیں تیرگی کے معنی ہیں یعنی بے نور اور دھندلے ہو جاویں اور کوکب بھی تارے کو کہتے ہیں مگر اس لفظ میں جڑے رہنے اور جمے رہنے کے معنے ہیں اسلئے کوکب کے ساتھ انتثرت کا لفظ استعمال کیا جس کے ظاہر معنے ہیں جھڑ پڑیں واذا الکواکب انتثرت جب آفتاب اور ستارے نہ رہیں گے تو کرہ زمین بھی رخصت ہوگا اسلئے یہ تیسرا حادثہ بیان فرماتا ہے فقال

دوسرا حادثہ

تیسرا حادثہ

واذا الجبال سیرت اور جبکہ پہاڑ چلائے جائیں یعنی وہ اکھڑ کر روئی کے گالوں کیطرح ادھر اُدھر اڑتے پھریں جب آفتاب کی یہ حالت اور ستاروں کی یہ نوبت ہوگی تو گویا دنیا کی چھت برباد ہو چکے گی اور زمین کا فرش جسکے لنگر یا میر فرش پہاڑ ہیں وہ یوں اڑتے پھرینگے تو پھر اہل زمین کو کس جائداد اور کس تجارت اور کس مال کی آرزو باقی رہجاویگی اور کس کی حفاظت اور روک تھام کرینگے کسی کی بھی نہیں بلکہ اپنی ہی پڑی ہوگی اس مضمون کو اس جملہ میں ادا کرتا ہے واذا العشار عطلت اور جبکہ حاملہ اونٹنیاں جو بچہ دینے کے قریب ہوں یوں ہی بیکار و بے مہار ماری ماری پھرینگی کوئی پرسان حال بھی نہ ہوگا اونٹ عرب کے نزدیک بڑا مال ہے اور خصوصاً گابھن اونٹنی جو بچہ دینے کو ہو اور بھی نفیس اور مرغوب دل مال ہے اسکی حفاظت و نگہداشت بہت کچھ کیا کرتے ہیں اسلئے گابھن اونٹنیوں کے بیکار رہنے کا ذکر کیا یہ چوتھا حادثہ ہے۔ اس میں ایما ہے کہ جس مال کے جمع کرنے میں یوں عقبے برباد کر رہے ہو اسکی ایک روز یہ حالت ہوگی اور یہ طبعی بات ہے دنیا میں جب کوئی سخت بیمار یا مبتلائے مصیبت ہو جاتا ہے ایسا کہ بے کل ہو جاوے اور چین نہ پڑے اسوقت نہ روپیہ اچھا معلوم ہوتا ہے نہ عورت کی طرف رغبت رہتی ہے۔ نہ گھوڑے بیل اچھے معلوم ہوتے ہیں نہ مکان و جائداد کا دھیان رہتا ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ عشار سے مراد پانی بھرے بادل ہیں کہ اس روز وہ معطل ہونگے۔

اور جب یہ حالت ہو جاویگی تو انسان کیا وحشی جانوروں کے بھی ہوش و حواس بجا نہ رہیں گے واذا الوحوش حشرت اور جبکہ جنگلی جانور جو آج انسانوں سے دور بھاگتے ہیں اور آپس میں بھی ایک دوسرے غیر جنس سے گریز کرتا ہے ہرن شیر سے بکری بھیڑیئے سے ان سب پر بوقت نفخ صور یہ ہول و دہشت طاری ہوگی کہ سب جنگل اور پہاڑ چھوڑ کر آبادی میں پناہ لینے کے لئے آجمع ہونگے۔ اور اب بھی جب رو آتی ہے یا جنگل میں آگ لگتی ہے ایسے جانور جو انسان سے بھاگتے ہیں امن کی جگہ جمع ہو جاتے ہیں شیر اور جنگلی ہرن وغیرہ کو ایک جا دیکھا گیا ہے مصیبت میں نفرت اور باہمی عداوت کافور ہو جاتی ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ حشر کے روز وحوش بھی ان کے باہمی قصاص و فیصلہ کے لئے جمع ہونگے ابن عباس سے یہ بھی منقول ہے کہ وحوش کے حشر سے مراد ان کا مرنا ہے عرب کہتے ہیں حشرتہم السنۃ جبکہ لوگوں کے مال اور جان قحط سے تلف ہوں۔

یہ پانچواں حادثہ ہے۔ اسکے بعد چھٹے حادثہ کو بیان فرمایا ہے۔ واذا البحار سجرت اور جبکہ دریا گرم کیے جاویں۔ دریا کا گرم ہونا اور جوش میں آنا اس کی طغیانی سے عبارت ہے۔ پھر جبکہ صور پھونکے گا اور زمین ہلے گی اور پہاڑ اڑینگے تو جس سطح ارض پر سمندر رہے وہ کب ساکت ہوگا اسکا تموج اور جوش بھی بیحد ہوگا کہ خشکی پر پھیل پڑیگا اور زمین کے حیوانات و انسان بلکہ بڑی بڑی بلند چیزوں کو ڈبو دیگا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ بیحد تموج سے اس میں ایسی مفرط حرارت پیدا ہوگی کہ پانی مستحیل ہو کر ہوا ہو جاویگا اور ہوا مستحیل ہو کر آگ بنجائے گی۔ پانی نے تو آفت برپا کی ہی ہوگی پھر ہوا ہو کر اور بھی دنیا کو درہم برہم کردے گا اور پھر آگ ہو کر اور بھی ستیاناس کردیگا۔ الغرض یہ تینوں عنصر جو آج دنیا کی آبادی کا باعث ہیں یہی خرابی کا باعث ہو جاوینگے نہ آسمان رہا نہ ستارے نہ سورج نہ پہاڑ نہ انسان و حیوان نہ سمندر گویا ان چھ حادثوں سے جو نفخ صور اول سے ہونگے دنیا کا اور اہل دنیا کا خاتمہ ہو جائیگا۔

اعتراض

مگر ان چھ حوادث کی ترتیب ذکر میں بعض نکتہ چینیوں کو اعتراض ہے کہ جب یہ معاملہ نفخ صور اول کا ہے اور ستارے بے نور ہو جاوینگے اور پہاڑ اڑتے پھرینگے تو اسوقت عشار یعنے گابھن اونٹنیاں اور وحوش موجود ہی کب ہونگے جو ان کو معطل اور محشور ہونا کہا جاوے

جواب

اسکا جواب بہت آسان ہے وہ یہ کہ ان حوادث میں خدائے پاک نے ترتیب وقوع کا اظہار نہیں فرمایا کہ اول یہ ہوگا پھر یہ ہوگا اور

محض ایک کے بعد دوسرے کے ذکر کرنے سے یہ نہیں لازم آتا کہ دوسری شئے اول کے بعد ہی واقع ہو چونکہ سورج کا بے نور ہونا ایک بڑی
عظیم الشان بات تھی اسلئے اول اسکو ذکر کیا گو وقوع اسکا آیندہ مذکور چیزونکے بعد ہو اسی طرح اسکے بعد ستاروں کا جھڑنا بے نور ہونا بڑی بات
تھی اسکو ذکر کیا جب علویات کے ذکر فنا و سے فراغت ہوئی تو اسکے بعد سفلیات کا بطلان وفنا ذکر فرمایا اور سفلیات میں پہاڑ بلند اور
بڑے مستحکم اور ثابت القدم معلوم ہوتے ہیں انکی بے ثباتی اور اڑا پھرنا ذکر کیا حالانکہ یہ ممکن ہے کہ پہاڑ پہلے اڑ چکیں اور زمین کے وحوش وطیور
مر چکیں تب آفتاب اور ستارے بے نور ہوں اور اس کے بعد انسان کا بدحواس ہونا اور اپنے مرغوب مال سے بے خبر ہو جانا اور وحوش
کہل بلی پڑ جانا اور سب کا مجتمع ہونا بہ نسبت پہاڑوں کے اڑتے پھرنے کے ایک کم مرتبہ چیز ہے لسلئے اسکا ذکر پیچھے کیا حالانکہ یہ انسان کی
بدحواسی اور وحوش کی بدحواسی پہلے ہوگی. کس لئے جب صور کی آواز قدرے بھی بلند ہوگی انسان تو جب ہی بدحواس ہو کر اونٹ اونٹنیوں سے
بیخبر ہو جائے گا اور حیوانات اور جنگلی جانوروں میں رول پڑ جائے گی پھر ذرا اور آواز بلند ہوگی تو یہ سب مرجائیں گے پھر آواز بلند ہوگی تو دریاؤں
میں تموج ہوگا اور ابل پڑیں گے چونکہ دریا کا گرم ہونا کسیقدر اب بھی بعض مواقع پر ہوتا ہے گویا ایک معمولی سی بات ہے حالانکہ اس روز اس
سے بدرجہا بڑھکر ہوگا اسلئے اسکو انسان کی بدحواسی اور وحوش کی کہل بلی کے بعد ذکر کیا اور یہ بھی ممکن ہے کہ تموج بحری کے بعد انسان
وحیوانات کی موت اور بدحواسی ہو. پھر جب اور بھی زیادہ بدحواسی ہوگی تو زمین لرزے گی اور پہاڑ لوٹ جاوینگے اور لوٹ کر ریزہ ریزہ ہوا
کے تموج سے ہو جاوینگے پھر زمین کا خاتمہ ہو چکے گا تو علویات کی بربادی ہوگی. آفتاب بے نور ہو کر گر پڑیگا پھر ستارے گر پڑیں گے پھر
جب سب فنا ہو جائینگے اور ایک معلوم المقدار عرصہ فنا کا گزر چکے گا تو حق سبحانہ پھر اسرافیل کو صور پھونکنے پر مامور کرے گا اور پھر بار دیگر ہر چیز ایک
نئے وجود سے زندہ ہوگی اور یہ وجود ہمیشہ باقی رہیگا. اسلئے اسوقت کے ان چھ حوادث کو ذکر کرتا ہے جنکا ذکر نفوس انسانیہ کو اکتساب حسنات
وتحصیل سعادت کی طرف ابھارتا ہے. اول واذا النفوس زوجت اور جبکہ نفوس انسانیہ کے جوڑے لگیں. اول تو نفوس یعنے ارواح کا انکے اول حادثہ
اجسام سے پھر جوڑ لگے پھر جسموں میں روح پھونکی جاوے اور گویا روح کی جسم سے پھر ایسی شادی اور بیاہ ہو کہ باہم پھر جدائی نہوگی. اسکے بعد ہر ایک
جنس اور نوع کا باہم جوڑ لگے نیک جدے کھڑے ہوں تو بد جدے پھر نیکوں میں نمازیوں کی قطار جہادیوں کی قطار جدا جدا ہو علی ہذا القیاس اور
سب سے اول تین جماعتیں قایم ہوں کما قال وکنتم ازواجا ثلثۃ ایک اصحاب الیمین کی دوسری اصحاب الشمال کی تیسری سابقین کی اسکے بعد نفوس
انسانیہ کا نفوس سماویہ وارضیہ سے جوڑ لگے تاکہ قوت ادراک خیر وشر کا پورا بدلہ پاوے. اور ہر نفس اپنے اعمال خیر وشر کی صورت مثالیہ سے بیاہا جاوے
اور ہر نیک کا حور العین سے جوڑ لگے تمام جزا و سزا آخرت کو یہ ایک لفظ وسیع المعنی حاوی ہے مگر اس کے بعد چند مہتم بالشان امور کو بیان فرماتا
ہے واذا الموؤدۃ سئلت اور جبکہ زندہ گاڑی ہوئی لڑکی پوچھی جاوے بای ذنب قتلت کہ کس گناہ میں ماری گئی تھی! خواہ سوال مظلوم لڑکی سے
ہو خواہ قاتل ظالم سے بہرحال اسکی بازپرس ہوگی عرب کے جاہل اور مغرور لوگ ننگ ودامادی یا خوف افلاس سے لڑکیوں کو زندہ گڑھے میں ڈالکر دوسرا حادثہ
مٹی دیدیا کرتے تھے انکو سنایا جاتا ہے کہ ایک روز تم سے پوچھا جائیگا کہ کس جرم پر اس معصوم کو قتل کیا یا اس مظلوم دادخواہ سے دریافت ہوگا. یہ ایسا
پر اثر بیان ہے کہ اسکے بعد عرب سے یہ رسم یک لخت موقوف ہوگئی یہ دوسرا حادثہ ہے واذا الصحف نشرت اور جبکہ نامہ اعمال کہولے جاویں اور حساب
شروع ہو اور کہا جاوے کہ پڑھ یہ صحائف ان معمولی کاغذوں پر معمولی رسم الخط سے نہونگے بلکہ ایک انجلاد انکشاف صور اعمالیہ کا ہوگا جسکا مجموعہ ایک
صحیفہ ہے یا جو کچھ اس کی حقیقت عند اللہ ہو برحق ہے.
یہ تیسرا حادثہ ہے. واذا السماء کشطت اور جبکہ وہ آسمان جو بار دیگر نفخ صور ثانی کے بعد قایم ہوگا اسکو کہولا جاوے یعنی جس طرح جانور ذبح کی کہال تیسرا حادثہ

کھینچ لینے سے اسکا گوشت واندرونی اعضا ظاہر ہوجاتے ہیں اسی طرح آسمان کا حجاب مرتفع ہوجاوے اور مکنونات خیالات فلک کہ اشیا کی صورت مثالیہ ہیں متجلی ومنکشف ہوجاویں اور ملائکہ نازل ہونے شروع ہوں جو عدالت حشر کے کارندے ہونگے۔ یہ چوتھا حادثہ ہے
چوتھا حادثہ
امام رازی کشطت کے معنی اسی کے قریب قریب بیان فرماتے ہیں حیث قال اے کشفت وازیلت عما فوقہا وہو الجنۃ وعرش اللہ کما یکشط الاہاب عن الذبیحۃ والغطاء عن الشئ۔ یعنے کھولا جاوے اور اسکے اوپر کی چیز جو جنت اور عرش الٰہی ہے ظاہر کیا جاوے جیسا کہ کھال ذبیحہ سے اتاری جاتی ہے اور پردہ کسی چیز سے دور کیا جاتا ہے۔

ف لفظ کشطت کو ابن مسعود نے قشطت قاف سے بھی پڑھا ہے اور کاف کی جگہ قاف کا استعمال زبان عرب میں بہت جگہ ہوتا ہے جیسا کہ کافور۔ قافور اور لبکت الثرید ولبقتہ

جب آسمان کھل جاویگا اور جوکچھ عالم بالا میں ہے رجو خزانہ غیب ہے، ظاہر ہوگا اور انسان کے اعمال نیک و بد کی صور مثالیہ بھی ظاہر ہونگی تو اول بدونکے لیے واذا الجحیم سعرت دوزخ دہکائی جاوے بنی آدم کے گناہوں کا ایندھن جو اسمیں پڑا سلگ رہا تھا اب جزا کا وقت آگیا غضب الٰہی کا شعلہ اسکو بھڑکا دیگا اور عدل وانتقام کی آگ اس ایندھن کو دہکا دے گی پھر تو وہ جوش مارے گی کہ الٰہی توبہ اسکے جوش وخروش اور شعلونکی لپیٹ کی آواز دور دور سے سنائی دے گی کما قال وہی تفور تکاد تمیز من الغیظ اور بڑے بڑے انگارے اور چنگاریاں باہر آپڑینگے
پانچواں حادثہ
کما قال انہا ترمی بشرر کالقصر کانہا جمالات صفر اس کے دیکھنے سے لوگوں کی جان پر بنجاویگی اور بالخصوص مجرم تو اس حالت کو دیکھکر حواس باختہ ہو ہوجاوینگے اور دنیا کے چند روزہ لذات وشہوات پر ہزاروں نفر پیشمان کرینگے کما قال واسروا الندامۃ لما راوا العذاب یہ جانکاہ پانچواں حادثہ ہوگا۔ اور اسی طرح اہل حشر کے لیے جنت سامنے لائی جائے گی کما قال واذا الجنۃ ازلفت اور جنت قریب لائی جاوے گی۔ اب جو عالم غیب میں آنکھوں سے اوجھل ہے اور اسی لیے کور باطن اسکا انکار کرتے ہیں اس روز وہ حاضر ہوجاویگی اور تخت عدالت کے قریب لاکر رکھی جاویگی یہانتک کہ اسکے نعیم اور وہانکے بے حد اسباب آسایش وتجمل نظر آوینگے۔ بدوں کو اور بھی مصیبت ہوگی کہ حسرتیں کرینگے اور اس سلطنت جاودانی کے ہاتھ سے جاتے رہنے کا الم دلونکو عذاب جہنم سے کم نہوگا خصوصًا جبکہ ان غریبوں مفلسوں کو کہ جنکی عبادت وتقویٰ پر تمسخر کیا کرتے اور انکو بہت ہی ذلیل وخوار سمجھتے تھے یہ دیکھیں گے کہ کس اکرام واعزاز سے جنت کے لیے منتخب کئے جارہے ہیں اور ان دنیا کے عزت داروں ہزاروں نازونعمت میں پرورش پانے والوں پر جوتیاں پڑرہی ہیں ملائکہ گھسیٹے ہوئے جہنم کی طرف مارتے ہوئے چلے جاتے ہیں اب نہ کوئی دنیاوی یار ہے جو حمایت کرے نہ مال وزر ہے جو کام آوے۔
چھٹا حادثہ
یہ چھٹا حادثہ اور بھی جانکاہ ہوگا۔ تب علمت نفس ما احضرت ہر ایک شخص جان لے گا کہ وہ دنیا سے کیسا لایا ؟ کیا اعمال نیک وبد کئے یہ حجاب اٹھ جاوے گا۔

ف۔ بعض مفسرین نے ان بارہ حوادث کو انسانی حالات پر محمول کیا ہے جو بوقت مرگ ظاہر ہونگے اور مرگ قیامت صغریٰ ہے اسوقت اسکو نیک وبد معلوم ہوجاویگا۔ آفتاب کا بے نور ہونا روح کا تعلقات جسمانیہ سے دست بردار ہونا ہے اور ستاروں کا بے نور ہونا۔ اسکے حواس اور قوے کا بیکار ہونا ہے۔ اور پہاڑوں کا اڑنا اس کے بنیاد جسم کا ہلجانا اور اسکے بڑے بڑے ارادونکا باطل ہونا ہے اور گابھن اونٹنیوں کے بیکار ہونے سے مراد انسان کی قریب الحصول تمناؤنکا بیکار ہونا ہے، اور وحوش کا جمع ہونا اسکے نفرت انگیز کاموں کا تصور اور انکی صورتیں سامنے آنا ہے اور دریاؤں کا گرم ہونا اور جوش مارنا اسکے حسرات وآرزوں کا بطلان اور خیالات کا انتشار ہے کہ ہر ایک

بے کنارہ دریا ہے اور نفوس کا جوڑا لگنے سے مراد ملکات مکسوبہ کا ان کے مناسب چیزوں سے ارتباط ہے۔ ظلمانی ملکات کا ظلمانی چیزوں سے اور نورانی ملکات اور علوم و معارف کا نورانی چیزوں سے جوڑا لگایا جاتا ہے اور موؤدہ سے مراد وہ انسانی قوے و مدارک ہیں جو اسکے اندر ودیعت ہیں جنکو زندہ گاڑ دینا کہنا استعارہ ہے لئے سوال ہوگا کہ ان کو برمحل صرف کیا تھا یا بے محل جس نے بے محل اور بے موقع خداداد قوت کو صرف کیا گویا زندہ معصوم بچہ کو قبر میں ڈالدیا۔ مثلاً قوت شہوانیہ ایک اسکی عطا کردہ امانت ہے اگر اسکو اپنی بیوی پر اور حلال چیزوں کے کھانوں میں صرف کیا تو مضائقہ نہیں ورنہ عتاب و عقاب ہے اسی طرح قوت غضبیہ ایک ودیعت ہے اگر اسکو غیرت دینیہ وملتیہ کے لئے اور ظالموں کے مقابلے میں اپنے ناموس اور ملت کے محفوظ رکھنے میں صرف کیا تو بہت خوب۔ اگر زیر دستوں کے ستانے اور لوگوں پر ظلم و جفا کرنے میں صرف کیا تو عتاب اور عذاب ہے۔ اسی طرح نطق یعنے گویائی ایک امانت ہے اگر اچھی باتیں کیں خدا کی حمد وثنا اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر واصلاح بین الناس میں صرف کی تو اجر ہے ورنہ وزر پس جس نے اسکو بیہودہ گوئی فحش گوئی اور جھوٹے قصوں کے سنانے اور لوگوں میں فساد کرانے اور نقصان دہی میں صرف کیا تو عذاب ہے۔ اور صحائف کے کھولے جانے سے مراد قوی اور نفوس کے وہ صحائف ہیں کہ جنہیں اعمال کی ہیئت ہے اور آسمان کے کہولنے سے مراد احکام روحی کا ظہور ہے جو بوقت مرگ ہوتا ہے اور دوزخ کے دہکائے جانے سے مراد وہ شدائد و اہوال ہیں جو موت کے بعد ظاہر ہونگے اور بہشت کے نزدیک لائے جانے سے مراد وہ روح و ریحان ہیں جو عالم برزخ میں ایمانداروں کے سامنے آتے ہیں۔

یہ کہنا کہ ان بارہ چیزوں سے یہ چیزیں مراد ہیں تفسیر نہیں بلکہ تاویل ہے ہاں اس کہنے کا مضائقہ نہیں کہ ان چیزوں کی طرف بھی الفاظ قرآنیہ میں اشارہ ہے۔ ٹھیک بات ہے کس لئے کہ قرآن مجید کیلئے ظہر و بطن ہے اسکے اندرونی پردوں میں جو کچھ معانی مخفی ہیں وہ ایک دریائے بے کنار ہے جسکو وہاں تک رسائی ہو وہ سمجھے۔

اسی طرح بعض صوفیہ کرام فرماتے ہیں اذا الشمس کورت میں اشارہ ہے تجلی ذات وصفات کے ظہور کی طرف جو قلوب عارفین پر ہوتی ہے پس اسوقت انکی ارواح کے آفتاب بے نور ہو جاتے ہیں اور انکے عقول کے ستارے دہندلے ہو جاتے ہیں بسبب غلبہ نور ذات وصفات کے۔ اور اسوقت ان کے دلوں کے پہاڑ یعنی واردات محبت سخت ہواؤں سے اڑتے پھرتے ہیں اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں اور انکے نفوس کی باردار اونٹنیاں اسکے سطوت جلال کے سامنے بیکار ہو جاتی ہیں پھر اس وقت توحید کے دریا گرم ہو جاتے ہیں اور وحوش تفرید مجتمع ہو جاتے ہیں اور بجز ذات پاک ذوالجلال والاکرام کے اور کچھ باقی نہیں رہتا اور ہر عارف کے ان احوال میں ایک قیامت ہے اور اسی طرح روح عاطفہ کا نفس مطمئنہ سے جوڑا لگا دیا جاتا ہے پھر وہ دونوں ہمیشہ قرب کے باغوں اور وصال کے بہشتوں میں رہا کرتے ہیں جیسا کہ دنیا میں مقامات مراجات میں رہا کرتے تھے اور اسی طرح مشاہدات کے باغ قریب کئے جاتے ہیں۔

واللہ اعلم باسرار کلامہ۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ۙ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ۙ وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ ۙ وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ۙ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۙ

سو ہمکو قسم ہے اُن ستاروں کی جو چلتے چلتے پیچھے ہٹنے لگتے غائب ہو جاتے ہیں اور قسم ہے ڈھلتی رات کی اور صبح کی جبکہ روشن ہو کہ یہ قرآن ایک معزز رسول (جبرئیل) کی زبانی ہے

ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ۙ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ۭ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ۚ وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ۚ

جو بڑی قوت والا عرش والے کے پاس رتبہ رکھتا ہے۔ وہاں کا سردار امانت دار ہے اور تمہارا پیغمبر دیوانہ نہیں ہے اور البتہ اُنہوں نے اس (جبرئیل) کو مطلع صاف میں دیکھ ہی لیا ہے

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ۚ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ۙ فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۙ

اور وہ غیب کی بات پر بخل کرنے والا بھی نہیں اور یہ قرآن شیطان مردود کا کلام نہیں پھر تم کہاں بہکے چلے جا رہے ہو یہ تو جہان بھر کے لئے نصیحت ہی نصیحت ہے

لِمَنْ شَاۗءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ۭ وَمَا تَشَاۗءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

اُسکے لئے جو تم میں سے راست ہونا چاہے اور تم تو جب ہی چاہو گے کہ جب اللہ چاہے گا جو تمام جہان کا رب ہے۔

ع ۲۹

ترکیب

فلا الفاء للتفریع او التعقیب ولا زائدۃ کما مر تحقیقہا فی سورۃ القیامۃ بالخنس المقسم بہ وہی جمع خانس وخانسۃ من خنس اذا تاخر وفی الصحاح الخنس الکواکب کلہا لانہا تخنس فی المغیب او لانہا تخفی نہارا وقیل ہی الکواکب الخمس زحل والمشتری والمریخ والزہرۃ وعطارد وفی الکبیر الخنس جمع خانس والخنوس الانقباض والاستخفاء تقول خنس من بین القوم وتخنس وفی الحدیث الشیطان یوسوس الی العبد فاذا ذکر اللہ خنس ولذا سمی الخناس۔ الجوار جمع جاریۃ وہی السیارات لانہا تجری وہی صفۃ الخنس۔ الکنس جمع کانس وکانسۃ یقال کنس اذا دخل الکناس وہو مقر الوحش کنس۔ کناس بالکسر خوابجائے آہو وپنہان شدن اور در آنجا (ع ف ک ۲) کنس خانہ رفتن۔ مکنسہ جاروب۔ کناسہ بالضم جارو بہ وخانہ روبہ (صراح) والمراد بہا الکواکب لانہا تکنس ای تختفی بالنہار۔ وہی ایضا صفۃ لہا۔ واللیل الواو للقسم اذا ظرف العامل فیہا معنی القسم عسعس من الاضداد یقال عسعس اللیل اذا اقبل وعسعس اذا ادبر والمراد ہہنا اقبال اللیل وقیل الادبار والصبح ہذہ الواو ایضا للقسم تنفس ای اسفر وامتد وفلق شبہ اللیل المظلم بالمکروب المحزون الذی جلس بحیث لا یتحرک واجتمع الحزن فی قلبہ فاذا تنفس وجد راحۃ فہہنا لما طلع الصبح فکانہ تخلص من ذلک الحزن فعبر عنہ بالتنفس وہو استعارۃ لطیفۃ۔ وجواب القسم الاول والثانی والثالث قولہ انہ لقول رسول کریم ثم وصف الرسول المذکور باوصاف محمودۃ (۱) ذی قوۃ (۲) عند ذی العرش مکین (۳) مطاع ثم۔ قرء الجمہور بفتح ثم علی انہا ظرف مکان والعامل فیہ مطاع او امین والمعنی انہ مطاع فی الملاء الاعلی او امین ہہنا وقری بالضم علی انہا عاطفۃ وکان العطف بہا للتراخی فی الرتبۃ لان ما بعدہا اعظم مما قبلہا وما صاحبکم ہذہ الجملۃ داخلۃ فی جواب القسم ولقد راہ اللام جواب قسم محذوف ای وتاللہ لقد راٰی محمد صلی اللہ علیہ وسلم جبرئیل بالافق المبین بمطلع الشمس من قبل المشرق لان ہذا الافق لطلوع الشمس منہ مبین فالمبین صفۃ الافق وقیل صفۃ لمن راہ قالہ مجاہد وتاللہ لمن شاء بدل من العالمین باعادۃ الجار ومفعول شاء ان یستقیم بتاویل المصدر ای لمن شاء الاستقامۃ۔

تفسیر

چونکہ یہ واقعات ہولناک کہ جنکی اذا اذا کرکے خبر دیگئی ہے امور بدیہہ نہیں تھے نہ ایسے تھے کہ عقول متوسطہ انکو کسی برہان یا دلیل سے بے کھٹکے مان لیتے اور اگر ایسے ہوتے تو ان میں عقلاء کا اختلاف اس درجہ نہ ہوتا اور اسی لئے شرع میں ان چیزوں پر ایمان لانے کو ایمان بالغیب کہتے ہیں ان کا ثبوت محض نبی کے بیان پر موقوف ہے جسنے نبی کو سچا مان لیا ہے اسکے نزدیک ان امور کے سچے ہونے میں سر مو تفاوت نہیں اسلئے[1] ان کے بعد ضرور ہوا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت و صداقت اور نبی کے ذریعہ سے جو کتاب آسمانی ظاہر ہوئی ہے اور جس میں یہ باتیں مذکور ہیں اسکی سچائی بھی ثابت کیجاوے اور عرب کے نزدیک جھوٹی قسم کھانا ہلاکت کا باعث تھا اس لئے اس آیندہ کلام کو قسم سے صادر کیا اور قسم ہی پر موقوف نہیں رکھا بلکہ بعد میں وہ دلائل بھی بیان فرمائے کہ جن سے قرآن کا کتاب الٰہی اور آنحضرت صلعم کا نبی ہونا ثابت ہوتا ہے فقال ۔

فلا اقسم بالخنس الجوار الکنس کہ پس میں قسم کھاتا ہوں خنس کی ایسے خنس جو جوار اور کنس ہیں۔ ان تینوں لفظونکا مصداق ایک ہی چیز ہے تین چیزیں جدا جدا نہیں جوار۔ کنس اسی خنس کے صفات ہیں ان الفاظ کے معانی یہ ہیں۔ (۱) خنس خانس اور خانسہ کی جمع ہے اور خنوس ان کا مصدر ہے جسکے معنے مخفی ہونا اور ہٹنا ہیں۔ خنس پیچھے ہٹ آنے والی چیزیں۔ (۲) جوار جاری ہونے والی چیزیں یعنے سیدھا چلنے والیاں (۳) کنس۔ کانس اور کانسہ کی جمع کنس چھپ جانا۔ کنّس تشدید کے ساتھ چھپ جانے والی چیزیں۔

جمہور مفسرین کہتے ہیں کہ خنس اور جوار اور کنس سے پانچ ستارے مراد ہیں جنکو اہل ہیئت خمسہ متحیرہ کہتے ہیں یعنی زحل[۱] مشتری[۲] مریخ[۳] زہرہ[۴] عطارد[۵]۔ انگریزی میں سیٹرن[۱]۔ جوپیٹر[۲]۔ مارز[۳]۔ وینس[۴]۔ مرکیوری[۵] کہتے ہیں۔ فارسی میں کیوان[۱]۔ برجیس[۲]۔ ترک فلک[۳]۔ ناہید[۴]۔ دبیر فلک[۵] ہندی میں سنیچر[۱]۔ برہسپت[۲]۔ منگل[۳]۔ سکر[۴]۔ بدھ[۵] کہتے ہیں۔ ان پانچوں ستارونکی عجب حیرتناک چال ہے یہ کبھی سیدھے چلتے ہیں اس لحاظ سے انکو جوار کہتے ہیں اور کبھی الٹے چلتے ہیں جدہر سے گئے تھے پھر لوٹ کر ادہر ہی آجاتے ہیں اس لحاظ سے انکو خنس کہتے ہیں اور کبھی غائب ہوجاتے ہیں یا حرکت منقطع ہوجاتی ہے اس لحاظ سے انکو کنس کہتے ہیں انہیں ستاروں کے یہ تین حال ہیں۔ ان کی ہمیشہ ایک روش پر چال نہیں جیسا کہ کوئی حیرت زدہ سیدھا جاتا ہے پھر لوٹ آتا ہے ادھر و ادھر مارا مارا پھرتا ہے۔ اسی لئے انکو متحیرہ کہتے ہیں۔ یا تو مغرب سے مشرق کی طرف بترتیب بروج چل رہے تھے کہ حمل سے ثور اور ثور سے جوزا برج کو طے کر رہے تھے یا یکایک حرکت بند ہوگئی اور پھر الٹے مشرق سے مغرب کیطرف چلنے لگے۔ پہلی حالت کو استقامت دوسری کو وقوف و اقامت تیسری کو رجعت کہتے ہیں۔

ان ستاروں کا اس میدان میں اسطرح سے ہیر پھیر کرکے دوڑنا صریح دلیل ہے کہ انکی ڈوری کسی قادر مطلق کے ہاتھ میں ہے جو بڑا قادر اور بڑا حکیم ہے یہ ستارے اس لحاظ سے اسکی قدرت و عظمت جبروت و کبریائی کی روشن ضمیر کے نزدیک بڑی روشن دلائل ہیں اسلئے انکی قسم کھائی

---

[1] یا یوں کہو کہ مسئلہ معاد کے بعد مسئلہ نبوت کا ثابت کرنا اسلئے مناسب معلوم ہوا کہ مسئلہ نبوت کے ثبوت پر مسئلہ معاد کا ثبوت منحصر ہے اور نبوت کا اثبات بھی اس لطف سے کیا کہ قرآن مجید کی صداقت ثابت کی جسمیں یہ امور مذکور ہیں اور قرآن جسکے نزدیک کتاب الٰہی ہے تو آنحضرت صلعم کی نبوت بھی اسکے نزدیک قطعی ہے ۱۲ منہ ۔

اور ان کے پرستش کرنیوالوں کے خیالات فاسدہ کا بطلان بھی کردیا۔

ف حضرت نوح و ابراہیم علیہما السلام کے عہد میں تو ایک فرقہ صابیہ تھا جو ان ستاروں کی پرستش کیا کرتا تھا پھر رفتہ رفتہ اسکے متعدد فرقے ہوگئے اور ہر فریق نے اپنے ملکوں میں ایک جدا رنگ پیدا کیا چنانچہ روم و یونان کے لوگ جو یورپ بلکہ ایشیا کی حکمت و فلسفہ کے استاد مانے گئے ہیں جو پیٹر کو پوجا کرتے تھے اور اسکے نام کا بڑا مندر بنا رکھا تھا اور ستاروں کی پرستش بھی کیا کرتے تھے۔ پارسیوں کی دساتیر میں تو ناہید کی بہت کچھ مدح اور پرستش کے دستورات موجود ہیں۔ یہی حال ہنود کا ہے۔ بعض مفسرین فلا اقسم میں لا زائدہ نہیں کہتے بلکہ نافیہ مانتے ہیں تب یہ معنے ہونگے کہ میں ان ستاروں کی قسم نہیں کھاتا کس لئے کہ غور کرنیوالے کے نزدیک خود بخود قرآن مجید کی صداقت ظاہر ہے۔

ف۔ ان خمسہ متحیرہ کی اس حرکت کے حکماء نے اسباب تلاش کئے تو حکماء قدیم نے جو ہیئت میں بطلیموس کے پیرو ہیں یہ کہا کہ آسمان کے ثخن میں ایک اور دوسرا آسمان ہے اسکو حامل کہتے ہیں اور حامل میں ایک گول پہیا سا لگا ہوا ہے جسکو تدویر کہتے ہیں۔ اس تدویر میں ستارہ جڑا ہوا ہے پھر وہ تدویر اس میں ستارہ کو لیکر گھومتی ہے اور گھومتی ہوئی تدویر کو لیکر حامل گھومتا ہے اور اس گھومنے میں تدویر اور حامل کی حرکت موافق ہے تو ستارہ سیدھا چلتا ہوا معلوم ہوتا ہے اور اگر مخالف ہے تو بطی حرکت محسوس ہوتی ہے پھر وہ مخالفت اگر اسدرجہ تک ہے کہ جسقدر ستارہ ایک کی حرکت سے آگے بڑھتا ہے تو اسیقدر مخالف حرکت سے ہٹتا ہے اسلئے اسوقت یہ ستارہ ٹھرا ہوا معلوم ہوتا ہے اور اگر مخالف حرکت غالب آکر اسکو الٹا ادھر ہی واپس کرلانے لگے کہ جدھر سے وہ چلا تھا تو اسوقت وہ ستارہ الٹا حرکت کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

حامل اور آسمان اور تدویر اور ستارہ کا نقشہ

اس لئے ہر ایک ستارہ کے لحاظ سے سات آسمان تسلیم کرنے پڑے پانچ تو یہی ستارے اور دو چاند اور سورج انکو بھی سیارہ کہتے ہیں سبع سیارات یہی ہیں۔ پھر ہر ایک سیارہ کا مقام ایک ایک آسمان قرار دیا ہے اور دیگر ستاروں کا مقام (جو حرکت کرتے نظر نہیں آتے اور ایک ہی جگہ ثابت رہتے ہیں اور اسی لئے انکو ثوابت کہتے ہیں) آٹھواں آسمان قرار دیا اسکے اوپر نواں آسمان اور تجویز کیا ہے جسکو فلک اطلس کہتے ہیں۔ اور علمائے اسلام نے آٹھویں آسمان کو عرش اور نویں کو کرسی سے تعبیر کیا ہے۔ اور حکماء حال جو آسمانوں کی سیر کے قائل ہی نہیں وہ) ان ستاروںکی اس حرکت کا سبب انکا میلان فراقی بیان کرتے ہیں۔ جو کچھ ہو بہر حال اسمیں قدرت کاملہ کا پورا پورا ثبوت ہے۔

اندرونہ آسمان
حامل
ستارہ
تدویر
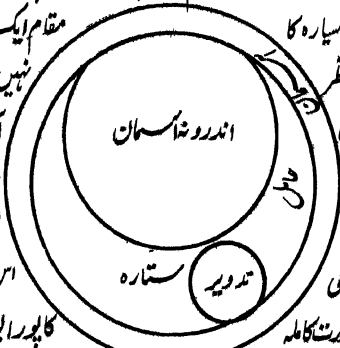
ف بعض مفسرین کہتے ہیں کہ خنس۔ جوار۔ کنس کل ستاروں پر صادق آتا ہے۔ رات میں مشرق سے مغرب کی طرف چلتے ہیں زمین غائب بھی ہوجاتے ہیں اور آگے مشرق کیطرف چلتے ہیں جہاں سے اگلے روز نمودار ہو کر چلے تھے آج پھر وہیں سے چلنے لگے۔ الغرض علویات کا انقلاب

اسکے بعد عالم میں ایک اور تصرف روزانہ سے اپنی قدرت کاملہ کا ثبوت دیتا ہے اور اسکو بھی وثوق دلانیکے لئے اسی قسم کے عنوان سے صادر فرماتا ہے۔ فقال واللیل اذا عسعس اور قسم ہے رات کی جبکہ وہ ڈھلنے پر آنے لگے عسعس کے معنی رات ڈھلنے کے ہیں (عسعس اللیل اذا ادبر کشاف) اور آنے کے بھی ہیں رات ڈھلنا بھی اسکی قدرت کا نمونہ ہے یا تو دنیا پر اندھیرا چھایا ہوا تھا یا اب ہٹنے لگا اور یہ وقت بسبب ظہور انوار کے برکت کا بھی وقت ہے اور صبح سے مناسبت رکھتا ہے اسلئے اسکی بھی قسم کھائی۔ اسیطرح رات کا آنا اور دنیا پر چھا جانا بھی ایک تغیر عظیم ہے یا تو روشنی تھی یا اندھیرا ہو نیلگا والصبح اذا تنفس اور قسم ہے صبح کی جبکہ روشن ہونیلگے یہ تیسری قسم ہے تنفس سانس لینا گویا رات ایک غمگین شخص دم گھوٹے بیٹھا تھا پھر سانس لیا تو راحت پائی اور یہ وقت راحت ہے۔ یہ ایک لطیف استعارہ ہے پہلے ان پانچ ستاروں کی قسم کھائی کہ جنکی حرکت و رفتار اسکی کبریائی کی روشن دلیل ہے جسمیں اسطرف ایماء تھا کہ دنیا میں یہ پانچ اولوالعزم نبی ان پانچ ستاروں کی طرح روشنی پھیلانے والے تھے مگر انکی روشنی یعنی شریعت اقوام کے تغیرات کے لحاظ سے سدا کے لئے ایک چال پر نہ تھی اور وہ پانچ ستارے یہ ہیں حضرت آدم علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ ان پانچ ستاروں نے ہر چند دنیا کو مذاہب باطلہ سے پاک کیا اسکے جھگڑے نبیڑے مگر جہل وکفر و بت پرستی کی تاریکی نے جہانکو گھیر لیا تھا یہانتک کہ رات اٹھتی چلی آتی تھی یہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے بعد سے ہوا پھر تو رات پھیلگئی یہ زمانہ حضرت عیسےٰ کے حواریوں کے بعد سے لیکر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک کا ہے مگر اس رات کے بعد اس رحیم وکریم نے جو اپنی حکمت بالغہ سے دنیا میں رات دن بدلتا ہے ستاروں کو چلاتا ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا مگر آپکی بعثت سے کچھ آگے وہ کفر و بدکاری کی اندھیری رات ڈھل چلی تھی اسلئے لوگوں کو کچھ کچھ غیبی آثار نمودار ہونے لگے تھے کہیں کسیکو بتوں میں سے آواز سنائی دی گئی کہ ہماری پرستش کا زمانہ ختم ہوا جاتا ہے جہان کا ہادی آتا ہے۔ آخر وہ آفتاب ہدایت مکہ کے پہاڑوں میں طلوع ہوا اور دنیا کو روشن کر دیا۔ ان ہدایت کے ستاروں اور ڈھلتی رات اور ہدایت کی صبح کی قسم کھا کر فرماتا ہے کہ انہ لقول رسول کریم کہ یہ قرآن جو صبح صادق کیطرح روشنی پھیلا رہا ہے از خود محمدؐ نے ویسے نہیں بنا لیا ہے جیسا کہ اوشعراء یا مصنفین بنالیا کرتے ہیں بلکہ یہ ایک معزز رسول کی زبانی پہنچا ہے یعنی جبرئیل آپکے پاس وحی لاتے ہیں اور پڑھکر سناتے ہیں تب آپ اسکو تم لوگوں کو سناتے ہیں اس مطلب کیطرف اور بہت سی آیات میں ایماء و تصریح ہوئی ہے علمہ شدید القوی ذو مرۃ بس یہ ہیں لقول رسول کریم کے معنی اب اسپر یہ شبہ پیش کرنا کہ جب یہ رسول کریم کا قول ہوا تو اللہ کا کلام کیونکر ہوا حالانکہ بالاتفاق قرآن مجید کلام اللہ ہے اسکا کوئی مسلمان بھی منکر نہیں محض لغو ہے کسلئے کہ قول سے یہ مراد نہیں کہ جبرئیل کی تصنیف بلکہ یہ کہ جبرئیل نے کہا خدا کیطرف سے جیسا کہ اور آیات میں ان معنی کی تصریح ہے۔

اسی جگہ سے بعض علماء اسکے بھی قائل ہوئے ہیں کہ قرآن مجید کی عبارت جبرئیل علیہ السلام کیطرف سے ہے اور معنی خدا کیطرف سے جبرئیل کو القاء ہوتے اور جبرئیل وہ عبارت مع الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سناتے تھے مگر یہ بھی ایک لغویات ہے کسلئے کہ جس جبرئیل علیہ السلام کو خدا کیطرف سے معنی القاء ہوتے تھے اسکو الفاظ کی بندش بھی القاء ہوتی تھی کیا خدائے پاک کو الفاظ کی بندش نہیں آتی تھی اور جبرئیل علیہ السلام کی کونسی بات اپنی طرف کی ہے ہر حرکت و سکون خدائے تعالےٰ کے حکم سے ہے وہ تو اسطرح تابع ہیں کہ جسطرح انسان کی زبان تابع ہے زبان از خود کیا بولتی ہے وہی جو انسان بولنا چاہتا ہے پھر جبرئیل علیہ السلام کے چند اوصاف بیان فرماتا ہے جن سے وحی کی مضبوطی اور استحکام متعلق ہے اول کریم کہ وہ معزز فرشتہ ہے ایسا ویسا نہیں بلکہ ناموس اکبر ہے اور حضرات انبیاء علیہم السلام چونکہ جامہ بشریت میں ہیں انکا تجرد ایسا نہیں کہ ہر وقت حق سبحانہ سے بغیر اس واسطے کے کلام کر سکیں اسلئے وحی لاتے ہیں یہ نورانی شخص کہ جسکا تجرد اس مرتبہ پر پہونچا ہوا ہے کہ بلا واسطہ حق سبحانہ سے کلام کر سکتا ہے واسطہ قرار دیا گیا۔ (۲) ذی قوۃ قوت والا تاثیر تی ہیں اگر قوت نہ ہے تو

کبھی پیغام بسرعت ادا نہ کرسکے۔ اور یہی قوت جبرئیلیہ ہے کہ جب یہ کسی نبی کی طرف متوجہ ہوتی ہے تو اسکے جمیع تخیلات و توہمات کو جو غلطی میں پڑنے کے اسباب ہیں یک لخت باطل کر دیتی ہے اور اسوقت انمیں کوئی اثر قوی بہیمیہ کا باقی نہیں رہتا پھر جو کچھ وہ بولتے ہیں وہی بولتے ہیں اور جو کچھ کہتے ہیں وہی کہتے ہیں جو کوئی انکے سر چڑھ کر بولواتا یا کہواتا ہے جس طرح بانسری آپ نہیں بولتی اسمیں کوئی اور بولنے والا بولتا ہے۔ یہی حال حضرات انبیاء بلکہ اولیاء کا ہے (۳) عند ذی العرش مکین عرش والے کے پاس جا پانیوالا یعنی یہ نہیں کہ اسکو تخت تک رسائی نہیں وہ اور وہ سنکر لاتے ہیں بلکہ انکو بارگاہ قدس میں صرف رسائی ہی نہیں بلکہ (۴) مطاع ثم وہاں وہ سردار بھی ہیں بیشمار ملائکہ انکے زیر فرمان ہیں اور کسی نیک بندے کو کوئی نیک بات الہام و القاء کرنی ہوتی ہے تو جبرئیل علیہ السلام ان ملائکہ میں سے کسی ایک کو معین کر دیتے ہیں جیسا کہ حضرات اولیاء کرام کے الہام میں ہوا کرتا ہے اور یہ فرق ہے الہام انبیاء و الہام اولیاء میں۔ حدیث صحیح میں آیا ہے ان للشیطان لمۃ بابن آدم وللملک لمۃ فاما لمۃ الشیطان فایعاد بالشر وتکذیب بالحق واما لمۃ الملک فایعاد بالخیر وتصدیق بالحق الحدیث رواہ الترمذی کہ شیطان بنی آدم کے دلمیں القاء کرتا ہے اور فرشتہ بھی سو شیطان تو برائی ڈالتا ہے اور حق بات سے انکار کراتا ہے اور فرشتہ کا القاء نیکی پر ابھارنا اور حق کا تسلیم کرنا ہو (۴) امین کہ جبرئیل امین بھی ہیں یعنی اس وحی میں کوئی کمی زیادتی نہیں کرتے کوئی آمیزش نہیں ہونے پاتی۔

چونکہ کلام الٰہی کے بندوں تک پہونچنے میں دو واسطہ ہیں ایک جبرئیل علیہ السلام یہانتک تو انکے محامد بیان فرمائے تاکہ عدالت وحفظ جو شرط راوی ہے بدرجہ کمال انمیں متحقق ہو جائے اور یہ بھی ثابت ہو جائے کہ انکا اعتبار ملاء اعلیٰ میں بھی از حد ہے اور راوی گو ثقہ اور صحیح الحافظ ہو مگر پھر بھی فرق ہے ایک تو بادشاہ کا چوبدار یا خواص گو ثقہ اور صحیح الحافظ ہو بادشاہ کا پیغام لائے اور ایک کوئی امیر کبیر بڑا رازدار بڑا معتبر ثقہ صحیح الحافظہ خبر لاوے دونوں میں فرق ہے اس لئے حضرت جبرئیل علیہ السلام کا بارگاہ قدس میں سردار مطاع ہونا بھی بیان فرما دیا۔ دوسرا واسطہ پیغمبر ہے۔ اب انکی نسبت اسقدر کہنا کافی ہے کہ انکی عدالت اور تقویٰ اور راستبازی پر تو کفار مکہ بھی ایمان لائے ہوئے تھے۔ پھر ایسا سچا اور نیک آدمی کہ جس نے تمام عمر کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ کبھی کوئی طمع نفسانی اس سے سرزد نہیں ہوئی جسکے بزرگانہ اخلاق اور صداقت ضرب المثل ہوں وہ خدا پر بلا منفعت دینا کوئی ایسا جھوٹ باندھے کہ جس سے ہزاروں مصائب سر پر آپڑیں مار دھاڑ ہونے لگے قوم اور کنبہ چھٹے دنیاوی فوائد یک قلم موقوف ہو جاویں عقلاء کی شان سے بعید ہے اسلئے قسم کھانیکے بعد اس جملہ کو بھی ارشاد فرماتا ہے وما صاحبکم بمجنون کہ تمہارا صاحب یعنی دوست اور بہی خواہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم دیوانہ نہیں جو ایسی جھوٹی بات کہکر مفت اپنے سر پر مصیبت لیتا۔ یہ بھی تم خود جانتے ہو کہ بڑے عاقل ہیں دنیا کے بڑے بڑے عاقل انسے عقل سیکھتے ہیں پھر جب یہ بھی نہیں تو اس واسطے کے سچے ہونے میں بھی کوئی کلام باقی نہیں رہا۔

اسکے بعد انکو یہ شبہ باقی تھا کہ آپ سچے بھی ہیں دیوانہ بھی نہیں مگر ممکن ہے کہ جبرئیل سے آپنے یہ کلام نہ سنا ہو اور جبرئیل کو دیکھا بھی نہو کوئی اور شیطان ان سے آکر کہہ جاتا ہو اور وہ اسکو جبرئیل سمجھتے ہوں اس کا جواب دیتا ہے ولقد رآہ بالافق المبین کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل کو آنکھ سے مشرقی کنارہ پر دیکھا ہے وہ انکو پہچانتے ہیں۔ سورہ نجم میں فرمایا تھا کہ جبرئیل کو آنحضرت صلعم نے افق اعلیٰ پر دیکھا اور یہاں افق مبین پر دیکھنا فرمایا۔ علماء فرماتے ہیں کہ وہی افق اعلیٰ اور وہی افق مبین ہے مشرقی کنارہ مجاہد کہتے ہیں کہ جبرئیل کو اجیاد کیطرف دیکھا تھا اور وہ مکہ سے مشرق رخ ایک میدان ہے اور یہ دیکھنا ابتداء زمانہ نبوت میں ہوا تھا بعض کہتے ہیں جب وحی آکر بند ہو گئی تھی تب کا یہ واقعہ ہے اور بعض کہتے ہیں جبکہ آپ غار حرا میں تشریف رکھتے تھے اور سورہ اقرا نازل ہوئی تب کا واقعہ ہے۔ کہ اول تو مشرقی کنارہ پر آنحضرت

صلعم کو جبرئیل علیہ السلام ایک زرین کرسی پر بیٹھے ہوئے دکھائی دیئے اپنی اصلی صورت میں نہایت عظمت و جلال کی صورت تھی اور کنارہ بھرا ہوا تھا اسلئے جب اوپر کے کنارہ پر تھے تو اسکو افق اعلیٰ سے تعبیر کیا اور ثم دنی فتدلی فکان قاب قوسین او ادنیٰ پھر حضرت جبرئیل نیچے اترے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوتے گئے (اس وقت کے لحاظ سے افق مبین کہا گیا) اور دونوں مل گئے بعض کہتے ہیں دوبارہ دیکھا تھا بعض محققین فرماتے ہیں کہ عالم مثال کے دو افق ہیں ایک افق اعلیٰ جو عالم تجرد و تقدس سے ملی ہوئی ہے اور دوسری ادنیٰ جو عالم شہود سے ملی ہوئی اور اسی سبب سے اسکو افق مبین کہتے ہیں کہ عالم شہود کے قریب ہونیکے سبب ظہور و ابانت اسمیں ہویدا ہے پھر جبکہ جبرئیل علیہ السلام نے چاہا کہ اپنے کمالات کے مناسب شکل میں آنحضرتؐ کو دکھائی دیں تو اول افق اعلیٰ پر جسم و شکل مثالی کا لباس پہنے ہوئے نظر آئے اور پھر آہستہ آہستہ نزدیک ہوئے یہانتک کہ افق ادنیٰ کے قریب پہونچگئے اور عالم شہود کے کنارہ پر آرہے اور آنحضرت صلعم سے بالکل ملگئے پس افق اعلیٰ اور افق مبین سے یہ افق مراد ہیں استعارہ کے طور پر۔ یہ اسلئے کہ عوالم غیبیہ غالباً اہل کشف و شہود کی نظر و خیل وائر کی صورت میں نمودار ہوتے ہیں الحاصل جب آپ پر حقیقت جبرئیلیہ منکشف ہوگئی اور کئی بار عالم شہود میں بھی آپ انکو دیکھ چکے ولقد رآہ نزلۃ اخریٰ عند سدرۃ المنتہیٰ اور سدرۃ المنتہیٰ کے پاس بھی شب معراج میں دیکھ چکے تو اب اشتباہ شیاطین و جنات کا شبہ پیدا کرنا محض حمق ہے ہم اپنے وجدانیات میں کبھی اشتباہ نہیں پاتے اور نہ محسوسات میں تو پھر ادراک تام حضرات انبیاء علیہم السلام کا تو کیا کہنا ہے جنکے سامنے حقائق الاشیاء منکشف ہیں۔

اب ایک شبہ یہ باقی رہجاتا تھا کہ ممکن ہو کہ پیغمبر علیہ السلام کاہن ہوں کاہن بھی غیب کی باتیں جنوں سے سنکر بیان کیا کرتے ہیں۔ اسکا جواب یہ ہے کہ وما ہو علی الغیب بضنین کہ قرآن مجید غیب کی باتیں بتانے میں بخل اور کمی نہیں کر رہا ہے برخلاف کلام کاہن کے کہ وہ[1] نہ آخرت بیان کرسکتا ہے نہ[2] انسان کی سعادت و شقاوت کا رستہ بتا سکتا ہے نہ[3] مرضیات الٰہی اور اسکے نزدیک ناپسند باتوں کی خبر دے سکتا ہے نہ[4] پہلی امتوں اور اگلے انبیاء علیہم السلام کے گذشتہ حالات بیان کرسکتا ہے جنمیں عبرت و نصیحت کوٹ کوٹ کر بھری ہے نہ[5] آئندہ آنیوالے واقعات ہولناک کی خبر دے سکتا ہے جن پر مطلع ہونا انسان کو ایک آنیوالی زندگی دائمی کیلئے ضرور بضرور ہے صرف دنیاوی معاملات پیش آنے والوں کا کچھ سبب تکا حال بیان کیا کرتا ہے وہ بھی پورا نہیں ایک بات سچ تو سو غلط محض مجمل طور پر کہ جسکے حواشی اور متعلقات محض قیاسی ہوا کرتے ہیں اور یہی بات نجوم و رمل و جفر وغیرہ علوم میں ہوتی ہے اور اسی طرح خواب کے انکشاف ہوتے ہیں اور ذرا اس سے بڑھکر مکاشفات غیر انبیاء علیہ السلام کا حال ہے برخلاف الہام انبیاء اور بخصوص اس وحی کے جو بذریعہ جبرئیل امین آتی ہے یعنی قرآن مجید اسمیں علوم خمسہ پورے پورے ہیں اور چھٹا علم بیکار ہے اسمیں سے بھی بقدر ضرورت بہت ہے باقی زید بکر کے مریض ہونے شفا پانے دولتمند ہونے مفلس ہونے کسی کام میں کامیابی حاصل کرنے یا ناکامی ہونے بارش ہونے یا ہوا چلنے سے جو منصب نبوت سے دور تھا درگذر کیا اسلئے قرآن مجید غیب کی باتیں بتانے میں کمی نہیں کرتا برخلاف کاہن اور اسکے کلام کے کہ وہ ان باتوں میں کمی کرتا ہے پورا بخیل ہے۔ ابن کثیر و ابو عمرو اور کسائی نے لفظ بضنین کو بظنین ظا سے پڑھا ہے جسکے معنی یہ ہیں کہ وہ قرآن یا محمد صلے اللہ علیہ وسلم غیب کی باتیں بتانے میں متہم نہیں قیاسی باتیں نہیں کہتے گویا یہ جملہ پہلی دلیل کا نتیجہ ہے یعنی جب دونوں واسطہ ثقہ اور معتبر ہیں تو متہم نہیں بلکہ جو کچھ وہ اللہ کی طرف سے روایت کرتے ہیں اسمیں ثقہ ہیں ابن مسعود کی بھی یہی قرارت ہے اور عائشہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم بھی ظا ہی سے پڑھا کرتے تھے روایت کیا اسکو دارقطنی نے افراد میں اور حاکم نے اور باقی قراء نے ضاد سے پڑھا ہے جسکے معنی ہیں کہ وہ بخیل نہیں۔ وحی کے پہنچانے میں بخل نہیں کرتے

ف صاحب کشاف کہتے ہیں والقان الفصل بین الظاء والضاد واجب الخ کہ ان دونوں حرفوں میں فرق کرنا ضروری ہے ض اور ظ میں اکثر عجم فرق نہیں کرتے حالانکہ ان کے مخرج جدا جدا ہیں ظ کنارے زبان اور اگلے دانتوں کی جڑ سے نکلتی ہے اور ض دائیں یا بائیں داڑھ سے اور زبان کی جڑ سے ایک کی جگہ دوسرا پڑھنا ایسا ہی ہے کہ جیسا دال کی جگہ جیم اور ت کی جگہ شین ۱۲ منہ

ابن عباس یہی معنی لیتے تھے۔

اسکے بعد ایک اور دلیل بیان کر کے اس بحث کا خاتمہ کرتا ہے فقال وما ہو بقول شیطان الرجیم کہ یہ قرآن شیطان رجیم کا کلام نہیں یعنی جب تم یہ کہتے ہو کہ قوت بشریہ سے تو یہ کلام بڑھکر ہے پھر یا تو کاہن کا کلام کہتے ہو سو یہ بھی نہیں کس لئے کہ کاہن غیب کے بیان میں متہم ہے کچھ سچ ہے تو زیادہ جھوٹ اور یا اسکو شیطان یا جن خبیث کا کلام کہتے ہو انکے اعجوبہ افعال پر نظر کر کے تو یہ بھی نہیں تم خود اس کلام میں غور کر لو کس لئے کہ پھل سے درخت پہچانا جاتا ہے نہ درخت سے پھل اس قرآن مجید میں بیشتر یہ مطالب ہیں توحید باری تعالیٰ ذات وصفات بلکہ افعال میں بھی بت پرستی اور توہمات پرستی کی مذمت اچھے کاموں کی ترغیب خیرات و صدقات صلہ رحمی عبادت عفت صداقت رحمدلی راستبازی صبر وحلم کی تعلیم مکارم اخلاق کی خوبی برے کاموں سے نفرت خصوصاً افعال شہوت وغضب وکبر وغرور اور سخت دلی ظلم ایذارسانی مکر وزور مذمت اور ان کے خراب نتائج بیان فرمائے دنیا اور اسکے تجملات سے نفرت دلائی حیات جاودانی اور دار آخرت کا شوق دلایا خدا کے اسماء وصفات ذکر فرمائے پہلی قوموں کے عبرت انگیز حالات بیان کئے صادقوں کی خوبی بدکاروں نافرمانوں کی مذمت میں انکے قصص ارشاد ہوئے باہمی عدل وانصاف کے قانون بتائے معاملات میں ظلم وتعدی روکنے کے لئے مسائل ارشاد ہوئے زمین وآسمان دیگر مخلوقات کے حالات سے اپنی قدرت ورحمت کے نشان بتلائے وغیرہ بھلا ان مضامین سے شیطان کو کیا واسطہ یہ تو اس کی آنکھوں میں خار ہیں خصوصاً جبکہ شیطان کی تمام سرگذشت ہی بیان کر دی کہ اس نے تکبر کیا اور یوں وہاں سے دھکے دیکر نکالدیا گیا ان حالات کو تو وہ سن بھی نہیں سکتا آپ بیان کرنا تو کجا فاین تذہبون پھر اے نادانو تم کدھر جا رہے ہو کیوں راستی کی طرف نہیں آتے ان ہو الا ذکر للعالمین یہ قرآن تو بلحاظ مضامین مذکورہ بالا اور دیگر خوبیوں اور روحانی تاثیروں کے جہاں والوں کے لئے نصیحت وہدایت ہے لازم کہ اسکو یاد کریں اس پر چلیں مگر جہان والوں میں سے وہی اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اور اسی کے لئے یہ ذکر ہے لمن شاء منکم ان یستقیم کہ جو تم میں سے سیدھا ہونا چاہے اور اپنے امراض نفسانیہ کا علاج کرنا چاہے اور جبکا یہ قصد نہیں بلکہ حجت آرائی اور کج بحثی تو اسکو اس سے نفع نہیں بلکہ مضرت ہے اور یہ ارادہ کسی کے بس کا نہیں وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ رب العالمین جس کے لئے اللہ سدھرنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہی اپنے سدھرنے کا بھی ارادہ کر سکتا ہے یہ توفیق اسکی طرف سے ہے۔ انسان قضاء وقدر کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے صرف اتنی بات ہے کہ جو کچھ قضاء وقدر اس سے کراتی ہے وہ اسی کے ارادہ واختیار سے کراتی ہے اور اسی ارادہ واختیار کے سبب بندہ ثواب وعقاب مدح وذم کا مستحق ہوتا ہے۔

ف۔ اس آیت میں جبر وقدر دونوں کا ابطال ہے۔ جبر کا لمن شاء منکم ان یستقیم سے اور قدر یعنی تقدیر کے انکار اور بندہ کے فاعل مختار ہونے کا ابطال جیساکہ وہ معتزلہ کا مذہب ہے اور فرقہ قدریہ کی ایک شاخ ہے اس آیت سے وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ رب العالمین اور لفظ رب العالمین میں اشارہ ہے کہ بندہ کی ہدایت کے اسباب پیدا کرنا اور اسکی سعادت کی راہیں بتانا برے کاموں سے روکنا یہ بھی اسکی شان ربوبیت ہے ورنہ اسکو کیا پڑی کوئی بدراہی اختیار کرے جہنم میں جائے اپنا سر کھپائے۔

اس سورہ کے ابتدا اور وسط اور مقطع کو غور کیا جائے تو صدہا اسرار بلاغت پائیے گا جو اس میں رکھے ہوئے ہیں۔ ولہ الحمد اولاً وآخراً وظاہراً وباطناً۔

سورۃ انفطار مکیہ ہے اس میں انیس آیات اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۝ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ۝ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۝ وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ۝

جبکہ آسمان پھٹ جاوے اور جبکہ تارے جھڑ پڑیں اور جبکہ دریا پھیل پڑیں اور جبکہ قبریں اکھڑی جاویں

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ ۝

تب ہر شخص جان لیگا کہ کیا آگے بھیجا اور کیا پیچھے چھوڑ آیا

ترکیب

اذا شرطیۃ السماء فاعل فعل محذوف یدل علیہ انفطرت والجملۃ معطوفۃ علیہا واذا الکواکب الخ عطف علیہا وکذا ما بعدہا من الجملتین علمت الجملۃ جواب الشرط نفس فاعل علمت ماقدمت واخرت مفعولہ یقال بعثر یبعثر بعثرۃ اذا قلب التراب وقال الفراء اخرجت ما فیہا من الدفائن وذلک من اشراط القیامۃ ان تخرج الارض ذہبہا وفضتہا۔

تفسیر

یہ سورۃ بھی مکہ میں نازل ہوئی ابن عباس وابن زبیر کا بھی یہی قول ہے نسائی نے روایت کی ہے کہ معاذ نے جب عشاء کی نماز میں بڑی سورۃ پڑھی تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تو فتنہ میں ڈالنے والا ہے کیوں سبح اسم ربک الاعلیٰ اور اذا السماء انفطرت نہیں پڑھ لیا کرتا یہ حدیث صحیحین میں بھی ہے مگر وہاں اذا السماء انفطرت کا ذکر نہیں صرف نسائی نے روایت کی ہے۔

ربط

اس سورۃ کا اول سے ظاہر ہے کہ جس طرح اسمیں اسباب تخریب عالم کو اذا اذا کرکے بیان فرمایا تھا اور انکے بعد جزا میں نفوس انسانیہ کا اپنے کئے پر مطلع ہونا بیان فرمایا تھا اسی طرح اس سورہ میں اس مضمون کو دوسرے عنوان سے شروع اور بعد میں انسانی سعادت وشقاوت کی ایک دلکش انداز سے تصویر کھینچی ہے۔

فرماتا ہے اذا السماء انفطرت جبکہ آسمان پھٹ جائے۔ تب کیا ہوگا اس کا اور اسکے بعد اذا الکواکب وغیرہا سب جملوں کا جو اس مضمون کے ہیں آپ ہی جواب دیتا ہے کہ علمت نفس ما قدمت واخرت ہر شخص جان لیگا کہ کیا لیکر آیا اور کیا چھوڑ کر آیا۔

آسمان کے پھٹنے کا مضمون متعدد آیات میں واقع ہے کہیں یہ ہے السماء منفطر بہ اور کہیں فاذا انشقت السماء فکانت وردۃ کالدہان اور کہیں یہ ہے ویوم تشقق السماء بالغمام اور کہیں اذا السماء انشقت اور کہیں وفتحت السماء فکانت ابوابا ہے غرض بیان یہ ہے کہ ایک روز ایسا آنیوالا ہے کہ یہ عالم خراب ہو جاویگا اور ایک دوسرا عالم ابدی قایم ہوگا جسکے لئے انسان اس دار فانی میں چند روزہ مہمان ہے کہ وہاں کیلئے حسنات حاصل کرکے لیجائے کہ پھر اسکی تمامی عمر عافیت وآرام سے بسر ہو اور اس عالم کی خرابی کا شروع اسکی چھت سے ہوگا یعنی آسمان سے کسلئے کہ جب مکان بناتے ہیں تو شروع بنیاد سے کرتے ہیں اسلئے زمین کا اول بنانا بیان فرماکر یہ فرمایا تھا ثم استوی الی السماء اور جب گراتے ہیں تو شروع چھت سے کرتے ہیں پس جب آسمان لپٹ جائیگا اور ٹوٹ پھوٹ جائے گا۔

تو ستارے بھی جھڑ پڑینگے اس لئے اسکے بعد فرماتا ہے واذا الکواکب انتثرت اور جبکہ ستارے جھڑ پڑیں۔ ٹوٹ پھوٹ جاویں یہانتک علویات کی بربادی مذکور ہوچکی اب اسکے بعد عالم سفلی کی بربادی بیان فرماتا ہے فقال واذا البحار فجرت اور جبکہ دریا بہ پڑیں۔ بحر عربی زبان میں دریائے شور کو کہتے ہیں (سمندر) اور دریائے رواں کو خواہ وہ کیسا ہی عریض و عمیق ہو جیسا کہ دجلہ۔ فرات۔ نیل۔ گنگا جمنا سب کو نہر کہتے ہیں اب سمندر تین حصہ زمین کو حاوی ہے اور ایک چوتھائی کے قریب کھلا ہوا ہے جسپر یہ تمام اقلیمیں اور جنگل اور پہاڑ واقع ہیں۔ قیامت کے قریب جبکہ یہ دنیا برباد ہونے کو ہوگی (اب خواہ پہلے چھت یعنی آسمان اور ستارے برباد ہوں یا زمین برباد ہوکر پھر علویات برباد ہوں کس لئے کہ یہ بات آیات سے صاف معلوم نہیں ہوتی کہ پہلے کون برباد ہوگا ہاں ترتیب ذکر وغیرہ قراین سے جو چاہو قرار دے لو) تب زلزلہ عظیم ہوگا جس سے پہاڑ اور بڑی بڑی عمارات بھی زیر و زبر ہوجاوینگی اور دریائے شور جو اب ایک جگہ ٹھہرا ہوا ہے آبادی پر پھیل پڑے گا اور دنیا کو اور بھی تہ و بالا کردے گا۔ اور سورہ تکویر میں جو واذا البحار سجرت آیا تھا اس سے بھی یہی مراد تھی دونوں جملوں کے ایک ہی معنی ہیں جیسا کہ ان دونوں جملوں کے ایک معنی ہیں واذا النجوم انکدرت اور واذا الکواکب انتثرت۔

جب ایسا زلزلہ عظیم ہوگا تو زمین بھی جا بجا سے شق ہوجاویگی اور زمین کی مدفون چیزیں نکل پڑیں گی اس بات کو اس جملہ میں ذکر کرتا ہے واذا القبور بعثرت۔ اور جبکہ قبریں اکھیڑی جاویں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ نفخ صور دوم کا واقعہ ہے یعنے اسوقت کہ مردے قبروں سے زندہ کرکے اٹھائے جاویں اور جو زمین میں مدفون ہے باہر آپڑے زلزلہ میں ایسا ہوتا ہے

یہ واقعات ہولناک تھے اس لئے ہر ایک کو اذا کے لفظ سے یاد کیا تاکہ ان کی عظمت شان معلوم ہو ان واقعات کے بعد کیا ہوگا۔ آپ ہی فرماتا ہے علمت نفس ماقدمت و اخرت تب ہر شخص جان لے گا کہ اس نے کیا عمل کیا تھا اور کیا [illegible] ماقدمت سے مراد تقدیم فی العمل ہے وما اخرت سے مراد پیچھے ہٹنا۔ کام نہ کرنا۔ پس جس نے اعمال صالحہ کی تقدیم کی [illegible] عمل میں لایا اور کبائر سے کوتاہی کی تو اسکا ٹھکانا جنت ہے۔ اور جس نے اسکے برخلاف کیا اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ماقدمت سے مراد وہ اعمال ہیں کہ جو اس نے اول عمر میں کئے وما اخرت سے مراد وہ جو اخیر عمر میں کئے۔ یہ ابو مسلم کا قول ہے بعض علماء اسکے معنی یوں بیان فرماتے ہیں کہ ماقدمت سے مراد وہ اعمال ہیں جو اس سے سرزد ہوتے اور ما اخرت سے وہ رسوم مراد ہیں کہ جنکی اس نے بنیاد ڈالی تھی جن کاموں کی یہ بنیاد ڈالکر دنیا سے گیا ہے اگر وہ نیک کام ہیں تو اسکو بھی ایسا ہی اجر ملتا رہتا ہے جیسا کہ اسپر عمل کرنے والوں کو ملتا ہے۔ اور اگر بری رسم قایم کرکے گیا تھا تو اس کے لئے بھی اسیقدر گناہ ہے جسقدر کہ اسپر عمل کرنیوالونکو ہے یہ مضمون ایک حدیث میں وارد ہے کہ جسکو حذیفہ رضی سے حاکم نے بسند صحیح نقل کیا ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ ماقدمت سے مراد اعمال ہیں نیک و بد وما اخرت سے مراد وہ مال و زر ہے جو اس نے وہاں چھوڑا تھا۔

سوال۔ یہ واقعات تو نفخ صور اول کے ہیں پھر اسوقت تو انسان یا مردے ہونگے یا قریب مرد نی مصیبت میں مبتلا ان کو اعمال خیر و شر کیونکہ معلوم ہوں گے؟

جواب یہ ہے کہ اذا سے وہی متصل زمانہ مراد نہیں بلکہ وسیع زمانہ جسکی ابتدا یہ حوادث اور انتہا نفخ صور ثانی ہے

يَاأَيُّهَا الْإِنسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ ۝ الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ ۝ فِي أَيِّ صُورَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ ۝

اے انسان بھلا تجکو کس چیز نے اپنے رب کریم سے غافل کر دیا جسنے تجھے بنایا پھر تجھے برابر کیا پھر تجھے اعتدال پر کیا جس صورت میں چاہا تیرے اعضا کو جوڑ دیا

كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُونَ بِالدِّينِ ۝ وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ ۝ كِرَامًا كَاتِبِينَ ۝ يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ ۝

نہیں نہیں بلکہ تم جزا کو ہی نہیں مانتے حالانکہ تمپر بزرگ لکھنے والے محافظ ہیں (فرشتہ) کراماً کاتبین) جو کچھ تم کیا کرتے ہو انکو معلوم رہتا ہے

ترکیب

الکریم صفۃ اولی للرب الذی الخ صفۃ ثانیۃ مقررۃ للربوبیۃ منبیۃ للکرم فسواک فعدلک عطف علی صلۃ الذی اے خلقک فی ای صورۃ الجار متعلق برکبک وما مزیدۃ وشاء صفۃ لصورۃ اے رکبک فی ای صورۃ شاءہا وقیل یتعلق بمحذوف علی انہ حال اے رکبک حاصلا فی ای صورۃ شاءہا وانما لم یعطف الجملۃ ما قبلہا لانہا بیان لعدلک وان علیکم خبران لحافظین اسمہا کراما صفۃ للحافظین وکذا کاتبین وکذا یعلمون وقیل ہذا حال من الکاتبین فان مع اسمہا وخبرہا وصفات الاسم جملۃ اسمیۃ فی محل النصب علی الحال من فاعل تکذبون اے تکذبون والحال ان علیکم من یرد تکذیبکم وقیل مستانفۃ مسوقۃ لبیان ما یبطل تکذیبہم

تفسیر

جب یہ حالت ہو کہ ایک روز قیامت آنیوالی ہے انسان اس روز اپنے نیک و بد اعمال کا ملاحظہ کر کے افسوس کریگا ہاتھ ملیگا تو آج اے بنی آدم تم کس خواب خرگوش میں پڑے ہوتے ہو اور خدا تعالیٰ کی کریمی کے سبب (کہ جلد دنیا میں افعال بد کی سزا نہیں دیتا اور نیک و بد کو اپنی نعمتوں سے بھرپور کر رکھا ہے) نیکی میں کوشش کرنا تو در کنار بلکہ اسکے رسولوں سے مقابلہ کر رہے ہو اس جانگداز مضمون کو ان آیات میں کن دلکش اور پر اثر الفاظ میں ارشاد فرماتا ہے فقال یا ایہا الانسان ما غرک بربک الکریم کہ اے انسان تجھے اپنے رب کریم سے کس نے مغرور کر دیا۔

ف بعض علماء فرماتے ہیں کہ انسان سے مراد کافر ہے کیونکہ وہی قیامت کا منکر ہے اور یا نکار قیامت اور اسپر دلیرانہ گناہ کرنا اس کا اللہ سے غرور ہے یعنی سزا کی کچھ پروا نہیں کرتا شتر بے مہار بنا ہوا ہے کسی کی نہیں سنتا عطاء فرماتے ہیں کہ یہ ولید بن مغیرہ کے حق میں ہے کلبی اور مقاتل کہتے ہیں یہ ابن الاسد بن کلدہ بن اسید کافر کے حق میں ہے کہ اس نے آنحضرت صلعم کی گستاخی کی مگر اسپر خدا نے دنیا میں اسکو سزا نہ دی جس سے وہ اور بھی اترا گیا تب یہ آیت نازل فرمائی۔ اور علماء فرماتے ہیں کہ کافر اور گنہگار مومنوں سبکو شامل ہو مومن ہی سہی مگر جب وہ ایک گناہ کرتا ہے اور باز نہیں آتا تو گویا اس کا حال سزا و جزا کا برپا ہونا نہیں مانتا اور سزا کا اندیشہ دل میں نہیں اور یہ اندیشہ نہونا غرور اور عدالت آسمانی کا انکار ہے۔ احیانا گناہ ہو جانا اور اسپر تائب و نادم ہونا منافی شان ایمان نہیں ایسے ہی شفاعت کے مستحق ہیں نہ کہ عیسائیوں کی طرح یہ دل میں ٹھان لینا کہ ہمارے گناہوں کا تو حضرت مسیح علیہ السلام کفارہ ہو چکے اب جو چاہو کرو دل کھولکر حرامکاری می نوشی مکر و فریب کرو جھوٹھ بولو۔ لوگوں پر ظلم کرو کچھ پروا نہیں۔ یہ بھی رب کریم سے غرور ہے اور بڑا دھوکا ہے اس قسم کے خیالات فاسدہ یہود میں بھی تھے وہ حضرت ابراہیم و اسحاق علیہما السلام کی اولاد سے ہونا کافی جانتے تھے ولن تمسنا النار الا ایاما معدودۃ وسیغفر لنا کہا کرتے تھے جیسا کہ جاہل بزرگ زادے اور جاہل سید یہ کہدیا کرتے ہیں کہ ہمارے بزرگ یعنی باپ دادا فلاں ولی یا غوث و قطب تھے ہمکو سب گناہ معاف ہیں مواخذہ نہ ہوگا اور ہوا تو وہ چھڑالیں گے۔ اور بنی فاطمہ پر تو آگ حرام ہے اور اسی لیے بعض جاہل دنیاوی آگ میں کود کر سالم نکلنا فاطمیت کی دلیل سمجھا کرتے ہیں یہ بھی رب کریم سے غرور اور بڑا دھوکا ہے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودی اور نصرانی خیال کو باطل کر دیا

ف یہی وجہ ہے آنحضرت امام حسن و امام حسین رضی اللہ عنہم دونوں اہل بیت میں سب سے زیادہ زہد و عبادت کرتے تھے اور فاطمی ہونے پر تکیہ نہیں کرتے تھے ان کا کلام یہی تھا کہ فلاں اس کے وہ تو راتوں تہجد میں رویا کرتے تھے اور ایک ادنیٰ گناہ کو بھی مہلک سمجھتے تھے پھر اس زمانہ کے سید اور پیرزادے اس نام کی سیادت پر یہ کلمات زبان سے نکالتے ہیں۔ اگر یہ اپنے ہمسایہ برہمنوں سے نہیں سیکھا تو پھر کہاں سے لاتے ہیں۔ کوئی سند ہے؟ یہ کہنا کہ حسن اعتقاد اور محبت و عظمت سیادت اسکی متقضی ہے غرور ہے

اقسام غرور

جبکہ اپنی پیاری بیٹی حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے فرما دیا تھا کہ دنیا کا مال و اسباب جو میرے پاس ہو لے اور قیامت کے بارہ میں یہ غرور نہ کرنا کہ میں محمدؐ کی بیٹی ہوں میں خدا کے مقابلہ میں کچھ کام نہ آؤنگا۔ یہ مضمون احادیث میں موجود ہے اور نیز آیندہ آیات میں بھی یہی مضمون ہے۔ اسلام اسبات پر فخر کرتا ہے کہ اسنے خدا اور بندے کے مرتبے کو ایسا الگ کرکے بتایا کہ جسمیں کوئی شائبہ اشتراک کا لگا نہیں رکھا اور پھر بندوں میں بھی موروثی اعزاز قایم نہیں رکھا بلکہ تقویٰ اور ایمان پر اور یہی شایان شان دین حق ہے۔

ہنود میں برہمنونکا بھی یہی خیال ہے کہ ہم برہما جی کی اولاد ہیں۔ برہمن دوزخ میں نہ جائیگا وہ جو چاہے کرے اسکو کچھ گناہ نہیں۔ الغرض یہ غرور اور یہ دھوکا بنی آدم میں وبائے عام کی طرح پھیلا ہوا تھا جسکو اسلام نے رد کیا۔ اور اسی طرح انکار قیامت اور باز پرس تو ان غروروں سے بھی زیادہ خطرناک غرور تھا جو بیشتر عرب میں پھیلا ہوا تھا۔

ف۲ غرور کو رب اور پھر کریم کے ساتھ متعلق کرنے میں اشارہ ہے کہ اپنے رب یعنی وقتاً فوقتاً پرورش کرنیوالے سے غرور جسکی طرف ہر وقت حاجت پڑتی رہتی ہے اور پھر اس کی پرورش بھی کریمانہ ہو ہر بات میں کرم و فضل کرتا ہو، انسانیت کا مقتضٰے نہیں ایسا انسان جو ایسا احسان فراموش ہو انسان نہیں بلکہ حیوان سے بھی بدتر ہے اسکو عقل بھی نہیں کہ جس سے ہر دم حاجت متعلق ہو اس سے بگاڑے اور چند عطا کردہ نعمتوں پر ایسا مغرور ہو کہ اپنے آقا اور محسن کی طرف ذرا بھی نہ جھکے سر نیاز اسکے آگے نہ رکھے کیسی نالایقی ہے مگر لفظ کریم میں بھی بتلا دیا کہ اس اکڑ فوں کا سبب ہمارا کرم ہے اگر فوراً سزا دیدیا کریں یا اپنے کرم کو باز رکھیں حاجت روا نکریں تو سارا غرور خاک میں ملجاوے ؎

لطف حق با تو مواسا ہا کند   چونکہ از حد بگزرد رسوا کند

بدکار بدی کر رہا ہے اور جانتا ہے کہ میرا اقبال اور جاہ و بخت اسی میں ہے۔ بت پرست بت پرستی کر رہا ہے اور سمجھ رہا ہے کہ یہ نعمتیں میرے خیالی معبود دے رہے ہیں۔ گمراہ گمراہی میں اڑا ہوا ہے اور اس گمراہی کو راہ راست سمجھ رہا ہے یہ بھی غرور ہے اور سیکڑوں خیالی اور فرضی عقائد ہیں کہ جنپر فلاح و سعادت کا انحصار سمجھ رہا ہے یہ بھی غرور ہے۔ یہ غرور اسکے جہل و شیطان کے بہکانے کا نتیجہ ہے جہل کا اسلئے کہ اسکے قہر اور صفت انتقام کو نہ جانا اور شیطان نے دلمیں یہ ڈالا کہ یہ جو تو کر رہا ہے یہی اسکی رضامندی کا سبب ہے کسبِ بن کہدیا کرتی ہے کہ اگر وہ ہمارے کام سے ناراض ہوتا تو ہمکو یہ دولت و ثروت کیوں دیتا چور اور ظالم بھی یہی کہا کرتے ہیں۔ بت پرست اور توہمات باطلہ کے بندے بھی یہی کہا کرتے ہیں اور غضب یہ کہ الٹے اور قیامت میں جزا خیر کے مستحق اپنے آپ کو ان بد باتوں پر سمجھتے ہیں۔ نعوذ باللہ من الغرور بہ۔

ف واضح ہو کہ غرور اور تمنی اور رجا یا امید میں فرق ہے۔ غرور اور تمنا مذموم ہیں غرور کی بابت یہ ہے ولا یغرنکم باللہ الغرور۔ اور تمنی کی مذمت یہ ہے تلک امانیھم ولیس بامانیکم ولا امانی اہل الکتاب۔ اور امید کی مدح آئی ہے اولئک یرجون رحمۃ اللہ سو امید یا رجا وہ ہے کہ ایک مرغوب چیز کا انتظار کیا جاوے اسکے اسباب مناسب بہم پہنچانے کے بعد جیسا کہ زمین عمدہ کو خوب بوجوت کر کاشتکار غلہ کی انتظاری کرے یا نوکر آقا کی خدمت بجالا کر انعام کی توقع کرے یا نیک کام کرکے ایمان و اعمال صالحہ میں کوشش کرکے نجات آخرت کی توقع رکھے سو یہ عمدہ بات ہے اور جب اسپر کچھ کامیابی کا اشارہ ہو جاتا ہے تو اسی کو اطمینان کہتے ہیں جو بوقت اخیر[1] اہل اللہ کو نصیب ہوتا ہے اور دنیا میں حاصل ہو تو یقین کہلاتا ہے اور اس آیت (واعبد ربک حتی یاتیک الیقین کہ اپنے رب کی عبادت کر یہاں تک کہ تجھے یقین آجاوے) میں یہی یقین مراد ہے۔ رہا غرور سو وہ ایسی چیز کی توقع کرنا ہے کہ اسکے برخلاف اسباب بہم پہنچا چکا ہے مثلاً آقا کی بغاوت کرکے بخشش کی امید رکھے یا مال

ف غرور اور تمنی و رجا میں فرق

[1] اور اسی اطمینان کے لحاظ سے بوقت مرگ اہل اللہ سے فرشتے کہتے ہیں۔ یاایتہا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک الخ ۱۲ منہ

برباد کرکے نفع کی امید رکھے کھیت اجاڑ کر غلہ کی آرزو کرے برے کام کرکے نجات کی امید کرے ؎ ہر آنکہ تخم بدی کشت و چشم نیکی داشت ۔ دماغ بیہدہ پخت و خیال باطل بست ۔ اور تمنی وہ ہے کہ کسیقدر اسباب بہم پہنچا کر کامیابی کی توقع کرے یا اسباب کے حصول میں شک ہو تب امید کرے۔ حاصل کلام اسباب بہم پہنچا کر توقع کرنا رجا ہے اور شک کی حالت میں تمنی ہے اور اسباب بالکل نہ پہنچاتے ہوں یا برخلاف اسباب جمع کئے ہوں تب توقع نیک نتیجہ کی کرنا غرور یعنی دہوکا ہے دنیا کے لوگ اس اندہیری رات میں کہ جسکو حیات کہتے ہیں دہوکے میں پڑے ہوتے ہیں مگر وہ کہ جنکو روشنی عطا ہوئی ہے۔

اسکے بعد رب کے کرم کی تفصیل سناتا ہے تاکہ اس مغرور کی آنکہیں کھلیں اور معلوم ہو کہ میں کس کے ساتھ غرور کر رہا ہوں فقال الذی خلقک وہ کہ جس نے تجکو پیدا کیا عدم سے ہستی میں اپنے کرم سے لایا نہ تیرا سوال تھا نہ تیری دعا تھی۔ پھر یوں ہی بیڈول اور اینڈ بینڈ نہیں پیدا کردیا بلکہ اس طور سے کہ فسوائک تجہے برابر کیا۔ اعضاء جسم میں تناسب رکھا کان کی جگہ کان ناک کی جگہ ناک آنکھ کی جگہ آنکھ رکھی اور فعدلک قوی و مزاج میں بھی تعدیل ملحوظ رکھی جس عضو میں جسقدر گرمی درکار تھی اتنی ہی عطا کی جسکو جسقدر رطوبت درکار تھی اتنی ہی عطا فرمائی۔ یہ دو وصف ہیں ایک تسویہ جو ظاہری بناوٹ سے متعلق ہے سو پہلے ماں کے پیٹ میں تسویہ اعضا جسم ہو لیتا ہے تب ہر ایک میں اسکی قوت ودیعت رکھی جاتی ہے اور دوسرا وصف تعدیل ہے جو اسکی باطنی استحکام سے متعلق ہے مزاج کی تعدیل سے لیکر اسکے جمیع قوی کی تعدیل تک شامل ہے اسلئے خلق کی تفصیل میں اول تسویہ کو ذکر کیا فسواک فرمایا پھر تعدیل کو فعدلک فرمایا۔ ان دونوں باتوں کے بعد اور کوئی حالت منتظر باقی نہیں رہتی بلکہ معًا ایک صورت خاصہ عطا ہوتی ہے جسکو صورت شخصیہ کہتے ہیں خواہ مرد کی خواہ عورت کی پھر ان میں بھی ایک خاص نقشہ خوبصورت بدصورت جیسا واہب العطایا کی طرف سے عطا ہو دیا جاتا ہے اسلئے اس بات کو بغیر عطف کے یوں فرمایا فی ای صورت ماشاء رکبک کہ جس صورت خاص میں چاہا اے انسان تجہے مرکب کردیا۔ ان میں سے کوئی بات بھی تیرے اختیار کی نہیں نہ تیرے سوال پر عطا ہوئی ہے یہ اسی کا کرم ہے جو آج تو اپنی صورت اور حسن و جمال پر اتنا غرور کرتا ہے کیا خوب کہا ہے کسینے ؎ تناسب یہ اعضا کے اتنا تجھ پہ بگاڑ اسے تجہے خوبصورت بنا کے ۔ اکثر انسان کے غرور کے اسباب تین ہیں ایک حسب نسب دوسرا حسن تیسرا مال و زر حکومت و شوکت ان تینوں کی حقیقت اسی ایک جملہ میں بیان فرمادی۔ اب اس انسان کے کرتوت بیان فرماتا ہے کہ جسکو اس رب کریم نے یہ کچھ دیا یہ اسکے مقابلہ میں کیا شکر گزاری کرتا ہے؟ فقال کلا ہرگز نہیں بل تکذبون بالدین بلکہ اے بنی آدم تم جزا کا انکار کرتے ہو شتر بے مہار بنکر حصول لذات و شہوات میں غرق ہو اور جانتے ہو کہ اسمیں مزا اڑانے کیلئے پیدا کئے گئے ہیں نہ مرکر جینا ہے نہ حساب کتاب ہے نہ اعمال کی جزا ہے نہ سزا ہے و ان علیکم لحافظین حالانکہ اسنے اپنے کرم سے تم پر نگاہبان فرشتے مقرر کر رکھے ہیں انکی محافظت نہو تو تلف ہو جاؤ وہی تمہارے دلمیں حفاظت کے علوم القا کرتے ہیں یعنی صرف پیدا ہونے ہی میں اسکی محتاجی نہ تھی بلکہ پیدا ہونیکے بعد بھی بقا اور وجود میں بھی احتیاج باقی ہے سوتے میں وہی سانپ بچھو وغیرہ مہلکات سے بچاتے ہیں یہ محافظت بڑی شرح طلب ہے۔ اور صرف وہ محافظت ہی نہیں کرتے بلکہ کراما کاتبین کرم کرتے ہیں مباشرت کیوقت اور شرمناک کاموں کے وقت تمہارے روبرو نہیں ہوتے کسی پر افشاء راز نہیں کرتے لیکن جو کچھ نیک و بد تم کرتے ہو اسکو دفتر غیب میں لکھ لیتے ہیں حدیث شریف میں آیا ہے کہ دو فرشتے شام کو آتے ہیں صبح تک رہتے ہیں پھر صبح کو اور دو آتے ہیں شام تک رہتے ہیں۔ پہرہ بدلتا رہتا ہے اور یہ لکھنا انکا بیخبری سے نہیں بلکہ یعلمون ما تفعلون جو کچھ تم کرتے ہو اسکو جانتے ہیں انسے تم کچھ چھپا نہیں سکتے پھر جب یہ ہے تو یہ سمجھ لو کہ تمکو اس رب کریم نے شتر بے مہار نہیں پیدا کیا بلکہ اس جہان میں نیکی کمانے کے لئے اس لئے ہر ایک کام کی جزا و سزا ہے ۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ۝ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ ۝ یَّصْلَوْنَهَا یَوْمَ الدِّیْنِ ۝ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِیْنَ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ

یقیناً نیک بندے تو نعمتوں میں اور بدکار دوزخ میں ہونگے انصاف کے دن اسمیں داخل ہونگے اور وہ اس دوزخ سے کہیں جانے نہ پاوینگے اور تجھے کیا معلوم

مَا یَوْمُ الدِّیْنِ ۝ ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ ۝ یَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَیْئًا ؕ وَالْاَمْرُ یَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ۝

کیسا ہے انصاف کا دن پھر کہتے ہیں، تجھے کیا خبر کہ انصاف کا دن کیا ہے؟ جس دن کسیکا کسیکے لئے کچھ بھی بس نہ چلے گا۔ اور اس دن اللہ ہی کی حکومت ہوگی

ع ۱۱ الربع

ترکیب

ان الابرار الجملۃ وما ہو معطوف علیہا اعنی الجملۃ الثانیۃ مستانفۃ لبیان نتیجۃ الحفظ والکتاب من الثواب والعذاب یصلونہا الجملۃ اما صفۃ لجحیم او مستانفۃ جواب لسوال مقدر کانہ قیل ما حالہم فقال یصلونہا الخ وقیل حال من الضمیر فی متعلق الجار والمجرور ویوم منصوب بیصلون قرء الجمہور مخففا مبنیا للفاعل وقری مشددا مبنیا للمفعول۔ وما ہم الخ وہذہ الجملۃ ایضا صفۃ لجحیم وما ادراک تفخیم لشان یوم الدین ولذا کررہ یوم لا تملک قری یوم بالرفع قرءہا ابن کثیر وابو عمرو علی انہ بدل من یوم الدین او خبر مبتدء محذوف وقرا ابو عمرو فی روایۃ عنہ بالتنوین والقطع عن الاضافۃ وقرا الباقون بالفتح وفیہ وجوہ الاول باضمار یدانون لان الدین یدل علیہ والثانی باضمار اذکروا والثالث قول الزجاج وہو ان یکون فی موضع رفع الا انہ بنی علی الفتح لاضافۃ الی قولہ لا تملک والمضاف الی غیر المتمکن مبنی علی الفتح وان کان فی موضع رفع وجر قال الواحدی قول الزجاج انما یجوز عند الخلیل وسیبویہ اذا کانت الاضافۃ الی الفعل الماضی نحو قولک علی حین عاتبت واما اذا کانت الاضافۃ الی المستقبل فلا یجوز عند الکوفیین الرابع قول ابو علی وہو ان الیوم لما جری فی اکثر الامر ظرفا ترک علی حالۃ الاکثریۃ والدلیل علیہ قول العرب والامر مبتدء یومئذ لمد خبرہ ورفع ابن کثیر یوم علی البدل من یوم الدین او خبر لمحذوف۔

تفسیر

اب یہاں سے اس جزا کی تفصیل وتشریح فرماتا ہے کسلئے کہ پہلے اسکو ثابت کر لیا فقال ان الابرار لفی نعیم کہ بیشک نیک بندے نعمت میں ہونگے یعنی بہشت میں کس لئے کہ بہشت سے زیادہ اور کیا نعمت ہے جہاں کہانے اور پینے اور مکان ولباس وہم جلیس کے متعلق سب دلخواہ سامان ہیں اور پھر حیات ابدی بھی ہے اور کوئی مرض رنج موت بڑھاپا نہیں اور سب سے بڑھکر وہاں دیدار الٰہی بھی ہے۔ یہ جگہ کسی ملک کے باشندوں یا کسی قوم یا خاندان کے لوگوں کا حصہ نہیں بلکہ ابرار کا ہے کوئی ہو۔ بر یعنی نیکی کی تفسیر خود خدا تعالےٰ نے اپنی کتاب میں فرما دی ہے لیس البر الخ کہ نیکی یا نیک کون ہے جو ایمان لاوے اور پھر نیک کام کرے ایمان وعمل صالح ہوں تو نیک ہے ورنہ دنیا کی مشہور نیکی کسی کام کی نہیں۔ یہ تو نیکوں کا انجام کار تھا اب بدوں کا انجام کار بیان فرماتا ہے فقال وان الفجار لفی جحیم اور بد یعنی جو ایمان اور عمل صالح دونوں نہیں رکھتے یا ان دونوں میں سے ایک نہیں رکھتے اگر ایمان نہیں تو بھی فاجر ہے۔ اور ایمان ہو مگر نیک کام نہیں بلکہ گناہ کرتا ہے چوری زنا شراب خواری ترک صوم وصلوٰۃ حج وزکوٰۃ ظلم ودغا ناچ ورنگ میں مبتلا ہے تو بھی فاجر ہے مگر اوّلے سے کم کس لئے کہ ایمان کی بدولت آخر کار اس کی نجات ہے۔ فاجر بھی کوئی ہو امیر ہو غریب ہو بادشاہ ہو عزت دار ہو خواہ ذلیل ہو کسی بزرگ کی اولاد ہو کسی مقدس شہر کا رہنے والا ہو سب کے لئے حکم عام ہے۔

ف: علماء بدیع کہتے ہیں کہ اس آیت میں کئی صفتیں موجود ہیں اول جمع وتقسیم وہ یہ کہ اول چند اشیاء کو جمع کر لیا جاوے اور پھر تقسیم کیا جاوے سو یہاں بھی ایسا ہی ہوا ہے جمع وان علیکم لحافظین الخ میں تھا کہ سب کو ایک حکم میں جمع کر لیا کہ سب پر محافظ کراماً کاتبین مقرر ہیں پھر یہاں تفریق کر دی کہ ان میں سے نیک نعیم میں اور بد جحیم میں ہونگے۔ دوم صنعت ترصیع ہے اور کلام مرصع وہ ہے کہ دونوں فقروں میں ایسے الفاظ استعمال ہوں کہ جنکا وزن

بدکی تفصیل

برابر ہو سجع یعنی اخیر کا حرف ایک ہو یہاں یہ بات بھی ہے ابرار کے مقابلہ میں فجار نعیم کے مقابلہ میں جحیم ہموزن ہے سوم صنعت تضاد بھی ہے جسکو اطباق و تطبیق کہتے ہیں کیسلئے کہ ابرار کی ضد فجار اور نعیم کی ضد جحیم ایک کلام میں جمع ہیں۔ اسکے بعد کیسقدر جحیم کے ہولناک احوال بیان فرماتا ہے تاکہ انکو سنکر لوگ فجور سے باز آویں اول، یصلونہا یوم الدین کہ اس جحیم میں جزا کے دن فاجر داخل ہونگے یعنی جس طرح دنیا میں حیلہ بہانہ سے یا بھاگ کر قید خانہ سے بچ جاتے ہیں یا قید خانہ کے حکام کو رشوت دیکر خوشامد و منت کر کے بچ جاتے ہیں ایسا وہاں نہوگا وہ قید خانہ ایسا نہیں کہ جو مجرم اس سے بچ سکے معاذ اللہ دوم وماہم عنہا بغائبین کہ اس جحیم سے وہ غائب بھی نہوسکیں گے قید خانہ سے خلاصی کی ایک یہ بھی صورت ہوتی ہے کہ قیدی مرجائے اور مرکر چھوٹ جاوئے اور دوسری صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ کسی تدبیر سے داخل ہوکر نکل جائے دیوار پھاند کر بھاگ جائے یا نگاہبانوں سے چھپکر نکل جائے یا زبردستی سے نکل جائے یا رشوت دیکر نکل جاوئے سو یہ بھی وہاں نہوگا ان سب باتوں کی نفی اس ایک جملہ وماہم عنہا بغائبین میں کردی کہ وہاں یہ باتیں نہونے پاویں گی۔ ف ۲۔ اسجگہ سے **معتزلہ** نے یہ ثابت کیا ہے کہ مسلمان کبیرہ گناہ کرنے والے بھی ہمیشہ جہنم میں رہیں گے کس لئے کہ وہ بھی فاجر ہیں اور فاجروں کی نسبت آگیا ہے وماہم عنہا بغائبین کہ وہ وہاں سے غائب نہونگے یعنی کبھی نہ نکلیں گے جیساکہ ایک جگہ آیا ہے وماہم بخارجین منہا اسکا **جواب**۔ امام رازی رحمہ اللہ نے یوں دیا ہے کہ یہ تمہارا عقیدہ قطعی ہے اور الفاظ کی عموم پر دلالت ظنیہ ہے پھر اس سے ثبوت کرنا بیکار ہے اور ظن اسلئے ہے کہ استعمال جمع معرف باللام کا معہود سابق میں اکثر ہوا کرتا ہے پس محتمل ہے کہ یہاں الفجار سے مراد کافر ہوں جنکا ذکر چلا آتا ہے جو روز جزا کی تکذیب کرتے ہیں۔ اگر عموم کو قطعی بھی مان لیا جاوے تو ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ اہل کبیرہ فاجر ہیں کس لئے کہ پہلے آچکا ہے اولئک ہم الکفرۃ الفجرۃ کہ کفار ہی کافر و فاجر ہیں اسلئے یہ بات کہ اصحاب الکبائر ہی علی الاطلاق فاجر ہیں غیر مسلم ہے اور اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جاوئے تو وماہم عنہا بغائبین کے صدق کیلئے ان فاجروں میں سے کفار کا خلود کافی ہے مگر راقم الحروف کہتا ہے کہ معتزلہ کا اس آیت سے استدلال ہی صحیح نہیں کس لئے کہ مراد یہ ہے کہ وہ از خود کسی مکر و تدبیر سے وہاں سے نہ نکل سکیں گے نہ یہ کہ خود خدا تعالیٰ انہیں نہ نکالیگا سو یہ ممکن ہے کہ وہ ان میں سے اہل الکبائر کو رہائی دیدے ممکن ہے کہ ایک مدت کے بعد اپنے فضل و کرم سے یا شفاعت سے انہیں رہائی دے جیساکہ احادیث صحیحہ میں موجود ہے۔ واللہ اعلم۔

اسکے بعد اس روز کی شدت کے اظہار کے لئے آپ ہی پوچھتا ہے وما ادراک ما یوم الدین کہ اے انسان تو کیا جانے کہ کیا ہے جزاء کا دن؟ پھر اس کا اعادہ کرتا ہے ثم ما ادراک ما یوم الدین پھر تو کیا جانے کہ کیا ہے جزاء کا دن؟ یہ اسلئے کہ دنیا کے جسقدر مصائب ہیں اس روز کے مصائب کے آگے کچھ بھی نہیں پھر انسان اس کی حقیقت سے کیونکر واقف ہوسکے اسکے سوا جزاء کا معاملہ بھی عقل میں اچھی طرح سے نہیں آسکتا کہ انسان کے اعمال کیونکر اپنی مناسب اشکال میں متشکل ہوکر راحت و رنج کا باعث ہونگے آخر حقیقت جزا تو کیا جانیں گے اسلئے وہاں کی ایک ہی بات پر سخن تمام کرتے ہیں یوم لا تملک نفس لنفس شیئا کہ اس روز کوئی کسی کے لئے کچھ بھی اختیار نہ رکھیگا نہ بھائی نہ باپ نہ یار نہ کوئی اور اہل قرابت کچھ کام آئیگا جیساکہ دنیا میں شریک ہوجاتے ہیں اور دفع مصیبت میں کوشش کرتے ہیں وہاں یہ نہوگا۔

ف۱۔ نفس نکرہ لنفس نکرہ شیئا نکرہ تینوں نکروں کے عموم نے یہ بات بتادی کہ اس روز کسیکا بھی اختیار نہوگا والامر یومئذ للہ اس روز اللہ ہی کا اختیار ہوگا برخلاف دنیا کے کہ بیوی پر میاں کی حکومت ہوتی ہے آقا کی نوکر اور غلام پر بادشاہ کی رعیت پر مگر اس روز بجز اسکے اور کسی کی حکومت نہوگی۔ ف ۳۔ اس آیت سے شفاعت کا رد کرنا جیساکہ معتزلہ کرتے ہیں غلط فہمی ہے کس لئے کہ شفاعت اپنا اختیار نہیں بلکہ خدا کی طرف سے اور اسکے حکم سے سو وہ بھی اسیکا امر ہے۔

سُوْرَۃُ التَّطْفِیْفِ مَکِّیَّۃٌ ھِیَ اِسْمِیْن چھتیس اٰیَاتٌ ھیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝

خرابی ہے کم تولنے والوں کی ان کی جو لوگوں سے لیں تو پورا پورا ماپ کرلیں اور جب لوگوں کو ماپ کر یا تول کر دیں تو گھٹا کر دیں

اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۝ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

کیا وہ خیال نہیں کرتے کہ انکو ایک بڑے دن (قیامت میں) اٹھایا جاویگا جس دن کہ سب لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہونگے

ترکیب

ویل مبتدء وجاز الابتداء بہ لکونہ دعاء۔ قال مکی ویل وشبہہ اذا کان غیر مضاف فالمختار الرفع ویجوز النصب واذا کان مضافا او معرفا فالمختار فیہ النصب۔ والویل کلمۃ تذکر عند وقوع البلاء یقال ویل لک وویل علیک۔ وقیل واد فی جہنم۔ للمطففین خبرہ المطفف ماخوذ من الطفف وہو الجانب او الشئ الیسیر۔ یقال طف الوادی والاناء اذا قارب الامتلاء ولم یمتلی بعد قال الزجاج انما قیل للذی ینقص المکیال والمیزان مطفف لانہ یسرق الشئ الیسیر۔ والتطفیف البخس فی الکیل والوزن الذین الخ صفۃ کاشفۃ للمطففین اذا اکتالوا الاکتیال الاخذ بالکیل علی الناس قال الفراء علی ومن فی ہذا الموضع یعتقبان یقال اکتلت منک اے استوفیت منک وتقول اکتلت علیک اے اخذت ما علیک یعنے الاکتیال یستعمل بمن وعلی وفی الکشاف لما کان اکتیالہم اکتیالا یضرہم ابدل علی مکان من للدلالۃ علی ذلک۔ واذا کالوہم اے کالوا لہم او وزنوا لہم حذفت اللام فتعدی الفعل الی المفعول فہو من باب الحذف والایصال۔ قال الکسائی والفراء ہذا من کلام اہل الحجاز ومن جاورہم یقولون زنی کذا کلنی کذا وکبتک وکبت لک قال الزجاج لا یجوز الوقف علی کالوا حتی یوصل بالضمیر ویروی عن عیسی بن عمرو وحمزۃ انہما کانا یجعلان الضمیر من توکیدا لما فی کالوا ویقفان عند الواوین اے علی کالوا او وزنوا ثم یقولان ہم یخسرون وزعم الفراء والزجاج انہ غیر جائز۔ الا یظن الخ جملۃ مستانفۃ یوم منصوب بامعنی وقیل بمبعوثون او مرفوع المحل خبر المبتدء محذوف او مجرور بدلا من یوم عظیم بنی علی الفتح لاضافتہ الی الفعل وان کان مضارعا علی مذہب الکوفیین۔

تفسیر

یہ سورہ بقول ابن مسعودؓ وضحاکؒ ومقاتلؒ مکہ میں نازل ہوئی ابن عباسؓ وابن الزبیرؓ سے بھی یہی منقول ہے کہ آخر جو مکہ میں نازل ہوا وہ یہ سورہ ہے۔ مگر حسنؒ وعکرمہ کہتے ہیں کہ یہ مدینہ میں نازل ہوئی۔ اور سب سے اول جو مدینہ میں آکر آنحضرت صلعم پر نازل ہوا وہ یہی سورہ ہے۔ قول اول قوی ہے اور اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرکے مدینہ میں تشریف لائے تو یہاں کے لوگوں کو لینے دینے میں پیمانہ اور تول میں کمی زیادتی کرتے پایا سو سب سے اول جو ایک مجلس میں انکو قرآن سنایا تو انکے حسب حال یہی سورۃ سنائی جسمیں پیمانہ اور

تول میں کمی زیادتی کرنے کی سخت برائی ہے اس سبب سے لوگوں نے سمجھ لیا کہ یہ سورہ مدینہ میں نازل ہوئی۔ مگر سبحان اللہ کیا وعظ تھا کہ اسروز کے بعد سے اب تک اہل مدینہ سے بڑھکر کوئی شہر اور بستی پورا تولنے اور پیمانہ بھرنے میں نہو گی ایک لخت سب نے وہ کام چھوڑ دیا۔

ربط

اس سورہ کا سورہ اذا السماء انفطرت سے یہ ہے کہ اس سورہ کے اخیر میں حشر کا معاملہ مذکور تھا کہ نیک نعیم میں اور بد جحیم میں ہونگے اور کوئی کسی کے کچھ کام نہ آوے گا۔ اس لئے اس سورہ میں اس بدی کی شرح کر دینا مناسب ہوا جو حقوق العباد سے متعلق ہے کس لئے کہ حقوق العباد سے زیادہ تر باز پرس ہوگی۔ اور وہ بدی کیا ہے؟ حقوق العباد میں دیدہ و دانستہ کمی زیادتی کرنا جسکو عربی میں تطفیف اور اس کے مرتکب کو مطفف کہتے ہیں بخصوصًا لین دین میں زیادہ لینا اور کم دینا تول یا پیمانہ کے ذریعہ سے۔

اس لئے فرماتا ہے ویل للمطففین خرابی ہے حقوق العباد تلف کرنے والوں کی پیمائش اور وزن میں۔ ہر چند لفظ تطفیف کے معنی لغوی پیمائش اور وزن میں خیانت کرنے کے ہیں مگر شیخ ابوالقاسم قشیری قدس سرہ العزیز اور دیگر بزرگوں نے فرمایا ہے کہ یہ لفظ وسیع المعنی ہے پیمائش اور تول کی خیانت کو بھی شامل ہے اور اسکے سوا ہر قسم کی خیانت اور خست کو بھی جیسا کہ اپنے عیوب کو چھپانا اور لوگوں کے وہی عیوب ظاہر کرنا لوگوں سے انصاف طلب کرنا اور آپ انصاف نہ کرنا۔ لوگوں کی عیب جوئی کرنا اپنے عیوب کی پرواہ نہ کرنا لوگوں سے تعظیم طلب کرنا اور خود کسی کی تعظیم و تکریم نہ کرنا نوکروں غلاموں تابعداروں سے خدمت تو ٹھوک بجا کر لینا اور تنخواہ اور اجرت دینے میں کمی کرنا۔ اپنے لئے جو پسند کرنا وہ دوسروں کے لئے نہ کرنا۔ رزق و عزت و عافیت تو خدا تعالیٰ سے بہت کچھ مانگنا اور اسکی حکم برداری سے دل چرانا۔ لوگوں سے اللہ کے لئے سوال کرنا آپ اللہ کیلئے کچھ نہ دینا۔ اونکو نصیحت کرنا خود مبتلا ہونا۔ حال خراب رکھنا قال ٹھیک رکھنا۔ بزرگوں کی صورت بنانا۔ باطن میں شیطانی کام کرنا ریاکاری کرنا وغیرہ یہ سب لوگ مطفف ہیں ان سب کے لئے ویل یعنے خرابی ہے۔

پھر اس خرابی کی جو دنیا اور آخرت میں مطفف کو پیش آتی ہیں سیکڑوں صورتیں ہیں۔ لوگوں کی آنکھوں میں ذلیل و خوار ہونا اس کے کاموں میں برکت نہونا مرض و وبا و دیگر دنیا کے اشد مصائب میں مبتلا ہونا اور آخرت میں جہنم اور اسکی پیپ اور بدبودار وادی ہے جہاں عمر بھر رہنا اور رونا اور سر پیٹنا ہوگا۔ دنیا کی خرابیوں کی بابت نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے یوں تفسیر کی ہے کہ خمس بخمس یعنی سن لو پانچ چیزوں پر پانچ سزائیں مقرر ہیں۔ جو قوم عہد شکنی کرتی ہے تو اسکے دشمن اسپر مسلط ہو جاتے ہیں۔ اور جو قوم احکام الٰہی کو خواہش نفسانی اور رشوت ستانی سے ترک کرتی ہے تو فقر و افلاس میں مبتلا ہوتی ہے جس قوم میں زنا و اغلام کی کثرت ہوگی وبا وغیرہ حوادث سے ہلاک ہوگی جو قوم ناپ اور تول میں خیانت کرے گی قحط میں مبتلا ہوگی باغ اور کھیتوں کی پیداوار سے بہرہ ور نہوگی جو قوم زکوٰۃ اور حقوق مساکین سے دست کشی کرے گی ان سے بارش روک لی جاوے گی۔

مگر خدا تعالیٰ جب کسی قوم اور ملک کو بالکل برباد کرنا چاہتا ہے تو ان سے ان سزاؤں کو چند روز کے لئے روک لیتا ہے تاکہ دلیر ہو کر ان افعال کو کریں اور پھر دفعتًا برباد ہو جاویں۔ واملی لہم ان کیدی متین کہ میں ڈھیل دیتا ہوں اور میرا داؤ مضبوط ہے معاذ اللہ

اس کے بعد ان کے مکر و خیانت کی تشریح فرماتا ہے فقال الذین اکتالوا علے الناس یستوفون کہ جب اوروں سے ماپ کرلیں تو بھر کرلیں۔ عرب میں عموماً اور دیگر ملکوں میں بھی رواج تھا بلکہ اب بھی ہے کہ غلہ وغیرہ انسان کی غذا اور کار آمد چیزوں کو تولنے کی جگہ پیمانہ سے لیتے دیتے تھے۔ مثلاً آدھ سیر کا ایک لکڑی کا برتن بنا رکھتے ہیں۔ آدھ سیر غلہ دینا ہو یا لینا ہو تو اس میں بھر کر لیتے دیتے ہیں۔ اس میں آسانی بہت ہے اور پیمانہ کو کیل اور کیال کہتے ہیں اور کیلہ اسم ہے اور جو چیزیں پیمانہ سے لی جاتی ہیں انکو مکیل کہتے ہیں۔ اور جو چیزیں تول کر بکتی ہیں ان کو موزوں کہتے سو وہ تول کی چیزوں میں بھی خیانت کرتے تھے واذا کالوہم اور جب اور ونکو ماپ کر دیتے تھے او وزنوہم یا تول کر دیتے تھے یخسرون کمی کرتے تھے۔

ف پیمانہ اور وزن سے لینا ایک حالت ہوئی اور انہیں سے ناپ یا تول کر دینا دوسری حالت ہے لینے میں دھوکا دے کر زیادہ لے لینا پیمانہ میں اکثر ہوتا ہے۔ دوسرے نے اسکو پیمانہ بھر کر دیا اس نے زیادہ دبا دیا یا اوپر سے چوٹی باندھ دی اس لئے لینے کی صورت میں پیمانہ کا ذکر کیا برخلاف دینے کے کہ وہاں پیمانہ میں بھی خیانت ہوا کرتی ہے اور تولنے میں بھی جسکو ڈنڈی مارنا کہتے ہیں اور عرب میں ایسا دستور بھی تھا اس لئے اس صورت میں پیمانہ اور وزن دونوں کا ذکر کیا۔

ف۱۔ اہل زبان اس مقام پر کہتے ہیں کہ اکتیال کا استعمال من کے ساتھ ہوتا ہے مگر علی کے ساتھ اس لئے کیا کہ علی مضرت کے لئے آتا ہے اور خیانت میں دوسرے کی مضرت ہے اسی طرح کالوہم اور وزنوہم لام کے ساتھ استعمال ہوتا ہے یہاں بغیر لام کے اس لئے استعمال ہوا کہ ان کے اس کاروبار کی کثرت بیان کرنی مقصود تھی اور کثرت استعمال میں ایسے حروف محذوف ہو جایا کرتے ہیں عرب کا خاص محاورہ ہے۔

ف۲۔ بقول علماء محققین یہاں بھی تول اور پیمانہ کی خاص خیانت مراد نہیں بلکہ عام خیانت مراد ہے آپس کے معاملات میں اور خدا کے معاملات میں بھی جیسا کہ علامہ قشیری قدس سرہ کے قول میں تشریح کی گئی۔

فرماتا ہے الا یظن اولئک انہم مبعوثون لیوم عظیم کہ یہ جو ایسی گندم نمائی جو فروشی کرتے ہیں یہ نہیں سمجھتے کہ ان کو ایک بڑے سخت اور مصیبت کے روز کھڑا ہونا اور عدالت الٰہی میں حاضر ہونا ہے ؟ گویا ان کا بیباکانہ ایسی حق تلفی اور خیانت کا عمل میں لانا قیامت کے دن میں کھڑے ہونے کا انکار کرنا ہے گو زبان سے انکار نہو ورنہ جو اس کھڑے ہونے کا دل میں یقین رکھتا ہوگا اس سے یہ بیباکی سرزد نہ ہوگی۔ خلاصہ یہ کہ انکو اپنے اعمال کے وزن اور تول کا خیال نہیں کہ حشر میں ہونا ہے۔

وہ دن کیسا ہوگا یوم یقوم الناس لرب العالمین ایسا ہوگا کہ جس میں تمام لوگ رب العالمین کے آگے کھڑے ہونگے اور لفظ رب العالمین میں اشارہ ہے کہ لوگوں کے حقوق کا انصاف کرنا بھی اس کی ربوبیت عامہ کا مقتضٰے ہے اور یہی صفت اس روز مظلوموں کے بدلے لینے پر محرک ہوگی۔

حقیقت [illegible] اس سرکشی کی باگ تھامنے والی اگر کوئی چیز ہے تو یہی خیال ہے ورنہ حکام وقت کی قانونی بندش یا اور کوئی ترغیب و ترہیب [illegible] رکھ سکتی جیسا کہ آجکل ہم لوگوں میں بدکاری اور خیانت کا زیادہ رواج اس لئے دیکھتے ہیں کہ قیامت کا اعتقاد کم ہوتا

كَلَّآ إِنَّ كِتَٰبَ ٱلْفُجَّارِ لَفِى سِجِّينٍ ۝ وَمَآ أَدْرَىٰكَ مَا سِجِّينٌ ۝ كِتَٰبٌ مَّرْقُومٌ ۝ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ۝

نہیں نہیں بدکاروں کا روزنامچہ سجین میں ہے اور (ای مخاطب) تو کیا جانے کیا ہے سجین لکھا ہوا دفتر خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی

ٱلَّذِينَ يُكَذِّبُونَ بِيَوْمِ ٱلدِّينِ ۝ وَمَا يُكَذِّبُ بِهِۦٓ إِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ۝ إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ ءَايَٰتُنَا قَالَ

ان کی جو انصاف کے دن کو جھٹلاتے ہیں اور اسکو وہی جھٹلاتا ہے جو حد سے بڑھا ہوا گناہگار ہے جبکہ اسکو ہماری آیتیں سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے

أَسَٰطِيرُ ٱلْأَوَّلِينَ ۝

(یہ تو) پہلوں کی کہانیاں ہیں

قال قتادہ مرقوم رقم لہم بشر کانہ اعلم بعلامۃ یعرف بہا انہ کافر ویہ قال مقاتل ۱۲ منہ

ترکیب

کلا الاکثرون علی انہا کلمۃ ردع وتنبیہ ای لیس الامر ما زعمتم من انہ لا حساب ولا جزاء۔ وقال ابو حاتم کلا ابتداء تتصل بما بعدہ علی معنی حقا وہو قول الحسن کتاب الفجار اسم ان لفی سجین خبرہا۔ وفی السجین قولان الاول ہو قول الجمہور انہ اسم علم علی شئ معین فعلی ہذا فیہ اقوال عند الاکثر ہو الارض السابعۃ السفلی وہو قول ابن عباس وقیل جب[1] فی جہنم۔ والقول الثانی انہ مشتق فہو فعیل من السجن بمعنی الحبس والتضییق کالفسیق من الفسق وہذا قول المبرد والزجاج وابی عبیدۃ۔ وردہ الواحدی۔ وقال صاحب الکشاف ان السجین فعیل من السجن ثم انہ ہہنا اسم علم منقول من وصف کحاتم۔ وہو منصرف لانہ لیس فیہ الا سبب واحد وہو التعریف۔ کتاب مرقوم ای ہو محل کتاب۔ فلا یرد ما قیل ان اللہ سبحانہ اخبر عن کتاب الفجار بانہ فی سجین ثم فسر السجین بانہ کتاب مرقوم فکانہ قال ان کتابہم فی کتاب مرقوم واجاب القفال بان قولہ کتاب مرقوم لیس تفسیر السجین بل التقدیر ان کتاب الفجار لفی سجین وان کتاب الفجار کتاب مرقوم فیکون ہذا وصفا لکتاب الفجار بوصفین احدہما انہ فی سجین والثانی انہ مرقوم وقولہ وما ادراک ما سجین جملۃ معترضۃ واجاب الرازی بانہ لا استبعاد فی کون احد الکتابین فی الآخر بان یوضع کتاب الفجار فی کتاب الذی ہو الاصل المرجوع الیہ فی تفصیل احوال الاشقیاء او بان ینقل ما فی کتاب الفجار الی ذلک الکتاب المسمی بالسجین وفیہ وجہ آخر وہو ان یکون المراد من الکتاب الکتابۃ فالمعنی کتابۃ الفجار فی سجین ثم وصف السجین بانہ کتاب مرقوم فیہ جمیع اعمال الفجار من الکبیر۔

قال ابن عطیۃ من قال ان سجینا موضع فکتاب مرفوع علی انہ خبر والظرف وہو قولہ لفی سجین ملغی ومن جعلہ کتابا فکتاب خبر مبتدء محذوف التقدیر ہو کتاب الذین یکذبون بدل من المکذبین او صفۃ۔ اساطیر جمع اسطورۃ او اسطارۃ۔

[1] کنواں ۱۲ منہ

تفسیر

جب قیامت کے دن دربار الٰہی میں کھڑے ہونے اور نیکی بدی کے حساب دینے جزاء و سزا پانے کا ذکر آیا تو مناسب ہوا کہ نیکوں و بدوں کے ان حالات کو بھی بیان کیا جاوے جو مرنے کے بعد حسب اعمال پیش آوینگے۔ ہر چند جزا و سزا کا مسئلہ بہت جگہ بیان ہوا لیکن اس مسئلہ کے سخت منکروں کے مقابلہ میں بار بار مختلف عنوانوں سے بیان کرنا انکے دل پر نقش کر دینا مقصود ہے جو نبوت کے اہم مقاصد میں سے ہے اسلئے فرماتا ہے کلا نہیں نہیں یعنی تم جو یہ سمجھے ہوتے ہو کہ مر کر خاک ہو جائیں گے نہ سزا ہے نہ جزا ہے جو چاہو دل کھول کر و مرے ازا کوئی پوچھنے والا نہیں یہ خیال غلط ہے ہرگز ہرگز ایسا نہیں۔ پھر اس کے بعد جزا و سزا کا حال بیان فرماتا ہے بعض مفسرین کلا کو

بمعنے حقا لیتے ہیں تب یہ آیندہ کلام سے متعلق ہوگا کہ بیشک ان کتاب الفجار لفی سجین کہ روزنامچہ بدکاروں کا جس میں ان کے اعمال لکھے ہوئے ہیں سجین میں ہے۔ سجین سے وہ واقف نہ تھے اس لئے آپ ہی فرماتا ہے وما ادراک ما سجین کہ اے مخاطب تو کیا جانے کیا ہے سجین؟ پھر آپ ہی فرماتا ہے کتاب مرقوم وہ کہ ایک نشانی لگے ہوئے دفتر کی جگہ ہے۔ یعنی وہاں ایک دفتر ہے جسمیں مجرموں کے نام ونشان اور اعمال کی کیفیت سب لکھی ہوئی ہے۔

ف سجین وعلیین کا بیان ۱۲

سجین سجن سے مشتق ہے جسکے معنے ہیں قید خانہ۔ اس قید خانہ کی کہ جہاں مرنیکے بعد ارواح جاتی ہیں۔ احادیث واقوال صحابہ وتابعین میں یوں تشریح آئی ہے کہ وہ جہنم کا کا طبقہ ہے اور ساتویں زمین کے تلے ہے یعنے عالم بالا یا علوی کے برخلاف عالم سفلی میں جو تنگ وتاریک اور پرحزن جگہ ہے جہاں درد وغم کے سوائے اور کچھ نہیں جہاں طرح طرح کی تکالیف اور آگ کی لپٹیں اور سانپ اور بچھو ہیں امام احمد نے براء بن عازب سے اور امام احمد ونسائی نے ابوہریرہؓ سے اور ابن ماجہ نے ابوہریرہؓ سے باسناد مختلف اس بارہ میں ایک حدیث نقل کی ہے۔ اگرچہ ہر ایک کی سند میں الفاظ ومطالب میں کمی بیشی ہے مگر سب کا قدر مشترک یہ مضمون ہے کہ جب ایماندار نیک بندہ مرنے کو ہوتا ہے تو نورانی فرشتے اس کے روبرو آبیٹھتے ہیں اور اس کے قریب ہوکر نہایت نرمی اور لطف سے کہتے ہیں لو چلو خدا کی رحمت ومغفرت اور باغ وبہار اور عیش دلپسند کی طرف تب اسکی روح فرحت ونشاط سے بدن سے نکل کر انکے ساتھ ہو لیتی ہے اور وہ اس کو لیکر عالم بالا کیطرف جاتے ہیں رستے میں جہاں ملائکہ ملتے ہیں تو پوچھتے ہیں یہ کون معطر اور روشن روح ہے تب وہ ملائکہ جو لئے جا رہے ہیں اسکا بڑی تعظیم سے نام بتلاتے ہیں یہاں تک کہ اسکو وہاں تک لیجاتے ہیں کہ جہاں تک اس کی رسائی اسکی نورانیت وصفائی کی وجہ سے ہوتی ہے پھر کسیکو اول آسمان تک کسیکو دوسرے تک کسیکو ساتویں تک پھر وہیں اسکو اپنے رب سے پیشی ہوتی ہے اور تجلی ہوکر شرف ہمکلامی حاصل ہوتا ہے تب حکم ہوتا ہے اکتبوا کتاب عبدی فی علیین کہ میرے بندہ کا نام علیین کے دفتر میں لکھو۔ یعنے علیین جو عالم بالا میں ایک فرحت بخش جگہ ہے اور جہاں اور ایمانداروں کی روحیں رہتی ہیں اور وہاں عیش اور بہار ایسی ہے کہ جسکا بیان ممکن نہیں وہاں یہی رہے اور وہاں جو ایک دفتر ہے جسمیں وہاں کے رہنے والوں کے نام ہیں اسکا نام بھی وہیں درج کرو۔ تب وہ روح وہاں آتی ہے اور جو اس سے پہلے وہاں آئے ہیں اس سے بڑی خوشی کے ساتھ ملتے ہیں اور جس طرح سفر سے واپس آنے والے سے ملکر خوش ہوتے ہیں اس سے بھی زیادہ انکو خوشی ہوتی ہے تب وہاں کے لوگ اپنے دنیاوی اقارب کا حال اس سے دریافت کرتے ہیں کہ فلاں کیسا ہے فلاں کا کیا حال ہے پھر جو یہ بعض کی نسبت کہتا ہے کہ وہ تو مر گیا کیا تمہارے پاس نہیں آیا تب وہ کہتے ہیں افسوس وہ ہاویہ میں گرایا گیا۔ اور اگر کافر ومنافق ہے تو اسکے مرنے کے وقت اس کے سامنے ہیبتناک اشکال کے فرشتے آتے ہیں جن کے چہروں سے غضب کے آثار دیکھنے والے کے زہرہ کو پانی پانی کئے دیتے ہیں جہاں تک اسکی نظر جاتی ہے وہی بیٹھے نظر آتے ہیں تب وہ کہتے ہیں اے روح خبیث اس ناپاک بدن سے نکل اور اپنی سزا اور عذاب کی جگہ چل تب وہ اس کو کھینچ کر لیجاتے ہیں اور اس سے بدبو آتی ہے جس جگہ سے لیکر گزرتے ہیں وہاں کے فرشتے پوچھتے ہیں یہ کون روح خبیث ہے؟ تب وہ کہتے ہیں فلاں بن فلاں برے نام سے یاد کرتے ہیں پہلے آسمان تک لیکر آتے ہیں اور دروازہ کھلواتے ہیں مگر اوپر چڑھنے کے لئے دروازہ نہیں کھلتا اس مقام پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی لا تفتح لہم ابواب السماء ولا یدخلون الجنۃ حتی یلج الجمل فی سم الخیاط کہ انکے لئے آسمان کے دروازہ نہ کھلیں گے اور نہ وہ جنت میں داخل ہونگے یہاں تک کہ اونٹ سوئی

کے ناکے میں سے گزر جاوے۔ تب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کا نام سجین میں لکھو سب سے نیچے زمین میں تب اس کی روح اوپر سے نیچے پھینکدی جاتی ہے اور اس مقام پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی ومن یشرک باللہ فکانما خر من السماء الآیہ کہ جس نے اللہ سے شرک کیا گویا کہ وہ آسمان سے گر پڑا الآیہ۔ تب سجین میں اسکو طرح طرح سے عذاب ہوتا رہتا ہے۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مرنیکے بعد روح کو خبر رہتی ہے اور اسی کو عذاب و ثواب ہوتا ہے جسم یہاں پڑا رہتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ سجین مجرموں کا قیدخانہ عالم پستی میں ہے اور وہاں نام لکھنے سے یہ مراد ہے کہ وہاں دفتر رہتا ہے جیسا کہ جیلخانوں میں قیدیوں کے لئے دفتر رہا کرتا ہے اور جب کوئی قیدی آتا ہے تو اس کا اس میں نام لکھ لیا جاتا ہے اس لحاظ سے اس سجین کو دفتر کی جگہ بھی کہنا نامناسب نہیں اور ہے در اصل قیدخانہ۔ اور علیین جسکا ذکر اگلی آیتوں میں آتا ہے عالم بالا میں ایک پرفزا اور فرحت کی جگہ ہے قیامت تک بد سجین میں پھر جہنم میں اور نیک علیین میں اور پھر جنت میں رہیں گے اور سجین جہنم کا ابتدائی طبقہ ہے جیسا کہ علیین جنت کا ابتدائی مقام ہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی سجین اور علیین کا کچھ حال بیان فرمایا ہے چنانچہ انجیل لوقا کے سولہویں باب میں حضرت کا یہ قول منقول ہے۔ ۱۹۔ ایک دولتمند تھا جو لال اور مہین کپڑے پہنتا اور روز روز شان و شوکت سے عیش کرتا تھا (۲۰) اور لعزر نام ایک غریب آدمی جو ناسور سے بھرا تھا جسکو اسکی ڈیوڑھی پر ڈال جاتے تھے ۲۱۔ اور وہ آرزو رکھتا تھا کہ ان ٹکڑوں سے جو دولتمند کی میز سے گرتے تھے اپنا پیٹ بھرے بلکہ کتے آکے اس کے گھاؤ چاٹتے تھے ۲۲۔ اور ایسا ہوا کہ وہ غریب مرگیا اور فرشتوں نے اسے لیجا کے ابراہیم کی گود میں رکھا (کس لئے کہ عالم روحانی میں ارواح انکے ظل عاطفت میں رہتی ہیں یہ کام انکے سپرد ہے) اور دولتمند بھی مرگیا اور گاڑا گیا ۲۳ اس نے دوزخ کے درمیان عذاب میں ہو کے اپنی آنکھیں اٹھائیں اور ابراہیم کو دور سے دیکھا اور اس کی گود میں لعزر کو اور اس نے پکار کے کہا کہ اے باپ ابراہیم مجھ پر رحم کر اور لعزر کو بھیج کہ اپنی انگلی کا سرا پانی میں بھگو کے میری زبان ٹھنڈی کرے کیونکہ میں اس لو میں تڑپتا ہوں ۲۵ تب ابراہیم نے کہا اے بیٹے یاد کر کہ تو اپنی زندگی میں اچھی چیزوں سے چکا اور لعزر بری چیزوں سو وہ تسلی پاتا ہے اور تو تڑپتا ہے ۲۶۔ اور ان سب کے سوا ہمارے تمہارے درمیان ایک بڑا گڑھا حائل ہے کہ ایسا کہ وے جو یہاں سے تمہارے پاس جایا چاہیں نہ جا سکیں اور نہ وے لوگ جو وہاں ہیں اس پار ہمارے پاس آسکیں ۲۷۔ تب اس نے کہا اے باپ تیری منت کرتا ہوں کہ تو اسے میرے باپ کے گھر بھیج ۲۸۔ کیونکہ میرے پانچ بھائی ہیں تاکہ ان پر گواہی دے ایسا نہ ہو کہ وہ بھی اس عذاب کی جگہ میں آویں ۲۹۔ ابراہیم نے کہا کہ ان کے پاس موسےٰ اور انبیا ہیں چاہئے کہ وے انکی سنیں ۳۰ اس نے کہا نہیں اے باپ ابراہیم پر اگر کوئی مردوں میں سے انکے پاس جائے تو وہ توبہ کرینگے ۳۱۔ اس نے اسے کہا کہ جب وہ موسےٰ اور نبیوں کی نہ سنتے ہیں تو مردوں میں سے اگر کوئی اٹھ کر جاوے تو اسکی کب سنیں گے۔

یہاں سے یہ باتیں معلوم ہوتیں (۱) یہ کہ مرنیکے بعد عذاب و ثواب ہوتا ہے اور بد طرح طرح کا عذاب پاتے ہیں اور نیک راحت اور اسیکو شرع محمدی میں قبر کا عذاب و ثواب کہتے ہیں (۲) یہ کہ نیکوں کا مقام بالا تر ہے جہاں دور سے ابراہیم کو دیکھا اور انکے پاس لعزر کو بھی اور اسیکو شرع محمدی میں علیین کہتے ہیں اور بدوں کا مقام پستی میں ہے جہاں گڑھا حائل ہے اسکو سجین کہتے ہیں جس قیدخانہ سے نکلنا مشکل ہے (۳) مرنیکے بعد دنیا کی باتیں اور اپنے اقارب کی محبت بھی باقی رہتی ہے اور سبکو جانتا ہے (۴) مرنیکے بعد جو واقعات پیش آتے ہیں انکی حضرت موسیٰ اور دیگر انبیا علیہم السلام نے بھی

خبر دی ہے جو مردے کے زندہ ہو کر دنیا میں جا کر خبر دینے سے زیادہ معتبر ہے (۵) حضرت ابراہیم علیہ السلام روحانی باپ ہیں اسلئے اسلامی اپر بھی نماز میں درود بھیجتے ہیں فرماتا ہے ویل یومئذ للمکذبین کہ اس روز (یعنی جس روز کہ بدکار اور منکر سجین میں داخل ہونگے اور وہ دن بہت دور نہیں صرف مرنے کی دیر ہے) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔ جو الہامی باتوں کو آج دنیا میں جھٹلاتے ہیں بعض تو اللہ تعالیٰ ہی کو نہیں مانتے کہتے ہیں کوئی خدا نہیں آپ ہی چیزیں پیدا ہوتی ہیں آپ ہی مٹ جاتی ہیں خدا صرف ایک وہمی بات ہے جو مدتوں سے کانوں میں پڑتی چلی آئی ہے۔ یہ ملحد آجکل فرنگستان میں بہت ہیں محسوسات کے چند علوم نے جنکی غلطیاں روز بروز نکلتی جاتی ہیں انکو تاریک گڑھے میں ڈال رکھا ہے۔ پھر ان میں کچھ طبعی ہیں جنکو نیچری کہنا چاہئے اور کچھ دہری اور کچھ مادی ہیں اور کچھ خیالی ہیں کہ سب باتوں کو توہمات و خیالات ہی کہتے ہیں۔ اور بعض خدا تعالیٰ کو تو نہیں جھٹلاتے اسکے قائل ہیں مگر پھر اسکی صفات توحید و تنزیہ و قدرت کے منکر ہیں پھر کسی نے مخلوقات میں سے اسکے وسائل قرار دیکر شریک بنا رکھے ہیں جیسا کہ مشرکین عرب و مشرکین ہند۔ و فرقہ مجوس پھر کسی نے خدا تعالیٰ کو ممکنات پر قیاس کر کے اسکی ذات مقدسہ کے حصے کر ڈالے ہیں جنکو اقانیم کہتے ہیں باپ۔ بیٹا۔ روح القدس پھر اسکے توجیہ میں کیا کیا باتیں بناتے ہیں کہیں ریاضات سے اور مثلث اور شکل سے ثابت کرتے ہیں بعض کرسٹان جو کچھ مسلمانوں کے علوم سے واقف ہیں بے سمجھے بوجھے اسکو تعینات اور تنزلات کے قالب میں ڈھالتے ہیں اور صوفیہ کرام کے اقوال و اشعار سے عامہ کو دھوکا دینے کے لئے سندیں لایا کرتے ہیں حالانکہ نہ تعینات کو سمجھے نہ تنزلات سے واقف نہ مصطلحات صوفیہ کرام سے آگاہی مگر یورپ میں پادری انکی اس موشگافی سے جو محققین اہل اسلام کے نزدیک قابل تمسخر ہے انکی خوب قدر دانی کرتی ہیں۔ اور بعض نے بجملہ اصول عالم حسی کو قدیم مانا ہے اور انکے پیدا اور فنا کرنے سے اسکو عاجز سمجھتے ہیں جیسا کہ آجکل فرقہ آریہ بعض نے حضرت انبیا کو جھٹلایا وہ کسی نبی کو بھی نہیں مانتے نہ نبوت کی کچھ ضرورت سمجھتے ہیں جیسا کہ فرقہ آریہ اور برہمو۔ اور بعض انبیا کو تو مانتے ہیں لیکن خاص خاص کو نہیں مانتے جیسا کہ یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتے اور عیسائی حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے ہیں یہ سب مکذبین ہیں اور ان کے سوا آیات قدرت کے منکر بھی مکذبین ہیں جو ہر روز دنیا میں اسکی قدرت کے کرشمے دیکھتے ہیں پر نہیں مانتے اور قیامت اور جزا و سزا کے منکر تو مکذبین میں سے بہت ہی بڑے مکذبین ہیں کس لئے کہ دل کھول کر بدکاری کرنے کا یہ عمدہ ذریعہ ہے اس لئے بالخصوص مکذبین میں سے اسی گروہ کا ذکر کرتا ہے فقال الذین یکذبون بیوم الدین وہ مکذبین جو روز جزا کی تکذیب کرتے ہیں اسکو نہیں مانتے اس لیے دل کھول کر کے بدکاری کرتے ہیں۔ اس مضمون کو اس جملہ میں بیان فرماتا ہے وما یکذب بہ الا کل معتد اثیم کہ روز جزا کو وہی جھٹلاتا ہے جو حد سے گذرا ہوا اور بدکار ہے اسکی یہ سرکشی اور بدکاری روز جزا کے خیال کو بھی دل میں نہیں آنے دیتی جیسا کہ عرب کے بت پرست تھے اور اب یورپ کے عیش پسند حرامکار بدکار لوگ ہیں اذا تتلیٰ علیہ آیاتنا قال اساطیر الاولین جب ان کو ہماری آیتیں سنائی جاتی ہیں بالخصوص وہ کہ جنمیں جزا کا حال ہے تو سنکر ٹھٹھوں میں اڑاتے اور کہدیتے ہیں کہ پہلی کہانیاں ہیں یوں ہی کہتے چلے آتے ہیں کس نے دیکھا ہے۔ آجکل تعلیم انگریزی کا یہ اثر دیکھا جاتا ہے کہ ابتدا ہی سے جوان ملحدوں کے خیالات ان کے دلپر نقش کئے جاتے ہیں اور کسیقدر علوم جدیدہ کے کرشمے دکھائے جاتے ہیں تو وہ الہامی باتوں سے تمسخر کرتے ہیں اور مرنیکے بعد جزا و سزا کے قائل نہیں رہتے پھر تو خوب بے [illegible] زناکاری کرتے ہیں پاک ناپاک حلال و حرام کی کچھ بھی پروا نہیں کرتے۔ خرابی کی شرح نہیں کی کس لئے کی [illegible] ہے۔ آگ سانپ بچھو۔ درد و غم۔ لو۔ پیاس۔ وغیرہ

عالم حسی سے مراد اصول یا علویات ہیں کواکب و سماوات یا سفلی ہیں عناصر اربعہ

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ۝

نہیں نہیں بلکہ انکے ہی ، کاموں سے انکے دلوں پر زنگ لگ گیا ہے ضرور وہ اسدن اپنے رب کے سامنے آنے نہیں پاویں گے پھر وہ جہنم میں ڈالے جاویں گے

ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۝

پھر ان سے کہا جائے گا یہ ہے وہ جسکو تم جھٹلایا کرتے تھے

ترکیب

کلا ردع وزجر للمعتدی الاثیم۔ وقال الحسن بمعنے حقا۔ ماکانوا یکسبون والعائد محذوف اے یکسبونہ۔ والجملۃ فاعل ران رین ریم وزنگ گرفتن ومنہ قولہ تعالیٰ بل ران الخ اے غلب وقیل ہو الذنب علی الذنب حتے یسود القلب (صراح) لمحجوبون خبر ان عن ربہم متعلق بہ یومئذ ظرف لہ ثم انہم ثم لتراخی الرتبۃ ہذا الذی الخ الجملۃ مفعول۔ مالم یسمی فاعلہ لیقال۔

تفسیر

ان حد سے بڑھنے والے گناہگاروں کے خیال کو باطل کرتا ہے بقولہ کلا کہ جو تم سمجھے ہوئے ہو وہ ہرگز نہیں پھر ان کے اس انکار اور آیات کو پہلوں کی کہانیاں کہنے کا سبب بیان فرماتا ہے فقال بل ران علے قلوبہم ماکانو یکسبون کہ ان کے دلوں پر انکے اعمال بد کا زنگ چڑھ گیا ہے جس سے وہ ایسی باتیں بناتے ہیں۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مومن گناہ کرتا ہے تو اس کے قلب پر ایک سیاہ نقطہ ہو جاتا ہے پھر اگر توبہ استغفار کر لیا تو صاف ہو گیا اور اگر اور گناہ کیا تو وہ نقطہ بھی بڑھتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ اسکے دل پر چھا جاتا ہے پس یہی وہ رین ہے کہ جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔ کلا بل ران علے قلوبہم ماکانو یکسبون (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ) پھر گناہ کرتے کرتے جب دل سیاہ ہو جاتا ہے تو کوئی حق بات اس میں نہیں آتی پھر اگر اس سے بھی بڑھ گیا تو دل پر ایک حجاب ہو جاتا ہے جسکو مہر لگنے سے تعبیر کیا جاتا ہے اور پھر اس سے بھی بڑھکر قفل کا مرتبہ ہے اب دل میں صلاحیت ہی نہیں رہی کہ کوئی اسکو صاف کر دے گویا مر گیا پہلے تو بیمار ہی تھا اس سے یہ مراد نہیں کہ مضغہ گوشت پر کوئی سیاہ نقطہ ہو جاتا ہے اور پھر پھیلتے پھیلتے سب کو سیاہ کر ڈالتا ہے یہانتک کہ چیرنے کے بعد وہ سیاہ معلوم ہونے لگتی ہے کس لئے کہ قلب سے مراد شرع میں وہ انسان کی روحانی قوت ہے جو ادراک کرتی ہے گناہ کرنے سے اسپر تاریکی آجاتی ہے اور آخر اس تاریکی کا ایک حجاب بن جاتا ہے جو اسکو انوار الٰہیہ کی تجلی سے مرنیکے بعد دیدار سے محروم کرتا ہے کما قال کلا انہم عن ربہم یومئذ لمحجوبون کہ بیشک یہ لوگ اس روز اپنے رب سے روکے جاوینگے حجاب یعنی پردہ حایل ہو جاوے گا دیدار کے شرف سے محروم ہونگے

پھر جب وہ ایسے ناپاک اور گندے ہیں تو ثم انہم لصالوا الجحیم ان کو جہنم میں پھینک دیا جاوے گا اسی کے لایق تھے ثم یقال ہذا الذی کنتم بہ تکذبون پھر ان کو شرمندہ کرنے کے لئے کہا جاوے گا کہ وہ جہنم جس کا تم دنیا میں انکار کرتے اور جھٹلاتے تھے یہی تو ہے اب تو یقین آیا کہ نبیوں کا فرمانا برحق تھا۔

جس طرح پہلی آیات میں اشقیاء کا وہ حال بیان ہوا تھا جو مرنے کے بعد سے لیکر حشر تک ہوگا یعنی عالم برزخ کا اسی طرح ان آیات میں عالم حشر اور اس کے بعد کا حال بیان فرما دیا۔ اور اس کے بعد نیک لوگوں کا حال بیان کرتا ہے اور بدوں کا حال پہلے اسلئے بیان فرمایا کہ اس سے پہلے کم تولنے وغیرہ جرایم کا ذکر تھا۔

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ۝ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۝ يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝ اِنَّ

بے شک نیکوں کا روزنامچہ علیین میں ہے اور تو کیا جانے کہ علیین کیا ہے ایک کتاب ہے نشانی کی ہوئی، کہ جسکو ملائکہ مقرب دیکھا کرتے ہیں بیشک

الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ۝ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ۝ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ۝ يُسْقَوْنَ مِنْ

نیک لوگ عیش میں ہونگے تختوں پر بیٹھے نظارہ کیا کرینگے اے مخاطب تجھے انکے چہروں پر عیش کی تازگی دکھلائی دے گی اور ان کو شراب

رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ۝ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ۚ وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ۝ وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ ۝

خالص پلائی جاوے گی جس پر مشک سے مہر لگی ہوگی اور للچانے والوں کو للچانا تو اسی پر چاہئے اور اس شراب میں تسنیم کی ہی آمیزش ہوگی

عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ۝

وہ ایک چشمہ ہے جسے مقرب پیا کرتے ہیں۔

ترکیب

کلا الخ جملۃ مستانفۃ لبیان حال الابرار۔ علیین قال ابو الفتح الموصلی جمع علی وہو فعیل من العلو وقال الفراء والزجاج جمع واعرابہ کاعراب الجمع رفعا ونصبا وجرا ولکن لا واحد لہ من لفظہ نحو ثلاثین وقنسرین۔ والمراد بہ المقام الاعلی فقیل علی السماء السابعۃ وہناک یجمع ارواح الابرار یشہدہ صفۃ اخری الکتاب ای یحضرون ذلک الکتاب ویحفظونہ وقیل یرون ما فیہ فعلی الاول من الشہود وعلی الثانی من الشہادۃ ینظرون حال ویجوز ان یکون مستانفا وعلی یتعلق بہ والارائک جمع اریکۃ وہی السریر فی حجلۃ والحجلۃ بیت مربع من الثیاب الفاخرۃ ترخی علی السریر ویقال فی الہندیۃ رچھپر کھٹ ومسہری تعرف الخ الجملۃ مستانفۃ لبیان حال الابرار وکذا یسقون قال المبرد والزجاج الرحیق من الخمر مالا غش فیہ وفی الصحاح الرحیق صفوۃ الخمر مختوم صفۃ لرحیق ختامہ مسک صفۃ اخری۔ التنافس شدۃ الحرص ومزاجہ معطوف علی ختامہ مسک صفۃ اخری من تسنیم ہو شراب ینصب من علو۔ والتسنیم فی اللغۃ الارتفاع ومنہ سنام البعیر لعلوہ من بدنہ ومنہ تسنیم القبور فہی عین تجری من علو الی سفل وقال ابن مسعود عین فی الجنۃ تمزج للابرار ویشربہا المقربون کما فسرہ اللہ تعالی بقولہ عینا الخ وفی نصب عینا وجوہ الاول انہ علی المدح والثانی انہ علی الحال وانما جاز کونہا حالا مع انہا جامدۃ غیر مشتقۃ لاتصافہا بقولہ یشرب بہا وقال الاخفش منصوبۃ بیسقون وقال الفراء بتسنیم۔ والباء فی بہا زائدۃ او بمعنی من۔

تفسیر

فقال کلا کہ جیسا تم سمجھے ہوئے ہو کہ نیکوں کی نیکی بیکار رہے ایسا ہرگز نہیں یا یوں کہو کہ بے شک وشبہ ان کتاب الابرار لفی علیین ابرار کا روزنامچہ کہ جہاں انکے کام اور نام لکھے ہوئے ہیں علیین میں ہے پھر جسکا اس دفتر میں نام ہے وہ محو نہیں ہوسکتا نہ وہ مرنیکے بعد اکرام واعزاز سے محروم رہتا ہے ع ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما۔ وہ جریدہ بقا ہے ان کے لئے حیات جاودانی اور ابدی عیش کامرانی میں کوئی شبہ نہیں۔

چونکہ علیین پر آگاہی انکے افہام ناقصہ کو نصیب نہیں اس لئے آپ ہی پوچھتا ہے وما ادراک ما علیون کہ اے انسان تو کیا جانے کیا ہے علیین کس لئے کہ انسان محسوسات کا ادراک کرتا ہے اور حس سے باہر جو کچھ ہے اس کا ادراک یا ترتیب معقولات سے بطور نظر و فکر کے کرتا ہے سو اس میں سیکڑوں غلطیاں ہو جاتی ہیں اور اسی لئے عقلاء کا ایسے امور میں اختلاف ہوا ہے۔ پھر اگر ادراک صحیح ہے تو کشف و شہود سے ہے۔ اور اس میں کامل حصہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو نصیب ہے پھر جو کوئی ایسی باتو نکے دریافت کرنے کا ارادہ کرے تو اسکو وحی کا اتباع لازم ہے اس لئے بذریعہ وحی آپ ہی بتاتا ہے کتاب مرقوم کہ وہ ایک بالا تر او رعالم قدس کی عمدہ جگہ ہے جہاں وہ لکھا ہوا دفتر ہے جس میں نیکوں کے نام ہیں اور وہ مقام چونکہ بہت بلند ہے وہاں نیکوں میں سے بھی ہر ایک نہیں پہنچتا بلکہ یشہدہ المقربون وہاں مقربین حضرت انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام ہی پہونچتے ہیں عام مومنین و صلحاء امت اسکے نیچے اپنے درجات کے موافق عالم قدس کے اور مقامات میں ہوتے ہیں مگر نام انکے اس بلند دفتر میں درج ہوتے ہیں کہ ترقی کرکے وہاں تک پہونچنے کی انکے لئے امیدواری ہے۔
یہ تفسیر اس تقدیر پر ہے کہ جملہ یشہدہ المقربون کو علیین کی صفت قرار دیا جاوے اور بسبب مقام ہونیکے ضمیر مفرد اسکی طرف پھرائی جائے۔ اور اگر کتاب مرقوم کی صفت مانا جاوے تو یہ معنی ہونگے کہ اس دفتر تک ہر ایک کی رسائی نہیں بلکہ ملائکہ مقربین کی کہ وہی اس دفتر کے محافظ اور کارپرداز ہیں۔ یہانتک عالم برزخ کا حال تھا جو مرنے کے بعد ابرار اور مقربین پر گزرتا ہے نفخ صور سے پہلے تک اور اس کے بعد کا حال آیندہ آیات میں بیان فرماتا ہے۔

ف اکثر سورتوں میں نیک بندوں کو دو جماعت میں تقسیم کیا ہے ایک اصحاب الیمین اور ان سے بڑھ کر السابقون اور پھر بعض مقامات پر اصحاب الیمین کو ابرار اور سابقین کو مقربین سے تعبیر کیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ اصحاب الیمین اور ابرار ایک ہی جماعت کا نام ہے اور سابقین اور مقربین دوسری جماعت کا نام ہے۔ پہلی جماعت میں صلحاء و شہداء امت داخل ہیں اور دوسری میں حضرات انبیاء و اولیاء جنکو صدیقین سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اچھے لوگوں کو انہیں چار قسموں میں داخل کیا ہے من النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین الآیہ اب بتلا دیا گیا کہ مرنے کے بعد ابرار کا نام علیین میں ہے وہ خاص علیین میں یا اسکے متعلق کسی بلند جگہ میں رہینگے اور مقربین علیین میں ہیں۔

ف علیین اور سجین کی تصویر عرفاء نے یوں کھینچی ہے کہ نوع انسانی کا بحسب وسعت معرفت اور اسکی تنگی کے اور باعتبار تہذیب لطائف و تحصیل انوار ملکیہ اور ان کے تکدر اور ظلمات بہیمیہ و سبعیہ کے بڑا وسیع میدان ہے جسکو ایک وسیع دائرہ خیال کرنا چاہئے کہ جس کا مرکز ادنے مرتبہ انسانیت کا ہے جو بہت ہی فروتر مرتبہ ہے اور محیط اس کا اعلےٰ مرتبہ ہے اور جب عالم غیب میں اس شکل متخیل نے ایک صورت پیدا کی ہے تو اسکے مرکز کا نام سجین اور محیط کا علیین نام ہو گیا اور یہ ثابت ہے کہ جس قدر دائرے مرکز کے قریب ہونگے وہ بہت ہی چھوٹے ہونگے درجہ بدرجہ۔ اور جو دوائر محیط کے قریب ہونگے وہ بہت ہی بڑے ہونگے درجہ بدرجہ۔ اس لئے انسانیت فجار کے مراتب درجہ بدرجہ قریب مرکز کے ہیں یہانتک کہ بعض تو محض مرکز ہی تک پہونچے ہوئے ہوتے ہیں اور اسی طرح انسانیت ابرار کے مراتب ترقی کرتے ہوتے درجہ بدرجہ قریب محیط کے ہوتے ہیں اور وسعت و فراخی میں ایک دوسرے سے زائد یہانتک کہ نوبت اعلی علیین تک پہونچ جاتی ہے۔ اعلی علیین جسکو رفیق اعلیٰ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے خاص مقربین کا مقام ہے اور ابرار انکے طفیل سے اس مقام پر عبور کرتے ہیں لیکن ان کا مشہد

یعنے ٹھہرنے کی جگہ وہ نہیں اور یہ عبور روحانی بعد مفارقت جسم کے روح کو حاصل ہوتا ہے کہ مقربین کی ارواح کو اعلیٰ علیین میں لیجاتے ہیں اور ابرار انکے قریب جگہ پاتے ہیں اور فجار سجین میں لائے جاتے ہیں۔ اور اسی لئے سجین کو بطور استعارہ کے زمین کے طبقۂ سفلیٰ اور علیین کو ساتویں آسمان پر بیان کیا گیا محیط اور مرکز کے لحاظ سے۔

اسکے بعد وہ حالات بیان فرماتا ہے جو حشر میں ابرار کو پیش آوینگے فقال ان الابرار لفی نعیم کہ بیشک ابرار یعنے نیک بندے نعمتوں میں ہونگے۔ جنتی نعمتیں کہ انکو انسان کا دل چاہے عمدہ مکان باغ و انہار نفیس کپڑے حور غلمان سواری اور خادمان پری رو اور کھانے کی دل پسند چیزیں اور فرحت و سرور جاودانی کے وہ سب سامان وہاں موجود ہونگے جنکو نہ کسی کی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کے کان نے سنا نہ کسی کے ذہن میں آئے لفظ نعیم سب کو شامل ہے مگر اسکے سوا ان کو بادشاہت کے تخت پر بھی بٹھایا جاوے گا جیساکہ فرمایا ہے علی الارائک ینظرون کہ تختوں پر بیٹھے ہوئے نظارہ کیا کرینگے۔ اور وہ تخت ایسے معمولی تخت نہونگے بلکہ سایہ دار جو بیش بہا جواہرات اور بیش بہا کپڑوں اطلس و دیبا وغیرہ سے مزین ہونگے کہ انکو کوئی نہ دیکھے اور اسمیں سے . . . . . وہ سب کچھ دیکھیں گے اسی لئے ینظرون کا مفعول حذف کر دیا کہ تعمیم سمجھی جاوے جنت کے سب تماشے اور عیش و نشاط کے سامان بھی دیکھیں گے اور دوزخیوں کی حالت زبون کا بھی ملاحظہ کرینگے مگر تعرف فی وجوہم نضرۃ النعیم انکو انکی یہ حالت زار دیکھنے سے کچھ ملال اور پریشانی نہوگی یہاں تک کہ اگر کوئی دوست اور قرابت دار کافر و مشرک عذاب میں مبتلا نظر آئیگا تو ان کی محبت کا رشتہ اس سے بالکل منقطع ہو جاوے گا اور انکے عیش و نشاط میں انکے بُرے حال کے دیکھنے سے کوئی تغیر پیدا نہ ہوگا بلکہ انکے چہروں پر وہی شادمانی اور نعمت کے آثار اور تازگی نمایاں ہوگی اور چودھویں رات کے چاند کیطرح ان کے نورانی چہرے جگمگا دینگے۔ ف۔ عرفاء فرماتے ہیں کہ ارائک جس کا ذکر قرآن مجید میں جا بجا آیا ہے وہ اہل اللہ کے مخفی حالات و مقامات ہیں اور ان کی رات میں لوگوں سے چھپ کر تہجد و دعا و استغفار و تسبیح و تہلیل ہے اور انکے دلوں کا وہ سوز و گداز ہے جو لوگوں سے مخفی تھا اور انکی وہ محبت الٰہی ہے جو کسیکو نظر نہ آتی تھی آج وہ ارائک کی شکل میں جلوہ گر ہوگی اور انکے چہروں کی وہ پژمردگی جو دنیا میں محبت الٰہی اور فاقہ کشی اور غربت و فقر سے تھی آج تازگی بنجاوے گی۔ اور اس نظارہ کا لطف زیادہ کرنے کے لئے یسقون من رحیق انکو شراب خالص بھی پلائی جاوے گی کہ نہ جسمیں تلخی ہوگی نہ بدبو نہ بعد میں خمار و دردسر نہ بیہوشی نہ بدحواسی جو تمام لطف کو درہم برہم کر دے بلکہ وہ ایک شراب ہوگی جو ان باتوں سے خالص ہوگی اور اس سے ایک سرور پیدا ہوگا اور وہ ایسی مبتذل شراب نہوگی کہ جس تک ہر ایک کا ہاتھ پہونچتا ہو بلکہ اسپر مہر لگی ہوگی نہ دنیا کی شرابوں کی طرح کہ جن پر مٹی یا لاکھ کی مہر ہوتی ہے بلکہ ختامہ مسک اسکی مہر مشک سے ہوگی جسکی خوشبو اسمیں سرایت کر جاوے گی اور فرحت و سرور بڑھاوے گی اور نیز مشک ایک مناسب گرمی بھی پیدا کرے گا جو ہضم بڑھاتا ہے۔

بعض مفسرین ختام سے مراد تمامی لیتے ہیں کہ پینے کے بعد مشک سے انکے منہ خوشبودار کئے جاوینگے جیساکہ کھانا کھانے اور شربت پینے کے بعد پان یا الائچی کھاتے ہیں اور یہ اسکا ختام ہوتا ہے اسی طرح وہاں بعد میں ایسی خوشبودار فرحت خیز چیز دی جاوے گی جسکو مشک سے تشبیہ ہے۔ واضح ہو کہ یہاں تک ابرار اصحاب الیمین کے نعما بیان ہوئے ہیں کہ جو تختوں پر بیٹھے ہونگے شراب رحیق پئیں گے یہ شراب رحیق وہ محبت خالص ہے جو دنیا میں شرک و بدکاری کا ملاؤ نہیں رکھتی تھی اسلئے جنت میں وہ شراب خالص بنکر انکے رگ و ریشہ میں سرایت کریگی۔ مگر یہ شراب رحیق تسنیم سے جو خاص مقربین کا حصہ ہے جیساکہ آگے

آتا ہے کم مرتبہ ہے اس لئے اس رحیق میں کبھی کبھی اس تسنیم سے کچھ ملا دیا جاوے گا جیسا کہ دنیا میں شراب میں گلاب وغیرہ چیزیں ملا کر پیتے ہیں۔ اور کم اس لئے کہ رحیق وہ فرحت وشادمانی ہے جو موجودات عالم علوی کے ملاحظہ سے ہوگی جیسا کہ دنیا میں یہ جماعت ابرار مصنوعات کے ملاحظہ سے صانع کو پہچانتے تھے اور ہر ایک آیت قدرت کو اسکے جمال کا آئینہ سمجھکر شادی کرتے تھے اسی طرح اس جہان میں انکو ایک شراب خالص پلائی جاتے گی کہ جو وہاں کے عجائب موجودات کو ملاحظہ کرکے انمیں اسکے جمال باکمال کا مشاہدہ کریں گے اور نہایت شادمانی ہوگی۔ بخلاف تسنیم کے کہ وہ خاص ذات حق کے مشاہدہ کے لئے ہے بغیر اسکے کہ موجودات کے آئینوں میں جھلکی دکھائی جاوے اس لئے اس شراب میں سے بھی کبھی ان کو حصہ ملے گا کہ یہ بھی ذات پاک کا مشاہدہ کریں گے اس کے بعد فرماتا ہے وفی ذلک فلیتنافس المتنافسون اور چاہیئے کہ للچانے والے اسپر للچائیں اور اسی کی آرزو اور خواہش کریں نہ کہ دنیا کی نعمتوں کی جو کدورت سے خالی نہیں اور اسپر بھی انکو دوام وبقا نہیں جوانی باد صبا کی طرح ایک دم کے لئے آئی اور چلی گئی پھر جب جوانی نہیں تو اور نعمتوں کا کیا مزہ باقی رہا پھر دنیا کی شراب کی کیا رغبت کرنی چاہیئے جو بدمزہ اور بدبودار اور مزیل عقل وحواس اور مورث درد سر وخمار ہے، اور کم تولنے یا حقوق العباد تلف کرنے میں بے حقیقت چیزوں پر کیا ریجھنا اور عاقبت برباد کرنا چاہیئے یہاں کا مال وزر کیسا اور یہاں کے اسباب عیش ونشاط ہی کیا ہیں۔ ان بے حقیقت چیزوں پر ریجھ کر عقبےٰ برباد کرتے ہو رغبت ریجھنے کی چیز تو آخرت کی یہ نعمتیں ہیں۔

اسکے بعد کچھ حال مقربین کا بھی بیان کیا جاتا ہے انہیں ابرار کے ضمن میں تاکہ معلوم ہو جاوے کہ جب مقربین کے روز کے پینے کی چیز کبھی کبھی ان ابرار کی شرکت میں مزید لطف واکرام واعزاز کے لئے لائی جاتی ہے اور یہ ابرار ان نعمتوں میں ہیں تو پھر مقربین کا تو ان سے مرتبہ بڑھکر ہے ان کے نعیم کا کیا کہنا ہے اس لئے فرماتا ہے ومزاجہ من تسنیم کہ اس رحیق کی آمیزش تسنیم سے ہوگی۔ یعنی تسنیم اس میں ملائی جاوے گی تسنیم کے لغوی معنی بلندی کے ہیں اور اونٹ کے کوہان کو اسی لئے سنام کہتے ہیں...... کہ وہ بلند ہوتا ہے اس لغوی معنی کے لحاظ سے تسنیم کے باب میں مفسرین کے چند اقوال ہیں (۱) یہ کہ وہ اونچے سے نیچے کو گرتا ہوا چشمہ ہے ایسا چشمہ بہ نسبت اسکے کہ ہموار زمین میں بہتا ہو نہایت صاف اور پرلطف ہوتا ہے (۲) یہ کہ وہ ہوا میں بہتا ہے اس بلندی وارتفاع سے اسکی لطافت کا اندازہ کرسکتے ہیں کہ کیسی ہوگی (۳) یہ کہ وہ بلند قدر عالی مرتبہ چیز ہے اس لئے اسکو تسنیم کہتے ہیں اور اسی لئے عکرمہ کہتے ہیں تسنیم کے معنی تشریف کے ہیں یعنے عالی قدر بلند مرتبہ ابن عباس وحسن بصری فرماتے ہیں اسکی حقیقت سے بجز پروردگار کے کوئی واقف نہیں وہ ایک نہایت عمدہ اور بے بہا چیز ہے جسکی نسبت حق سبحانہ کا اسیقدر بیان کافی ہے۔ عینا یشرب بہا المقربون کہ وہ ایک چشمہ ہے کہ جس سے مقربین پیا کرتے ہیں۔ اور ابرار کو اس میں سے ملا کر دیا کرتے ہیں اس سے ابرار کی شان بھی معلوم ہوئی کہ پلائی تو انکو رحیق جاتی ہے۔ مگر اس میں اور لطف بڑھانے کے لئے تسنیم ملا دیتے ہیں اور مقربوں کا بھی حال معلوم ہوا کہ وہ خاص اسی تسنیم کو پیا کرتے ہیں جو ایسی قدر وقیمت کی چیز ہے کہ جس میں سے کچھ ابرار کی شراب میں ملائی جاتی ہے

إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا يَضْحَكُونَ ۝ وَإِذَا مَرُّوا بِهِمْ يَتَغَامَزُونَ ۝ وَإِذَا انْقَلَبُوا

یقیناً نافرمان (دنیا میں) ایمان داروں سے ہنسی کیا کرتے تھے اور جب ان کے پاس سے نکلتے تو آنکھیں مارتے تھے اور جب اپنے گھر

إِلَىٰ أَهْلِهِمُ انْقَلَبُوا فَكِهِينَ ۝ وَإِذَا رَأَوْهُمْ قَالُوا إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَضَالُّونَ ۝ وَمَا أُرْسِلُوا عَلَيْهِمْ حَافِظِينَ ۝ فَالْيَوْمَ

لوٹ کر جاتے تو ہنستے ہوئے جاتے تھے اور جب ایمانداروں کو دیکھتے تھے تو کہا کرتے تھے بیشک یہی گمراہ ہیں حالانکہ یہ انپر نگہبان ہی بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے پھر آج

الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُونَ ۝ عَلَى الْأَرَائِكِ يَنْظُرُونَ ۝ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۝

تو ایماندار کافروں سے ہنسی کر رہے ہیں تختوں پر بیٹھے دیکھ رہے ہیں اب تو کافروں نے اپنے کئے کا بدلہ پایا۔

ع

ترکیب

الذین مع صلتہ اسم ان۔ کانوا اسم کان ضمیر متصل یضحکون خبرہا من الذین امنوا متعلق بیضحکون اے یستہزءون منہم فالجملۃ کانوا الخ خبران واذا مروا اے المسلمون بہم بالکفار وہم فی مجالسہم یتغامزون الکفار من الغمز وہو الاشارۃ بالجفون والحواجب واذا انقلبوا اے الکفار شرط انقلبوا جواب اذا فکہین حال منہ قرء عاصم فی روایۃ حفص عنہ فکہین بغیر الف فی ہذا الموضع وحدہ وقرا الباقون فاکہین بالالف فقیل معناہما واحد وقیل ان الفکہ الاشر البطر والفاکہ الناعم المتنعم واذا شرطیہ واے الکفار ہم المسلمین قالوا جواب الشرط وما ارسلوا الجملۃ حال من فاعل قالوا فالیوم منصوب بیضحکون وفاعلہ الذین آمنوا وتقدیم الفاعل للتخصیص او لرعایۃ لفوصل علے الارائک ینظرون الجملۃ حال من یضحکون اے یضحکون منہم ناظرین الیہم والی احوالہم ہل ثوب الجملۃ مستانفۃ۔ وقیل فی محل نصب بینظرون وقیل ہی علے اضمار القول اے یقول بعض المومنین لبعض قرء حمزۃ والکسائی وابو عمرو بادغام لام ہل فی ثاء ثوب والباقون بترک الادغام۔

تفسیر

فرمایا تھا کہ آخرت کی نعمتوں کی رغبت کرنی چاہئے اور یہی رغبت کرنے کے قابل چیز بھی ہے۔ اب یہ بتلایا جاتا ہے کہ جب کوئی دنیا پر رغبت کرتا ہے اور یہاں تک فریفتہ ہوتا ہے کہ دار آخرت پر رغبت کرنا تو کجا سرے سے اسکا انکار ہی کر بیٹھتا ہے اور اسپر بھی بس نہیں بلکہ جو دار آخرت پر یقین کر کے وہاں کے لئے تیاری کرتا ہے تو اپنے مشرب کے خلاف سمجھ کر اس سے نفرت کرتا ہے اور ایذا دینے پر کمر باندھ لیتا ہے اور اسکو برا بھلا بھی کہتا ہے پھر ان برے افعال کا بدلہ پاتا ہے خدائے عادل (جو میزان عدل ہاتھ میں لئے بیٹھا ہے اور دنیا میں بھی ناپ تول پورا کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اور کمی کرنے والوں کی خرابی بیان فرماتا ہے) قیامت کے دن ان دنیا کے فریفتہ لوگوں کو اسی ترازو سے تول کر اور اسی پیمانہ سے ماپ کر دیگا۔ جیسے انھوں نے خدا پرستوں کو تول کر اور ماپ کر دیا تھا یعنی ایماندار آخرت پر رغبت کرنے والے اس روز اس اپنی کامیابی پر خوش ہونگے ان احمقوں پر ہنسیں گے۔

ان مطالب کی ان آیات میں تصویر کھینچی جاتی ہے تاکہ دنیا سے نفرت اور دار آخرت سے رغبت ہو فقال ان الذین الخ کہ وہ لوگ جنہوں نے جرم کیا ہے (دار آخرت سے بےخبری اور نفرت دنیا کی رغبت تمام گناہوں کی جڑ ہے اسی لئے حدیث میں آیا ہے حب الدنیا راس کل خطیئۃ) اور اس جرم میں یہاں تک دلیر ہوئے ہیں کہ جو خدا کے مجرم نہیں بلکہ مطیع ہیں انپر ٹھٹھے کیا کرتے ہیں۔ یہ ان کا ایک فعل بد ہے یا تھا۔ اول تو کسی پر ہنسنا یوں بھی برا ہے اسکی دل شکنی کا باعث ہے اور یہ اخلاق اور مروت انسانی سے بعید ہے

اس کے سوا یہ بھی ہے کہ جو کوئی کسی پر ہنستا ہے تو ضرور اپنے آپ کو بہتر اور دوسرے کو کمتر سمجھتا ہے یہ بھی سخت عیب ہے سوئم جو کوئی کسی پر ہنستا ہے تو اپنے آپکو اس حالت سے کہ جسپر ہنس رہا ہے محفوظ سمجھتا ہے اور یہ نہیں خیال کرتا ہے کہ مجھ سے بھی کوئی بالادست ہے ممکن ہے کہ مجھے اس سے بھی بدتر کر دے اور اسکو مجھ سے بہتر بنا دے۔ ایسا کور باطن حوادث دہر اور قدرت کے انقلابات سے غافل ہے اور یہ باطن کی کوری ہے اور خدا تعالیٰ کو غصہ میں لانیوالی بات ہے اسلئے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے جو کوئی کسی پر طعن کریگا خود اسی میں مبتلا ہوگا اور بزرگوں نے فرمایا ہے جو کسی پر ہنسے گا ہنسا جائیگا۔

دوسرا فعل بد انکا یہ تھا کہ اذا مروابہم یتغامزون کہ جب وہ دیندار انکے پاس سے گزرتے تو تحقیر کیلئے آنکھوں کے اشارے کرتے یہ بھی ایک بڑی کمینہ خصلت ہے اور اکثر نالایق طعن و طنز کی راہ سے دوسرونکی طرف آنکھیں بھوئیں مارا کرتے ہیں منہ بنا کے اشارے کیا کرتے ہیں سو وہ دنیا پرست ان خدا پرستوں کے ساتھ یہ بھی کیا کرتے تھے۔ اور انکی غرض ان دونوں فعلوں سے انکی تحقیر ہوتی تھی جو انکے ظاہر حال شکستہ پر اپنی ثروت دولت و اقبال کے زور میں ہنستے آنکھیں مارتے تھے کہ لو یہ ہیں جنت کے وارث حوروں کے شوہر جب انکی دنیا میں یہ حالت ہے تو وہاں کیا نہوگی اور ہمپر یہ فضل ہے ایسے عزت والے ہیں ہمکو کیا وہاں انسے بڑھکر رتبہ نہ ملیگا اور اگر وہاں کچھ ہے ورنہ خالی ڈرسکتے ہیں حالانکہ یہ نہیں جانتے کہ اس عالم کا معاملہ یہاں کے برعکس ہے ؎ بسا امیر کہ آنجا اسیر خواہد شد ✤ بسا پیادہ کہ آنجا سوار خواہد شد ✤ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الا اخبرکم باہل الجنۃ کل ضعیف متضعف لو اقسم علی اللہ لابرہ الا اخبرکم باہل النار کل عتل جواظ مستکبر متفق علیہ کہ میں تمہیں اہل جنت بتلاؤں۔ ہر ایک ضعیف بیکس اگر خدا پر کوئی قسم کھا بیٹھے تو اللہ اسکو پورا ہی کر دے اور دوزخی بتلاؤں ہر ایک سخت کٹر متکبر۔ آخرت کے مستحق وہی ہیں جو دنیا میں مسکین کمزور عاجز متواضع خدا پرست ہیں ؎ کہ سا کنان در دوست خاکسار انند۔

تیسرا فعل بد انکا یہ تھا واذا انقلبوا الی اہلہم انقلبوا فکہین کہ باہر تو یہ کچھ کرتے ہی تھے مگر جب اپنے گھروں میں جایا کرتے تھے تو وہاں بھی ہنستے ایمانداروں پر دل لگیاں کیا کرتے یا یہ معنی کہ انکو آخرت کا اندیشہ اور آنے والے مصائب کا کچھ خیال نہیں آتا تھا۔ گھروں میں رات دن اٹھکھیلیاں ہی کرتے تھے۔ یہ بھی دنیا پرست کی شان ہے جسکو کبھی مرنیکا بھی خیال نہیں آتا۔ با خدا لوگ ہمیشہ مغموم رہا کرتے ہیں انکے دلوں پر ایک اندیشہ رہتا ہے بات بات پر ہنسی کیسی اہا اہا اہو اہو کیسی رنگ رلیاں کہاں کی یہ مجلسیں کرنا رات دن ناچ رنگ عیش و نشاط کے سامان بہم پہنچانا اس جہاں سے غافلوں کا ہی کام ہے اور اس کا نتیجہ حزن دائمی اور مصائب کا نازل ہونا ہے جن گھروں پر یہ سامان تھے ہمنے وہاں خاک اڑتی دیکھی ہے دردمنداں محبت الٰہی کو اسکی فرصت کہاں ؎ کمر باندھے ہوئے چلنے پہ یاں سب یار بیٹھے ہیں ✤ بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں ✤ نہ چھیڑ اے نکہت باد بہاری راہ لگ اپنی ✤ تجھے اٹکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں ✤

چوتھا فعل بد انکا یہ تھا کہ اذا راوہم قالوا ان ہؤلاء لضالون کہ جب ان دینداروں کو دیکھتے تو کہتے یہی گمراہ ہیں دنیا کے مزے چھوڑ کر کس مصیبت میں پڑے ہیں یہ سب حشر کی گفتگو ہے کہ حق سبحانہ وہاں یوں فرمائیگا کہ دنیا میں یہ ایسا ایسا کرتے تھے پھر انکی بیہودہ بات کا آپ ہی جواب دیتا ہے وما ارسلوا علیہم حافظین کہ یہ کفار ان دینداروں کے داروغہ یا فوجدار بنا کر تو نہیں بھیجے گئے ان کو انکی کیا پڑی جو ایسا کرتے ہیں اب جو قیامت میں ان کو ان فعال کی جزا ملیگی اسکو بیان فرماتا ہے۔ فالیوم الخ کہ آجکے دن ایمانداران کفار پر تختوں پر بیٹھے نظارہ کرتے ہوئے ہنسیں گے یا یوں کہو کفار سے ہنسیں گے کہ وہ تمہارے جاہ جلال کیا ہوئے اب یہ تمسے کیا ہو رہا ہے اور تختوں پر بیٹھے بادشاہ بنے نظارہ کرینگے اور فرشتے پکار دینگے کہ اب تو کفار نے اپنے کئے کا بدلہ پایا اور وہ نپر ہنستے تھے آج انپر ہنسا جا رہا ہے کس لطف کے ساتھ دار آخرت کی جزا و سزا کا نقشہ کھینچا ہے اور کس انداز سے انسان کو بری باتوں سے روکا ہے وللہ الحمد ✤

سُوْرَۃُ اِنْشِقَاقْ مَکِّیَّہ ہے اِس مِیں پچیس اٰیات ہَیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ۙ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۙ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ۙ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا

جبکہ آسمان پھٹ جائے اور اپنے رب کا حکم سن لے اور اسکا فرض ہی کہ سنے اور جبکہ زمین پھیلا دی جاوے اور جو کچھ اسمیں ہے اگل دے

وَتَخَلَّتْ ۙ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۙ

اور خالی ہو جاوے اور اپنے رب کا حکم سن لے اور اس کا فرض ہی کہ سنے

ترکیب

اذا قیل شرطیۃ فیقدر بعدہا فعل والتقدیر اذا انشقت السما انشقت ۔ فالسماء فاعل بفعل محذوف ۔ وقیل لیست بشرطیۃ بل ہی منصوبۃ باذکر المحذوف وہی مبتدء وخبرہا اذا الثانیۃ والواو مزیدۃ والتقدیر وقت انشقاق السماء وقت مد الارض واذنت معطوف علی انشقت ۔ ومعنی اذنت اطاعت فی الانشقاق ولم تأب ولم تمتنع مشتق من الاذن وہو الاستماع للشئ والاصغاء الیہ واستعمال الاذن فی الاستماع کثیر فی کلام العرب ۔ وحقت الجملۃ حال من فاعل اذنت قال الضحاک ومعنی حقت حق لہا ان تطیع ربہا اے لا تمتنع ما ارادہ اللہ بہا ۔ واذا الارض مثل اذا السماء الخ ومعنی مدت بسطت وصارت قاعًا وقیل زید فی سعتہا من المد وہو الزیادۃ والقت ما فیہا من الکنوز والدفائن والاموات وطرحت الی ظہورہا فعلی تقدیر کون اذا شرطیۃ جوابہا اما محذوف تقدیرہ بعثتم وقیل مذکور فقیل ہو قولہ یا ایہا الانسان الخ وقیل قولہ فاما من الخ قالہ المبرد والکسائی وقیل فملاقیہ قالہ اخفش ۔

تفسیر

یہ سورہ بھی بلا خلاف مکی ہے ۔ ابن عباسؓ وابن زبیرؓ کا یہی قول ہے ۔ بخاری ومسلم وغیرہما نے ابی رافع سے روایت کی ہی کہ ابوہریرہؓ نے عشاء کی نماز میں یہ سورۃ پڑہی اور بعد میں سجدۂ تلاوت کیا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا ہے اور میں سدا ایسا کرونگا ۔ اور بھی روایات صحیحہ میں اس سورہ کے اختتام پر سورہ کے پڑہنے اور سننے والے پر سجدہ تلاوت کرنا واجب بیان ہوا ہی ۔ قرآن مجید میں ایسے بہت سے مواقع ہیں جنکے پڑہنے اور سننے والے کو سجدہ کرنا چاہئے کس لئے کہ وہاں اسیکا حکم یا ذکر ہے اس قسم کے سجدہ کو سجدہ تلاوت کہتے ہیں اور چودہ سورتیں ہیں جن میں سجدہ تلاوت ہے آخر اعراف[۱] ۔ رعد[۲] ۔ نحل[۳] ۔ بنی اسرائیل[۴] ۔ مریم[۵] اول سجدہ حج[۶] ہیں ۔ فرقان[۷] ۔ نمل[۸] ۔ الم تنزیل[۹] ۔ ص[۱۰] ۔ حم سجدہ[۱۱] ۔ النجم[۱۲] ۔ اذا السماء انشقت[۱۳] اقرأ[۱۴] ۔ ہدایہ ۔ مضامین سجدہ کے لحاظ سے علماء کا سجدہ تلاوت میں اختلاف ہوا ہے ۔ امام ابو حنیفہ کا تو یہی قول ہے جسکو اوپر بیان کیا ۔ امام شافعی اور امام احمد سورہ حج میں اخیر سجدہ بھی مانتے ہیں اور سورہ ص میں نہیں مانتے ۔

ربط

اس کا پہلی سورہ سے ظاہر ہے دونوں میں قیامت کے واقعات اور مرنے کے بعد کے حالات مذکور ہیں ذرا تامل سے معلوم ہو سکتا ہی ۔ سب سے اول یہ بتلایا جاتا ہے کہ ایک وقت ایسا آنیوالا ہے کہ جسمیں اس جہان کا درہم برہم ہونا علم الٰہی میں ٹھہر چکا ہو تاکہ پھر ایک دوسرا جہان قائم کیا جائے

اور جو کچھ دنیا میں نیک و بد کیا تھا اسکی جزا و سزا دیجاوے گی اور اس نئے جہان کی ابتدا کب سے ہو آپ ہی فرماتا ہو اذا السماء انشقت جبکہ آسمان پھٹ جائے
اور یہ بات کچھ محال نہیں کس لئے کہ واذنت لربہا وہ اپنے رب کے حکم پر کان رکھے گا یعنی جو کچھ امر تکوینی اسکی نسبت صادر ہوگا اسکو وہ فوراً
قبول کرے گا فوراً آسمان پر وہی حالت طاری ہوجاویگی جو خدائے قادر ذوالجلال چاہیگا وحقت اور آسمان کو لائق بھی یہی ہے کہ وہ تعمیل حکم
کرے کس لئے کہ وہ ممکن ہے ہر وقت اپنے وجود اور بقا میں اسیکا محتاج ہے اور جب ممکن اور محتاج ہے تو اس کا وجود اور عدم دونوں اس
کے آگے یکساں ہیں جب چاہے نیست و نابود کردے ۔ ان آیات میں بہت سے اوہام باطلہ کا جنکو لوگوں نے مذہب بنا رکھا ہے ۔ ابطال
کردیا گیا بہت سے لوگ آسمان ہی کو انسانی سعادت و نحوست کا مالک و مختار جانتے تھے اسی لئے شعراء ناکامی کے وقت آسمان کو برا بھلا
کہا کرتے ہیں اور بہت سے اقوام اجرام سماویہ کو معبود جانتے تھے کوئی زہرہ کو کوئی آفتاب کو کوئی کسی اور ستارے کو اسی خیال سے پوجتا تھا
اانسے مدد مانگتا تھا ۔ فرقہ صابیہ اور اس کی شاخیں مجوس و ہنود ابتک ایسا کرتے ہیں اور عرب میں بھی یہی خیال تھا ان سب کے خیال کو باطل
کردیا کہ ایک روز آسمان پھٹ جاوے گا اور اس کے بعد ستارے بے نور ہوکر جھڑ پڑینگے یہ سب ہماری مخلوق اور حکم کے تابعدار ہیں یعنی
یہ مخلوق ہیں حادث ہیں فانی ہیں حکم بردار ہیں یہ اس عالم کی چیزیں ہیں ایک وقت معہود تک باقی ہیں پھر ہم ایک اس عالم سے وسیع عالم
پیدا کرینگے تو ان کو نیست و نابود کردینگے ۔ یہاں تک تو عالم علوی کی کیفیت بیان ہوتی اسکے بعد عالم سفلی کی حالت بیان فرماتا ہے واذا الارض
مدت اور جبکہ زمین پھیلائی جاوے یا بڑھائی جاوے زمین بالفعل گول کردی الشکل ہے جب حق سبحانہ اسکو بھی نیست کرنا چاہیگا تو یہ
چپٹی ہوجائیگی اس کی صورت جو محافظ تھی اس سے چھین لی جاوے گی اور عادتاً بھی یوں ہی ہے کہ کروی چیز ٹوٹتے وقت پھیلجاتی ہے ۔ یہ نفخ
صور اولی کے وقت کا حادثہ ہے ۔ جیساکہ آسمان کا پھٹنا بھی اسیوقت کا حادثہ ہوگا اور بعد میں تو نیا آسمان اور نئی زمین پیدا ہوگی کما قال
یوم تبدل الارض غیر الارض والسماوات
اور جب زمین کی یہ حالت ہوجاویگی تو والقت ما فیہا وتخلت تو جو کچھ اس کے اندر ہے اس کو باہر ڈالدے گی اور خالی ہوجاوے گی اور یہ
ظاہر ہے کس لئے کہ جب یہ درہم برہم ہوگی اور اسکی صورت و شکل بگڑ جاوے گی جس طرح کہ مرتے وقت ہر جاندار کی اور ڈھیتے
وقت مکانات کی بگڑتی ہے اور اسوقت اسکے اندر جو کچھ مخفی ہے جس سے مراد خزائن و دفائن زر و جواہر اور مردے ہیں جو اس میں دفن
ہوتے تھے یا جو کچھ اسکے رب نے اس میں ودیعت رکھا ہے وہ سب اوپر آپڑے گا ۔
اس میں اشارہ ہے کہ آج جن چیزوں کو عزیز از جان سمجھکر زمین کی تہ میں چھپاتے اور زمین کو اپنا خزانچی جانتے ہو ایک روز یہ سب کچھ باہر
آجاوے گا ۔ اور یہ بات کچھ محال نہیں کس لئے کہ واذنت لربہا کہ زمین بھی اپنے رب کے حکم کی طرف کان لگاوے گی یعنی مانے گی
اور کوئی وجہ سرتابی کی اسکو حاصل نہوگی وحقت اور ماننا بھی چاہیئے اسکو لائق بھی یہی ہے کہ حکم الٰہی مانے کیونکہ یہ بھی ممکن ہے اس کا
وجود اور عدم دونوں اسی کے ہاتھ میں ہیں جسکو چاہے بلند کرے جسکو چاہے پست ۔
ان حوادث کی نسبت اذا اذا کرکے یہ تو بیان فرمایا کہ جب ایسا ہوگا اور جب ایسا ہوگا مگر یہ نہیں فرمایا کہ جب یہ ہوگا تو کیا ہوگا یعنی اذا
شرطیہ کی جزا یا شرط کا جواب بیان نہیں فرمایا اسکو اہل زبان کے مذاق پر چھوڑ دیا کہ وہ خود سمجھ لیں گے کہ اسوقت ضرور
انسان کا یہ خیال غلط ثابت ہوجاوے گا کہ اسکو مرکر کسی دار جزا و سزا کیطرف جانا نہیں ہے اور اسی لئے بعد میں اسی مقصود
کی تصریح بھی کردی جسکو بعض نے جواب شرط سمجھ لیا ۔ فقال ۔

يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ۚ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۙ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ

اے آدمی تو تو کھٹا کھٹ اپنے رب کی طرف چلا جا رہا ہے پھر تو اس سے جا ملیگا — پھر جسکا نامہ اعمال اسکے دائیں ہاتھ میں دیا گیا — تو اس سے آسانی کے ساتھ

حِسَابًا يَّسِيْرًا ۙ وَّيَنْقَلِبُ اِلٰٓى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۭ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ وَرَاۗءَ ظَهْرِهٖ ۙ فَسَوْفَ

حساب لیا جاوے گا — اور وہ اپنے اہل وعیال میں خوش واپس آئے گا — اور جسکو نامہ اعمال پیٹھ پیچھے سے دیا گیا — تو وہ

يَدْعُوْا ثُبُوْرًا ۙ وَّيَصْلٰى سَعِيْرًا ۭ اِنَّهٗ كَانَ فِيْٓ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۭ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ ۚ

موت کو پڑا پکارے گا — اور دوزخ میں بسے گا — کیونکہ وہ تو اپنے گھر میں خوشیاں منایا کرتا تھا — اسنے سمجھ لیا تھا کہ پھر کر تو جانا ہی نہیں

مع
عند المتاخرین

بَلٰٓى ڔ اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا ۭ

کیوں نہیں اسکا رب تو اسے دیکھتا ہی رہتا ہے۔

ترکیب

انک الخ الجملۃ نداء۔ الکدح السعی فی الشئ بجہدہ۔ کدح۔ ورزیدن و کار کردن و کوشش نمودن۔ وروی خراشیدن یقال بہ کدح و کدوح اے خدوش وفی الحدیث فی وجہہ کدوح وہو یکدح بعیالہ اے یکسب لہم۔ از صراح۔ فاما من فیہ معنی الشرط فسوف جوابہ وینقلب معطوف علی یحاسب مسرورا حال وراء ظہرہ ظرف لاوتی لن یحور قال الراغب الاصفہانی الحور التردد فی الامر ومحاورۃ الکلام مراجعتہ والمحار المرجع الحور الرجوع یقال حار یحور اذا رجع ومنہ قولہ علیہ السلام اللہم انی اعوذ بک من الحور بعد الکور یعنی من الرجوع الی النقصان بعد الزیادۃ۔ بلی ایجاب للمنفی بلن اے بلی یحور۔ ان ربہ جواب قسم مقدر فالجملۃ تعلیل لما افادتہ بلی۔

تفسیر

فقال یا ایہا الانسان انک کادح الی ربک کدحا فملاقیہ۔ کدح کے معنی لغت میں حرکت کرنا اور کوشش کرنا ہے اس لحاظ سے مفسرین نے اسکے کئی معنی بیان فرمائے اور ہر ایک معنی کے لحاظ سے انسان سے بھی کبھی کافر مراد لیا ہے فرد ناقص سمجھکر اور کبھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرد کامل جانکر اور کبھی مطلقًا پس بعض[۱] نے یوں معنی بیان کئے ہیں کہ اے انسان یعنی نبی کریم تو ابلاغ رسالت میں اور ارشاد و تعلیم میں جو کوشش بلیغ اور سرگرمی کر رہا ہے ضرور تو اسکا بدلہ نیک پاوے گا تیری کوشش رائگاں نہ جاویگی۔ بعض[۲] نے کہا یہ معنی ہیں کہ اے کافر ابوجہل و ابی بن خلف تو جو طلب دنیا اور ابطال رسالت اور اصرار کفر پر کوشش کر رہا ہے اسکا بدلہ پاوے گا یہ تیرا کام تجھے ملیگا ایک دن ہیبتناک شکل میں تیرے سامنے آئے گا تیسرے[۳] یہ معنی کہ اے انسان (سب کی طرف خطاب ہے مومن ہو یا کافر نیک ہو یا بد) تو جو دنیا میں سرگرمی کر رہا ہے نیک حسنات میں بد فسق و فجور و طلب دنیا اور اسکے لذات و شہوات میں تجھے یہ تیری کوشش اور عمل کا نیک و بد پھل ضرور ملنا ہے یوں ہی عبث نہیں چھوڑا جائیگا۔ اس میں کمال درجہ کی تنبیہ ہے کہ جو کچھ کرو آنکھ بند کر کے نکرو تقلید آبائی و پابندی رسم و رواج میں اندھے بنکر نہ کرو سوچ بچار لو کہ کیا کر رہے ہو یہ جو تم کر رہے ہو ایک روز تمہارے سامنے آئیگا چوتھے[۴] معنی یہ ہیں اور وہ زیادہ ترجیحات ہیں کہ اے انسان سب کی طرف خطاب ہے تو یہ نہ سمجھ کہ میں سدا دنیا ہی میں رہونگا مجھے اپنے خدا پاس نہیں جانا ہے مر کر خاک ہو جاؤنگا یا اس میدان ناسوت میں تناسخ کے ذریعہ سے قوالب بدلتا رہونگا اس جہان میں ٹھوکریں کھاتا رہونگا یہ ہرگز نہیں بلکہ تو کھٹا کھٹ ہماری طرف چلا آ رہا ہے یہ رات اور دن تیری سواری کے دو پہیے ہیں یا تیرے سفر کرنے کے لئے دو پاؤں ہیں تو بے اختیار اس میدان وجود کو طے کر رہا ہے ایک دن حمل

میں تھا پھر باہر آیا لڑکا بنا رہا جوان ہوا بڈھا ہوا مرگیا۔ یہ حمل اور لڑکپن اور جوانی اور بڑھاپا تیرے اس تیز سفر کے منازل ہیں آخر ایک روز ہمارے پاس آئیگا مرنے کے بعد ہمارے سامنے کھڑا کیا جائیگا پھر تیرے نیک و بد اعمال تول تول کر تیرے پلے میں ڈالے جائیں گے فاما من اوتی کتابہ بیمینہ فسوف یحاسب حسابا یسیرا وینقلب الی اہلہ مسرورا پھر جسکا نامہ اعمال اسکے داہنے ہاتھ میں دیا گیا اور یہ نیک لوگ ہونگے یمین و یمن خیر و برکت کی طرف اشارہ کر رہا ہے اور اس ہاتھ میں نامہ اعمال دیا جانا اسکے لئے بشارت ہے کہ یہ اہل خیر میں سے ہے تو اسکے بعد جھٹ پٹ اس سے حساب آسان لیا جاویگا اور حساب آسان یہ ہے کہ اسکے زلات اور ان جرائم سے جسکے بعد اسنے توبہ و استغفار کیا اور نادم ہوا درگذر کیا جاویگا۔ اور در اصل یہ حساب نہیں بلکہ ایک ملاحظہ کرانا ہے کہ بندہ اپنے اعمال اور اسپر اس کے بیحد افضال کا اندازہ کرلے اسلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس سے حساب لیا گیا وہ تو ہلاک ہوا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ تو یوں فرماتا ہے فسوف یحاسب الخ یعنی یہ آیت پڑھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ حساب نہیں جو مومن سے آسانی سے لیا جاویگا یہ تو ایک ملاحظہ کرانا ہے اور جس سے حساب لیا جاویگا وہ تو ہلاک ہو جاویگا (رواہ البخاری و مسلم و غیرہما) اور اسلئے آنحضرتؐ بعض اوقات یہ دعا بھی مانگا کرتے تھے۔ امت کو تعلیم کرنیکے لئے اللہم حاسبنی حسابا یسیرا کہ اے اللہ مجھ سے حساب یسیر لینا (اخرجہ احمد) اور اس حساب یسیر سے فرصت پاکر وہ شخص اپنے گھر کیطرف جو پہلے سے جنت میں تیار کیا گیا ہے جہاں اسکے دنیاوی اقارب زن و فرزند اس سے پہلے گئے ہیں اور حور عین بھی ہے خوشی خوشی سے جاوے گا اور وہ گھر اسکو ایسا معلوم ہوگا کہ گویا وہیں رہا کرتا تھا اور اب لوٹ کر وہیں جاتا ہو لفظ ینقلب اسیطرف اشارہ کر رہا ہے اور یہ سچ ہے کس لئے کہ یہ دار آخرت کا گھر اسکے ان اعمال حسنہ اور محبت الٰہی کا تو مظہر ہے جو ہمیشہ اسکے پاس رہا کرتے تھے گویا انہیں رہا کرتا تھا۔

اس کے بعد بدوں کا حال بیان فرماتا ہے واما من اوتی کتابہ وراء ظہرہ اور جسکا نامہ اعمال اسکی پیٹھ کیطرف سے دیا گیا تھا کہ پہلے سے معلوم ہو کہ بد ہے اور آیات میں وراء ظہرہ کی جگہ بشمالہ کا لفظ آیا ہے مگر یہ ملزم زنجیروں میں کسا ہوگا مشکیں بندھی ہونگی ہاتھ پیٹھ کیطرف پیچھے بندھے ہونگے اس لئے پیٹھ کے پیچھے سے دنیا یہاں ذکر فرمایا تاکہ اسکی مشکیں بندھی ہونے کو بھی ثابت کرے اسلئے دونوں لفظوں میں کوئی تعارض نہیں تو وہ ہلاکی اور موت کو پکاریگا ہائے ہائے کرے گا اور کہے گا کہ موت آجاوے تو میں مرکر اس مصیبت سے بچ جاؤں پھر وہاں موت کہاں ویصلی سعیرا وہ تو دہکتی آگ میں ڈالا جاویگا وہیں پڑا جلا کریگا۔

اب اسکا سبب بھی بیان فرماتا ہے کہ وہ کیوں دہکتی آگ میں ڈالا جاویگا انہ کان فی اہلہ مسرورا کہ وہ اپنے گھر میں مگن تھا شہوات و لذات کے گھوڑوں پر سوار تھا آخرت کی کچھ فکر نہ تھی بلکہ سرے سے قائل ہی نہ تھا رات دن طلب مال و زر میں مصروف تھا حرام و حلال کی کچھ پروا نہ کرتا تھا شراب زنا ناچ تماشہ راگ رنگ میں مسرور رہتا اور اسکے سوا انہ ظن ان لن یحور وہ یہ بھی سمجھے ہوئے تھا کہ اللہ کے پاس جانا نہیں حساب دینا نہیں کوئی پوچھنے والا نہیں جو چاہو کرو یہ بھی معنی ہوسکتے ہیں کہ وہ اس خیال میں تھا کہ اس کی یہ حالت کبھی متغیر ہوگی ہمیشہ یوں ہی رہیگا یہ دو باتیں سبب ہیں اس کے آگ میں پڑنے کا اس کی وہ خوشی اور وہ اعتقاد کہ جس میں یہ پڑا ہوا تھا آج آتش جہنم بن گئی گویا یہ خود ہی جہنم میں پڑا ہوا تھا۔ بلیٰ ہاں ہاں اسکا یہ خیال غلط تھا کیونکہ ان ربہ کان بہ بصیرا اسکا رب تو اس کو دیکھا کرتا تھا کوئی حرکت و سکون اس کی نظر سے غائب نہ تھا۔

ف بلیٰ کا کلمہ نفی کا اثبات کرتا ہے یعنی وہ جو سمجھتا تھا کہ خدا کے پاس نہ جاؤنگا اسکے جواب میں ہے بلیٰ ہاں جاویگا۔ اور یہ کلمہ اول کلام سے بھی متصل ہے اور بعد سے بھی اس لئے اسپر وقف بھی درست ہے اور ملا کر بھی پڑھا جاتا ہے

فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ۙ وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ۙ وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ۙ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ؕ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۙ

پھر میں قسم کھاتا ہوں شفق کی اور رات اور اسکے چھا جانے کی بھی اور چاند کی جب وہ پورا ہو جائے کہ تمکو تو ایک منزل دوسری منزل پر چڑھنا ہوگا پھر انہیں ہوا کیا جو ایمان نہیں لاتے

وَاِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ ۚ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ ۙ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ ۙ

اور جب انکے روبرو قرآن پڑھا جاتا ہے تو سجدہ نہیں کرتے بلکہ منکر تو جھٹلا رہے ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ دل میں بھر رکھتے ہیں

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۙ

سو آپ ان کو عذاب الیم کا مژدہ سنا دیں مگر وہ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کئے ہیں انکو تو بے انتہا اجر ملے گا۔

ترکیب

فلا لا زائدۃ کما مر الشفق الحمرۃ التی تبدو بعد غروب الشمس وسمی شفقا لرقتہ ومنہ الشفقۃ علی الانسان وہی رقۃ القلب علیہ واللیل عطف علی الشفق وکذا ما وسق الوسق فی اللغۃ ضم الشئی بعضہ الی بعض یقال استوسقت الابل اذا اجتمعت ونضمت والراعی یسقہا ای یجمعہا ای جمع وضم ما کان منتشرا فی النہار لان اللیل اذا اقبل اوی کل شئی الی منزلہ قال قتادۃ والضحاک ومقاتل بن سلیمان ای ما حمل من الظلمۃ او من الکواکب وقال سعید بن جبیر ای ما عمل فیہ من التہجد والاستغفار والقمر معطوف علی اللیل اتسق ہو افتعل من الوسق وہو الجمع ای تکامل فی النور لترکبن جواب القسم لترکبن بفتح التاء وضم الباء صیغۃ جمع المذکر الحاضر من الرکوب وقری بفتح الباء خطاب للواحد وہو النبی صلے اللہ علیہ وسلم او کل فرد من افراد الانسان وقری لیرکبن بالتحتیۃ وضم الموحدۃ علی الاخبار طبقا منصوب علی انہ مفعول ترکبن عن طبق صفۃ بطبقا ای طبقا حاصلا عن طبق ای حالا عن حال واذا قری الجملۃ فی محل النصب علی الحال الا الذین استثناء منقطع او متصل۔

تفسیر

یعنے اگر تمہاری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ مرنے کے بعد جزا و سزا ہے اور تمہارے عقول متکدرہ کو وہاں تک رسائی نہیں تو ہمارے کہنے سے مان لو اور اگر اس طرح سے کہنے پر بھی اعتبار نہیں کرتے ہو تو فلا اقسم بالشفق میں ان تین چیزوں کی قسم کھاتا ہوں جو ہماری قدرت کاملہ کا پورا نمونہ اور تمہارے متبدل حالات کا کامل آئینہ ہے۔ اول شفق کی۔ شفق آفتاب غروب ہونے کے بعد کی سرخی کو کہتے ہیں۔ ذرات پر جو آفتاب کی شعاعیں پڑتی ہیں تو ایک سرخ رنگ آسمان کے کناروں پر نمودار ہوتا ہے طلوع کے وقت بھی اور غروب کے وقت بھی۔ اور چونکہ یہ رقیق ہوتی ہے اس لئے اسکو شفق کہتے ہیں۔ اور اسی لئے مہربان کو شفیق کہتے ہیں کہ اس کے دل میں اپنے دوست کی طرف سے رقت ہوتی ہے یعنے نرمی۔

ف جمہور کے نزدیک نماز مغرب کا وقت غروب آفتاب سے لیکر اس سرخی کے غائب ہونے تک رہتا ہے مگر امام ابو حنیفہ سے ایک روایت ہے کہ اس سرخی کے بعد سفیدی بھی شفق ہے اس تک مغرب کا وقت رہتا ہے اور جب یہ سفیدی جاتی رہے اور سیاہی اٹھ آوے تو عشا کا وقت آجاتا ہے جمہور کے نزدیک اس سفیدی کے وقت عشاء کا وقت آجاتا ہے مغرب کا وقت باقی نہیں رہتا

اس شفق کے وقت ایک درمیانی حالت رہتی ہے نہ تو پورا پورا دن ہی رہتا ہے نہ پوری رات ہی آجاتی ہے۔ اس شفق کی قسم کھانے میں انسان کو اسکے مرنے کے بعد سے لیکر حشر تک کے زمانہ کو یاد دلاتا ہے ایک پوری تشبیہ میں تصویر کھینچ دیتا ہے کس لئے کہ جب انسان کا آفتاب روح غروب ہو جاتا ہے یعنی اس جسم عنصری کو چھوڑ دیتا ہے تو اسوقت روح پر شفق کے وقت جیسی حالت طاری ہوتی ہے کسیقدر دن سا ہوتا ہے تو ایسا ہی روح پر کسیقدر ہنوز آثار زندگی باقی رہتے ہیں اپنے اقارب سے محبت و دنیاوی مالوفات کے ترک کا رنج۔ اسی لئے تھوڑے دنوں تک مردہ خواب میں بکثرت آتا اور پتے پتے کی باتیں جو دنیا میں اسکے متعلق تھیں بتا جاتا ہے۔ ایک بوڑھیا ماما کا انتقال ہو گیا بظاہر اس نے کچھ نہیں چھوڑا تھا۔ ایک رات ایک عورت کی خواب میں آکر کہا کہ میرے اتنے روپے اتنے پیسے میرے اس بوسیدہ تکیہ میں سئے ہوئے ہیں کہ جسکو تم نے گندہ جان کر کوڑے کی جگہ پھینک رکھا ہے صبحکو کھولا تو اسیقدر روپئے اور پیسے برآمد ہوئے۔ یہ معاملہ اور اس قسم کے اور صدہا واقعات کاتب الحروف کے سامنے کے ہیں۔ اور اسی لئے مردہ اسوقت اپنے تئیں زندہ سمجھتا اور کہتا ہے دعونی اصلی[1] کہ ذرا مجھے چھوڑ دو کہ نماز پڑھ لوں اور اپنے اس حال کی اپنے لوگوں کو خبر کر آؤں ارجع الی اہلی فاخبرہم[2] اور اسی لئے احیاء کی طرف سے صدقات و دعا کا زیادہ منتظر رہا کرتا ہے اسوقت رات کے آثار بھی نمودار ہوتے ہیں تو ایسا ہی میت پر بھی دوسری حالت طاری ہوتی ہے کہ اسکے نیک و بد اعمال کے آثار اس پر وہاں منکشف ہوتے ہیں۔ اور جوں جوں وقت زیادہ گزرتا جاتا ہے اتنا ہی دنیا سے تعلقات کا انقطاع ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ استغراق عظیم وہاں کی ان کیفیات کے مشاہدہ میں اسپر طاری ہوتا ہے جو اس کے نیک یا بد اعمال کا نتیجہ ہیں اور اس کے قویٰ مدرکہ و متصرفہ اس جہان سے بالکل منقطع ہو جاتے ہیں اور اس کے اور دنیا کے درمیان ایک پردا اندھیری رات جیسا حائل ہوتا جاتا ہے اسلئے اس کے بعد رات کی قسم کھاتا ہے واللیل وما وسق اور قسم ہے رات کی اور اس چیز کی کہ جسکو رات سمیٹے لیلے جمع کرے۔ دن کو لوگ اور حیوانات پھرا کرتے ہیں رات میں اپنے ٹھکانوں پر آجاتے ہیں گویا رات دن کے بچھڑے ہو دن کو جمع کر لیتی ہے اسلئے اس کا نام عشاق کے نزدیک جامع المتفرقین ہے اور ما کو مصدریہ بھی کہہ سکتے ہیں تب یہ معنی ہونگے کہ رات کے سمیٹنے کی قسم کہ بے اختیار سب سمٹے چلے آتے ہیں اشیاء بھی آفتاب کا نور بھی سمٹ جاتا ہے۔ یہ دوسری قسم تھی جسمیں رات کی اور رات میں سمٹنے والوں کی قسم تھی ان کا سمیٹنا بھی ایک شان ہے جو اس کی طرف رجوع کرنے کو اور موت کو یاد دلاتی ہے اور اسی لئے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم جب رات کو سوتے تو ایسی دعائیں پڑھتے جن میں مرنے کی طرف اور خدا کے پاس جانے کی طرف اشارہ ہوتا تھا اور لوگوں کو بھی اسکی تعلیم دیا کرتے تھے چنانچہ بخاری و مسلم نے روایت کی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم جو سونے کا قصد کرتے تو اپنا ہاتھ دائیں رخسارہ کے نیچے رکھکر یہ کہا کرتے تھے اللہم باسمک اموت واحیٰ کہ الٰہی تیرے ہی نام سے مرتا اور جیتا ہوں اور جب بیدار ہوتے تو یہ کہتے الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیہ النشور کہ سب تعریف اس اللہ کو ہے کہ جس نے مرنے کے بعد زندہ کر دیا اور اس کے پاس جا کر جمع ہونا ہے۔ اور صحیحین میں اس دعا کا پڑھنا بوقت خواب ثابت ہوا ہے اللہم اسلمت نفسی الیک و وجہت وجہی الیک والجأت ظہری الیک رغبۃ و رہبۃ الیک لا ملجأ و لا منجا منک الا الیک آمنت بکتابک الذی انزلت و نبیک الذی ارسلت بہر حال خواب و بیداری میں خصوصاً رات کے وقت منازل پر جمع ہونے اور سونے میں جسکو رات کے سمیٹنے سے تعبیر کیا اس کی قدرت کاملہ کا پورا نمونہ ہے کہ تھوڑی دیر پہلے تو دنیا آباد تھی

[1] رواہ ابن ماجہ ۱۲ منہ
[2] رواہ ترمذی ۱۲ منہ

اب ہے کہ سناٹا ہے موت کا نمونہ طاری ہے اسی لئے ایسے انقلابات پر اہل اللہ اس کی تسبیح وتہلیل اور یاد کرتے ہیں جو روح کے منور کرنے میں بڑا اثر رکھتا ہے اس کے بعد یعنی اس رات کے بعد پھر چاند روشن ہوگا وہ کیا قیامت برپا ہو کر ابدان کو ایک نئی زندگانی عطا ہوگی اس لئے اس تیسری قسم میں یہ تیسری حالت مذکور ہوتی ہے فقال والقمر اذا اتسق کہ قسم ہے چاند کی جبکہ اس کی روشنی پوری ہو جاوے تیرھویں چودھویں پندرہویں رات کا چاند۔ اس وقت حجاب دور ہو جاویں گے ہر ایک پر حقایق منکشف ہو جاویں گے نیکی بدی کا راز کھل جاوے گا۔ ان تینوں حالات کی قسم کھا کر فرماتا ہے لترکبن طبقا عن طبق کہ ضرور اے بنی آدم تمکو ایک سیڑھی پر دوسری سیڑھی کے بعد چڑھنا ہے یعنی ایک منزل کے بعد دوسری منزل طے کرنی پڑے گی پہلے ماں کے پیٹ میں رہنے کی ایک منزل تھی جب اسپر چڑھ چکے تو دوسری منزل پر چڑھے کہ پیدا ہوئے باہر آئے اب لڑکپن کی منزل پر چڑھے اسکو طے کرکے جوانی کی منزل پر چڑھے اسکے بعد بڑھاپے کی سیڑہی طے کی اس کے بعد موت کی اور عالم برزخ میں رہنے کی اس کے بعد حشر کی پھر حشر سے جنت یا دوزخ کی۔ تغیرات عالم خصوصاً انسان کا تغیر وتبدل بآواز بلند پکار پکار کے کہہ رہا ہو کہ انسان کہیں سے آیا ہے اور بے اختیار یہ مسافر کہیں جا رہا ہے جو کسی کے روکنے سے نہیں رکتا اور چونکہ ان حالات کا طے کرنا قطع مراحل وطے منازل سے مشابہ تھا اسلئے لفظ رکوب کو جسکے معنے سوار ہونا ہے استعمال کیا۔ اور چونکہ یہ حرکت صعودی ہے کہ اس خاکدان پست سے عالم بالا کی بلندی پر جانا ہے اس لئے ان حالات ومقامات کو طبقا عن طبق سے تعبیر فرمایا کس لئے کہ طبقا عن طبق تہ پر تہ کو کہتے ہیں جیسا کہ آسمان کے سات طبق اور بلند مکانات کے طبقات یعنی درجات عرف میں مستعمل ہیں اور یہ آیات گویا پہلی آیت یا ایہا الانسان انک کادح الی ربک کدحا فملاقیہ کی تفصیل وتشریح ہے۔

ف۔ طبق اسکو کہتے ہیں جو دوسرے سے مطابق ہو کہتے ہیں ما ہذا یطبق کذا اے لا یطابقہ ومنہ قیل للغطاء الطبق ثم قیل للحال المطابقۃ لغیرہا طبق ومنہ قولہ تعالی طبقا عن طبق اے حالا بعد حال کل واحدۃ مطابقۃ لاختہا فے الشدۃ والہول ویجوز ان یکون جمع طبقۃ وہی المرتبۃ من قولہم ہو علی طبقات (کبیر)

لترکبن کی مختلف قراتوں کی وجہ سے معنی بھی متعدد پیدا ہو سکتے ہیں صیغہ جمع مذکر حاضر کی صورت میں ایک تو یہی معنی ہیں جو پہلے بیان کئے دوسرے معنی یہ ہیں کہ اے لوگو تم قیامت کا انکار کیا کرتے ہو۔ ہم ان تین چیزوں کی قسم کھا کر کہ جو علویات میں تغیر وتبدل پیدا کرنے کے سبب ہماری قدرت وجبروت پر دلیل بین ہے یہ کہتے ہیں کہ وہ دن ہو کر ہی رہیگا اور اس روز شدائد واہوال پیش آوینگے اور ایک مصیبت کے بعد دوسری کا سامنا ہوگا تیسرے معنی یہ ہیں کہ دنیا کے لوگوں کا اس روز حال متبدل ہو جاوے گا بہت سے امیر فقیر ہو جاوینگے اور ذلیل عزیز ہو جاوینگے ؎ بسا امیر کہ آنجا اسیر خواہد شد ٭ بسا پیادہ کہ آنجا سوار خواہد بود ٭ خافضۃ رافعۃ چوتھے یہ کہ تم پہلوں کے طریقہ کو اختیار کروگے شبرا بشبر۔ یہ معنی یہاں مناسبت نہیں رکھتے اور جس نے لترکبن کو واحد مذکر حاضر کا صیغہ پڑھا ہے تب آیت کے معنی بلحاظ مخاطب کے بھی متعدد ہونگے اگر مخاطب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک بشارت ہے اعداء پر فتح وظفر پانے کی کہ اے محمد تو ایک حال پر مسلط ہو کر دوسرے حال پر مسلط ہوگا ایک فتح وظفر کے بعد دوسری پر متمکن ہوگا۔ یہ کفار جو آج تیری تکذیب

کرتے ہیں نادم ہونگے (۳) یہ کہ تجھ کو رفعت مرتبت نصیب ہوگی رفعت ظاہری معراج ہیں اور باطنی ترقی مراتب قرب ووصال ہیں ہر روز اور ہر آن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ قرب کے بعد دوسرے کو طے کرتے جاتے تھے جیسا کہ فرمایا ہے وللآخرۃ خیر لک من الاولی کہ پچھلی ساعت تیرے لئے ترقی قرب کے لحاظ سے اول ساعت سے بہتر ہے۔ واللہ اعلم باسرار کلامہ۔

چونکہ یہ تغیرات عالم اور خاص انسان کے تبدلات برہان ہیں اس بات پر کہ ضرور انسان کو کسی اور جگہ جانا اور اپنے کئے کا بدلا پانا ہے یہ ایسی بات ہے کہ ذرا غور کرنے سے بھی واضح ہو جاتی ہے اسلئے فرماتا ہے فمالہم لا یومنون کہ انہیں کیا ہو گیا جو ایمان نہیں لاتے اور آخرت کے لئے کوئی سامان نہیں کرتے مصیبت سر پر آنے والی ہے اس سے کسقدر غافل ہو کر دنیاوی مشاغل میں غرق ہیں۔

عاقل کو ذرا ذرا بھی کھٹکا ہوتا ہے تو اسکی تدبیر سے غافل نہیں رہتا۔ اور اس دار آخرت کے لئے ہادی ہے تو صرف قرآن ہے اور انکا قرآن سے یہ حال ہے واذا قرئ علیہم القرآن لا یسجدون کہ جب ان کو قرآن سنایا جاتا ہے آپ پڑھنا اور غور و تدبر کرنا تو کجا اس کے آگے نہیں جھکتے۔ یعنی اسکے پابند نہیں ہوتے بلکہ قہقہے اڑاتے ہیں یا یوں کہو کہ اسے سنکر نازل کرنے والے کے آگے اس شکریہ میں کہ اسنے ہمارے لئے ایسی کتاب نازل کی جو ہماری مشکلات دنیا و آخرت کی رہبر ہے سجدہ نہیں کرتے اور حق سبحانہ کی عبادت جو آخرت کا سرمایہ اور قرآن کی تعلیم کا اعلیٰ تر مقصود ہے ادا نہیں کرتے۔

ف جمہور علماء کے نزدیک اس آیت کے پڑھنے اور سننے والے کو سجدہ کرنا چاہئے کس لئے کہ یہاں سجدہ نہ کرنے والوں کی برائی مذکور ہے احادیث صحیحہ سے سجدہ کرنے کا ثبوت ہم شروع میں کر چکے ہیں۔ اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ سجدہ واجب ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ سجدہ کرنا تو کجا بل الذین کفروا یکذبون بلکہ منکر تو جھٹلاتے ہیں اور گو بعض زبان سے نہیں جھٹلاتے لیکن دل میں قائل نہیں واللہ اعلم بما یوعون اور اللہ خوب جانتا ہے جو ان کے دلوں میں مخفی ہے اسکی حب شہوات ولذات اور انکار آخرت کے متعلق انکے دلوں میں جو گندگی بھری پڑی ہے اور زبان سے بڑے لمبے چوڑے دعوے کرتے ہیں ان کو خدا خوب جانتا ہے۔

ف۔ اس میں ان ریاکاروں کی طرف تعریض ہے کہ زبان سے دعویٰ اسلام و محبت خدا و رسول اور دلمیں حب شہوات و لذات جب ان بدنصیبوں کی یہ حالت ہے تو اے نبی کریم فبشرہم بعذاب الیم ان کو مژدہ سنادے سخت عذاب کا۔ بشارت کا لفظ علیٰ سبیل تہکم و استہزاء استعمال کرنا عین بلاغت ہے اسلئے کہ وہ اپنی بت پرستی اور بیہودگی پر نتائج نیک کے امیدوار تھے کوئی شخص اس جہان میں فلاح نہیں پا سکتا الا الذین آمنوا وعملوا الصلحت مگر وہ جو ایمان لائے اور ایمان لانے کے بعد انہوں نے نیک کام بھی کئے لہم اجر انکے لئے اجر ہے انکے ایمان اور نیک کاموں کا نیک بدلہ ہے اور بدلہ بھی کیسا غیر ممنون بے انتہا اگرچہ ایمان و عمل محدود تھا کیونکہ عمر کا زمانہ بھی محدود ہے وہ کریم و رحیم اپنے فضل و کرم سے ابدالآباد تک کا بدلہ دیتا رہے گا جو غیر محدود ہے

(الٰہی ہمارا خاتمہ بالخیر کر آمین)

سورۂ بروج مکیہ ہے اسمیں بائیس آیات ہیں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الۡبُرُوۡجِ ۙ وَالۡیَوۡمِ الۡمَوۡعُوۡدِ ۙ وَشَاہِدٍ وَّمَشۡہُوۡدٍ ؕ قُتِلَ اَصۡحٰبُ الۡاُخۡدُوۡدِ ۙ النَّارِ

قسم ہے برجوں والے آسمان کی اور وعدے کے دن کی اور حاضر ہونیوالے کی اور جس پاس حاضر ہوں اسکی غارت ہوں آگ کے ایدھن بھرے ہوئے۔

ذَاتِ الۡوَقُوۡدِ ۙ اِذۡ ہُمۡ عَلَیۡہَا قُعُوۡدٌ ۙ وَّ ہُمۡ عَلٰی مَا یَفۡعَلُوۡنَ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ شُہُوۡدٌ ؕ وَ مَا نَقَمُوۡا

خندقوں والے جبکہ وہ ان کے کنارہ پر بیٹھے ہوئے ایمان داروں سے جو کچھ کر رہے تھے اسکو دیکھ رہے تھے اور ان سے

مِنۡہُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ یُّؤۡمِنُوۡا بِاللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَمِیۡدِ ۙ الَّذِیۡ لَہٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ

اسی کا تو بدلا لے رہے تھے کہ وہ اللہ زبردست خوبیوں والے پر ایمان لائے تھے اس پر کہ جس کے قبضہ میں آسمان اور زمین ہیں۔

وَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ شَہِیۡدٌ ؕ

اور اللہ کے سامنے ہر چیز ہے

ترکیب

والسماء الواو للقسم۔ ذات البروج صفۃ السماء والیوم موصوف الموعود صفتہ والمجموع معطوف علی السماء وکذا شاہد و مشہود و جواب القسم محذوف ای لتبعثن و نحوہ وقیل جوابہ قتل اصحاب الاخدود الخ وقیل جوابہ ان بطش ربک لشدید الاخدود جمع خد وہو الشق العظیم المستطیل فی الارض کالخندق ومنہ الخد لمجاری الدموع النار۔ قرء الجمہور بالجر علی انہا بدل اشتمال من الاخدود لان الاخدود مشتمل علیہا وقیل التقدیر ذی النار و قرء بالرفع علی انہا خبر مبتدء محذوف ای ہی النار ذات الوقود صفۃ النار بانہا نار عظیمۃ والوقود عند الجمہور بفتح الواو وقرئ بضمہا وہو الحطب اذ ہم ظرف لقتل ای لعنوا حین احرقوا بالنار قاعدین علی جوانبہا الذی الخ لغت لہ

تفسیر

یہ سورہ بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی ہے اسمیں بائیس آیات ہیں۔ ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عشاء میں والسماء ذات البروج والسماء والطارق پڑھا کرتے تھے۔ اخرجہ احمد۔ رات میں ستاروں کی کیفیت اس سورۃ کے معانی کو اور بھی ذہن نشین کر دیتی ہے۔
مناسبت اسکی پہلی سورۃ سے الفاظ و معانی میں ظاہر ہے کیونکہ اسمیں آسمانوں کا پھٹنا مذکور ابتدا میں تھا تو یہاں اسکے بروج کی صفت مذکور ہوئی تاکہ محل تجزیہ و تقسیم و انشقاق کا اظہار ہو۔ اور مضامین میں بھی اور مقطع میں بھی مناسبت تامہ ہے۔
سبب نزول اس سورہ کا یہ ہے کہ مکہ میں جبکہ آفتاب نبوت جلوہ گر ہوا اور صدیوں کے ظلمات کم ہونے شروع ہوئے تو قریش مکہ کو ناگوار گزرا کیونکہ انکے مالوف و مرغوب دستور کے خلاف تھا اسلئے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ستانا شروع

ہی کیا تھا مگر وہ جو غریب غربا مسلمان ہوئے تھے ان پر تو آفت ہی برپا کردی تھی۔ مارپیٹ گالی گلوج سے گذر کر دھوپ میں باندھ کر ڈالدینا اور پھر کوڑے برسانا۔ اور پیٹ میں نیزہ گھونپ دینا۔ عورتوں کو بے ستر کرکے ذلیل کرنا اپنے بت پرست مذہب کی حمایت سمجھ رکھی تھی غربا مسلمین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے آکر شکوہ کرتے آپ تسلی دیتے کہ تھوڑی دیر کی بات رہ گئی ہے ان کا یہ زور ڈھے جاوے گا یہ تمہارے آگے ذلیل و مقہور ہونگے یہ سنکر کفار قریش اور بھی تمسخر کرتے تھے اسلئے مسلمانوں کو تسلی دینے کے لئے اور متکبروں کو متنبہ کرنے کے لئے یہ سورہ نازل فرمائی۔

اور اس کے ابتدا ہی میں وہ کلمات ارشاد فرماتے جو خدا کی جبروت اور دنیا کا اس کے آگے مسخر ہونا اور دنیا میں انقلاب برپا ہونے کو بتا رہے ہیں۔ فقال والسماء ذات البروج کہ مجھکو قسم ہے آسمان برجوں والے کی۔ والیوم الموعود اور اس دن کی کہ جس کا وعدہ کیا گیا ہے وشاہد ومشہود اور حاضر ہونے والے کی اور جسکے پاس حاضر ہونگے اس کی بھی قسم ہے۔ ان تین چیزوں کی قسم کھا کر یہ فرمایا ان بطش ربک لشدید کہ تیرے رب کی گرفت بڑی سخت ہے جب کسی کو پکڑتا ہے۔ تو پھر اسکو کوئی چھڑا نہیں سکتا۔ جس قوم اور جس شخص کو پکڑتے ہیں تو پہلے اس کی عقل مار دیتے ہیں۔ اقبال لے لیتے ہیں لوگوں کی آنکھوں میں ہیبت و عزت باقی نہیں رہتی۔ شہوت پرستی اور جفا کاری پیشہ ہوجاتا ہے۔ کاہلی اور اسپر بدمزاجی اور غرور و نخوت اور جملہ بداخلاقی گھر کرلیتی ہے۔ خدا ترسی اور راستبازی کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہتا۔ دشمنوں کا غلبہ اور افلاس کو ترقی ہوتی جاتی ہے بے وقت موت و اعداء سے شکست مقاصد میں ناکامی پیش آنے لگتی ہے آخر کوئی ایسا زبردست انپر مسلط ہوتا ہے کہ کام ہی تمام کر دیتا ہے اور کبھی دفعتہً کوئی آسمانی بلا بھیجکر غارت کر دیتے ہیں زلزلہ اور ژالہ باری اور ہوا اور پانی کا طوفان بجلی اور وبا بھی اس کے آلات تیار رہتے ہیں یہانتک تو دنیا کی پکڑ تھی پھر آخرت میں تو مرنے کے بعد سے لیکر حشر تک اور حشر سے ابدالآباد تک جہنم اور دہکتی آگ اور طوفان اور طوق و زنجیر طیار ہے معاذاللہ من بطشہ اس اجمال بیان میں جس طرح کفار کو تنبیہ ہے اسی طرح مسلمانوں کو تسلی بھی ہے کہ وہ ہماری قدرت و قبضہ سے باہر نہیں مگر ان تینوں چیزوں میں کہ جنکی قسم کھائی ایک کو دوسرے سے نہایت ارتباط ہے۔ اسلئے ہم ان تینوں چیزوں کی تفسیر کرتے ہیں۔ اول برجوں والے آسمان سے کیا مراد ہے؟ اور پھر اس صفت کے ذکر کرنے سے کیا مقصد ہے جو آسمان کے وجود بلکہ جسم کے قائل ہیں اور یہ قدیم خیال ہے۔ اور صحیح بھی معلوم ہوتا ہے وہ کہتے ہیں کہ آسمان پر آفتاب کی گردش سے ایک دائرہ پیدا ہوتا ہے جسکو دائرۃ البروج کہتے ہیں جس کو آفتاب حرکت ذاتی سے برس بھر میں تمام کرتا ہے۔ اور جب اس دائرہ کو بارہ حصوں میں برابر تقسیم کیا جاوے تو ہر ایک حصہ برج ہے جیسا کہ خربزے کی پھانکیں اور ہر ایک پھانک کو برج کہا جاوے۔

یا یوں کہو کہ آفتاب کی حرکت سے اکثر آباد اور معتدل بلاد میں چار فصلیں پیدا ہوتی ہیں۔ ربیع[۱] وصیف[۲] خریف[۳] وشتا[۴] یعنے بہار[۱] گرمی[۲] خزاں[۳] جاڑا[۴] اصل دو فصلیں ہیں۔ جاڑا اور گرمی مگر جاڑے کے بعد جب گرمی آتی ہے تو دفعتہً نہیں آتی بلکہ ایک زمانہ بیچ میں حائل ہوتا ہے اور اسکو ربیع کہتے ہیں اور اسی طرح گرمی کے بعد سردی بھی دفعتہً نہیں آتی بلکہ درمیان میں ایک زمانہ دونوں سے ملتا جلتا ہوتا ہے اسکو خریف کہتے ہیں۔ یہ موسم ہندوستان

خدا کی پکڑ کا بیان

اول

میں برسات کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ یہ چار فصلیں ہوئیں۔ اور ہر ایک فصل کی تین حالت ہیں ابتدا[1]، انتہا[2]، اوسط[3] آفتاب کی حرکت جس سے یہ فصلیں پیدا ہوتی ہیں جمہور کے نزدیک آسمان پر ہے اس لئے آسمان کے باعتبار ہر ایک فصل کے چار حصے کئے اور ہر ایک حصہ کے تین تین۔ ہر حصہ کا نام برج ہوا اور جنکے نزدیک آسمان کا وجود نہیں وہ اس بعد اور فضا نیلگوں ہی کو آسمان کہتے ہیں ان کے نزدیک بھی اس آسمان کے بارہ حصے اسی لحاظ سے ہونگے۔ یا یوں[ؔ] کہو کہ رات کے وقت آسمان پر ستاروں کے اجتماع سے مختلف اشکال نمودار ہوتی ہیں آسمان کے ہر ایک حصہ کو ان اشکال کے لحاظ سے نامزد کیا۔ حمل[1]۔ ثور[2]۔ جوزا[3]۔ سرطان[4]۔ اسد[5]۔ سنبلہ[6]۔ ان چھ برجوں میں جب آفتاب آتا ہے تو گرمی ہوتی ہے۔ حمل سے لیکر سرطان تک بڑھاؤ ہوتا ہے اور دن بھی بڑھا کرتا ہے اور پھر گھٹنا شروع ہوتا ہے جس طرح حمل میں رات دن برابر ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح میزان میں بھی۔

اس کے بعد سردی شروع ہوتی ہے۔ اور اس کے برج یہ ہیں۔ میزان[1]۔ عقرب[2]۔ قوس[3]۔ جدی[4]۔ دلو[5]۔ حوت[6]۔

(حمل[ؔ] مینڈھے کا بچہ) چونکہ تیئس[۲۳] ستارون کے باہم ملنے سے مینڈھے کی شکل پیدا ہو گئی ہے جسکا مغرب کی طرف سر مشرق کی طرف دم ہے۔ ثور۔ بیل بتیس[۳۲] ستاروں کے ملنے سے بیل کی صورت نمودار ہو گئی ہے جسکا سر بجانب مشرق اور دُم بجانب مغرب ہے اور بھی اس کے ساتھ ستارے ہیں جنکو عین الثور کہتے ہیں اور ثریا بھی جو انگور کے خوشہ کیطرح ہیں۔ جوزا دو آدمی ملے ہوئے اٹھارہ ستاروں کے ملنے سے ایسی صورت پیدا ہو گئی ہے کہ گویا دو آدمی جڑے ہوئے ہیں۔ سرطان کیکڑہ فارسی میں اسکو خرچنگ کہتے ہیں۔ نو ستاروں کے ملنے سے یہ صورت بن گئی ہے۔ اسد شیر۔ ستائیس[۲۷] ستاروں کے ملنے سے یہ صورت پیدا ہو گئی ہے۔ اور زہرہ ستارہ بھی اس سے تعلق رکھتا ہے۔ سنبلہ خوشہ۔ یہ ایک عورت کے ہاتھ میں معلوم ہوتا ہے جس کا سر اسد کی دم کی طرف اور پاؤں میزان کیطرف و راس کے اس ہاتھ کے پاس کہ جسمیں خوشہ معلوم ہوتا ہے ایک ستارہ ہے کہ جسکو سماک اعزل کہتے ہیں۔ یہ شکل چھبیس[۲۶] ستاروں سے بنی ہے۔ میزان ترازو۔ یہ آٹھ ستاروں سے بنی ہے۔ عقرب بچھو۔ یہ شکل اکیس ستاروں سے بنی ہے۔ قوس کمان۔ یہ ایک ایسی شکل ہے کہ ایک آدمی کے ہاتھ میں کمان ہے جسمیں تیر لگا ہوا ہے یہ اکتیس[۳۱] ستاروں سے مرکب ہے۔ جدی بزغالہ بھیڑ کا چھوٹا بچہ اٹھائیس[۲۸] ستاروں سے مرکب ہے۔ سعد ذابح جو ایک ستارہ ہے وہ بھی اسی سے متعلق ہے۔ دلو ڈول ایک مرد کے ہاتھ میں ایک ڈول سا معلوم ہوتا ہے بیالیس[۴۲] ستاروں سے مرکب ہے۔ حوت مچھلی یہ دو مچھلیاں باہم ملی ہوئی معلوم ہوتی ہیں ایک کا منہ دوسرے کی دم کی طرف ہے۔ یہ چھبیس ستاروں سے مرکب ہے۔

ف۔ نزول قرآن مجید سے پہلے عرب بھی آسمان میں اس قسم کے برجوں کے قائل تھے اشعار جاہلیت سے اسکا پتہ ملتا ہے۔ قرآن مجید میں آسمان کو اس صفت سے ذکر کر کے قسم کھانا اس طرف اشارہ ہے انقلاب عالم ہمارے ہاتھ میں ہے

ف۱۔ یعنی در اصل آسمان پر برج و گنبد کچھ نہیں بلکہ اہل ہیئت و نجوم نے ستاروں کی رفتار و مقام سمجھنے کے لئے آسمان کے بارہ حصے مقرر کر لئے ہیں اور پھر ستاروں کے اجتماع سے جیسی شکل پیدا ہو گئی ہے اسکو اسی کے نام سے نامزد کر دیا ہے کہیں بیل کی شکل نمودار ہے تو اس حصہ کو برج ثور کہتے ہیں علیٰ ہذا القیاس ۱۲ منہ

ف۲۔ حمل بفتحتین برہ حملان بالضم جمعہ ۱۲ منہ ص

ہم موسموں کو بدلتے ہیں کفار قریش اس چند روزہ جاہ و حشم پر نازاں نہوں مقلب الاحوال ہم ہیں اور اسمیں ایمانداروں کو تسلی بھی ہے کہ چند روزہ مصیبت پر صبر کریں سدا ایک سے دن نہیں رہا کرتے۔

بروج کے معنی

ف۔ بروج کے معنی اور بھی علماء نے بیان کئے ہیں (۱) یہ کہ بروج سے مراد منازل قمر ہیں (۲) یہ کہ بروج بڑے بڑے ستاروں کو کہتے ہیں کیونکہ بروج کے لغوی معنی ظہور کے ہیں اور جو ستارے ظاہر اور روشن ہوں اسلئے انکو بروج کہتے ہیں۔ یہی ابن عباس و مجاہد و ضحاک و حسن و قتادہ و سدی کا قول ہے۔ اس تقدیر پر یہ معنی ہوئے کہ قسم آسمان روشن ستاروں والے کی۔ اور یہ معنی مذاق عرب العرباء سے زیادہ چسپاں ہیں۔ منہال بن عمرو کہتے ہیں اسکے معنی ہیں عمدہ پیدایش۔

یوم موعود کا بیان

دوسری بات والیوم الموعود کہ قسم ہے وعدہ کے دن کی۔ اس سے کیا مراد ہے؟ ابن ابی حاتم نے ایک حدیث نقل کی ہے جسمیں ہے کہ الیوم الموعود سے مراد قیامت کا دن ہے جس کا تمام انبیاء علیہم السلام کی معرفت سزا و جزا کے لئے وعدہ ہوتا چلا آیا ہے یا جو کچھ خدا نے اپنے نیک بندوں کے لئے دنیا میں فتح و ظفر آخرت میں بہشت وہاں کے نعیم کے وعدے کئے ہیں اور ان کے لئے ایک دن معین کر رکھا ہے۔ اس کی قسم کہاتا ہے جس سے اپنے وعدہ کا وثوق دلانا مقصود ہے۔ یہ ایک بڑا وسیع المعنی لفظ ہے جو ہر پہلو پر ایک نئے معنی کا افادہ کرتا ہے۔

حضرات اہل دل یوم موعود وصال کے دن کو کہتے ہیں جس دن حجاب اٹھ جاویں گے اور صاف صاف اپنے معبود و محبوب حقیقی کا دیدار دیکھیں گے اس دیدار کا انسے وعدہ ہے اسی یوم موعود کے سہارے توانکی زندگی ہے ؎

وعدے یہ ترے وصل کے اور ہجر کے صدمے ... مرنے نہیں دیتے مجھے جینے نہیں دیتے

ہر شخص کے لئے ہر قوم کے لئے جس طرح بحالی اور اقبال کا ایک دن مقرر ہے اسی طرح اسکی بربادی اور تنزل کا بھی ایک دن معین ہے جسمیں اشارہ ہے کہ دنیا کی ترقی اور اقبال اور اس کی جملہ شادمانی محدود ہے اور اسکی بقاء کا وقت مقرر ہے پھر اسکی فنا کا بھی ایک دن موعود ہے اسپر مغرور نہونا چاہئے اسی طرح دنیا کے تکالیف اور رنج و غم بھی سدا نہیں رہتے انکے لئے بھی ایک دن موعود ہے کہ پھر وہ نہ رہیں گے۔ اس لفظ میں جسطرح غمگین ایمانداروں کو تسلی ہے تو اسی طرح دنیا کے متوالوں نعیم و ناز کے بندوں اور مغروروں کو تہدید بھی ہے کہ خبردار کس بات پر ناز ہے اسکے زوال کا دن بھی موعود ہے۔

تیسری چیز کہ جس کی قسم کھائی گئی ہے وہ بھی ایک بڑی متبرک چیز ہے یعنی شاہد و مشہود اب شاہد سے کیا مراد ہے اور مشہود سے کیا لغت میں شاہد کے معنے سامنے ہونیوالے کے ہیں اور پاس آنے والے کے اور گواہی دینے والے کے یہ لفظ بھی بڑے وسیع المعنی ہیں اسلئے انکے معنی میں بھی علماء کے متعدد اقوال ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ شاہد جمعہ کا دن ہے کہ ہر شہر اور ہر مسجد میں آتا ہے اور مشہود عرفہ کا دن ہے کہ تمام بلاد و اطراف سے حاجی وہاں حاضر ہوتے ہیں اور در اصل وہ راز مکہ کے ایک خاص میدان سے تعلق رکھتا ہے جہاں دعاء قبول ہوتی ہے اور انوار و برکات کا فیضان ہوتا ہے چونکہ جمعہ ہر ہفتہ میں اور یوم عرفہ ہر سال میں آتا ہے اس لئے انکو نکرہ لایا گیا برخلاف قیامت کے دن کے کہ وہ ایک ہی ہے اس لئے اسکو معرفہ باللام لایا گیا والیوم الموعود فرمایا۔ اور اس قول کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ جسکو ترمذی و عبد بن حمید و ابن جریر و بیہقی وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا الیوم الموعود قیامت کا دن ہے اور مشہود عرفہ کا اور شاہد جمعہ کا جو سب دنوں سے

افضل ہے اس میں ایک ایسی ساعت بھی آتی ہے کہ اس میں جو کچھ بندہ مانگتا ہے اس کی دعا قبول ہوتی ہے اور جس سے پناہ مانگتا ہے اس سے پناہ پاتا ہے اور بعض مفسرین نے ہر ایک مجمع کو جو ذکر الٰہی اور دین کے لئے ہو مشہود اور جماعت کو شاہد بتایا ہے۔جسمیں عیدین و جمعہ و عرفہ بھی شامل ہے اور بعض نے شاہد و مشہود میں صرف گواہی کے معنے کا لحاظ کر کے کہا ہے کہ شاہد سے مراد حق سبحانہ بھی ہوسکتا ہے جیسا کہ خود اس نے فرمایا ہے وکفیٰ باللہ شہیداً۔اور نیز جملہ پیغمبر اور خاص آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی شاہد ہیں کیونکہ قیامت کو وہ گواہی دیں گے ان دونوں صورتوں میں مشہود توحید اور امت ہے اور نامۂ اعمال کے لکھنے والے فرشتے بھی شاہد ہیں اور مشہود علیہ بنی آدم اور انکے اعمال ہیں جیسا کہ ایک جگہ آیا ہے وجاءت کل نفس معہا سائق وشہید۔اور انسان کے اعضاء ہاتھ پاؤں وغیرہ بھی شاہد ہیں جیسا کہ فرمایا یوم تشہد علیہم السنتہم وایدیہم وارجلہم اور رات دن بھی شاہد ہیں یہ بھی انسان کے نیک و بد کاموں کی گواہی دیں گے۔اور نیز آسمان و زمین بھی شاہد ہیں یہ بھی گواہی دیں گے۔ اور نیز جمیع ممکنات بھی شاہد ہے ہر چیز اس کی ذات اور توحید پر گواہی دے رہی ہے۔کیا خوب کہا ہے کسی نے۔ففی کل شیئ لہ شاہد۔تدل علی انہ واحد۔صوفیہ کرام فرماتے ہیں کہ مقام جلا میں شاہد حق سبحانہ ہے اور مشہود خلق اور مقام استجلا میں شاہد خلق اور مشہود حق ہے۔

ایک اور توجیہ بھی اس مقام پر چسپاں ہے اور وہ یہ کہ شاہد بمعنے حاضر ہونے والے اور آنے والے کے لئے جاویں تو شاہد سے مراد فرشتے بھی ہوسکتے ہیں جو شام و صبح نامۂ اعمال لکھکر لے جاتے ہیں اور نامۂ اعمال لکھنے آتے ہیں خصوصاً صبح کی نماز میں قرآن پڑھتے وقت جیسا کہ خود قرآن میں وقرآن الفجر ان قرآن الفجر کان مشہوداً۔اور ممکن ہے کہ آنے والے دن کو جو مسلمانوں کی دنیاوی فتح و نصرت اور اعدائے دین پر غلبہ پانے کا دن ہے۔شاہد سے تعبیر کیا ہو اور اسکے ساتھ وہ برکات و فتوحات بھی مراد ہوں جو آنے والے تھے۔اور مشہود صحابہ اور ان کے پیرو کار جنکے پاس یہ برکات و فتوحات آئے۔اس تقدیر پر الیوم الموعود سے وہ دن مراد ہوسکتا ہے کہ جس کا وعدہ صحابہؓ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے جب کہ صحابہ مکہ میں کفار کی ناقابل برداشت ایذاؤں کی شکایت کرتے تھے۔گویا الیوم الموعود وہ فتح و نصرت کا دن ہے اور شاہد اس دن کے برکات و فتوحات اور مشہود سچے دیندار یہ توجیہ سورت کے شان نزول سے زیادہ تر چسپاں ہے۔واللہ اعلم بمرادہ۔

الغرض ان تین چیزوں کی قسم کھا کر کیا فرماتا ہے۔اس میں علماء کا اختلاف ہے۔بعض کہتے ہیں وہ بات جس پر قسم کھائی اور جسکو جواب قسم کہتے ہیں محذوف ہے۔اس وقت کے مخاطبین اپنے ذوق سلیم و طرز کلام سے خوب سمجھے تھے۔پھر کسی نے کہا وہ ایماندار دن کا دنیا و آخرت میں کامیاب ہونا اور منکروں کا برباد ہونا کسی نے اسی کے قریب قریب کچھ اور فرمایا بہر طور مدعا ایک ہی ہے۔اور یہ ٹھیک ہے کس لئے کہ محاورہ میں بعض اوقات قسم کھاتے ہیں اور وہ بات کہ جس پر قسم کھائی گئی ذکر نہیں کرتے کیونکہ اسکو مخاطب و متکلم خوب جانتے ہیں یا اس کے اخفا میں کوئی مصلحت ہوتی ہے۔

دیگر علماء فرماتے ہیں کہ وہ بات جس پر قسم کھائی گئی ہے اسی سورۃ میں مذکور ہے پھر بعض نے کہا وہ ان بطش ربک لشدید الخ ہے۔ اور بعض نے کہا یہ جملہ قتل اصحاب الاخدود النار ہے چونکہ کلام الٰہی سب معانی پر حاوی ہے ہر احتمال درست ہے فقال قتل اصحاب الاخدود النار (غارت ہوئے یا غارت ہو جاویں) دہکتی آگ سے خندقوں کے بھرنے والے ذات الوقود اور آگ بھی کیسی تھی ایندھن والی یعنے بہت تیز لمبے چوڑے گڑھے کھود کر ان میں لکڑیاں بھر دی تھیں اور آگ لگا دی تھی جب شعلہ مارنے لگی تو ایمانداروں کو اگر وہ ایمان سے باز نہیں آتے تھے تو اس دہکتی آگ میں پکڑ پکڑ کر ڈالتے تھے اذ ہم علیہا قعود اور خود ان خندقوں کے کناروں پر بیٹھے ہوئے وہم علٰی ما یفعلون بالمؤمنین شہود جو کچھ ایمانداروں سے کر رہے تھے اس کا تماشہ دیکھ رہے تھے ان کے تڑپنے اور جلنے پر خوب ٹھٹھے لگاتے تھے (اس تقدیر پر شہود بمعنی شاہد یہ ظالم اور مشہود وہ مظلوم ہیں) اور ایمانداروں کو یہ سزا کسی چوری ڈکیتی خون وغیرہ جرائم کے سبب سے نہ تھی بلکہ وما نقموا منہم الا ان یؤمنوا باللہ العزیز الحمید صرف اسی لئے اور اسی جرم میں یہ سزا دیجاتی تھی اور ان سے بدلہ لیا جا رہا تھا کہ وہ اللہ زبردست ستودہ صفات پر ایمان لائے تھے۔ یعنے ایمان لانا جرم قرار دیا گیا تھا۔ ؎

بلوح تربیت من یافتند از غیب تحریرے ۔۔۔ کہ ایں مقتول را جز بے گناہی نیست تقصیرے

اور ایمان بھی کس پر اللہ پر جو تمام مخلوق کا خالق و مالک ہے اور اسپر زبردست بھی ہے متکبروں اور گردن کشوں کو چاہیے تو دم بھر میں خاک میں ملا دے۔ اس بات کا بھی کچھ خیال نہ کیا۔ اور وہ حمید بھی ہے تمام خوبیاں اس میں ہیں از انجملہ عدل و انصاف رحم بھی ہے سو اس بات کا بھی خیال نہ کیا اور وہ ایسے ظلم و ستم پسند نہیں کرتا۔ اور یہ بھی نہیں کہ اس کے بندوں پر یہ ظلم ہو اسکو خبر نہو بلکہ واللہ علٰی کل شیء شہید کہ اللہ کے سامنے ہر چیز حاضر ہے کوئی چیز اس سے مخفی نہیں۔

اب دو باتیں قابل غور ہیں **اول** یہ کہ وہ اصحاب الاخدود کہ جنہوں نے آگ کی کھائیاں کھود دی تھیں ایمانداروں کو بجرم ایمان آگ میں ڈالا تھا کون لوگ تھے۔ کس ملک میں اور کس زمانہ میں تھے اور ان کا کیا مذہب تھا؟

اصحاب الاخدود کی تعیین

مقاتل نے کہا کہ یہ واقعہ تین جگہ ہوا ہے ایک نجران میں جو ملک یمن میں واقع ہے۔ اور ایک بار شام میں اور ایک بار فارس میں۔ یمن میں ذونواس نے کھائیاں کھدوا کر آگ سے بھر دی تھیں ان میں ایمانداروں کو ایمان کے جرم میں ڈالتا تھا۔ شام میں ابطاموس رومی نے ایسا ہی کیا تھا۔ فارس میں بخت نصر نے جس کے عہد میں دانیال علیہ السلام تھے۔ ابن المنذر و ابن ابی حاتم نے حضرت علی رضہ سے نقل کیا ہے کہ حبشہ میں بھی ایک بار یہ واقعہ گزرا ہے۔ ابن جریر نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ یہ واقعہ بنی اسرائیل میں گزرا ہے جبکہ ان میں بت پرستی کا رواج ہوا۔ اور انہوں نے خدا پرستوں کو ایمان سے روکنا چاہا تو خندقیں کھدوادیں۔ اور ان میں آگ جلادی اور بت کو کھڑا کر دیا اور حکم دیا کہ جو اسکو سجدہ نکرے اسکو آگ میں ڈالدیا جاوے مگر ان آیات میں ان میں سے کون سے واقعہ کی طرف اشارہ ہے؟ بامعان نظر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ ذونواس نے جو یمن میں کیا تھا اس کی طرف اشارہ ہے کس لئے کہ اس واقعہ کو عرب جانتے تھے اور اس کے دیکھنے والے بعض اشخاص آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد تک باقی تھے اور قریش کو اس واقعہ سے عبرت دلائی

گئی کہ وہ بھی اصحاب الاخدود کی طرح غریب ایمانداروں پر ظلم و ستم ڈھاتے تھے۔
مسلم نے اپنی صحیح کے اخیر میں اور اسی طرح نسائی نے اور امام احمد نے اور ترمذی نے صہیب رومی سے انہوں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے۔ ان نقول میں باہم کسیقدر الفاظ و مطالب میں کمی زیادتی ہے مگر ترمذی نے جو نقل کیا ہے ہم اسکا خلاصہ نقل کرتے ہیں کہ کوئی بادشاہ تھا اور اس کے ہاں ایک بوڑھا کاہن[1] تھا اس نے ایک روز بادشاہ سے کہا کہ میری عمر اخیر ہوئی آپ کسی ذہین و فطین لڑکے کو میرے حوالے فرمایئے کہ میں اسکو اپنا یہ علم سکھا جاؤں تب ایک ہوشیار لڑکے کو متعین کیا وہ اس کاہن کے پاس آیا جایا کرتا تھا اور رستہ میں ایک راہب[2] اپنے صومعہ میں رہا کرتا تھا اسمعر راوی کہتا ہے کہ اس عہد تک راہب لوگ اصلی دین پر قائم تھے) لڑکا راہب سے بھی ملنے لگا راہب نے اسکو دین حق اور توحید کی تعلیم کرنی شروع کی اور لڑکا ایمان لے آیا کاہن کے پاس آنے میں دیر ہونے لگی تو اسکے گھر والوں سے کہلا بھیجا کہ یہ کہاں رہا کرتا ہے میرے پاس کم آتا ہے گھر والوں نے ادھر کاہن نے اس بات پر اسکو مار پیٹ شروع کی ایک روز رستہ رکا ہوا تھا کسی مہلک جانور نے روک رکھا تھا بعض خیال کرتے ہیں کہ وہ شیر تھا بعض کہتے ہیں سانپ تھا اور لوگ کھڑے تھے تب اس لڑکے نے ایک پتھر اٹھا کر یہ کہا کہ الٰہی اگر راہب[2] کی بات حق ہے تو میں سوال کرتا ہوں کہ اس پتھر سے یہ موذی مرجائے یہ کہکر اسنے پتھر پھینکا جس سے وہ موذی جانور مرگیا لوگوں میں چرچا ہوا اور لڑکے کی بڑی تعریف ہونے لگی یہ شہرہ سنکر ایک اندھا بھی لڑکے کے پاس آیا اور کہا اگر تو میری آنکھیں اچھی کردے تو میں تجھے یہ کچھ دوں وہ اندھا بادشاہ کا مصاحب تھا لڑکے نے کہا مجھے کچھ نہیں چاہئے صرف یہ کہ جو تجھے بینائی دے تو تو اسپر ایمان لا اس نے کہا بہت اچھا لڑکے نے دعا کی تو اسکی آنکھیں روشن ہوگئیں۔ یہ خبر بادشاہ کو پہونچی جو بت پرست تھا اس نے ان سبکو بلایا اور اس اندھے اور راہب کو آرے سے چروادیا اور لڑکے کی نسبت حکم دیا کہ اسکو فلاں پہاڑ کی چوٹی سے گرادو۔ جب شاہی لوگ اسکو اوپر لے گئے تو وہ خود گر کر مرگئے اور لڑکا بچ رہا۔ پھر بادشاہ نے حکم دیا کہ اسکو کشتی میں سوار کرکے دریا میں لیجا کر غرق کردو وہاں بھی شاہی لوگ ڈوب گئے اور لڑکا سلامت نکل آیا تب لڑکے نے بادشاہ سے کہا آپ مجھے کبھی نہیں مار سکیں گے مگر اس تدبیر سے کہ مجھے سولی پر چڑھادو اور یہ کہکر کہ باسم رب ہذا الغلام (اس لڑکے کے رب کے نام سے) میرے تیر مارو۔ بادشاہ نے ایسا ہی کیا لڑکا مرگیا اسکی کنپٹیوں میں تیر لگا اور مرتے وقت اسنے انپر ہاتھ دھر لیا۔ بادشاہ سے لوگوں نے عرض کیا کہ آپ نے ان تین شخصوں کو تو ہلاک کیا جو آپ کے مذہب کے برخلاف تھے مگر اب تو سب لوگ آپ کے دین کے مخالف ہوگئے (لڑکے کے رب پر ایمان لے آئے) تب بادشاہ نے حکم دیا کہ خندقیں کھودو اور انمیں لکڑیاں بھر کر آگ لگادو اور لوگوں کو حکم دیا کہ حاضر ہوں اور کہا جو اپنے اس دین سے نہ پھرے تو اسکو آگ میں ڈالتے جاؤ تب بادشاہی لوگوں نے ایمانداروں کو آگ میں ڈالنا شروع کردیا۔ اسی واقعہ کا خدا تعالیٰ اس آیت میں ذکر کرتا ہے قتل اصحاب الاخدود النار یہانتک کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے العزیز الحمید تک آیت پڑہی مذکور ہے کہ وہ لڑکا دفن کیا گیا اور حضرت عمر بن الخطاب رضی کے

---

[1] کاہن جادوگر ۱۲ [2] راہب خدا پرست ۱۲ [3] راہب سے مرادیہی فیمون ہے۔ اور بادشاہ سے مراد ذو نواس ہوسکتا ہے یا نجران کا حاکم۔ مگر احادیث میں راویوں سے اصل قصہ میں فروگذاشت ہوگئی کس لئے کہ بعض روایت میں یہ بھی ہے کہ وہ نجران کا بادشاہ ایمان لے آیا اس نے قتل نہیں کیا بلکہ دوسرے بادشاہ نے جو ذو نواس ہے ۱۲ منہ

زمانہ میں اس کی لاش برآمد ہوئی تو اس کی کنپٹیوں پر اسی طرح ہاتھ دھرے ہوئے تھے اور خون بہ رہا تھا۔ محمد بن اسحاق بن یسار اسلامی مورخ نے اسی واقعہ کو اور بھی تفصیل سے نقل کیا ہے مگر اس پہلی نقل میں اور اس کے بیان میں کسیقدر مخالفت ہے وہ کہتا ہے کہ یہ شہر نجران کا واقعہ ہے اور اس کے لڑکے کا نام عبداللہ بن تامر تھا۔ اور راہب کو کہا ہے کہ وہ عیسوی دین پر تھا۔ اور کہا یاں آکر ذونواس بادشاہ یمن نے کھدوائی تھی اور اسی نے آکر جبکہ یہ دیکھا کہ اکثر اہل نجران عیسائی ہوگئے تب یہ حرکت کی تھی اور عبداللہ بن تامر کو اسی نے قتل کیا تھا۔ اس حادثہ میں تخمیناً بیس ہزار آدمیوں کو اس ظالم نے قتل کیا تھا۔

ذونواس کا تذکرہ

(اب ہم کسیقدر اس ذونواس کا حال بیان کرتے ہیں)

واضح ہو کہ ملک یمن میں قوم حمیر کا اخیر بادشاہ اسعد تھا اسکو تبع اخیر بھی کہتے تھے۔ یہ بادشاہ نوشیروان عادل کے عہد کے قریب تھا یا ہم عہد تھا۔ اس نے تسخیر بلاد کا اپنے بزرگوں کے طور پر قصد کیا۔ حجاز اور بالخصوص مکہ سے سفر کرتا ہوا مدینہ پہونچا مدینہ کے آس پاس قوم یہود کی چند بستیاں آباد تھیں۔ یہ لوگ بخت نصر کے حادثہ سے یا اسکے بعد دیگر حوادث سے اس ملک میں آرہے تھے فدک، خیبر، قریظہ، نضیر، وادی القری، ینبوع وغیرہ اسی قوم کی بستیاں تھیں صرف یہی لوگ توریت اور دین موسیٰ علیہ السلام کے متبع تھے ورنہ سب عرب بت پرست تھے مدینہ کا گرد نواح اس بادشاہ کو بہت پسند آیا مدینہ کا سردار ان دنوں عمرو بن طیان بنی خزرج میں سے تھا۔ یہ بادشاہ جس پاس بیشمار لشکر تھا مدینہ پر غالب آیا اور عمرو کی جگہ اپنے بیٹے کو سردار کر کے شام کی طرف کوچ کر گیا جب دور چلا گیا تو بعد میں اہل مدینہ نے اسکے بیٹے کو قتل کر ڈالا اس نے اس خبر کو سنکر ارادہ کیا کہ واپسی میں اس شہر کے مردوزن کو تہ تیغ کرونگا چنانچہ جب یہ لوٹتا ہوا آیا تو مدینہ کا محاصرہ کیا بہت دنوں محاصرہ رہا مگر شہر فتح نہو سکا اس عرصہ میں بنی قریظہ کے دو تین عالم یہودی اس کے پاس آئے جنمیں سے ایک کا نام کعب اور ایک کا اسید تھا انہوں نے کہا اے بادشاہ آپ اس شہر کو برباد نہ کر سکیں گے لوٹ جاتے اس نے پوچھا کس لئے عرض کیا کہ اس شہر کو خدا نے اپنے ایک اخیر نبی کے لئے مخصوص کر رکھا ہے جو قریش مکہ میں سے برپا ہوگا اور جب مکہ کے لوگ اس پر ظلم کریں گے تو اس شہر میں آکر رہیگا یہیں اس کی قبر ہوگی یہ خبر ہماری توریت میں ہے بادشاہ نے پوچھا توریت کیا ہے انہوں نے آگاہ کیا اور دین موسوی کے فضائل بیان کئے تب یہ بت پرست بادشاہ مذہب یہودی میں داخل ہوگیا اور ان دونوں عالموں کو یمن میں ہمراہ لے گیا اور وہاں اس مذہب کو رواج دیا پھر یہ بادشاہ مرگیا اور اس نے تین بیٹے چھوڑے حسان، عمرو، زرعہ۔ یہ کم سن لڑکے تھے اسلئے بنی لخم میں سے ایک شخص ربیعہ بن نصر اٹھ کھڑا ہوا اور سلطنت کا مالک ہوگیا اسی ربیعہ نے ایک خواب دیکھا تھا جسکی تعبیر کے لئے سطیح اور شق دو کاہنوں کو بلایا انہوں نے از خود بادشاہ کا خواب بیان کر دیا کہ آپ نے یہ دیکھا ہے کہ ایک سیاہی جہاں میں پھیل گئی اور اس سیاہی میں سے ایک کوئیلا نکل کر زمین پر گرا اور آگ ہوگیا اور لوگوں کو جلا دیا بادشاہ نے کہا تو نے درست کہا اب اسکی تعبیر کیا ہے اس نے کہا ملک حبش سے ایک بادشاہ اٹھے گا اور تیرا ملک لے لیگا اور دین یہودی سے لوگوں کو برگشتہ کریگا۔ اور حبشیوں کا زور یمن پر ہو جاویگا بادشاہ نے پوچھا اے سطیح اس کے بعد کیا ہوگا اس نے کہا ایک شخص اٹھے گا جس کا نام سیف بن ذی یزن ہوگا

اور حبشیوں سے ملک چھین لیگا پھر سیف مارا جاوے گا اور عرب سے ایک پیغمبر پیدا ہوگا اور اس کا دین لوگ قبول کریں گے اور قیامت تک باقی رہے گا۔ اس خواب کے اندیشہ سے ربیعہ نے اپنے لوگوں کو حیرہ میں بھیجدیا تھا جنہیں سے منذر بن نعمان بھی تھا جو نوشیرواں کا تابع تھا اور اسکی سلطنت بصرہ کوفہ اور عراق اور کچھ شام اور نواحی عرب میں تھی۔

ربیعہ چند سال سلطنت کرکے مرگیا لوگوں نے پھر تبع کے بیٹے حسان کو بادشاہ بنایا اس نے حجاز اور شام پر چڑہائی کی اور یمن میں اپنے بھائی عمرو کو چھوڑ گیا تھا جب وہ موصل میں پہونچا تو لوگوں نے عمرو کو بادشاہ بنالیا اور اسنے اپنے بھائی حسان کو قتل کر ڈالا جس کے بعد وہ دیوانہ ہوکر مرگیا اس عرصہ میں ایک شخص جو خاندان سلطنت سے نہ تھا کھڑا ہوا اور یمن کا بادشاہ بن بیٹھا اسکا نام خیف بن عالم تھا وہ بڑا ظالم اور بدکار تھا لڑکوں سے بدفعلی کیا کرتا تھا جو نئی دلہن ہوتی تھی پہلے ایک رات وہ رکھا کرتا تھا زرعہ جو تبع کا چھوٹا بیٹا باقی رہ گیا تھا وہ نہایت حسین تھا اسکو بھی اس نے اس ارادہ سے بلایا اس نے تنہا پاکر اس ناپاک کو مار ڈالا اور لوگوں نے مستحق تاج و تخت سمجھکر زرعہ ہی کو یمن کا بادشاہ بنالیا

ادھر نجران میں شام سے ایک شخص حضرت مسیح علیہ السلام کے حواریوں کی ذریت میں سے آیا جسکا نام فیمون تھا۔ اور نجران میں عرب کا قبیلہ بنی ثعلبہ تھا اور وہاں ایک کھجور کا پیڑ تھا جسکو یہ لوگ پوجا کرتے تھے اور اس کے آگے قربانی کرتے تھے فیمون مرد باخدا تھا رات بھر عبادت کیا کرتا تھا اور دن کو مزدوری اور آج اس گاؤں میں ہے تو کل دوسرے میں اسی طرح قیام کیا کرتا تھا جب لوگوں نے اس کی کرامات دیکھی تو اسکی طرف متوجہ ہوگئے اور کہا اگر تو ہمارے بتوں پر غالب آگیا تو ہم تیرا دین اختیار کرلیں گے فیمون کی دعا سے انکے بت گر پڑے لوگوں نے دین عیسوی اختیار کرلیا اور فیمون وہاں انجیل کی تعلیم کرنے لگے وہاں کے سردار تامر کا بیٹا عبداللہ بھی فیمون کا شاگرد رشید اور بڑا بزرگ اٹھا اب نجران کے لوگوں نے بجز عیسوی دین کے اور کسی مذہب کو باقی نہ چھوڑا جو ان کا دین قبول نہ کرتا تھا قتل کیا جاتا تھا۔ ایک یہودی نجران میں گیا اور جاکر اسنے یہ سب کیفیت ملاحظہ کی اور زرعہ کو خبر کی۔ اور یہ زرعہ ذونواس بھی کہلاتا تھا یہ سنکر ذونواس پچاس ہزار لشکر لے کر نجران پر چڑھ گیا۔ اور عیسائیوں کا عبادت خانہ ملا جلا دیا اور کھائیاں کھدوا کر ان میں آگ جلوائی اور حکم دیا کہ جو دین عیسوی سے برگشتہ نہو اسکو اس میں ڈالدو اس لئے لوگوں کو آگ میں ڈالنا شروع کیا اور عبداللہ بن تامر کو بھی قتل کیا۔ یہ ہیں وہ اصحاب الاخدود جن پر خدا تعالے نے قرآن مجید میں لعنت کراہی بقولہ قتل اصحاب الاخدود والنار ذات الوقود اذ ہم علیہا قعود۔ اور یہ ظلم و ستم کرکے ذونواس یمن میں واپس آیا (بعض کہتے ہیں ذونواس زرعہ نہ تھا بلکہ اسکا سپہ سالار تھا) اس حادثہ کے بعد نجران کے لوگوں میں سے ایک شخص جلی ہوئی انجیل لیکر قیصر روم پاس جو وہ بھی عیسائی تھا فریادی گیا قیصر یہ ماجرا سنکر سخت ناراض ہوا اور رویا اور کہا میرے لشکر کا پہونچنا مشکل ہے میں حبش کے بادشاہ نجاشی کو لکھتا ہوں کہ وہ بھی عیسائی ہے اور یمن سے قریب ہے وہ تمہاری مدد کریگا چنانچہ قیصر کے نامہ کے ساتھ یہ شخص حبش میں آیا وہاں کا بادشاہ یہ حال سنکر بہت رویا تب شاہ حبش نے ستر ہزار بہادر سپاہ تیار کی اور اسکا سپہ سالار رباطہ کو کیا حبش اور یمن کے درمیان چھوٹا سا ٹکڑا سمندر کا ہے یہ لشکر ہوائی جہازوں پر سوار ہوکر یمن میں حضرموت کے مقام پر اتر پڑا۔ ذونواس نے ایک حیلہ کیا کہ رباطہ کو

نامہ لکھا کہ شاہ نجاشی کو مجھ سے عداوت نہیں اس لئے میں بھی لڑنا نہیں چاہتا آپ کو میں خزانوں کی کنجیاں دئے دیتا ہوں پھر آپ مجھے یا اپنے پاس رکھئے یا نجاشی کے پاس بھیجدیجئے۔ رباطہ نے کہا میں نجاشی کو مطلع کرتا ہوں جو وہ حکم دے گا آپ کو مطلع کرونگا اس لئے نجاشی کو سب حال لکھا نجاشی نے خوش ہوکر حکم دیا کہ خزانے اس سے لے لو اور اسکو میرے پاس بھیجدو۔ اس بات کی ذونواس کو خبر دی ذونواس نے اونٹوں پر کنجیاں لادکر رباطہ کے پاس بھیجدیں اور پھر شہر صنعا میں رباطہ کو لے آیا اور جو کچھ تھا اس کے حوالے کیا اور یہ بھی کہا کہ اور صوبجات میں بھی میرے خزانچی اور خزانے ہیں اور آپ جہاں جہاں میں کہوں ضبط اموال کے لئے لشکر روزانہ کیجئے رباطہ نے ایسا ہی کیا اور تمام لشکر ملک یمن میں منتشر کردیا اور در پردہ لوگوں کو لکھ بھیجا کہ ہر جگہ ان پر حملہ کردو چنانچہ ایسا ہی ہوا اور حبشی لشکر جا بجا مارا گیا رباطہ کو جب یہ خبر ملی تو صنعاء سے بھاگ کر حضر موت میں آیا اور کشتی میں آبیٹھا اور نجاشی کو اس حال سے مطلع کیا نجاشی نے ایک لاکھ پیادہ اور سوار کا دوسرا لشکر مرتب کیا اور انکا افسر ابرہہ بن صباح کو کیا جو شاہی خاندان سے تھا اور جسکو عرب ابرہ الاشرم بھی کہتے تھے اور اشرم نکٹے کو کہتے ہیں۔ جب ذونواس نے دیکھا کہ ایکے بار بڑا لشکر آیا اور کوئی تدبیر پیش نہیں چلتی تو گھوڑے پر چڑھکر سمندر میں گھس گیا یہ گھوڑا تیرا کرتا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد گھوڑا اور سوار دونوں ڈوب گئے۔ ابرہہ نے آکر تمام ملک اور صنعاء کی بیش بہا چیزوں پر قبضہ کرلیا اور حکم دیا کہ جو دین عیسوی اختیار نہ کریگا قتل کیا جاویگا چنانچہ جس نے ذرا بھی انکار کیا گردن ماردی گئی۔ نجاشی کو ابرہہ کے تحائف و نذرانہ و فتوحات نہ بھیجنے سے گمان ہوا کہ خودسر ہوگیا۔ اسلئے چار ہزار لشکر دیکر رباطہ کو بھیجا کہ ابرہہ کو معزول کرکے میرے پاس بھیج اور تو میری طرف سے وہاں کا حاکم ہوکر رہ۔ جب رباطہ آیا اور ابرہہ سے کہا تو ابرہہ نے کہا اگر میں سب چیزیں تیرے سپرد نہ کروں تو تو کیا کرے گا رباطہ نے کہا جنگ کرونگا ابرہہ نے کہا آؤ تو میں اور تو ہی کیوں نہ لڑیں فوج کو کیوں تلف کریں فوج سے نکلکر دونوں میدان میں آئے ادہر ابرہہ نے اپنا ایک غلام چھپا رکھا تھا رباطہ نے ابرہہ کے سر پر تلوار ماری چونکہ یہ لوہے کا خود پہنے ہوئے تھا سر تو نہ کٹا مگر ناک اڑگئی اسلئے اسکو اشرم کہنے لگے ادہر غلام نے رباط پر یکا یک حربہ کیا اور ایک ہی وار میں کام تمام کردیا باقی رباطہ کے لوگ کچھ مارے گئے کچھ بھاگتے دریا میں ڈوبے کچھ کشتیوں میں سوار ہوکر نجاشی پاس آئے اور سب حال سے مطلع کیا نجاشی نے قسم کھائی کہ میں جبتک ابرہہ کو قتل نہ کرلونگا خاموش نہ رہونگا ابرہہ کو بھی خبر لگی اسنے ایک عرضی میں عذر لکھا اور کہا کہ رباطہ نے مجھپر زیادتی کی تھی میرے غلام نے اسکو مارڈالا میں آپ کا فرمانبردار ہوں اور عرضی کیسا تھ بہت کچھ تحائف بھی بھیجے نجاشی نے عذر قبول کرکے ابرہہ کو ہی یمن کا حاکم رہنے دیا۔ یہ وہی ابرہہ ہے جو بہت سے ہاتھی لیکر کعبہ ڈھانے آیا اور اسکا لشکر اور یہ قہر الٰہی میں مبتلا ہوا جس کا ذکر سورہ الم ترکیف کی تفسیر میں آویگا (ملخص از تاریخ طبری) اس تاریخ کے مطابق عبداللہ بن تامر کو ذونواس نے قتل کیا تھا اور واضح ہو کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک دین عیسوی کی پابندی فرض تھی یہ اور بات ہے کہ اس دین میں عیسائیوں نے صدہا بدعات ملاکر اس کی اصلی صورت بگاڑدی تھی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِیْقِ ؕ

بیشک جنہوں نے ایماندار مردوں اور ایماندار عورتوں کو ستایا پھر اس سے باز نہ آئے تو انکے لیے جہنم کا عذاب ہے اور انکے لئے جلانے والا عذاب ہے

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ۬ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِیْرُ ؕ اِنَّ

بیشک جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کئے انکے لئے باغ ہیں کہ جن کے تلے پڑی نہریں بہ رہی ہونگی یہ ہے بڑی کامیابی بے شک

بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِیْدٌ ؕ اِنَّهٗ هُوَ یُبْدِئُ وَیُعِیْدُ ۚ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ۙ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِیْدُ ۙ

تیرے رب کی پکڑ بھی سخت ہے۔ وہ تو اول بار پیدا کرتا ہے اور دوبارہ بھی زندہ کریگا اور وہی بخشنے والا پیار کرنے والا تخت والا بڑی شان والا ہے

فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ؕ

جو چاہتا ہے کر ہی ڈالتا ہے

ترکیب

فلہم الخ الجملۃ خبران ولہم الجملۃ الثانیۃ معطوفۃ علیہا۔ الذین آمنوا الخ اسم ان لہم جنات الجملۃ خبرہا تجری الخ صفۃ جنات المجید قرء الجمہور بالرفع علی انہ نعت لذو وقری بالکسر علی انہ نعت للعرش ومجدہ علوہ وعظمہ۔ وقیل ہو نعت لربک وقال مکی ہو خبر بعد خبر فعال مرفوع علی انہ خبر مبتدء محذوف وقال الفراء مرفوع علی التکریر والاستیناف وقیل مرفوع علی الاتباع۔

تفسیر

کفار قریش کو اصحاب الاخدود کا مآل کار سنا کر کہ ان پر لعنت پڑی دنیا میں بھی برباد ہوئے تخت بخت سب جاتا رہا ذلت سے مرے آخرت میں بھی رسوا ہوئے اپنا دائمی قانون سناتا ہے فقال ان الذین فتنوا المومنین والمومنات کہ جنہوں نے ایماندار مردوں اور عورتوں کو فتنہ میں ڈالا عام ہے کہ مار پیٹ کی یا قتل کیا یا قید میں رکھا یا اور کسی قسم کی تکلیف دی یا انکے لئے گمراہی میں اور لہو ولعب میں پڑنے کے سامان پیدا کئے۔ ناچ تماشا اور رقص وسرود کی محفل کر کے مسلمان مرد اور عورتوں کو شریک کرنا بھی انکو فتنہ میں ڈالنا ہے ثم لم یتوبوا اور پھر اس سے وہ باز نہ آئے کیونکہ اگر باز آجاتے اور توبہ کرتے تو گو حقوق العباد کا مطالبہ باقی رہتا مگر خدائی مقابلہ کے جرم میں عذاب عظیم نہ پاتے فلہم عذاب جہنم تو انکے لئے آخرت میں عذاب جہنم ہے ولہم عذاب الحریق اور دنیا میں جلانے والا عذاب ہے یعنی وہ مصیبت کہ جس سے انکے دلوں پر صدمہ ہو اور جلا کریں اقبال جاتا رہے دشمن غلبہ پاویں افلاس وناتفاقی اور بیماریاں اور قحط پیش آویں قتل کئے جاویں گھر بار چھین بال بچے قید ہوں یا غلام بنائے جاویں عورتیں انکے روبرو بے عزت کیجائیں۔ انکے ملک اور دولت پر دشمن قابض ہوں اور یہ دیکھا کریں۔ خدا کی پناہ ہے عذاب حریق سے اور سب عذابوں سے اور ف جو فلہم میں آئی تو اس سے یہ بات بتلادی کہ یہ بلا انہیں کے افعال سے آئی ہے وہ افعال سبب ہیں اور یہ مسبب ہے ہماری عدالت اور رحم کا مقتضی نہیں کہ خواہ مخواہ ہم بغیر کسی ارتکاب جرم کے عذاب میں مبتلا کریں یہ انکی سوزش کا بدلہ ہے جو انکے ہاتھ سے ایمانداروں کو پہونچی تھی اب دوسری بات اسکے مقابلے میں نیکی کرنے والوں ایمانداروں کی بابت بھی سن لو ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات کہ جو لوگ ایمان

لائے اور ایمان ہی پر بس نہیں کیا بلکہ اسکے بعد انہوں نے نیک کام بھی کئے عبادت خیرات وصلہ رحمی وغیرہ لہم جنت تجری من تحتہا الانہار انکے لئے باغ ہیں یعنی بہشت میں اور باغ بھی کیسے کہ نیچے نہریں بہتی ہیں یہ نہریں ان خونوں کا بدلہ ہے جو دنیا میں ان کے بدنوں سے اللہ کی راہ میں نکلا تھا یا وہ حسنات جاریہ ہیں جنکا سلسلہ جاری رہتا تھا۔

ذلک الفوز الکبیر یہ ہے بڑی کامیابی کس لئے کہ اگر دنیا میں کسی نے مال بے حساب اور ملک اور عمدہ مکان اور اچھے جواہرات اور تمام عیش وسامان بہم بھی پہنچا لئے اول تو سب چیزوں کا بہم پہنچنا مشکل ایک نہ ایک حسرت باقی ہی رہجاتی ہے کیا خوب کہا کسی نے ؎

ہزاروں حسرتیں ایسی کہ ہر حسرت پہ دم نکلے ٭ بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے ٭ تو پھر ان چیزوں کو دوام وبقا نہیں دشمن کا کھٹکا ان چیزوں کی بے ثباتی کا بھی دغدغہ ساتھ ہی لگا ہوتا ہے بڑے بڑے بادشاہوں کو اخیر عمر میں اپنے ملازموں اور اولاد اور بیویوں کے ہاتھ سے تلخی چکھ کر بڑی حسرتوں سے مال اور ملک رخصت کرنا پڑا ہے اور یہ بھی نہ ہو تو خود اس کی عمر رواں کا کیا اعتبار اور پھر جوانی اور تندرستی تو تھامے نہیں تھمتی بے اختیار چلی جاتی ہے برخلاف دار آخرت وہاں کی نعیم کے وہاں ان باتوں میں سے کسیکا بھی دغدغہ نہیں وہیں کے پھول بے کانٹے کے ہیں اسی لئے عالی دماغوں نے اس چندروزہ عیش پر لات ماردی تھی اور قبل اس کے کہ یہ عیش ونشاط انکو چھوڑے خود انہوں نے اسکو چھوڑ دیا تھا اس لئے بڑی کامیابی جنت اور وہاں کے نعیم ہیں

دو باتیں بیان فرمائی تھیں ایک یہ کہ ایمانداروں کو ستانے والوں کو جہنم ہے دوسری یہ کہ ایمانداروں نیک بختوں کے لئے جنت ہے اس لئے ان دونوں کے مناسب دو قسم کے صفات بیان فرمانا کلام کو موکد کرتا ہے پہلی بات کے لئے اپنی صفت جبروت وقہر وقدرت کا اظہار فرماتا ہے فقال ان بطش ربک لشدید کہ تیرے رب کی گرفت سخت ہے جسکو پکڑتا ہے تو پھر کوئی چھڑا نہیں سکتا۔ دنیا میں بھی خوار وذلیل کر دیتا ہے آخرت میں مبتلاء عذاب کرتا ہے نہ پھر کوئی تدبیر کام آتی ہے نہ کوئی حیلہ اور زور چلتا ہے۔ بندہ کو کسی بات پر ناز نہ کرنا چاہئے وہ دم بھر میں سلطنتوں کو خاک میں ملا دیتا ہے دولتمندوں کو مفلس کر دیتا ہے۔ آبائی اعزاز کو برباد کر دیتا ہے۔

دوسری بات کے لئے صفات رحم وعطا وبذل وجود کو ذکر کرتا ہے فقال انہ ہو یبدئ ویعید کہ وہ مبدء فیاض ہے پہلا وجود بھی اسی نے عطا کیا تھا اور مرنے کے بعد بھی جو نئی زندگانی ہوگی اس وجود کو بھی وہی عطا کرے گا۔ یہاں دار آخرت کا ضمناً ثبوت بھی تھا اور یہی زندگی فوز کبیر کا مقدمہ ہے اس لئے اس کے بعد فوز کبیر کے متعلق صفات بیان فرماتا ہے۔

وہو الغفور کہ وہ بخشدینے والا بھی ہے۔ بندوں کے گناہوں سے توبہ واستغفار پر درگذر بھی کرتا ہے اور جو سرے سے نیکوکار ہیں اس کے لئے الودود پیار اور محبت بھی کرنے والا ہے۔ اسکو اپنے بندوں سے ایسی محبت ہے کہ ماں کو اپنی اولاد سے بھی نہیں۔ اور اسکے یہ بھی معنے ہو سکتے ہیں کہ وہی محبت کرنے کے قابل ہے وہی محبوب اصلی ہے۔ ذو العرش تخت والا بھی تخت پر بیٹھکر اپنے ملک میں جو چاہتا ہے کرتا ہے کون ہے اسکے آگے صاحب تخت المجید بڑی شان والا ہے۔ فعال لما یرید اور فاعل مطلق بھی ہے جو چاہتا ہے کر ڈالتا ہے کوئی اسکو روک نہیں سکتا نہ کسی کام میں اسکو کسی مددگار کی طرف حاجت پڑتی ہے نہ وہ کسی سامان کا محتاج ہے ٭

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ۝ فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ ۝ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ ۝ وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ

آپ کو لشکروں کا حال تو معلوم ہوا ہی ہوگا فرعون اور ثمود کا بلکہ منکر تو جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں اور اللہ ہے کہ انکو ہر طرف سے

مُّحِيْطٌ ۝ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ۝ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ۝

گھیرے ہوئے ہے بلکہ یہ قرآن ہے بڑی شان کا لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے

ترکیب

ہل اتاک الجملۃ مستانفۃ مقررۃ لما تقدم من شدۃ بطشہ وکونہ فعالا لما یرید فرعون وثمود بدل من الجنود والمراد بفرعون ہو وقومہ وثمود قوم معروفون عند العرب والمراد بحدیثہم ما وقع منہم من الکفر والعناد وما وقع علیہم من العذاب واللہ الخ الجملۃ حال من فاعل کفروا المحفوظ بالجر نعت للوح وبالرفع نعت للقرآن والاول قراءۃ الجمہور۔

تفسیر

پہلے فرمایا تھا کہ تیرے رب کی پکڑ سخت ہے اور اسکے ثبوت کیلئے اول اصحاب الاخدود کا قصہ نقل کیا تھا اجمالاً جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تھوڑے ہی برسوں پہلے گذرا تھا اور عرب میں زبان زد تھا اسکے بعد پھر اسی بات کے ثبوت کیلئے اجمالی طور پر دو واقعات کو یاد دلاتا ہے جنمیں سے ایک کو تو عرب اور اہل کتاب جانتے تھے اسلئے ہسکو مقدم کیا اور وہ فرعون اور اسکی قوم کی سرکشی اور ہلاکت کا قصہ ہے اور دوسرے کو عرب جانتے تھے یعنی قوم ثمود کا حال کہ جو کچھ انپر حضرت صالح علیہ السلام کے ساتھ گستاخی اور خدا تعالیٰ کی نافرمانی سے گذرا اسلئے فرماتا ہے ہل اتاک حدیث الجنود کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا اے مخاطب کیا تجھے لشکروں کی بات پہنچی؟ یعنی ضرور پہنچی ہوگی بعض علماً کہتے ہیں ہل بمعنی قد ہے یعنی تحقیق پہونچی سب جانتے ہیں۔ جنود جند کی جمع ہے اسمیں اشارہ ہے کہ کفار قریش کیا چیز ہیں انکا تو ایک لشکر بھی نہیں اس سے پہلے بہت سے لشکروں کو ہم غارت کر چکے ہیں۔ پھر فرماتا ہے فرعون وثمود وہ لشکر کون تھے؟ فرعون کے اور قوم ثمود کے لشکر جو بڑے طاقتور اور کثرت سے تھے کچھ ایسے ویسے لشکر بھی نہ تھے۔ پھر دیکھو انپر کیا گزری کس طرح سے خدائے جلیل وجبار نے انکی سرکشی اور بدکاری سے انکو ہلاک کیا۔ ان دونوں قصوں کی تفصیل کئی بار قرآن مجید میں آچکی ہے۔

منکرین قریش ایسے واقعات سنکر کہدیا کرتے تھے کہ ہم کیا خدا کے قائل نہیں اور کیا اسکی قدرت کو نہیں مانتے یہ اسلئے کہ وہ مشرک تھے بتوں کو وسیلہ جانتے تھے اور خدا پاک کو بھی مانتے تھے اسکے جواب میں فرماتا ہے بل الذین کفروا فی تکذیب ہرگز نہیں بلکہ منکر جھٹلانے میں پڑے ہوئے ہیں گو زبان سے کہتے ہیں مگر انکا حال جھٹلا رہے ہیں اور اگر دلمیں انکے اسباب کا نقشہ جما ہوتا کہ وہ سخت پکڑ کرنے والا ہے تو ایمانداروں اور ہمارے پیغمبر پر یہ ظلم وستم نکرتے اور سرکشی سے باز آتے اور ہماری مرضی کے تابع ہوتے بلکہ انکو اپنے جہل سے اپنی طاقت اور قومیت کا غرور ہے اور درحقیقت یہ غرور باطل ہے کس لئے کہ واللہ من ورائہم محیط کہ وہ ہر طرف سے اللہ کے قبضہ قدرت میں ہیں کسی طرف سے باہر نہیں نکل سکتے اور تمام ممکنات کا یہی حال ہے کہ اسکی قدرت کے احاطہ میں ہے وہ سب کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔ یہ احاطہ جسمانی نہیں جیسا کہ برتن کا پانی کے لئے اور گھر کا گھر میں رہنے والوں کیلئے ہوتا ہے بلکہ احاطہ قدرت اور احاطہ ذاتی ہے چونکہ یہ سب واقعات اور یہ ہدایت مضامین قرآن میں ہیں وہ ان باتوں کو کیا نہیں مانتے بلکہ قرآن کو نہیں مانتے مگر ان کے نہ ماننے سے کیا ہوتا ہے بل ہو قرآن مجید بلکہ قرآن تو بلند شان والا ہے کسی کے باطل کرنے سے باطل نہیں ہو سکتا کس لئے کہ فی لوح محفوظ لوح محفوظ میں ثبت ہے جہاں کسی معاند کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا۔ لوح محفوظ کی کیفیت مقدمہ تفسیر سے معلوم کرلو۔

ع ۱۰ / ۲۲

سورۂ طارق مکیہ ہے اسمیں سترہ آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الطَّارِقُ ۝ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ۝ إِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ۝

قسم ہے آسمان کی اور رات میں آنیوالے کی اور آپ کیا جانیں کیا ہے رات میں آنے والا (وہ) چمکتا ہوا تارا ہے ایسی کوئی بھی جان نہیں کہ جس پر ایک محافظ مقرر نہ ہو۔

فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝ خُلِقَ مِنْ مَاءٍ دَافِقٍ ۝ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ ۝ إِنَّهُ عَلَىٰ رَجْعِهِ لَقَادِرٌ ۝

پھر آدمی آپ ہی دیکھے کہ وہ کاہے سے بنایا گیا۔ ایک اچھلتے قطرہ سے جو پشت اور سینہ کے درمیان سے نکلتا ہے بیشک وہ اسکے لوٹانے پر بھی قادر ہے

ترکیب

وللقسم السماء مجرور معطوف علیہ والطارق عطف علیہ۔ والطارق ما یاتی لیلا سواء کان کوکبا او غیرہ طروق بشب آمدن رعع ف اعض ۲) طارق بشب آیندہ و ستارہ وکشتی کردن فحل۔ از صراح۔ وما ادراک الجملۃ الاستفہامیۃ لتفخیم الطارق النجم الثاقب مستانفۃ جواب سوال کانہ قیل ما ہو فقال النجم الثاقب۔ ثقوب افروختہ شدن آتش۔ ص۔ ان کل نفس لما علیہا حافظ قرء ابن کثیر وابی عمرو ونافع وکسائی لما بالتخفیف وقرء عاصم وحمزۃ والنخعی بالتشدید فمن خفف کانت ان عندہ المخففۃ من الثقیلۃ واللام فی لما تدخل مع ان المخففۃ للفرق بین النافیۃ والمخففۃ وما صلۃ کما فی قولہ فبما رحمۃ ومن اثقل فان عندہ النافیۃ ولما بمعنی الا حافظ مبتدء علیہا خبر والجملۃ جواب القسم علی التقدیرین۔ اے ان الشان کل نفس لعلیہا حافظ او ما کل نفس الا علیہا حافظ۔ خلق الخ الجملۃ مستانفۃ جواب سوال مقدر والماء المنی والدفق الصب دافق اے مدفوق مصبوب فی الرحم۔ یخرج الجملۃ صفۃ ماء والترائب جمع تریبۃ وہی موضع القلادۃ من الصدر والصلب والصدر لہما دخل عظیم فی تولد المنی لان للدماغ دخل تام ولہ خلیفۃ وہی النخاع وہی فی الصلب ولہ شعب کثیرۃ نازلۃ الی مقدم البدن وہو الترائب فلہذا السبب خصصہا اللہ بالذکر والمادۃ المنی فی الانثیین تتولد من فضلۃ الہضم الرابع وتنفصل عن جمیع اجزاء البدن حتی یاخذ من کل عضو طبیعۃ وخاصیۃ فیصیر مستعدا لان یتولد منہ مثل تلک الاعضاء۔ انہ الضمیر یرجع الی اللہ سبحانہ والضمیر فی رجعہ الی الانسان فالمصدر مضاف الی المفعول۔

تفسیر

یہ سورت بھی مکہ میں نازل ہوئی ہے چونکہ لفظ طارق اس میں ہے اس لئے اسکا نام سورہ طارق قرار پایا اسکی سترہ آیات ہیں مناسبت اسکی پہلی سورۃ سے آسمان کے ذکر اور مسئلہ مبداء ومعاد کے ذکر سے اور نیز خاتمہ سے ظاہر ہے

سورہ بروج میں فرمایا تھا کہ اللہ کے احاطہ میں لوگ ہیں .... اور یہ بھی کہ قرآن لوح محفوظ میں بحفاظت ہے۔ اب ان دونوں باتوں کے متعلق دو چیزوں کا ذکر قسم کہا کر تا ہے فقال والسماء قسم ہے آسمان کی اسمیں پہلی بات کی تائید ہے کہ آسمان ہمارا بنایا ہوا ہے مگر اس نے سب کو گھیر رکھا ہے صورۃً ومعنیً جہاں جاؤ اور کسی ملک یا دریا میں چلے جاؤ آسمان سر پر موجود اور ہر طرف سے محیط ہے ع بہر زمین کہ روی آسماں بر و پیداست۔ اور نیز آسمانی احکام سے کوئی سرتابی نہیں کر سکتا موت حیات تندرستی

بیماری۔ فتح و شکست دولتمندی افلاس عزت و ذلت۔ سب آسمانی احکام ہیں بھلا کوئی ان کو ٹال تو دے۔ انہیں احکام کے ٹالنے میں اوہام باطلہ کہیں فال اور شگون سے مدد لیتے ہیں کہیں گنڈے اور ٹوٹکے کرتے ہیں کہیں بتوں سے مدد لیتے ہیں کہیں قبور صلحاء و انبیاء سے مدد لیتے ہیں کہیں انکی ارواح طیبات کو پکارتے ہیں مگر آسمانی حکم ہو کر رہتا ہے نہ کوئی تدبیر پیش چلتی ہے نہ کوئی حیلہ کارگر ہوتا ہے اب بھی معلوم ہوا کہ اللہ کے احاطہ میں ہر چیز ہے؟ کس لئے کہ آسمان اس کے احاطہ میں ہے۔ اور اس نے لوگوں کو احاطہ کر رکھا ہے۔ دوسری بات کے لئے یہ اشارہ ہوا والطارق اور قسم ہے ہمیں طارق کی۔ طارق کے لغوی معنی ہیں رات میں آنے والے کے خواہ کوئی آوے اور اسی لئے احادیث میں آیا ہے نعوذ باللہ من طوارق اللیل کہ اللہ کی پناہ ان حوادث سے جو رات میں یکایک آویں۔ اسلئے کہ رات میں انکا تدارک استغاثہ۔ تدبیر۔ علاج۔ استعانت وغیرہ اسباب سے مشکل ہوتا ہوگا اسجگہ کیا مراد ہے؟ اسکو اللہ تعالیٰ آپ ہی تعظیم شان کے لئے سامعین سے دریافت کر کے وما ادراک ماالطارق کہ تو کیا سمجھا کہ طارق کیا ہے یعنی کوئی ویسی چھوٹی موٹی بات رات کی نہیں ہے پھر آپ ہی بتلاتا ہے النجم الثاقب کہ وہ روشن ستارہ ہے پھر علماء کے اسمیں کئی قول ہیں (۱) بعض کہتے ہیں جنس مراد ہے ہر ایک ستارے کو شامل ہے کسی کی خصوصیت نہیں کس لئے کہ ہر ایک طارق ہے یعنی رات میں آنے والا یعنی آپ نمودار ہونے والا۔ (۲) بعض کہتے ہیں ستارہ معین مراد ہے پھر اس تعین میں بھی کئی قول ہیں بعض کہتے ہیں زحل مراد ہے کس لئے کہ ثقب چھید کرنے کو کہتے ہیں اور اسکی روشنی ساتویں آسمانوں کو چیر کر نیچے تک آتی ہے بعض کہتے ہیں ثقوب روشنی کے معنی میں ہے اور ثریا کا گچھا بسبب اجتماع کے زیادہ روشن ہے اس لئے وہ مراد ہے بعض کہتے ہیں شہاب ثاقب مراد ہے اور یہی اخیر قول زیادہ ترچسپان ہے کس لئے کہ حفاظت کا نمونہ دکھانا منظور ہے۔ اور یہ بات شہاب ثاقب سے زیادہ حاصل ہے کس لئے کہ جب شیاطین عالم بالا میں اسرار غیبی لینے کو جاتے ہیں تاکہ لوگوں پر افشاء کر کے ان کے اعتقادات خراب کریں اور قرآن میں خلل انداز کریں تو شہاب ثاقب انپر دوڑ کر جاتا اور ہانک دیتا ہے گرچہ اور ستاروں سے بھی حفاظت ہے عالم ارضی کی حفاظت اسلئے کہ نباتات کی روئیدگی اور انکا پکنا پھولنا وغیرہ امور ستاروں کی شعاعوں سے متعلق ہیں اور نیز وہ اجسام نورانیہ ہیں اور نور سے بالطبع شیاطین کو نفرت ہے کس لئے کہ ان کا مادہ ظلمانی ہے اس لئے وہ ان شمعوں اور آسمانی چراغوں کی چکاچوند سے خیرہ ہو کر ہٹ آتے ہیں اور یہی سبب ہے کہ اندھیرے مکانوں میں اور رات کو جہاں کہ چراغ دار روشنی نہو شیاطین وخبائث کا زیادہ گزر اور اثر ہوتا ہے۔

اس محافظت کے مضمون کو جو مقصود اصلی اس مقام پر تھا اگرچہ ضمناً ثابت کیا گیا تھا مگر اسکو بصراحت ثابت کرتا ہے اور اسکے موکد کرنے کو اسی کو جواب قسم قرار دیتا ہے فقال ان کل نفس لما علیھا حافظ کہ ہر نفس پر محافظ ہے یا یوں کہو ایسی کوئی جان یا چیز نہیں کہ جسپر وہ محافظ نہو۔ پھر قرآن کی حفاظت کون بڑی بات ہے نفس سے بعض علماء کے نزدیک مطلق ذات اشیئے مراد ہے اس تقدیر پر حافظ اللہ ہے کس لئے کہ سوائے حق سبحانہ کے جو چیز ہے ممکن ہے اور ہر ممکن وجود و عدم میں مساوی الطرفین ہے جانب وجود کسی مرجح کی ترجیح سے قایم ہوتی ہے اور وہ واجب تعالیٰ ہے پس وہی حق سبحانہ ہر چیز کا قیوم ہے وہی موجودات کو باقی رکھتا ہے وہی حفاظت کرتا ہے اس بات کو اللہ تعالیٰ اس آیت میں ظاہر فرماتا ہے ان اللہ یمسک السماوات والارض ان تزولا اور اگر نفس انسانیہ یا حیوانیہ مراد ہوں تو بالخصوص انکی قومیت کیطرف اشارہ ہوگا اور اس طرف بھی کہ وہی ہر وقت انکی خبرگیری

ف طارق کے معنی میں اقوال

ف دن کو نور سے آفتاب چراغ اور رات کو ستاروں کی روشنی عالم کی شیاطین سے نہیں جانے دیتی ہے اور

کرتا ہے انکے منافع واسباب زندگی بہم پہنچاتا ہے مضرات سے بچاتا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حافظ سے مراد ملائکہ ہیں جیسا کہ فرماتا ہے ویرسل علیکم حفظۃ ویحفظونہ من امر اللہ۔ ہر بلا سے وہی حفاظت بحکم ربی کرتے ہیں اگر اسکی طرف کی حفاظت نہو تو انسان کے حشرات الارض سے لیکر درندوں تک اور جن وشیاطین بلکہ ارضی وسماوی سیکڑوں جان لینے والے ہیں دریا میں اور خشکی پر وہی حفاظت کرتا ہے۔ انسان کے اندرونہ اعضا کے افعال وقوے کی وہی محافظت کرتا ہے۔

جبکہ یہ ثابت کردیا گیا کہ وہی محافظت کرتا ہے اسی نے امن دے رکھا ہے تو اس حالت میں اور اس فرصت میں اصلی مقصد کی تحصیل میں کوشش کرنا چاہیے خصوصًا جبکہ انسان کے اعمال بھی حفاظت سے دفتر میں لکھے جاتے ہیں اور اعلیٰ مقاصد میں سے تمام اہل ادیان واہل عقول کے نزدیک مبدء ومعاد کی معرفت ہے اور یہ بھی متفق علیہ ہے کہ معاد کی معرفت سے مبدء کی معرفت مقدم ہے اس لیئے اللہ تعالےٰ نے معرفت مبدء کے لئے پہلے یہ کلام ذکر فرمایا فقال فلینظر الانسان مم خلق کہ آدمی خود نظر کرے کہ وہ کاہے سے پیدا کیا گیا؟ وہ دیکھے کہ اسکی اصل کیا ہے اور کس نے اسکو کیونکر بنایا ہے؟ پھر آپ ہی فرماتا ہے خلق من ماء دافق کہ ایک پانی کی بوند سے بنایا گیا جو اچھلتی ہے یعنی منی کے قطرہ سے جو کود کر نکلتا ہے۔ یخرج من بین الصلب والترائب وہ قطرہ پیٹھ اور سینہ کے درمیان سے نکلتا ہے۔ گرچہ محققین کے نزدیک منی کا خزانہ انثیین ہے اور رحم میں پڑنے کے وقت وہیں سے نکلتی ہے لیکن اس مادہ کی تولید کا اصلی سبب قیام و درستی بدن ہے اور خصوصًا دماغ۔ اور اسی لئے جب ضعف دماغ ہوتا ہے تو یہ قوت کم ہوجاتی ہے اور کثرت مجامعت سے دماغ کو ضعف عارض ہوتا ہے اور اسکے بعد تمام بدن میں بھی نحافت محسوس ہوتی ہے اور دماغ سے پٹھے پشت کی طرف آئے ہیں جنکو نخاع کہتے ہیں اور اسی طرح اسکی شاخیں مقدم بدن کیطرف بھی آئی ہیں جو سینہ ہے اور عربی میں اسکو ترىبہ کہتے ہیں اسلئے یہ کہنا بہت صحیح ہے کہ منی پیٹھ اور سینہ کے درمیان سے نکلتی ہے اور یہ مراد نہیں کہ پیٹھ اور سینہ میں منی موجود رہا کرتی ہے وہاں سے نکلتی ہے۔ بعض علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ مرد کی منی دماغ سے نکلکر پیٹھ کی طرف سے انثیین کی رگوں میں آتی ہے اور عورت کی سینہ میں سے۔

[illegible] اور پیٹھ اور سینہ کے درمیان سے نکلتا ہے ۱۲ منہ

آیت میں نہ اس بات کی تصریح ہے کہ انسان مرد وعورت دونوں سے بنتا ہے نہ اس بات کی کہ صرف مرد کی منی سے اور جس کسی نے کچھ ثابت کیا ہے تو قرائن واستنباط سے۔

گرچہ انسان حقیقی روح ہے اور وہ نہ کسی قطرہ منی سے بنی ہے نہ اور کسی مادۂ عنصری سے لیکن اس روح کا مرکب عالم حسی میں بدن انسان ہے اور عالم ناسوتی میں غالبًا اسی پر اس لفظ کا استعمال ہوتا ہے اور اسمیں کوئی شبہ نہیں کہ یہ منی کے قطرہ سے بنتا ہے پھر اسکا بنانیوالا کون ہے؟ وہی قادر مطلق اس قطرہ کو رحم میں اس سانچے میں ڈہالتا اور کیا کیا کاریگریاں کرتا ہے۔ اسکے بعد معرفت معاد پر جو دلالت کرے اسکو ذکر فرماتا ہے فقال انہ علے رجعہ لقادر کہ وہ کہ جس نے اسکو ایک قطرہ سے بنایا مرنیکے بعد بار دگر اسکو بنانے اور اسکی اس صورت کیطرف لوٹا دینے پر قادر ہے وہ بار دیگر پھر اسکو ویسا ہی بنا سکتا ہے جن اجزا سے منی بنائی تھی پھر کیا وہ ان اجزا سے اسکی دوبارہ جسمیت کا مادہ مجتمع نہیں کرسکتا؟ ضرور کرسکتا ہے۔ اس کلام کے یہ بھی معنی ہیں کہ وہ پھر اسکو انہیں اجزا کی طرف پلٹا سکتا ہے پھر وہی منی کا ایک قطرہ کرسکتا ہے انسان وحیوان و نباتات میں اسکی گردش ظاہر ہے جس قطرہ سے یہ بنا تہا اسکے تمام جسم کا عطر پھر وہی قطرہ ہے جس سے پھر ویسا ہی انسان بنتا ہے۔

يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ۙ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ۭ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ۙ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ۙ
جسدن کہ بھید کھل جائیں ۔ پھر تو نہ اسکا کچھ زور ہوگا اور نہ کوئی مددگار ۔ قسم ہے آسمان بارش والے کی ۔ اور زمین کی جسیں سے بوٹیاں پھوٹ کر نکلتی ہیں
اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ۙ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ۭ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ۙ وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ۚ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ
بیشک قرآن قطعی بات ہے ۔ اور یہ کچھ ہنسی نہیں ۔ وہ تو ایک داؤ کر رہے ہیں ۔ اور میں بھی ایک داؤ کر رہا ہوں پھر تو منکروں کو تھوڑی سی
اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ۧ
مہلت دو

ع ۱۷ / ۱۱

ترکیب

یوم منصوب برجعہ وقیل بقادر وقیل العامل مقدر ای یرجعہ او اذکر فیکون مفعولاً بہ والسرائر جمع سریرۃ والسریرۃ اسرار وہو الذی یکتم والابتلاء الاختبار الامتحان . قال ابو مسلم بلوت یقع علے اظہار الشئی وعلے امتحانہ والسماء الواو للقسم ذات الرجع صفۃ للسماء قال الزجاج الرجع المطر لانہ یجیٔ ویرجع ویتکرر وقال الخلیل الرجع المطر نفسہ والرجع نبات الربیع وقال الواحدی الرجع المطر فی قول المفسرین . وقال ابن زید الرجع الشمس والقمر والنجوم یرجعن فی السماء تطلع من ناحیۃ وتغیب فی ناحیۃ وقال القفال معناہ ذات النفع وقال ابن عباس الرجع المطر والارض معطوف علے السماء . ذات الصدع صفۃ للارض . الصدع ہو الشق قال ابن عباسؓ تنشق عن النبات والاشجار وقال مجاہد ہو الجبلان بینہما شق وطریق نافذ کما فی قولہ وجعلنا فیہا سبلا فجاجا وقال اللیث الصدع نبات الارض لانہ یصدع الارض فتصدع بہ انہ لقول الخ جواب القسم والضمیر فی انہ یرجع الی ما اخبرکم بہ من قدرتی علے احیاءکم یوم تبلے السرائر وقیل یرجع الے القرآن امہلہم بدل من مہل ومہل وامہل بمعنے واحد مثل نزل وانزل رویدا منصوب علے انہ مصدر موکد للفعل المذکور او نعت لمصدر محذوف ای امہلہم امہالاً رویداً اے قلیلا او قریبا . ویجوز ان یکون حالا روید فی کلام العرب علی ثلاثۃ اوجہ (۱) اسم للامر کقولک روید زیداً اے دعہ ولا تنصرف لانہا غیر متمکنۃ (۲) ہو مصدر کسائر المصادر فیضاف الی مابعدہ ...... تقول روید زید کما تقول ضرب زید (۳) ہو نعت منصوب کقولک ساروا سیرا رویدا وربما یحذفون المنعوت ویقیمون رویدا مقامہ من الکبیر

تفسیر

اور وہ لعادہ کس روز ہوگا؟ اسکو بتاتا ہے یوم تبلے السرائر جسروز کہ مخفی باتیں ظاہر ہو جاویں یعنی قیامت کے روز . اس جملہ میں قیامت کی بھی ایک صفت بیان ہوگئی کہ وہ ایسا روز ہے کہ جسمیں آج جو کچھ مخفی کہا جاتا ہے ظاہر ہو جاویگا . اس عالم ناسوتی میں احکام روح مخفی و مستور اور احکام اجسام ظاہر ہیں گناہ ہو پردہ ہوں یا ظاہر انکی کیفیت جسم پر ظاہر نہیں ہوتی . اسی طرح اخلاق ذمیمہ بخل حسد و کینہ حب جاہ مال سب مخفی ہیں اور اسی طرح ایمان و حب الٰہی و صداقت و ذکر الٰہی وغیرہ افعال و اخلاق محمود کا بھی کوئی اثر ظاہر بدن پر نہیں ہوتا لیکن قیامت کے روز معاملہ برعکس ہوگا روحانی آثار ظاہر ہو جاوینگے سرائر عام ہے پوشیدہ گناہوں اور مکر و حیلہ کو بھی شامل ہے کہ جنکے اخفا کی دنیا میں کوشش کیا کرتے تھے اور عقائد باطلہ و نیات فاسدہ کو بھی اسی طرح نیک کاموں کو بھی جنکو مخفی کرتے تھے . روزہ اور نماز تہجد اور مخفی خیرات اور دل کے ملکات کاملہ مواجید و شواق کو بھی اور ہر ایک معاملہ کو بھی جو اس میں اور خدا میں تھا پھر اس روز کیا ہوگا .

فمالہ من قوۃ پھر نہ اسکو خود قدرت ہوگی کہ اخفاء کرسکے اور اظہار ہونے کے بعد اسکی سزا کو دور کرسکے ولا ناصر اور نہ اور کوئی دوسرا اس اخفا میں اور اظہار کے بعد سزا دور کرنے میں مدد کرسکے گا جیسا کہ دنیا میں ہوا کرتا ہے۔

ان آیات میں دو باتیں ذکر ہوئی ہیں اول یہ کہ انسان کو بار دیگر خدا تعالیٰ ایسی ہی زندگانی عطا کرسکتا ہے دوسری یہ کہ جس روز یہ زندگانی عطا ہوگی مخفی باتیں ظاہر ہوجاویں گی اس لئے ان دونوں باتوں کے لئے دو مثال پیش کرتا ہے جنکا ہر ایک مشاہدہ کرتا ہے۔ اور لطف یہ کہ ان دونوں مثالوں یا نمونوں کو قسم کھا کر بیان فرماتا ہے اول نمونہ والسماء ذات الرجع کہ قسم ہے آسمان بارش والے کی رجع کے معنی اکثر مفسرین کے نزدیک بارش کے ہیں اور نفع کے بھی عرف عام میں بارش کا آسمان سے برسنا مشہور ہے گو بادلوں سے برستی ہے اور اس لئے بادلوں کو بھی آسمان سے تعبیر کرتے ہیں اس لحاظ سے آسمان کو بارش والا کہا گیا۔ اس میں بار دیگر زندگانی کا نمونہ ہے برسات میں سبزہ اگتا ہے ایک عمر طبعی کو پہنچکر چورا چورا ہو کر نیست و نابود ہوجاتا ہے اگلے سال پھر جو بارش ہوتی ہے تو وہ تمام نباتات بار دگر سر سبز ہوجاتے ہیں اور اپنی پہلی حالت کیطرف رجوع کرجاتے ہیں انہ علے رجعہ لقادر اس جملہ میں اسی مضمون کی تصریح ہے۔ بعض علماء نے رجع کے معنی حرکت کرنے اور چکر لگانے کے بھی لئے ہیں اس تقدیر پر (آسمان چکر لگانے والے) معنی ہونگے۔ اسمیں بھی یہ مضمون ثابت ہے جیسا کہ آسمان چکر لگاتا ہوا لوٹ آتا ہے رات سے پھر دن ہوجاتا ہے۔ اسی طرح انسان کا بھی بار دیگر اپنی حالت پر لوٹ آنا کچھ بھی مشکل نہیں۔ دوسری بات کے لئے یہ دوسرا نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔ والارض ذات الصدع کہ قسم ہے زمین پھٹنے والی کی۔ صدع کے معنے پھٹنے کے بھی ہیں اور نباتات کے بھی۔ دیکھو زمین میں جو قوئی ودیعت رکھے گئے ہیں ایک وقت پر وہ ظاہر ہوجاتے ہیں زمین پھٹ کر اسمیں کیسی کیسی جڑی بوٹیاں موسم بہار میں نکل آتی ہیں اور چشمے اور معادن بھی ظاہر ہوجاتے ہیں۔ آسمان کا پانی بمنزلہ منی والد کے ہے اور زمین بمنزلہ رحم مادر کے نباتات و اشجار و دیگر اشیاء اسکے بچے ہیں جو ہر سال پیدا ہوتے ہیں اور مٹ جاتے ہیں اور پھر پیدا ہوتے ہیں اور پھر مٹ جاتے ہیں یہی حال اس دنیا اور دار آخرت کا ہے کہ اسکے بعد پھر یہ زندگی عطا ہوگی۔ قسم کھا کر وہ جامع بات یہ بیان فرماتا ہے انہ لقول فصل مر کر جینے اور مخفیات کے ظاہر ہوجانیکی بات قطعی اور دو ٹوک بات ہے وما ہو بالہزل اور یہ ہنسی اور لغو بات نہیں جیسا کہ انہم یکیدون کیدا وہ کفار کہتے ہیں کہ اجی وہاں کا حال کس نے دیکھا ہے لوگوں کی ترغیب و ترہیب کے لئے حضرات انبیاء ایسے خیالی مضامین جنت و دوزخ سزا و جزا کی تراش کر بیان کردیا کرتے ہیں جیسا کہ بچوں کو خیالی باتوں سے پھسلایا اور ڈرایا کرتے ہیں یہ تھا کفار کا کید۔ واکید کیدا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انکے مقابلہ میں میں بھی کید کر رہا ہوں۔ ان باتوں کو دلائل انفس و آفاق سے ثابت کر رہا ہوں یہ اسکا کید ہے یا یوں کہو ان کا دار آخرت سے غافل ہو کر حصول دنیا کے لئے اور دین الٰہی کے برباد کرنے کے لئے تدابیر نکالنا یہ ان کا کید تھا اور اسکے مقابلہ میں اسلام کے غلبہ اور ہدایت کے سامان پیدا کرنا اور ان کی بربادی کے سامان قریب لانا یہ کید الٰہی ہے علے وجہ المشاکلت کید کا اس فعل الٰہی[1] پر اطلاق ہوا ہے چونکہ وقت قریب آلگا ہے فمہل الکافرین ان کو مہلت دے امہلہم رویدا انکو اور تھوڑے دنوں مزہ کرلینے دیجئے بد دعا نہ کرو۔ پھر تو ہمیشہ کا عذاب ان کے لئے ہے یہ مہلت بھی کید الٰہی ہے

[1] ورنہ یہ فعل الٰہی کید نہیں ۱۲ منہ

سورۃ اعلیٰ مکیۃ ہے اسمیں انیس آیات ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۙ الَّذِىْ خَلَقَ فَسَوّٰى ۙ وَالَّذِىْ قَدَّرَ فَهَدٰى ۙ وَالَّذِىْ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى ۙ

اپنے ربکے نام کی جو سب سے اعلیٰ ہے تسبیح کیا کر اسکی کہ جسنے انسان کو پیدا کیا پھر ٹھیک بنایا اور اسکی کہ جسنے انسان کا اندازہ کیا پھر راہ دکھائی اور اسکی کہ جسنے چارہ نکالا۔

فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى ۙ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۙ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى ۙ

پھر اسکو کالا کوڑا کر دیا (اے انسان) تجھے ہم ہی پڑھاتے ہیں پھر تو نہیں بھولیگا مگر جتنا کہ اللہ چاہے وہ تو کھلی اور چھپی (سب باتوں) کو جانتا ہے۔

ترکیب

الاعلیٰ صفة ربک الذین الجملة صفة اخریٰ للرب والذی صفة اخریٰ او معطوف علی الموصول الذی قبله۔ قدر قرئ مخففانه ومثقلا والذی اخرج صفة اخریٰ فجعله غثاء فی القاموس الغثاء والقماش والزبد والهالک البالی من ورق الشجر قال قتادہ الغثاء الیابس احوی اسود ماخوذ من الحوة وہی سواد یضرب الی الخضرة فی القاموس الحوة سواد الی خضرة او حمرة الی السواد حوی کرضی وفی الصحاح الحوة بالضم حمرة الشفة۔ قال ابن عباس غثاء ہشیما احوی متغیرا فلا تنسی قیل نفی وقیل نہی والالف للاشباع الا استثناء مفرغ من اعم المفاعیل ای لاتنس لما علمک اللہ شیئا من الاشیاء الاماشاء اللہ ان تنساه قال الفراء ولم یشاء اللہ ان ینسی نبیه محمد صلی اللہ علیه وسلم شیئا فهو کقوله خالدین فیها ما دامت السماوات والارض الاماشاء ربک انه یعلم الخ تعلیل لما قبله۔

تفسیر

یہ سورۃ بھی جمہور کے نزدیک مکہ میں نازل ہوئی ہے اسمیں انیس آیات ہیں۔ ابن عباس و ابن الزبیر و عائشہؓ بھی یہی فرماتے تھے امام احمد و بزار و ابن مردویہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم اس سورہ کو بہت محبوب رکھتے تھے کیونکہ اسمیں بہت سے علوم اور خیرات ہیں، امام مسلم و امام احمد و اہل سنن نے نعمان بن بشیر سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم عیدین اور جمعہ میں سبح اسم ربک الاعلیٰ اور ہل اتاک حدیث الغاشیہ پڑھا کرتے تھے۔ اور مسلم وغیرہ نے جابر بن سمرہؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظہر میں سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھتے تھے۔ ابوداؤد و نسائی و ابن ماجہ نے ابی بن کعب سے روایت کی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم وتر کی پہلی رکعت میں سبح اسم ربک الاعلیٰ اور دوسری میں قل یا ایہا الکافرون اور تیسری میں قل ہو اللہ احد پڑھا کرتے تھے۔

مناسبت اس سورۃ کی سورہ طارق سے بہت سے مضامین میں ہے از انجملہ یہ کہ سورہ طارق میں انسان اور اسکے بعد دیگر مخلوق کی آفرینش بیان کی تھی کہ انسان قطرہ منی سے اور نباتات آسمانی پانی سے اسکی قدرت سے پیدا ہوتے ہیں اس سورہ میں انتہا۔ بیان ہے کہ آخر کار

الخصص

مرجہا جاتے اور چورا چورا ہو کر ہواؤں میں اڑتے پھرتے ہیں پاؤں میں آتے خاک میں ملجاتے ہیں وجود ناسوتی میں ایک جلوہ دکھا کر چلے گئے

شان نزول اس سورہ کا مفسرین نے یوں بیان کیا ہے کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر بڑی بڑی سورتیں نازل ہونی شروع ہوئیں اور جانب غیب سے بیشمار علوم و معارف کا فیضان ہونا شروع ہوا تو آپ کے دل میں یہ خیال گذرا کہ میں خود لکھا پڑھا نہیں مبادا ان میں سے کوئی چیز بھول جاؤں اس لئے اس سورہ میں حق سبحانہ آپ کی تسلی کرتا ہے کہ آپ نہیں بھولیں گے۔

(واضح ہو)

کہ قرآن مجید کی ہر ایک سورہ بمنزل ایک کتاب کے ہے ہر ایک میں علوم و معارف انسانی سعادت کی رہنمائی کرنے میں کافی و شافی ہیں۔ تکمیل انسان کے لئے ان چند علوم کی اشد ضرورت ہے (۱) مبدء و معاد کی کہ ہر عاقل کو یہ غور کرنا چاہیئے کہ یہ مخلوق کس نے بنائی اور اس میں کیا کیا کاریگری کی۔ اگر کسی درخت یا جڑی بوٹی کو بغور ملاحظہ کیجئے گا تو اسکو معرفت الٰہی کا ایک دفتر پائے گا۔ جب یہ خیال ہوگا کہ اس کی ابتدا کیا تھی ؟ ایک تخم خشک پھر زمین میں جاکر آسمانی پانی نے اس کی ان قوتوں کو جو مبدء فیاض نے اس میں ودیعت رکھی تھیں کس طرح سے ابھارا اور پھر اس میں سے ایک تنا نکلا اور نکل کر میدان وجود کو طے کرتے ہوئے اپنے کمال کو پہونچا۔ پتے ہیں تو ایک سانچے میں ڈھلے ہوئے اور پھول ہیں تو اپنے رنگوں اور صورت میں کس کاریگری کے ساتھ اور پھر ہر شاخ کا نشو و نما ہے تو کس انداز کے ساتھ اور پھر اس تدریجی ترقی میں اسکے لئے کیا کیا سامان مہیا کئے جاتے ہیں اور پھر ہر ایک چیز میں ایک جدی خاصیت رکھی گئی ہے اور اسکی غذا حاصل کرنے اور توالد و تناسل کے جو قاعدے مقرر کر رکھے ہیں ان میں غور کرنے سے اور بھی حیرت پیدا ہوتی ہے۔ پھر اگر انسان اپنے حالات میں غور کرے کہ میں کس طرح سے پیدا ہوا اور میری بناوٹ میں کیا کیا خوبصورتی کی شانیں نمایاں کی ہیں اور مجھ میں کیا کیا قوتیں ودیعت رکھی ہیں اور میں بے اختیار کیونکر جسمانی ترقی کرتا جاتا ہوں تو حیران رہجاتے اور بے اختیار کہہ بیٹھے سبحان ربی الاعلیٰ۔ اور جب اس کتاب وجود کے ان اوراق کا مطالعہ کر کے اسکے اخیر باب پر پہنچے کہ اخیر اس کا کیا ہوتا ہے اور کیونکر تدریجاً فنا کے گڑھے میں گر جاتا ہے۔ تو روح انسانی کو ضرور اپنے خالق و مربی کے ساتھ دل بستگی کرنے کا ولولہ اٹھتا ہے اور یہ تمام دنیاوی زرق برق جسکی ہستی حباب کی بقا سے مشابہ ہے بیقدر ہو جاتی ہے اسلئے اس دوم (۲) علم کی طرف مشتاق ہوتا ہے کہ میں اپنے ایسے خالق و مالک و مربی سے کہ جسکو نہ میری دنیاوی آنکھیں دیکھ سکتی ہیں نہ ہاتھ ٹٹول سکتے ہیں نہ کان سن سکتے ہیں نہ زبان چکھ سکتی ہے نہ ناک سونگھ سکتی ہے کیونکر پہچانوں اور کس طرح سے تقرب حاصل کروں تاکہ میں اس جسم کے لباس چھوڑنے کے بعد اسکے جلال کبریائی میں جگہ پاؤں اور اسکی تجلی سے متجلی ہو کر عالم بالا کے لوگوں میں ملجاؤں اور یہی انسان کی تکمیل اور یہی اسکی سعادت اور یہی اسکے اس سفر کا نتیجہ ہے۔

حق سبحانہ اس سورہ میں ان دونوں علوم کو منکشف کرتا ہے مگر چونکہ دوسرا علم مقصود اصلی ہے اسلئے اول اسی کی رہنمائی کرتا ہے اور بطلاوہ دوسرے علم کی طرف مشتاق کرتا ہے فقال سبح اسم ربک الاعلیٰ کہ اپنے رب بالاتر کے نام کی تسبیح کیا کر یعنے اس تک تیرے تقرب کا یہی ذریعہ ہے۔ اور وہ کون ہے تیرا رب۔ اور وہ رب بھی اسلئے

یعنی اس ظلمت کدہ اور خاکدان پست میں جو تونے آنکھ کھول کر ہماری مخلوق ہی کو دیکھا ہے اور اُسیکے حالات کا تجھے مشاہدہ ہوا ہے اور اُسنے تونے ہمکو سمجھا ہے کہ آخر ان کا کوئی بنانے والا ہے اس سے تو ہمکو مخلوق پر قیاس نکر اپنا ہمارے لئے جسم اور توالد و تناسل اور تغذیہ اور خواب اور تدریجاً ترقی اور پھر تنزل اور بیچ میں بیماری و ضعف اور اپنی سی شکل و صورت اور اپنے سے اسباب معیشت میں محتاجگی مکان لباس کھانے پینے وغیرہ امور میں نہ سمجھ ہم ان سب باتوں سے پاک اور منزہ ہیں۔ یہ ہے تسبیح مگر اس سمجھنے پر آمادہ کرنے والا لفظ سبحان اللہ و بحمدہ۔ یا سبحان ربی اعلےٰ وغیرہ کہنا ہے۔ اسی لئے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب تو سبح اسم ربک الاعلےٰ پڑھے تو کہہ سبحان ربی الاعلےٰ۔ (رواہ عبد بن حمید) اور ابوداؤد و ابن ماجہ و احمد نے روایت کی ہے کہ جب سبح باسم ربک العظیم نازل ہوئی تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسکو رکوع میں کہا کرو۔ اور جب سبح باسم ربک الاعلےٰ نازل ہوئی تو فرمایا کہ اسکو سجدہ میں کہا کرو۔ یعنی رکوع میں سبحان ربی العظیم اور سجدہ میں سبحان ربی الاعلےٰ کہا کرو۔

علماء نے فرمایا ہے کہ تسبیح کے معنے ہیں خدا تعالےٰ کو جمیع عیوب اور نقصانوں سے مبرا اور منزہ سمجھنا اُسکی ذات اور صفات اور افعال کو سب نقصانوں سے بری اور پاک جاننا اور منہ سے کہنا تسبیح ہے۔ اور لفظ اسم کے لانے میں یہ حکمت ہے کہ اُسکی ذات تک رسائی نہیں صرف اسم تک ہے۔ یعنے آثار و صفات سے اُسکو جانتے ہیں۔ بعض فرماتے ہیں لفظ اسم محض عظمت شان کے لئے ہے ورنہ مراد تسبیح اُسکی ذات کی ہے۔ بعض فرماتے ہیں اُسکے اسم کی تسبیح یہ ہے کہ اُسکا نام بجز منی سے نہ لے نہ جنابت اور ناپاک جگہ میں پڑھے نہ بُرے کام پر۔ اور لفظ ربک میں اسبات کا اظہار ہے کہ وہی تسبیح کا مستحق ہے کیونکہ وہ تیری وقتاً فوقتاً پرورش کیا کرتا ہے۔ نطفہ سے لے کر اخیر تک وہی تو تیرا مربی و محسن ہے اور لفظ اعلےٰ میں یہ بات بتلا دی کہ دنیا کے مربی درحقیقت مربی نہیں بلکہ وسائل ہیں جیسا کہ ماں باپ آقا بادشاہ ولیؔ النعمۃ کیونکہ یہ اُسی کی پیدا کی ہوئی نعمتوں کو دیتے ہیں گو اس لئے وہ بھی قابل شکر گزاری ہیں مگر رب اعلےٰ وہی ہے۔ اور نیز لفظ اعلےٰ میں اسطرف بھی اشارہ ہے کہ وہ سب خیالات و توہمات کے احاطہ سے بالاتر ہے اس لئے تسبیح کا مستحق ہے اور یہ بھی کہ وہ سب سے بالادست ہے سب کا حاکم ہے اُسکا کوئی شریک نہیں پھر وہی تسبیح و تقدیس کا سزاوار ہے۔ اور اسطرف بھی اشارہ ہے کہ تسبیح کرنے سے انسان پر بھی اس تنزیہ و تقدیس کا اثر پڑ کر یہ آلایش جسمانی سے پاک و صاف ہو کر اس قابل ہو جاتا ہے کہ عالم بالا میں شامل ہو۔

ف خدا پاک کی ستایش میں صفات حمیدہ کا اثبات ہوتا ہے اور تسبیح میں صفات رذیلہ سے جو اُسکی شان کے منافی ہیں تنزیہ اور تبری ہوتی ہے یعنی دور کرنا چونکہ ثابت کرنا جسکو تحمید کہتے ہیں بعد کا مرتبہ ہے اس لئے اول تسبیح کا حکم دیا بعد میں اُسکے صفات حمیدہ ذکر کرنے کا۔ اور اسی لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو ملانیکا ارشاد فرمایا ہے سبحان اللہ و بحمدہ کہنا موجب ثواب و اجر عظیم قرار دیا۔ تسبیح کے انوار منعکس ہو کر تسبیح کرنیوالے کی روح پر پڑتے ہیں اور پھر اُسکی روح میں نورانیت ہو جاتی ہے

اسکے بعد اُس اول علم کیطرف اشارہ کرتا ہے جسکو علم مبدء کہتے ہیں کیونکہ جب اُسکی ذات و صفات و تقدیس کا علم اور اُسکے انوار اُسپر پرتو فگن ہوجاوینگے تو مخلوق کے پیدا کرنے کے اسرار خوب سمجھ سکے گا۔

فقال (۱) الذی خلق فسوٰی اُسکی تسبیح و تقدیس کر کہ جس نے مخلوق کو پیدا کیا اور پیدا کر کے یوں ہی اینڈا و بیکار اور بیڈول نہیں چھوڑ دیا بلکہ اُسکو ٹھیک اور درست بھی کیا جسکے لئے جس عضو اور جس قوت اور صورت کی حاجت تھی وہی عطا کی ہر ایک مخلوق میں اگر نظر کیجئے گا انسان سے لے کر حیوانات اور نباتات و جمادات بلکہ علویات تک جسمیں چاند اور سورج اور ستارے بھی شامل ہیں تو جلد اقرار کر لیجئے گا کہ اسکی بناوٹ ایسی ہی ہونی چاہئے تھی اور اگر اس میں ذرا بھی فرق ہوتا تو خوبصورتی بگڑ جاتی اور اُسکے افعال میں فرق آجاتا پرندوں کو پر دئے درندوں کو ناخن اور کچلیاں عطا کیں درختوں کو پوست کا لباس پہنایا پھر ہر ایک کے جسم کی بناوٹ میں ہر ہڈی اور ہر پٹھا کس موقع سے رکھا ہے کہ عقل حیران ہوتی ہے (۲) والذی قدر فھدٰی اُسکی کہ جس نے پیدا اور ٹھیک کر کے اندازہ کیا یعنی اُسکے تولے اور اُسکے افعال اور عمر سب چیزوں کا علم الٰہی نے اندازہ کر لیا تاکہ اُس حد تک اُسکی کسی بات اور بناوٹ میں فرق نہ آوے مثلاً یہ اندازہ کر لیا تھا کہ یہ حیوان تمام عمر میں اس قدر کھائیگا اور اتنے دنوں جیئے گا تو اُسکے معدہ میں اُتنے ہی ایام تک اُتنی غذا ہضم کرنے کی قوت عطا کی اور معلوم کر لیا تھا کہ اتنی حرکت کریگا تو اُسکے پاؤں میں اُسیقدر قوت عطا کی اور اگر یہ اندازہ نہوتا تو بڑی خرابی واقع ہوتی مثلاً چراغ جلانا صبح تک مقصود ہو اور تیل تھوڑا ڈالدیا جاوے تو قبل الوقت گل ہوجائے اور زیادہ ڈالدیا جاوے تو بیکار جاوے اور جس اندازہ کی روشنی درکار تھی اُس سے بڑھ جاوے اور نیز اس اندازہ کرنے میں اُسکی شان ربوبیت بھی نمایاں ہے۔ بعض قرا نے قدر کو بغیر تشدید کے پڑھا ہے جسکے معنی ہیں کہ اُسکو قادر کیا یعنے اُسکے مناسب افعال و حرکات کی اُسمیں قدرت بھی رکھی اور قدرت ہی پر بس نہ کیا بلکہ فھدٰی اُسکو رہنمائی بھی کی انسان کو اُسکے معاش کے اسباب حاصل کرنے کے علوم عطا ہوئے پرندوں کو گرمی سردی میں گھر بنانے کی ہدایت کی حشرات الارض کو زمین کے اندر سوراخوں میں رہنے کی ہدایت کی چیونٹی ایک چھوٹا سا جانور ہے اگر آپ اُسکی ہدایت الٰہی کو دیکھیں تو حیرت میں رہجائیں کس ترکیب سے خورش کی چیزیں لاتی ہے اور باہم کس موقع سے قطار باندھ کر چلتی ہیں انسان کو تو وہ چیزیں بتائیں کہ دیکھکر حیرت ہوتی ہے جس سے ریل گاڑی تار برقی اور طرح طرح کی کلیں اور کہربائی قوتیں ایجاد کیں۔ اور علوم آخرت بھی ہدایت کئے اسکے لئے حضرات انبیاء علیہم السلام بھیجے۔ اس ہدایت الٰہی کی شرح کیجائے تو ایک دفتر میں بھی نہ آئے اب یہاں تک تو اُسکے وجود اور بنا سے کا بیان تھا اب فنا کی بھی سُن لیجئے (۳) والذی اخرج المرعٰی فجعلہ غثاء احوٰی اوسکی تسبیح کر کہ جس نے زمین سے چارہ نکالا یعنی گھانس پھر دیکھئے وہ کیسی لہلہاتی اور دل لبھاتی ہے پھر چند روز کے بعد وہ زرد پڑ جاتی ہے اور کٹ کر لوٹ جاتی ہے اور کوڑا ہوجاتی ہے اور کوڑے کے بعد سیاہی نما مٹی ہوجاتی ہے یا کھو کوڑے پڑے ہی میں اسپر تیرگی آجاتی ہے اسمیں مخلوق خصوص حضرت انسان کی انتہا کیطرف کس عمدہ پیرایہ میں اشارہ ہے کہ جس سے غور کرنیوالے کے دل پر چوٹ لگتی ہے اب یہاں سے موت اور موت کے بعد کا حال بیان ہوتا ہے۔

فقال سنقرئک فلا تنسیٰ کہ مرنے کے بعد تیرے نامۂ اعمال کو ہم تجھ سے پڑھوائیں گے گو تو اے انسان اب اسکو نہیں پڑھ سکتا جیسا کہ ایک جگہ فرمایا ہے اقرء کتابک کہ ہم کہیں گے پڑھ اپنی کتاب اور اسوقت تو اپنے اعمال نیک و بد میں سے کچھ بھی نہ بھولے گا سب تیرے یاد آجائینگے الا ماشاء اللہ مگر وہ کہ جنکو اللہ چاہے گا یاد نہ آئیں گے۔ اور وہ نیکوں کے بعض بُرے کام اور انکی شرمندگی کے اسباب ہیں جو دنیا میں اُنسے سرزد ہوگئے تھے اور پھر انہوں نے توبہ و استغفار و گریہ وزاری کے پانی سے مٹا ڈالے تھے انکو خدا پاک وہاں بھی یاد نہ دلائیگا تاکہ انکی شرمندگی اور رنج کا باعث نہوں خصوصاً حضرات انبیاء علیہم السلام کی لغزشیں یا وہ خفیف باتیں جو انسان سے بمقتضائے بشریت سرزد ہوجاتی ہیں۔

یہ مرنے کے بعد خصوص قیامت میں ایک حضور علمی کا مرتبہ ارواح کو حاصل ہوتا ہے کس لئے کہ سہو و نسیان دنیا میں بسبب جسم کے ہے اور ہم یہ تمام باتیں کیوں یاد دلائیں گے انہ یعلم الجھر وما یخفیٰ اس لئے کہ اللہ کو کھلی اور چھپی بات معلوم ہے کوئی چیز اس سے مخفی نہیں اب جو کچھ کرو ہوشیاری سے کرو اور جان لو کہ اسکو ایک روز ہمارا رب ہمیں جتلائیگا اور ہمارے دفتر اعمال کو ہمسے پڑھوائیگا

ان آیات سنقرئک الخ کی تفسیر میں بعض مفسرین یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس جب جبرئیل وحی لاتے تو آپ اس خوف سے کہ کہیں کچھ بھول نہ جاؤں جبرئیل کے ساتھ ساتھ جلد جلد پڑھتے جاتے اور یہ آپکے لئے بڑی مشقت تھی اس مشقت کے دور کرنیکو یہ آیات نازل فرمائیں کہ آپ بھول جانے کے اندیشہ کو دل سے نکال دیجئے اسکا یاد کرانا ہمارا کام ہے آپ نہیں بھولیں گے الا ماشاء اللہ مگر جسقدر خدا چاہے کہ بشریت سے آپکو نسیان و سہو ہوجائے نہ یہ کہ بالکل ذہول ہوجاوے۔ اور ایسا ہوتا تھا چنانچہ نماز میں ایکبار آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ایک آیت پڑھنی بھول گئے نماز کے بعد آپنے پوچھا کیا میں کوئی آیت چھوڑ گیا ابی بن کعب نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ آپ فلاں آیت چھوڑ گئے بعض فرماتے ہیں الا ماشاء اللہ تبرکاً فرمادیا گیا تاکہ معلوم رہے کہ بھلا دینا حق سبحانہ کے اختیار میں ہے ورنہ بھولا یا آپکو کچھ بھی نہیں یہ فراء کا قول ہے۔ انہ یعلم الجھر کیونکہ وہ تیرے موجودہ کمالات کو جانتا ہے وما یخفیٰ اور جو تیرے اندر استعداد کامل رکھی ہے اسکو بھی جانتا ہے۔ تو اس قابل ہے کہ حق سبحانہ تیرے ذہن کو عالم غیب کا آئینہ یا خزانہ کردے۔ چنانچہ ایسا ہی کردیا پھر قرآن مجید میں سے ایک حرف بھی آپ نہ بھولے تھے اور آپکی برکت سے بہت سے صحابہ بھی قرآن مجید کے حافظ تھے اور امتوں کیطرح کتاب سماوی کا کتابت پر انحصار نہ تھا بلکہ تمام قرآن ان پاکبازوں کے سینوں پر لکھا ہوا نہیں بلکہ کھدا ہوا تھا اور انکی یہ برکت اب تک امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں مستمر چلی آتی ہے خصوصاً اس گروہ میں جو انکے قدم بقدم ہے ہر گاؤں اور شہر میں حفاظ موجود ہیں یہاں تک کہ چھوٹے چھوٹے لڑکے اور عورتیں بھی تمام قرآن مجید کے حافظ ہیں اگر خدانخواستہ تمام دنیا میں ایک نسخہ بھی قرآن مجید کا باقی نہ رہے تو ایک گاؤں میں سے ایک لڑکا سب قرآن کو لکھوا دے اور ایک لفظ اور حرف بلکہ زبر و زیر کا بھی فرق نہ آنے پاوے فلا تنسیٰ کی بشارت کیسی جلوہ گر ہو رہی ہے۔ بھلا کوئی دوسری قوم تو اپنی کتاب کا ایک ہی حافظ دکھا دے۔ نہ کوئی وید کا حافظ سننے میں آیا نہ انجیل کا نہ توریت کا نہ زبور کا +

ف اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ جو خدا پاک کی تسبیح و تہلیل کرتا ہے یہانتک کہ اسکی روح پر انوار قدس فائض ہونے لگتے ہیں تو ملہم غیب اسکے دلکو علوم و معارف کا چشمہ کردیتا ہے اسکو اس حال میں وحی پڑھا یا جاتا ہے اس صفت میں اول درجہ حضرات انبیاء علیہم السلام ہیں پھر اولیاء کرام ۱۲ منہ

ف اس سے یہ سمجھ لینا کہ پیغمبر علیہ السلام قرآن کی بعض آیات بھول گئے تھے یا خدا نے بھلوا دی تھیں ایک غلط خیال ہے جسکی بناء اخبار احاد غیر صحیحہ اور غلط فہمی پر ہے ۱۲ منہ

وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ۚ فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ؕ سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ۙ وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ۙ الَّذِیْ

اور ہم تیرے لئے آسان باتوں سہل کر دینگے پس سمجھاتے رہو اگر فائدہ سمجھانا بخشے نا جو خدا ترس ہوگا وہ تو جلد سمجھ جاوے گا اور اس نصیحت سے بدبخت ہی ٹلا لگا ہی شانہ رہیگا

يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ۚ ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ؕ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۙ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ؕ

بڑی آگ میں پڑیگا پھر وہاں نہ مرے گا اور نہ جئے گا جسنے پاکیزگی حاصل کرلی اور اپنے رب کا نام لیتا رہا اور نماز پڑھتا رہا اسنے فلاح پائی

ترکیب

ونیسرک معطوف علی سنقرئک وقولہ انہ یعلم الجہر وما یخفٰی اعتراض اے سنقرئک فلا تنسیٰ ونوفقک للطریقۃ التی ہی اسہل والیسران شرطیۃ نفعت الذکریٰ شرط وقولہ فذکر یدل علی الجزاء الذی یصلی الخ صفۃ الاشقیٰ ثم لا یموت عطف علی یصلی وذکر عطف علی تزکی فصلی عطف علی ذکر۔

تفسیر

پہلے فرمایا تھا سبح اسم ربک الاعلیٰ کہ اپنے رب اعلیٰ کی تسبیح بیان کر۔ اور اب اُس تسبیح کے ثمرات بیان فرماتا ہے فقال ونیسرک للیسریٰ کہ ہم تیرے لئے نجات کے رستے کو آسان کر دینگے۔ نجات کو یسریٰ یوں کہا کہ وہ کوئی درحقیقت مشکل اور محال بات نہیں جیسا کہ مذاہب باطلہ میں ہے کہ کوئی بتوں پر اپنی اولاد کی قربانی کو نجات کا سبب جانتا ہے کوئی آگ میں جل مرنے کو کوئی دریا میں ڈوب مرنے کو کوئی بھوکا پیاسا مرنیکو کوئی لنگوٹی باندھکر فقیر بنے اور بھیک مانگتے پھرنے کو نجات جانتا تھا۔ اس لفظ یسریٰ میں اشارہ کر دیا کہ یہ سب خیال باطل ہیں نجات کچھ مشکل نہیں صرف خدا اور اُسکے رسول کی فرمانبرداری سے ہے مگر یہ بھی ہر ایک کے لئے آسان نہیں گو فی نفسہا آسان ہے یہی پنجگانہ نماز ہے کہ جسمیں کچھ بھی وقت نہیں وضو نکر سکے تو تیمم کرے کھڑا ہوکر نہ پڑھ سکے تو بیٹھکر پڑھ لے مگر بعض طبائع پر یہ پہاڑ سے زیادہ بھاری ہے۔ زنا سے بچنا کچھ مشکل کام نہیں ایک عورت دلپسند سے نکاح کر کے قضاء حاجت کر سکتا ہے اگر اسپر بھی بس نہیں تو دو کر لے اور اسپر بھی بس نہیں تو تین اور بہت ہی ضرورت پڑے تو چار سہی پھر جسکی تقدیر کھوٹی ہے وہ سو پر بھی بس نہیں کرتا اور اُسکو حلال میں لذت نہیں آتی۔ ایک بدکار عورت یا مرد سے اگر کہا جاوے کہ تم اپنا یہ تعلق قائم رکھو مگر نکاح کر لو تو وہ ہرگز نہیں کرینگے یوں عمر بھر جھک مارینگے۔ علیٰ ہذا القیاس۔ لیکن خدا کی تسبیح و تقدیس کے انوار سے جب روح منور ہوتی ہے تو قوے بہیمیہ پست ہو جاتے ہیں اُسوقت روح کا تقاضا نیک کاموں پر ہوتا ہے اور بڑی آسانی سے کرنے لگتا ہے اور وہ نیک کام اُسکے نزدیک ایسے آسان ہو جاتے ہیں جیسا کہ ظلمانی کے نزدیک بدکام آسان ہوتے ہیں۔ اسی لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کل میسر لما خلق لہ امامن کان من اہل السعادۃ فییسر لعمل السعادۃ واما من کان من اہل الشقاوۃ فییسر لعمل الشقاوۃ الحدیث (متفق علیہ) کہ جو جس کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے اُسکو وہی آسان کر دیا جاتا ہے پھر جو اہل سعادت ہے اُسکے لئے سعادت کے کام آسان کر دئے جاتے ہیں اور جو اہل شقاوۃ ہے اُسکے لئے بدبختی کے کام آسان کر دئے جاتے ہیں +

اب اس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مژدہ ہے کہ معرفت عبادت سیاست حسن اخلاق صبر وغیرہ کے لئے آپکے دل کو منبع کر دیا جاویگا اس سے ایک فوارہ جوش کرے گا جس سے یہ سب کام آپکے نزدیک بہت آسان ہو جاوینگے اسلئے آپکو کسی معلم اور اُستاد اور لکھنے پڑھنے کی طرف حاجت نہ پڑیگی اور نہ کوئی مشقت اُٹھانی پڑیگی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ پھر جب آپ خود کامل ہو گئے اور نیک کاموں کا ملکہ اسنے آپکے

دل میں پیدا ہوگیا تو فذکر لوگوں کو سمجھا اور اُن کو سُدھار۔ درحقیقت اُسی کے وعظ و پند کا اثر بھی ہوتا ہے کہ جسکے دلمیں خود اِن
باتوں کا ملکہ راسخہ ہوتا ہے اور اُسکے قلب سے ایک سچا جوش اُٹھکر موج زن ہوتا ہے ورنہ خالی بک بک اور اسپیچ کچھ بھی فائدہ نہیں
دیتی کیا خوب کہاہے عارف جامی نے ؎ گر ز عشقت خبرے ہست بگوا ے واعظ؛ ورنہ خاموش کہ ایں شور و فغاں چیزے نیست
مگر یہ تذکیر ایک دُر بے بہا ہے خنزیر اور کتا اس لایق نہیں کہ اُسکی گردن میں لٹکا دیا جائے بلکہ جو اسکا اہل ہو اور جسکو سمجھتے
ہو کہ وہ اِس سے فائدہ مند ہوگا اسلئے اسکے بعد فرمادیا کہ ان نفعت الذکریٰ کہ اگر آپ یہ سمجھیں کہ ذکر نفع دیگا۔

شبہ

شبہ آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم پر فرض تھا کہ سکو نصیحت کریں خواہ کوئی ماننے یا نہ مانے اُسکو نفع ہو یا نہو کسلئے کہ آپ تمام خلق کیلئے ہادی
بناکر بھیجے گئے تھے پھر یہ قید کیوں لگائی کہ اگر ذکر نفع دے تو تذکیر کرو؟

جواب

جواب تبلیغ اور تذکیر میں فرق ہے تبلیغ عام ہے وہ
ایک حکم کا پہونچا دینا ہے خواہ کوئی مانے یا نہ مانے جو نہ مانے اُسپر حجت تمام ہو جاویگی اور رہی تذکیر جسکے معنے ہیں یاد دلانا یا
سمجھانا وہ یہ ہے کہ یہ شخص پہلے سے جانتا تھا اسکی فطرۃ میں یہ باتیں تھیں علائق و موانع سے بھول گیا تھا اب اُسکو مذکر یاد دلاتا ہے
گرچہ حق سبحانہ کو علم ازلی سے معلوم ہے کہ فلاں کو تذکیر فائدہ دیگی یہ ازلی سعادتمندی ہے عارضی گمراہی اُسپر طاری ہوگئی ہے
فلاں کو فائدہ نہ دے گی کسلئے کہ یہ ازلی گمراہ ہے مگر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہوتا ہے کہ آپ اپنے علم و قرائن سے
جسکے لئے تذکیر کو مفید دیکھیں تو تذکیر کریں ورنہ ابلاغ و انذار تو سب ہی کے لئے ہے۔

بعض علماء نے اس شبہ کا یہ جواب دیا ہے کہ اصلی عبارت یوں ہے ان نفعت الذکریٰ اولم تنفع کہ خواہ فائدہ دے یا نہ دے آپ سمجھا دیں مگر دوسرے جزء کو حذف
کردیا گیا تاکہ معلوم ہو کہ مقصود اصلی نفع ہی دینا ہے۔ اور بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ کسی شئے کو کسی چیز پر معلق کرنے سے یہ نہیں لازم آتا کہ جب وہ شئے کہ جس پر
معلق کیا ہے نہو تو یہ بھی نہو ممکن ہے کہ ایک شئے کے چند اسباب ہوں ہر ایک کے پائے جانے سے یہ شئے پائی جائے اور اُنمیں سے ایک کے وجود پر معلق کیجائے اور
یہ نہیں کہ جب یہ نہو تو یہ شئے نہو کسلئے کہ اُسوقت دوسرا سبب پایا جاوے بعض نے جواب دیا ہے کہ یہ ایک محاورہ کی بات ہے کہ کسی کام کو کسی فائدہ سے اور مقصود اعلیٰ سے
معلق کردیتے ہیں جب کسی حکیم کو کہا جاوے کہ آپ علاج کیجئے اگر علاج سے شفا ہوتے دیکھیں اور صورت یہ ہے کہ علاج ہر حال میں کرانا مقصود ہے
اب یہ بیان فرمایا جاتا ہے کہ تذکیر کسکو نفع دیگی اور کون اُسکے اثر سے محروم رہیگا فقال سیذکر من یخشیٰ کہ اس وعظ و تذکیر سے بہت جلد سدھر جاویگا
کہ جو ڈرتا ہوگا۔ واضح ہو کہ تین قسم کے آدمی ہیں ایک وہ جو دار آخرت اور اعمال کی جزا و سزا کے قائل ہیں دوم وہ کہ جو نہ قائل ہیں نہ منکر ہیں بلکہ متردد و شکی
ہیں۔ یہ دونوں قسم کے لوگ ڈرجاتے ہیں اول قسم کے تو خوب ہی ڈرتے ہیں اور قسم دوم کے بھی جبکہ اُنکے سامنے عذاب آخرت کی تصویر کھڑی کیجاتی
ہے تو وہ بھی ڈرجاتے ہیں ان دونوں فرقوں کو اس میں شامل کرلیا گیا تیسرا فریق وہ ہے جو منکر اور سخت معاند ہے ڈھٹائی کرتا ہے اُسکی
نسبت یوں فرماتا ہے ویتجنبہا الاشقی کہ اس نصیحت یا نجات سے بدبخت اور بڑا شقی وہ ہے کہ جسکے اعمال خراب ہوں لیکن اعتقاد درست
ہو اور شقی وہ ہے کہ جسکے اعتقادات بھی خراب ہوں پھر اگر یہ کسی رسم و عادت یا کسیکی تقلید سے ہیں تو یہ بھی سمجھانے سے سمجھ جاتا ہے
اور اگر حق سے انکار کرنے کی مشاقی کرتے کرتے اور ہٹ دھرمی اور ڈھٹائی کرتے کرتے ایک ملکہ راسخہ پیدا کرلیا ہے تو یہ لاعلاج ہے
اسکے حق میں آیا ہے لا ینفع آلایات والنذر اس جگہ اشقیٰ سے یہی مراد ہے۔ اسکا انجام بیان فرماتا ہے الذی یصلے النار الکبریٰ کہ وہ بڑی آگ
میں پڑے گا اور دنیا کی آگ صغریٰ اور وہاں کی آگ کبریٰ ہے یعنی سخت سوزش والی اور پھر جہنم میں طبقات ہیں ایک سے ایک بڑا ہیں جو بہاں
اشقی یعنی بڑا شقی ہے اُسکے لئے وہاں آگ بھی بڑی ہے۔ یہی شقاوت آگ بنجاویگی العیاذ باللہ پھر دنیا کے مصائب ناقابل برداشت سے

موت زشت گاری کر دیتی ہے اسی لئے ایسے سخت مصائب میں لوگ موت کی آرزو کیا کرتے ہیں اور بعض خودکشی بھی کر لیتے ہیں مگر وہاں
موت بھی نہیں جیسا کہ خبر دیتا ہے ثم لایموت فیہا کہ پھر اس آگ میں موت بھی اسکو نہ آویگی اور یہ اسلئے کہ اس عالم میں روح کے
احکام بدن پر غالب ہونگے اسلئے جس طرح روح فنا پذیر نہ ہوگی ابدان بھی نہ ہونگے ہاں ایک چمڑی جل جانیکے بعد دوسری چمڑی
تیار ہو جاویگی کما قال بدلنا جلودا الآیہ۔ ولا یحیےٰ اور نہ زندگی ہی اچھی طرح سے ہوگی کس لئے کہ ہر وقت موت سے زیادہ تلخی
چکھنی ہوگی اور ایسی بری زندگی کو عرف میں زندگی ہی نہیں کہتے ♦

پہلے فرمایا تھا کہ ڈرنے والے اس نصیحت سے جلد سمجھ جاوینگے اب اس سمجھنے کی تشریح اور اسکا نیک نتیجہ بیان فرماتا ہے قد افلح من تزکی کہ
تحقیق فلاح پائی اسنے کہ جو پاک بنگیا۔ پاکی عام ہے اول جسم کی پاکی نجاسات ظاہرہ گوہ موت وغیرہ سے اور نیز ناپاک کپڑوں سے عام ہے
کہ وہ حقیقتاً ناپاک ہوں کہ انپر نجاستیں لگی ہوں یا حکماً کہ مال حرام یا مشتبہ سے بنائے گئے ہوں یا نامشروع ہوں جیسا کہ مرد کے
لئے ریشم اور زری گوٹا یا نیچا دامن اور فساق و بدکاروں کی وضع و تراش ہو اور نیز جسم کو حکمی نجاستوں سے بھی پاک کیا ہو جنابت یا حدث
اصغر سے غسل اور وضو کے ساتھ۔ کس لئے کہ جسم کی پاکی کو روح کی پاکیزگی میں بڑا دخل ہے۔ اسکے بعد روح کی پاکیزگی ہے اور یہی
مقصد اصلی بھی ہے اور روحانی نجاستیں کیا ہیں اول کفر و شرک اور دیگر عقائد باطلہ مثلاً حق سبحانہ کی ذات یا کسی صفات کا انکار یا انبیا
علیہم السلام اور اُنکے ارشادات اور کتب سماویہ اور عالم آخرت اور ملائکہ کا انکار یا اُنمیں کوئی خیال باطل جیسا کہ گمراہ فرقوں کو ہوتا ہے
ان سب سے تزکیہ ایمان لانا اور عقائد حقہ کا دلپر نقش کرنا ہے اور یہ روحانی پاکی ہے پھر افعال زشت اور اخلاق بد سے پاکی حاصل کرتا ہے
زنا چوری۔ جھوٹ بولنا۔ دغابازی۔ کینہ حسد۔ طمع بیجا۔ حب شہوات فاسدہ سے پاک کرنا ہے جسکے لئے توبہ و استغفار اور ندامت اور آنکھوں
کے آنسو بڑا عمدہ صابن ہیں۔ نہ کسی حوض کا پانی جیسا کہ عیسائی سمجھتے ہیں اور نہ کسی دریا میں نہانا جیسا کہ ہنود خیال کرتے ہیں۔ اور اتلاف حقوق
کی نجاست سے بھی پاکی حاصل کرے عام ہے کہ حقوق اللہ ہوں جیسا کہ اسکے فرائض و واجبات جن میں زکوٰۃ اموال و صدقات بھی شامل ہیں
یا حقوق العباد ہوں۔ مگر ان سب باتوں سے صرف ناپاکی دور ہوتی ہے ابھی تک کوئی نیا رنگ نہیں پیدا ہوتا اس لئے نئے رنگ پیدا
کرنے کے لئے ان جملوں میں ارشاد فرماتا ہے وذکر اسم ربہ کہ اپنے رب کا نام لے عام ہے کہ ذکر قلبی ہو یا ذکر لسانی ہو سر ہو یا جہر بشرطیکہ
شرعی اور مسنون طریقوں سے ہو۔ ذکر آلہی سے روح پر ایک ایسی نورانیت پیدا ہوتی ہے جو اور کسی کام سے نہیں ہوتی اسی لئے ایک
جگہ فرما دیا اذکروا اللہ ذکراً کثیرا لعلکم تفلحون اب اسکے بعد ترقی ہوتی ہے فصلیٰ کہ پھر نماز پڑھی کیسلئے کہ نماز میں روح اور جسم دونوں
ذکر و فکر و مراقبہ میں ہوتے ہیں۔ بعض عرفاء نے فرمایا ہے کہ اس آیت میں تمام منازل سلوک کیطرف اشارہ ہے کس لئے کہ تزکی
میں توبہ اور معاصی سے تصفیہ آگیا جو اول منزل ہے وذکر اسم ربہ میں ذکر قلبی و لسانی و روحی دوسری آگیا۔ اور فصلی میں مرتبہ
مشاہدہ تک پہونچنا آگیا اور اسی لئے نماز کو معراج المومنین کہتے ہیں۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ تزکی میں طہارت کیطرف اور ذکر اسم ربہ
میں تکبیر تحریمہ کیطرف اور فصلی میں ادائے نماز کیطرف اشارہ ہے۔ اور اسی لئے امام اعظم فرماتے ہیں کہ اللہ اکبر کی جگہ الرحمن اعظم یا
لا الٰہ الا اللہ یا سبحان اللہ بھی کہدے گا تو نماز ہو جاویگی کس لئے کہ ذکر میں یہ بھی شامل ہے صرف لفظ اللہ اکبر کہکے نماز شروع کرنیکی کوئی
خصوصیت نہیں نیز فصلی سے یہ بھی ثابت ہوا کہ تکبیر یا ذکر جو افتتاح نماز کے وقت ہو نماز میں داخل نہیں۔ افلح کے لفظ میں تعمیم
ہے دنیا کی فلاح اور آخرت کی فلاح سب آگئی۔ جنت اور دیدار آلہی سب کو شامل ہے ♦

ف عیسائی بپتسمہ یعنی حوض میں غوطہ لگانے یا چھڑکا دینے کو پاکی روحانی خیال کرتے ہیں اسی طرح عام ہنود گنگا جمنا دریاؤں میں نہانا پاکی سمجھتے ہیں ۱۲ منہ

بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝ اِنَّ هٰذَا لَفِى الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۝ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ۝ ع ۱۹/۱۲

بلکہ تم تو دنیا کی زندگی پسند کر رہے ہو۔ حالانکہ آخرت کا گھر بہتر اور سدا رہنے والا ہے بیشک یہی بات تو اگلے صحیفوں میں بھی ہے ابراہیم اور موسےٰ کے صحیفوں میں بھی

ترکیب

بل اضراب عن کلام مقدر یدل علیہ السیاق اے انتم لاتفعلون ذٰلک بل تؤثرون اللذات الفانیۃ العاجلۃ الحاصلۃ فی الدنیا علی الدار الآخرۃ ونعما یہا۔ الباقیۃ والآخرۃ مبتدء خیر وابقیٰ خبر والجملۃ حال من فاعل تؤثرون صحف ابراہیم الخ بدل من الصحف الاولےٰ۔

تفسیر

کفار دنیا پرست کہتے تھے کہ ہمکو تو تزکیہ اور ذکر اور نماز میں کوئی فلاح نہیں معلوم ہوتی کیا ہم عقل وادراک نہیں رکھتے اسکی جواب میں ارشاد فرماتا ہے یا یوں کہو کہ وہ بھی تزکیہ کے مدعی تھے۔ اُن کے جواب میں ارشاد فرماتا ہے تمہیں عقل وادراک کیا نہیں بل بلکہ تم تؤثرون الحیٰوۃ الدنیا دنیا کی چند روزہ زندگانی اور اُسکے لذات فانیہ کو آخرت اور اُسکے لذات باقیہ پر فوقیت دیتے ہو۔ حالانکہ والآخرۃ خیر وابقےٰ۔ وہ جہان دنیا سے کہیں بہتر ہے کس لئے کہ دنیا کے گھر میں کونسی لذت ہے جسکے اول بھی تلخی نہو اور آخر بھی تلخی نہو کون سی شادمانی ہے جسمیں غم کا کانٹا نہ لگا ہو اگر دنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں اور دولتمندوں سے پوچھئے گا کہ تمہیں پوری مُرادیں مل گئیں اب تو کوئی ارمان اور ہوس باقی نہیں تو فوراً کہدینگے ابھی بہت کچھ ارمان دل میں ہیں جو ابھی نہیں نکلے۔ پھر یہ کیسا کانٹا ہے جو ہر وقت کھٹکتا رہتا ہے۔ اور اگر یہ پوچھیئے کہ کوئی رنج وغم تو نہیں تو جھٹ بول اٹھیں گے کہ ہزاروں. کوئی کہہ اٹھے گا کہ میرا بیٹا مرگیا اور میری زندگی تلخ کرگیا کوئی کہے گا میری محبوبہ مرگئی مجھے اُسکی جدائی نے بیچین کردیا کوئی کہے گا مجھے فلاں مرض نے مجبور کر رکھا ہے۔ اور اگر ان سب باتوں میں سے کوئی بھی نہیں تو پھر بقا نہیں چند روزہ عیش وکامرانی کے بعد فنا ہے اور فنا بھی ایسی کہ گویا کبھی آئے ہی نہیں تھے۔ برخلاف آخرت کے کہ وہاں کے عیش بے خار ہیں اور اسپر باقی ہیں فنا ہی نہیں ۔

چونکہ یہ مضمون کہ آخرت کو دنیا پر فوقیت ہے (اس لئے دل کو اس فانی اور کمتر چیز پر باقی اور بہتر کے مقابلہ میں نہ لگانا چاہیئے) اکثر طبائع بنی آدم کے مخالف تھا کیونکہ انکی جبلت میں دنیا کی محبت اور آخرت سے نفرت اور غفلت ہے اس لئے اس مطلب کے اثبات کے لئے پہلی کتابوں سے سند لائی گئی کہ جو اکثر طوائف عالم کے نزدیک بالخصوص عرب کے نزدیک مسلم الثبوت ہیں فقال ان ہذا کہ تحقیق یہ مضمون قد افلح سے لے کر اخیر تک لفی الصحف الاولےٰ پہلی کتابوں میں ہے ہرگز منسوخ نہیں ہوا ہوگا۔ بالخصوص صحف ابراہیم وموسےٰ۔ حضرت ابراہیم اور موسےٰ کے صحیفوں میں بھی ہے حضرت ابراہیم پر بھی خدا پاک نے متعدد صحیفے نازل کئے تھے۔ صحیفہ چھوٹی سی کتاب۔ اب صحیح تعداد تو معلوم نہیں کہ کتنے تھے اور نہ اُن میں سے اب کوئی صحیفہ کسی کے پاس باقی ہے۔ اور موسےٰ علیہ السلام پر بھی توراۃ کے علاوہ اور صحیفے نازل ہوئے تھے اُن میں بھی یہ مضمون موجود تھا ۔

سُوْرَۃُ غَاشِیَہ مَکِّیَہ ھے | بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ | اِسْمِیْں چھبیس اٰیَات ھیں

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ۝ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۝ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۝

بھلا آپکو چھا جانے والی چیز (قیامت) کا حال بھی معلوم ہوا؟ اس دن بہت سے منہ تو ذلیل مشقت کش ہارے ہوئے ہونگے دہکتی آگ میں گرے پڑتے ہونگے۔

تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ۝ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ۝ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ۝

انکو کھولتے چشمے کا پانی پلایا جاویگا ان کو کھانا نہ ملے گا مگر اونٹ کٹارا جو نہ موٹا کرتا ہے اور نہ بھوک میں کام آتا ہے۔

ترکیب

ہل بمعنی قد و بہ قال قطرب وقیل استفہامیۃ۔ الغاشیۃ القیامۃ وسمیت بہالانہا تغشی الخلائق باہوالہا وقال سعید بن جبیر ومحمد بن کعب الغاشیۃ النار تغشی وجوہ الکفار وعن ابن عباس انہا من اسماء القیامۃ وعنہ انہا الساعۃ وجوہ الخ الجملۃ مستانفۃ وجوہ مرفوع علی الابتداء وان کان نکرۃ لوقوعہ فی مقام التفصیل خاشعۃ خبرہ۔ یومئذ ظرف الخبر۔ عاملۃ وصف لہا وکذا ناصبۃ تصلی قراء الجمہور بفتح التاء مبنیا للفاعل وقری بضمہا مبنیا للمفعول والضمیر راجع الی الوجوہ والمراد اصحابہا۔ وہی خبر آخر للمبتدء وکذا تسقی۔ لیس لہم الجملۃ مستانفۃ لبیان حال اہل النار الا من ضریع یجوز ان یکون فی موضع نصب علی اصل الباب وان یکون رفعا علی البدل۔

تفسیر

یہ سورہ بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی ابن عباس وابن الزبیر کا بھی یہی قول ہے اسمیں چھبیس آیات ہیں۔ غاشیہ ڈھانکنے والی چیز کو کہتے ہیں اور بیہوش کر دینے والی کو بھی اور یہ قیامت کا اسی سبب سے نام ہے کہ اسکی دہشت لوگوں کو ڈھانک لیگی اور بیہوش کر ڈالے گی یہ لفظ اس سورہ میں ابتداء میں آیا اسلئے اسکا نام غاشیہ ہوا۔

مناسبت اس سورۃ کی پہلی سورۃ سے بہت سے مضامین میں ہے از انجملہ اس مضمون میں کہ سورہ سبح اسم ربک میں اخیر مضمون یہ تھا کہ نجات سے الگ رہنے والا بڑی آگ میں ڈالا جاویگا کہ جہاں نہ اسکو موت آویگی نہ پوری زندگی ہوگی اور جسنے اپنے آپ کو پاک کر لیا اسنے فلاح پائی اب اس سورہ میں ان دونوں باتوں کا وقت بیان فرماتا ہے اور نیز ان دونوں گروہ کے حالات کی پوری تشریح بھی ہے تاکہ نار کبری سے لوگ ڈریں اور آخرت جو بہتر اور باقی ہے اسکی نعمتوں کا حال سنکر مشتاق ہوں اور لذائذ دنیا اور اسکی چند روزہ زرق برق کو حقیر جانیں اور اسپر دل نہ لگائیں۔

وہاں دو گروہ ہونگے ایک بد لوگوں کا جو اس دنیا کی محبت میں آخرت کو برباد کر بیٹھے تھے دوسرا نیک لوگوں کا جنہوں نے اس چند روزہ زندگی میں آخرت کی کامرانی حاصل کرنے کو غنیمت جانا اور بڑی کوشش کی اس لئے پہلے گروہ کا حال بیان کرتا ہے اور شروع قیامت کے حال سے کرتا ہے فقال ہل اتاک حدیث الغاشیہ کہ کیا تجھے غاشیہ یعنی قیامت کی بات معلوم ہوئی؟ ضرور ہوئی بعض علماء نے یوں معنی بیان کئے ہیں کہ بیشک تجھکو اے پیغمبرؑ یا اے سامع قیامت کا حال معلوم ہو گیا ہے۔ غاشیہ سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک قیامت ہے

اور اس کا یہ نام اسلئے ہوا کہ جو چیز ہر طرف سے ڈھانک لیتی ہے اسکو غاشی کہتے ہیں اور یہ بات قیامت میں پائی جاتی ہے (۱) یوں کہ وہ لوگوں پر دفعۃً آجاویگی اور نیز ایسے آنے والے کو یا غاشی یا غاشیہ کہا کرتے ہیں جیسا کہ اس آیت میں افامنوا ان تاتیہم غاشیۃ من عذاب اللہ (۲) یہ کہ سب لوگوں کو ڈھانک لے گی ہوش وحواس کو بھی اور مجرموں کے بدنوں کو بھی چاروں طرف سے اس روز عذاب ڈھانک لیگا جیسا کہ اس آیت میں ہے یوم یغشاہم العذاب من فوقہم ومن تحت ارجلہم۔ اور نیز ایماندروں کی لغزشوں کو بھی بسبب مغفرت الٰہی کے اور کفار کے نامقبول اعمال کو بسبب عتاب کے اور اس طرز سے سوال کرنے میں کہ ہل اتاک حدیث الغاشیۃ اس کی طرف سامع کی پوری توجہ دلانا اور آیندہ کلام کو حضور دل سے سنوانا مقصود ہے اسلئے اسکے بعد فرماتا ہے وجوہ یومئذ خاشعۃ کہ بہت سے منہ اس روز ذلیل وخوار ہونگے انکے چہروں پر ذلت نمایاں ہوگی۔ یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا میں خدا کے آگے سر نہیں جھکاتے تھے کبر وگردن کشی کرتے تھے اور وہ بھی ہیں کہ جو تن پروری کرتے تھے اور وہ بھی ہیں جو دنیا میں عبادت اور دینی کاموں میں سستی کرتے اور عیش وآرام طلبی کی عادت بنا رکھی تھی لوگ رمضان کے روزہ سے لب خشک تھے بھوک پیاس کے آثار نمایاں تھے یہ تھے کہ خوب مجلسوں میں بیٹھکر نعمتیں اڑاتے اور روزہ داروں سے ٹھٹھا کیا کرتے تھے یا نماز کے لئے مسجدوں اور عیدگاہوں میں نہیں جاتے تھے یا جہاد میں جانے سے پہلو تہی کرتے تھے یا اور دینی کاموں سے دل چرا کر گھروں میں بیٹھکر عیش کرتے تھے انکے منہ اس روز عاملۃ عمل کی مشقت میں بڑے ہونگے کسیکو جہنم کے پہاڑ پر چڑھایا اور اتارا جاوے گا کما قال سارہقہ صعودا۔ کوئی میدان قیامت میں دوڑا دوڑا پھرے گا کہ آج کوئی میری دستگیری کرے اور مجھ کو اس بلا سے رستگاری دلائے کسی کے ملائکہ زنجیریں اور ہتکڑیاں ڈالے جہنم میں گھسیٹتے لئے جاتے ہونگے اور سر پر ہزاروں جوتیاں پڑتی جاتی ہونگی کسی کو وہاں جہنم میں کوئی اور سخت کام تفویض ہوگا جیسا کہ دنیا میں قیدیوں کو مشقت میں ڈالا جاتا ہے اور ان اعمال شاقہ کے آثار ان کے چہروں پر نمایاں ہونگے کما قال ناصبۃ کہ تکان انکے چہروں پر نمایاں ہوگی۔ اگر دنیا میں کسی کی یہ حالت ہو تو دیکھنے والے کو رحم آجاوے مگر وہاں کون رحم کرے؟

اب اسکے بعد انکے اور حالات بیان فرماتا ہے فقال تصلی نارا حامیۃ کہ وہ دہکتی آگ میں گرینگے یہ انکی وہی شہوت کی اور حمایت کفر کی اور حب جاہ ومال کی آگ ہے۔ یہ تو مکان ملے گا۔ اب پینے کی سنئے تسقی من عین آنیۃ کہ دنیا میں ٹھنڈے پانیوں اور لذیذ شربتوں اور برف آمیز شرابوں کے بدلے انکو کھولتے پانی کے چشمہ سے پلایا جاوے گا وہ بھی جب کہ مدتوں منت کرینگے اور وہ انتڑیوں میں سے پیتے ہی نکل پڑے گا پیتے وقت منہ جھلس جاویگا اب کھانے کا حال سنئے لیس لہم طعام کہ سرے سے انکو کھانا ہی نہ ملیگا بھوکوں مریں گے یہ حرام اور ناجائز نعمتیں کھانے کا بدلہ ہے جو کھا کر اکڑتے اور بدکاری کرتے تھے الا من ضریع اور جو ملا بھی تو ..... تو اونٹ کٹارا جو لا یسمن ولا یغنی من جوع نہ موٹا کرے نہ بھوک دور کرے۔ ضریع کے معنی میں علماء کا اختلاف ہے (۱) اکثر کہتے ہیں خاردار چیز ہے جسکو اونٹ کھاتے ہیں اور خشک ہوجانے پر زہر ہے (۲) جو انہا حسن بصری فرماتے ہیں زقوم کا نام ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اسکو اللہ ہی جانتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ ضراعۃ سے مشتق ہو جس کے معنی ہیں ذلت وخواری کے یعنے وہ ذلیل وخوار کھانا جو نہایت مکروہ اور قابل نفرت ہے جس سے فریاد کریں گے۔ واللہ اعلم بمرادہ

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ۙ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ۙ فِیْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۙ لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ؕ فِيْهَا عَيْنٌ

اسدن بہت سے منہ تو تروتازہ اور اپنی کوشش سے خوش ہونگے اونچے باغوں میں رہیں گے جہاں کوئی بیہودہ بات بھی سننے میں نہ آئیگی وہاں بہتا

جَارِيَةٌ ۘ فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ۙ وَّاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ۙ وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ۙ وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ ؕ

وقف لازم

چشمہ ہوگا ان باغوں میں اونچے اونچے تخت اور آبخورہ چنے ہوئے اور گاؤ تکئے قطار سے لگے ہوئے اور قالین بچھے ہوئے ہونگے۔

ترکیب

وجوہ مبتدا ناعمۃ خبرہ یومئذ ظرف للخبر لسعیہا واللام تتعلق براضیۃ وہی خبر بعد خبر۔ وکذا فی جنۃ عالیۃ لاتسمع قرء الجمہور بفتح الفوقیۃ ونصب لاغیۃ وقری بصیغۃ المجہول ورفع لاغیۃ۔ ولاغیۃ اما صفۃ موصوف محذوف ای کلمۃ لاغیۃ او مصدر ای لاتسمع انت یا ایہا المخاطب فی الجنۃ لغوا ای اذًا او باطلاً۔ ھذہ الجملۃ وکذا ما بعدہا صفۃ جنۃ واکواب جمع کوب وانہ قدح الذی لاعروۃ لہ ولاخرطوم۔ نمارق جمع نمرقۃ بضم النون وبکسرہا عند الفراء وہی وسادۃ صغیرۃ زکیہ۔ زرابی جمع زربی وزربیۃ۔ فی القاموس الزرابی النمارق والبسط و کل ما یبسط ویتکاء علیہا الواحد زربی بالکسر و بالضم ❊

تفسیر

اب دوسرے فریق کا حال بیان فرماتا ہے یعنی نیک لوگوں کا فقال وجوہ یومئذ ناعمۃ کہ بہت سے منہ اس روز شادماں اور خوش اور تروتازہ ہونگے انپر وہاں کی ہول اور سختی کا کوئی اثر نہوگا یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا میں روزہ کی بھوک پیاس اور راہ حق میں کوشش اور جہاد کے واسطے تکالیف شاقہ اٹھاکر اور نیز راتوں عبادت کرکے پژمردہ ہوگئے تھے۔ اور اللہ کی راہ میں فقر وفاقہ نے انکے چہروں کو بے رونق کردیا تھا اسلئے فرماتا ہے لسعیہا راضیۃ اپنی دنیاوی کوششوں سے جو انہوں نے اللہ کی راہ میں کیں تھیں خوش وخورم ہونگے کہ ہماری کوششوں کا نیک ثمرہ نمودار ہوا اور کفار بدمذہبوں کے کہنے کے موافق رائگاں نہ گئیں۔ اور وہ نیک ثمرہ یہ ہے فی جنۃ عالیۃ کہ بلند باغوں میں ہونگے جہاں حوادث دہر کے ہاتھ کو رسائی نہوگی اور نیز بلندی پر جو باغ ہوتا ہے تو نہایت خوش فضا ہوتا ہے۔ یا یہ معنی کہ بلند مرتبہ باغوں میں ہونگے یعنی وہ دنیا کے باغوں جیسے باغ نہیں جنپر خزاں کو دسترس ہو بلکہ ایسے کہ جنکے آگے دنیا کے شاہانہ باغ ہیچ ہیں جہاں تک عقل ووہم انسانی نعمتیں تجویز کرے اسنے بڑھکر ان میں ہیں ان میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ لاتسمع فیہا لاغیۃ کہ اے مخاطب تو اس میں کوئی لغو اور رنج وہ بات نہ سنیگا نہ کوئی کسیکو برا بھلا کہیگا۔ نہ کوئی خوف واندیشہ کی بات کہیگا نہ کسی کے مرنے کی خبر ہوگی کہ عیش مکدر ہو جاوے نہ اپنی جوانی اور اس باغ وبہار کے فنا کی بات سننے میں آئے گی الغرض کوئی رنج وہ بات کان میں نہ پڑے گی بلکہ ہر طرف سے فرحت بخش باتیں سننے میں آئیں گی اور دوسرے بات یہ ہے کہ فیہا عین جاریۃ کہ ان باغوں میں چشمے جاری ہونگے انکے پانیوں کی خوش آیندہ روانگی اور ان سے باغوں کی تروتازگی دوبالا لطف کردے گی۔ دوزخیوں کو تو گرم چشمہ کا پانی پینے کو ملتا تھا۔ یہاں نہر تسنیم بے حساب ہے یہ انکے ان اعمال جاریہ اور خدا کے خوف ومحبت سے

ف ۱ وما احسن قول بعض العرفۃ المعنی الجاریۃ لمن عیدہ فی حقیقۃ المعجاریۃ بل یرید الاحتجاج الاحسان منہ

ف ۲ النمرق والنمرقۃ وسادۃ صغیرۃ وکذا نمرقۃ بالکسرۃ لغۃ وربما سموا الطنفسۃ التی فوق الرجل نمرقۃ ۱۲ مختار الصحاح

روتی آنکھوں کا مظہر ہے۔ اور تیسری بات یہ ہے کہ فیہا سرر مرفوعۃ ان باغوں میں بلند مرتبہ یا بلند تخت شاہانہ ہونگے جنپر بیٹھکر نظارہ کرینگے اور اس سلطنت کے بادشاہ ہونگے۔ ہر جنتی اس جہان میں ملک باقی کا بادشاہ ہوگا۔ چوتھی بات یہ کہ اکواب موضوعۃ وہاں کوزے اور پیالے نعمتوں سے بھرے ہوئے اور نہایت خوش رنگ اور بیش بہا قرینہ سے چنے ہونگے تاکہ جس چیز کی طرف رغبت ہو آسانی سے لیجاوے۔ پانچویں یہ کہ نمارق مصفوفۃ کہ برابر برابر حریری اور پر زر اور نہایت پر تکلف تکئے اور جواہر کی ہوئی مسندیں بچھی ہونگی کہ جنکے رنگوں اور تکلف کو دنیا کی آنکھ نے دیکھا بھی نہیں۔ یہ تکئے اور مسندیں تو تختوں پر ہونگی اور مکانوں میں یہ یہ ہوگا۔ و زرابی مبثوثۃ کہ نہایت بے بہا قالین بچھے ہونگے۔ ہر کمرہ میں ایک نئی تیاری ہے۔

اور مکانات کا تو کچھ پوچھنا ہی نہیں کیونکہ وہ جواہرات کے ہونگے اور وہ جواہرات دنیا کے جواہرات سے بدرجہا فایق ہونگے۔ اور جب مکانوں اور وہاں کے سامانوں کی یہ کیفیت ہے تو ان مکانوں میں انکے دل بہلانے اور آنکھیں ٹھنڈی کرنے کے لئے وہ وہ حسین عورتیں ہونگیں کہ جنکے حسن اور خوبی اور ان کی نوخیز جوانی اور ان کے ناز و ادا اور انکے لباس اور زیورات کی تصویر وہم و ادراک سے بھی نہیں کھنچ سکتی۔

یہ سب چیزیں روحانی ملکات کے مظاہر ہیں کور باطن ان باتوں کو اک تشبیہ اور دل لبھانے والا استعارہ سمجھتا ہے اور اسکی کوتاہ عقل درحقیقت ایسی چیزوں کے وجود کو اس قادر مطلق کی قدرت کے احاطہ سے باہر جانتی ہے۔ یہ سب باتیں برحق ہیں۔ عالم ناسوتی کا حجاب انکے دیکھنے میں حائل ہے جب یہ پردہ ظلمانی موت نے اٹھادیا تب یہ سب چیزیں نظر آنے لگیں گی۔ اور جو اہل صفا ہیں اور ان کی روح میں کمال نورانیت پیدا ہوگئی ہے تو انکو اس عالم میں بھی یہ چیزیں دکھائی دیجاتی ہیں۔ اور یہی سبب ہے کہ انکی آنکھوں میں نہ یہاں کے حسینوں کی قدر و منزلت باقی رہتی ہے نہ وہ دنیا کے عیش و نشاط کو خاطر میں لاتے ہیں اور اسی لئے وہ ہر دم اس عالم کے مشتاق رہا کرتے ہیں اور دنیا کی زندگی کو قید خانہ کی زندگی سے بدتر سمجھتے ہیں ہاں خسیس طبیعتیں بچوں کی طرح اس کھیل اور تماشہ پر ایسے گرویدہ ہوتے ہیں کہ پھر اور نیک و بد کی تمیز ہی نہیں رہتی کیا خوب فرمایا ہے عارف جامی نے ؎

دلا تا کے دریں کاخ مجازی	کنی مانند طفلاں خاکبازی
بیفشاں بال و پر زامیزش خاک	بپر تا کنگرہ ایوان افلاک

قرآن مجید دنیا کے غافلوں کو اس ملک جاودانی کی ہدایت کرتا ہے نفس اور قوائے بہیمیہ میں کہ اسکو اسکنے نہیں دیتے عجب کشمکش میں پڑا ہوا ہے مگر جسکو جاذبہ الٰہی چاہتا ہے ادھر کھینچ لیجاتا ہے۔

اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ ۝ وَاِلَی السَّمَآءِ کَیْفَ رُفِعَتْ ۝ وَاِلَی الْجِبَالِ کَیْفَ

پھر کیا وہ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے بنائے گئے ہیں اور آسمان کو (نہیں دیکھتے) کیسا بلند کیا گیا ہے اور پہاڑوں کو (نہیں دیکھتے) کہ کیونکر

نُصِبَتْ ۝ وَاِلَی الْاَرْضِ کَیْفَ سُطِحَتْ ۝

کھڑے کئے گئے۔ اور زمین کو (نہیں دیکھتے) کہ کس طرح بچھائی گئی ہے

ترکیب

افلا ینظرون الاستفہام للتوبیخ والفاء للعطف علی مقدر والجملة مستانفة مسوقة لاثبات البعث ولاظہار القدرة علی الاعادة وقیل الجملة فی محل جر علے انہا بدل اشتمال من الابل وعن الاصمعی انہ قال من قرء خلقت بالتخفیف عنی بہ البعیر ومن قرء بالتشدید عنی بہ السحاب بالابل وقال المبرد والمراد من الابل ہہنا القطعة العظیمة من السحاب والابل اسم جمع لا واحد لہ من لفظہ وانما واحدہ البعیر والناقة والجمل۔ والسطح بسط الشئ۔ قرء الجمہور مبنیًا للمفعول مخففا وقرء الحسن مشددو قرء علی بن ابی طالب وغیرہ فی المواضع کلہا مبنیًا للفاعل وضم التاء فیہا علے انہا صیغة الواحد المتکلم۔

تفسیر

دوزخ کے عذاب اور جنت کے نعماء سنکر قریش مکہ تعجب کرتے تھے خصوصًا جنت کی نعمتوں پر کہ اسقدر عیش و آرام کے سامان کہ جو دنیا میں بادشاہوں کو بھی نصیب نہیں اس افراط سے کیونکہ پیدا ہو جاوینگے اور دنیا میں تو ایسی چیزیں کیا بلکہ روزمرہ کھانے پینے کی چیزیں بھی بمشکل میسر آتی ہیں اور عرب پر کیا موقوف ہے ہر طبقہ کے انسان کا بشرطیکہ نور باطن سے اس کی عقل بہرہ یاب نہو۔ اس بذل وجود اور ان چیزوں کے وجود پر تعجب کرنا بعید نہیں اس لئے اس تعجب کے دور کرنیکو دنیا کی چیزوں میں جو غریب و امیر کو میسر ہیں اور کیسی عظیم الشان ہیں نظر کرنے کا حکم دیتا ہے فقال۔ افلا ینظرون الی الابل کیف خلقت کہ پھر وہ کیوں اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے پیدا کئے گئے۔ یا میں نے انکو کیسا پیدا کیا۔؟

اونٹ کے فوائد

یہ اوّل نمونہ اسکی قدرت کاملہ اور بذل وجود کا ہے جو عرب کے ہر وقت سامنے رہتا ہے اور جس پر ان کی معاش کا دارمدار ہے اونٹ کی اول تو خلقت ہی عجیب و غریب ہے اسقدر اونچا اور جب بٹھاؤ بیٹھ جاوے اور جانوروں پر کھڑا کرکے سوار ہوتے اور بوجھ لادتے ہیں مگر اسکو بٹھا کر اور پھر اپنا پورا بوجھ لیکر گردن کی لچک اور اسکے زور سے کھڑا ہو جاتا ہے یہ کسی جانور میں خوبی نہیں پھر جسقدر اطاعت کا اسمیں مادہ ہے کسی میں نہیں سینکڑوں کی قطار کو ایک لڑکا تھا مقام کے جدھر چاہے لیجائے پھر بارکش ایسا کہ تمام گھربار اسپر لاد لو گویا خشکی میں رواں کشتی ہے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ غلہ یا اور اشیاء لیجانے میں چھکڑا یا ریلگاڑی ہے پھر جلد چلنے اور اسپر آرام کے سامان ساتھ لیجانے میں ڈاک گاڑی ہے کہ جسکے لئے نہ سڑک کی ضرورت ہے نہ رستہ کا ہموار ہونا سانڈنی (جو سواری کا اونٹ ہوتا ہے) دن میں سو کوس تک جا سکتی ہے۔ اسپر جفاکش اتنا کہ کیسی ہی دھوپ اور گرمی ہو کچھ بھی پروا نہیں کرتا۔ پھر کم خوراک اتنا کہ تھوڑے سے چارہ میں گزر کر لیتا ہے جو بلند درختوں کے پتے اور کڑوے کسیلے اور کسی کے کھانے کے نہیں ہوتے یہ کھا لیتا ہے کچھ ہری بھری گھاس اور دانہ اور مالیدہ کی حاجت نہیں اسپر کئی کئی روز تک پانی نہ ملے تو کچھ بھی پروا نہیں۔

سواری کا یہ آرام اسی کے دودھ میں یہ برکت کہ ایک گھر کو کافی ہو اور پھر استسقاء وغیرہ امراض کے لئے دوا بھی ہو اسکی پشم بھی کام آتی ہے کیسے کیسے نفیس کپڑے بنے جاتے ہیں خصوصاً عرب کے لباس کمل اور جبے جو برسوں میلے نہیں ہوتے اور مدتوں چلتے ہیں اور خوبصورت بھی ہوتے ہیں اسی کی پشم سے بنتے ہیں اسپر اسکا گوشت بھی حلال گھر بھر کیا محلے کو کافی ہو سکتا ہے۔ اسپر اسکی نسل میں برکت سستا مل سکتا ہے اور عرب میں ہر جگہ مل سکتا ہے اور خشک گرم اور ریگستانی ملکوں کی معاش تو اسی پر موقوف ہے۔ یہ باتیں کسی جانور میں نہیں۔ ہاتھی قد و قامت میں اتنا بڑا جانور ہے نہ اسمیں یہ فوائد ہیں نہ وہ ہر ایک کو مل سکتا ہے نہ تھوڑے سے پتوں پر گذر کر سکتا ہے۔ پھر اسکی قدرت کاملہ کو دیکھو اور اسپر اسکے اس احسان عام کو غور کرو۔ پھر اگر اس عالم میں وہ بندوں کے آرام کیلئے ایسے ایسے سامان پیدا کرکے یہ احسان کرے تو کیا تعجب کی بات ہو۔ وہاں کے بہت بلند تخت اونٹوں کی طرح اونچے اونچے ہو جاویں تو کیا بڑی بات ہے۔

والی السماء کیف رفعت اور آسمان کیطرف کیوں نہیں دیکھتے کہ اسکو کیسا بلند کیا گیا یا ہمنے اسکو کیسا بلند کر دیا یہ **دوسرا نمونہ** ہے جس سے ہر ملک اور ہر قوم سمجھ سکتی ہے کہ اول تو اسقدر بلندی کہ جہاں طائر وہم بھی اڑکر نہیں جا سکتا کیسی قدرت کاملہ ہے پھر اس کی وسعت کہ جس کے سایہ میں ہر نیک و بد بادشاہ و امیر ہے کیسی قدرت و انعام عام کی دلیل ہے پھر اس کے ستارے بھی قدرت کا نمونہ ہیں۔ آفتاب کو دیکھو کہ کتنا بڑا جسم ہے کہ جو زمین سے لاکھوں حصے زیادہ ہے کسنے بنا دیا۔ اور اسمیں یہ نور اور نور میں یہ گرمی کس نے دی ؟ جس سے تمام دنیا فائدہ اٹھا رہی ہے اگر آفتاب نہو تو زندگی وبال ہو جاوے پھر یہ کیسا انعام عام ہو اس دنیا کے ظلمتکدہ کا چراغ ہے تو آفتاب ہے اگر یہ نہو تو جنگلوں اور دریاؤں اور شہروں اور گاؤں کو کونسی شمع روشن کر سکتی ہے اور کس تنور کی گرمی پھل پھول اور پیداوار کو پکا سکتی اور اگا سکتی ہے۔ سرد موسم میں آفتاب کے سب مشتاق رہا کرتے ہیں غریبوں کی انگیٹھی ہے تو آفتاب ہے۔ پھر چاند کے فوائد اور اسکی جسامت اور اسکی روشنی میں غور کیا جاوے تو عقل سلیم کبھی انکار نہ کرے کہ وہ قادر مطلق جواد کریم اس جہان میں نیک بندوں کے لئے جیسے چاہئے سامان پیدا کر سکتا ہے اسمیں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ بعض ستارے لاکھوں کوس دور ہونے کے سبب نظر بھی نہیں آتے حالانکہ وہ زمین سے بہت بڑے ہیں پھر جب زمین میں یہ کچھ سامان ہیں باغ و بہار بھی ہے جو جنت کا نمونہ ہے اور گرمی و سوزش اور تکالیف کے سامان بھی ہیں سانپ بچھو بھی ہیں جو جہنم کا نمونہ ہے تو ان اجسام میں کیا کچھ نہو گا پھر وہ ایک نہیں لاکھوں ہیں پھر اسپر اسکی قدرت و عظمت و انعام و اکرام کو خیال کر لو جو تمہارے تنگ فہم میں بخوبی آسکے۔

تو اب نیچے اترآؤ اور اپنی زمین اور اس کے عجائبات کو بھی غور کرو۔ والی الجبال کیف نصبت اور پہاڑوں کو دیکھو کہ کیسے کھڑے کر دیئے گئے اور کس طرح گاڑ دیئے گئے ہیں یا ہمنے انکو کیسا کھڑا کر دیا ہے، یہ **تیسرا نمونہ** ہے۔ پہاڑ بھی اسکی قدرت۔ اور بذل و احسان کا کامل نمونہ ہیں۔ اول تو باوجودیکہ وہ بھی زمین ہی کا ایک جزء ہیں پھر زمین سے کس طرح ممتاز ہیں اول تو انکی بلندی قابل حیرت ہے۔ اور بلندی کے ساتھ عرض و طول بھی دیکھنے کے قابل ہے۔ حکماء و عقلاء نے عقل کے بڑے گھوڑے دوڑائے ہیں مگر ابتک کوئی تسکین بخش وجہ پیدا نہیں کر سکے کہ زمین کے اس ٹکڑے کو یہ بلندی اور پھر یہ سختی اور پھر یہ رنگتیں کیونکر پیدا ہو گئیں اسقدر کہکر چپ ہو جاتے ہیں کہ بدء خلقت میں جب قدرت نے زمین بنائی تو اوپر سے پانی برسنے شروع ہوئے۔ ادھر ادھر کی زمین گھر کر بہہ گئی تو ٹیڑھے ترچھے...... یہ ٹیلے ویسے ہی بلند رہ گئے اور پھر آفتاب کی حرارت سے ان ٹیلوں میں حجریت آگئی یعنے مٹی کا

دوسرا نمونہ

فائدہ تیسرا نمونہ

پتھر بنگیا اور جیسی زمین تھی اس رنگ کے سرخ سپید سیاہ پتھر بنے۔ اور بارشوں اور چشموں کے پھوٹ پڑنے سے پہاڑوں میں گھاٹیاں ہوگئیں۔ بعض کہتے ہیں یوں نہیں پہلے تمام دنیا پر پانی سمندر کا محیط تھا یہ ٹکڑے جو اوپر ابھر آئے پانی کی موجوں نے ان میں نشان کر دیئے اور پھر پانی درجہ بدرجہ اترتا گیا اور بہت سی زمین اور ملک کھلتے گئے مگر یہ ٹکڑے سخت ہو گئے۔

بظاہر باتیں تو ٹھیک ہیں تک تو ملا دی مگر اسپر سیکڑوں شبہات پیدا ہو سکتے ہیں آخر کار یہی کہنا پڑتا ہے کہ اس قادر مطلق نے ایسا ایسا کر دیا اور چلو اسباب بھی تلاش کرو مگر پھر ان اسباب میں گفتگو ہوگی کہ وہ کیونکر پیدا ہوئے؟ پھر آخر کار تو اس قادر مطلق کی ید قدرت تک سلسلہ تمام ہوگا۔ اب پہاڑوں کے منافع میں غور کیجئے تو عقل حیران رہجائے۔ نہیں پہاڑوں میں سے یہ خوش گوار پانی کے دریا نکلے گنگا جمنا نیل فرات جیحوں دجلہ وغیرہ اور پھر انسے ملک شاداب ہوے اور کیا کیا نعمتیں پیدا ہوئیں اور بھی سیکڑوں فوائد ہیں جنکے ذکر کے لئے ایک دفتر چاہئے والی الارض کیف سطحت اور زمین کو دیکھو کیسی بچھائی گئی ریاہمنے کس طرح بچھا دیا۔ یہ قدرت کا چوتھا نمونہ ہے۔ اگر غور کیا جاوے کہ زمین ایک کردی الشکل یعنی گول ہے تو گول چیز پر کوئی رہ نہیں سکتا ہے نہ کھیتی باڑی کر سکتا ہے مگر اس قادر مطلق اور حکیم متقن نے باوجود اس کردی ہونے کے اسکو ایسا بچھایا کہ سیکڑوں کیا ہزاروں کوس تک ہموار جنگل اور میدان اور پہاڑ اور دریا رواں ہیں لوگ کس کشادگی سے بس رہے ہیں سیکڑوں کوسوں تک سڑکیں ہیں اور بیشمار باغ اور کھیت ہیں اور کیا کیا نفیس وسیع شہر آباد ہیں اور کیسی کیسی بلند شان عمارات ہیں کہ جنہیں اس کی کرویت سے کوئی بھی حرج واقع نہیں ہوتا اور یہاں تک وسعت دی ہے کہ بڑے بڑے ملکوں پر بادشاہ حکمرانی کر رہے ہیں یہانتک کہ عقول عامہ کے نزدیک زمین گول ہی نہیں معلوم ہوتی بلکہ ایک ہموار فرش بچھا ہوا نظر آتا ہے اگر ایسا نہوتا تو زمین کے رہنے والوں کو زندگی وبال اور محال ہو جاتی یہ کیسا انعام ہے جس سے ہر امیر فقیر برابر نفع اٹھا رہا ہے اور یہ اسکی کیسی قدرت اور کاری گری ہے کہ اسقدر اسکے محدب کو وسعت عطا کی کہ کرویت ہی محسوس نہیں ہوتی۔ پھر کیا وہ قادر و حکیم او منعم اس عالم میں نیک بندوں کے لئے یہ نعمتیں نہیں پیدا کر سکتا ضرور پیدا کر سکتا ہے اور لطف یہ کہ ان چاروں نمونوں میں بہشت کی شان بھی نمایاں ہے اور دوزخ کی بھی اونٹ کے منافع پر غور کیجئے تو شان بہشت نمایاں ہے جدہر چاہو لیچلو بٹھالو کھڑا کر لو بوجھ لادلو اور جو خود اونٹ کی مشقت اور بارکشی کو دیکھئے تو جہنم کی تکالیف کا نمونہ ہے آخر وہ بھی تو ہماری طرح خدا کا بنایا ہوا ہے پھر بیچارہ کس مشقت میں ہے اور سرسبز پہاڑوں میں جنت کی شان نمایاں ہے خشک اور گرم پہاڑوں میں خصوصاً ان میں کہ جہاں آتش فشانی ہوتی ہے یا آتشیں مادہ نکلکر بہتا ہے جہنم کا غصہ اور اسکی چنگاریاں نظر آجاتی ہیں آسمان کی فضا اور چاند و سورج کی پر بہار روشنی اور اچھی موسمیں جنت کا نمونہ ہیں پھر اندھیری راتیں اور گرم لوکے دن جہنم کا نمونہ ہیں۔ زمین کے شاداب ٹکڑے اور باغات جنت کا نمونہ ہیں اور خشک و گرم اور بدبودار اور عمیق گڑھے جہنم کا نمونہ ہیں۔ مگر یہ چیزیں روزمرہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں ہر روز دیکھتے دیکھتے ایک معمولی بات ہوگئی مگر روشن دل ان میں پورے نمونوں کا ملاحظہ کیا کرتا ہے۔ اور یہی آثار قدرت ہیں جو بندوں کو خدائے پاک دکھاتا ہے اس لئے

جنت کے بیان میں شہوت انگیز مضامین بیان نہیں ہوتے بلکہ انکو سنکر عالم

آخرت کی طرف رغبت ہوتی ہو اور دنیا سے

نفرت اس لئے فرمایا۔

فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنتَ مُذَكِّرٌ ۝ لَّسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ ۝ إِلَّا مَن تَوَلَّىٰ وَكَفَرَ ۝ فَيُعَذِّبُهُ اللَّهُ الْعَذَابَ

سو (اے رسول) آپ سمجھاتے رہیں آپکا کام تو سمجھانے کا ہے ۔ تم ان پر کوتوال تو نہیں ہو ۔ لیکن جسنے منہ موڑ لیا اور منکر ہو گیا ۔ سو اسکو اللہ ہی ۔ بڑی سزا دے گا

الْأَكْبَرَ ۝ إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ ۝ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُم ۝

بے شک انکو ہمارے پاس پھر کر آنا ہے ۔ پھر ان سے حساب لینا ہمارا ذمہ ہے

ترکیب

فذکر الفاء للترتیب ما بعدہا علے ما قبلہا ۔ مصیطر بالصاد والسین قال فے الصحاح ہو المسلط علے الشئ لیشرف علیہ ویتعہد احوالہ ۔ الا استثناء متصل من اعم المفاعیل وقیل منقطع والعذاب الاکبر العذاب الشدید الدائم وہو عذاب جہنم وانما قال الاکبر لانہم عذبوا فی الدنیا بالعذاب الاصغر وہو الجوع والقتل والاسر قرء قتادۃ وابن عباس الا التی للتنبیہ ایابہم اسم ان الینا خبرہا وقس علیہ حسابہم ۔ وجمع الضمیر فی ایابہم وحسابہم باعتبار معنی من کما افراد الضمیر فی یعذبہ باعتبار لفظہا ۔

تفسیر

جب عالم آخرت کی طرف رغبت کرنیکے اسباب بیان ہو چکے اور اس چندروزہ زندگی کا انجام کار لوگ سن چکے اور نیک و بد کاموں کا انجام بھی معلوم کر چکے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہوتا ہے کہ فذکر کہ آپ نصیحت کیجئے وعظ و پند سے سمجھائیے کس لئے کہ انما انت مذکر آپ کا کام ہے سمجھانا اس لئے آپ اس پر آشوب زمانہ میں مبعوث کئے گئے ہیں کہ لوگوں کو تاریکی سے نکالکر روشنی کیطرف لائیں پھر جو کوئی ہٹ دہرم اور شقی ازلی نہ مانے تو اپنا سر کھائے کس لئے کہ لست علیہم بمصیطر آپ انپر کوتوال یا داروغہ نہیں کہ زبردستی انکو ایمان پر لائیں اور جو نہ مانے تو اسکا ذمہ آپ پر ہو ۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیت اور اس قسم کی دیگر آیات منسوخ ہیں آیت واقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم سے یعنی یہ حکم جب تھا کہ کفار کا غلبہ تھا اور اسلام غالب ہونیکے بعد گر وہ ایمان نہ لاویں تو انکو قتل کیا جاوے ۔ مگر یہ کہنا صحیح نہیں کس لئے کہ اب بھی جو نہ مانے تو زبردستی مسلمان بنانے کا حکم نہیں ۔ ہاں یہ بات ہے کہ وہ لوگ عرب سے نکالدیئے جاویں اور دیگر ممالک میں اگر رہنا چاہیں تو شاہ اسلام کی اطاعت میں ذمی[1] بنکر رہیں کچھ جبر نہیں کہ انکو مسلمان بنایا جاوے اور قتل کا حکم بوقت مقابلہ ہے ۔

الا من تولی وکفر بعض مفسرین نے اسکو مفعول عام سے مستثنی کیا ہے کہ فذکر کلواحد الا من تولی وکفر کہ سب کو نصیحت کر مگر اسکے لئے کچھ ضرور نہیں جو منہ موڑ جاوے اور منکر ہو جاوے کس لئے کہ اس ہٹ دہرم کو نصیحت کچھ فائدہ نہیں دیتی جیسا کہ پہلے فرمایا تھا ان نفعت الذکری ابن عباس و قتادہ الا کو الا تنبیہ کا کلمہ قرار دیتے ہیں تب یہ معنی ہونگے کہ خبردار جو منہ موڑے اور انکار کریگا اسکو خدا سخت سزا دیگا ۔ بعض نے اسکو علیہم کی ضمیر سے استثناء کیا ہے کہ آپ انپر داروغہ نہیں لیکن جو نہ مانے گا وہ سخت سزا پاویگا ان الینا ایابہم آخر ان سب کو مر کر ہمارے پاس آنا ہے ثم ان علینا حسابہم پھر ان سے حساب لینا ہمارا ذمہ ہے ہم ضرور باز پرس کرینگے اور منہ موڑنے اور انکار کرنے والے کو سخت سزا دینگے وہ کیا ہے ؟ جہنم کا ابدی عذاب اسکے مقابلہ میں سب سزائیں کم ہیں ۔ اعاذنا اللہ منہ ۔

[1] ذمی اس شخص کو کہتے ہیں جو مسلمان نہو اور شاہ اسلام کی رعیت ہو کر رہے اسکی حفاظت کا شاہ اسلام پر اور اسکو شاہ اسلام کی اطاعت کا ذمہ ہے اسلئے ذمی کہتے ہیں اس سے ایک خاص ٹیکس حفاظتی لیا جاتا ہے جسکو جزیہ کہتے ہیں اسکے بعد یہ فوجی خدمت سے معاف کیا جاتا ہے ۱۲ منہ

سورۂ فجر مکہ میں نازل ہوئی اسمیں تیس آیات ہیں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَالۡفَجۡرِ ۙ﴿۱﴾ وَلَیَالٍ عَشۡرٍ ۙ﴿۲﴾ وَّالشَّفۡعِ وَالۡوَتۡرِ ۙ﴿۳﴾ وَالَّیۡلِ اِذَا یَسۡرِ ۚ﴿۴﴾ ہَلۡ فِیۡ ذٰلِکَ قَسَمٌ لِّذِیۡ حِجۡرٍ ؕ﴿۵﴾

قسم ہے صبح کی اور دس راتوں کی اور جفت اور طاق کی اور رات کی جبکہ ڈھلے کیوں ان چیزوں کی قسم عقلمند کے لئے بس کرتی ہے؟

ترکیب

والفجر الواو للقسم والباقی معطوف علی الفجر وجواب القسم محذوف ای لتبعثن او نحوہ وقیل جوابہ ان ربک لبالمرصاد والشفع والوتر بفتح الواو وکسرہا ہما لغتان ومعناہما الزوج والفرد اذا یسر اذا ظرف والعامل فیہ محذوف ای اقسم بہ یسر قرء الجمہور بحذف الیاء وصلاً ووقفاً اتباعاً لرسم المصحف وقرء نافع وابوعمرو بحذفہا فی الوقف واثباتہا فی الوصل وقرء ابن کثیر ویعقوب وابن محیص باثباتہا فیہما قال الخلیل تسقط الیاء منہا موافقۃً لرؤس الآی وہو ماخوذ من السری وہو السیر لیلاً یقال سریت اللیل وسریت بہ واسناد السری الی اللیل قیل حقیقی لان معناہ جاء او وبرد وقیل مجازی ہل فی ذلک القسم قسم لذی حجر ای عقل ولب واصل الحجر المنع یقال لمن ملک نفسہ ومنعہا انہ لذو حجر ومنہ سمی الحجر لامتناعہ لصلابتہ ومنہ حجر الحاکم علی فلان ای منعہ والجملۃ استفہامیۃ لتقریر تعظیم ما اقسم اللہ تعالیٰ بہ وذلک اشارۃ الی تلک الامور المذکورۃ بتاویل المذکور ای ہل فی تلک الامور المذکورۃ التی اقسمت بہا قسم حقیق بان یقسم بہ ذو عقل سلیم وفہم مستقیم۔

تفسیر

یہ سورہ بھی مکہ میں نازل ہوئی جمہور کا اسپر اتفاق ہے ابن عباسؓ وعائشہؓ وابن الزبیرؓ کا بھی یہی قول ہے اس میں تیس آیات ہیں لفظ فجر اس کے شروع میں ہے اس لئے اسکو سورۂ فجر کہنے لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب معاذ کو لمبی قرءت پر تنبیہ فرمائی تھی تو منجملہ اور سورتوں کے اس سورہ کے پڑھنے کا بھی حکم دیا تھا رواہ النسائی۔

واضح ہو کہ اس سورہ میں بھی خدا تعالیٰ جزا و سزا کا پانا اور ایک ایسے دن کا آنا کہ جس میں انسان نے جو کچھ اس ظلمتکدہ میں کیا تھا اس کا مشاہدہ کرنا بدلائل ثابت فرماتا ہے اور یہی وجہ اس سورہ کی پہلی سورہ سے مناسبت کی ہے مگر ہر سورہ میں ایک نیا دلکش اور پر اثر انداز ہے جو انسان کو شقاوت کے گڑھے سے نکالکر سعادت کی بلندی کیطرف لاتا ہے اور بعثت انبیاء علیہم السلام سے یہی مقصود اصلی بھی ہے اسلئے اس سورہ مبارکہ کی ابتدا ایسی چند چیزوں کی قسم سے کی کہ انمیں سے ہر ایک میں غور کرنا اس مقصود کو ثابت کرتا ہے اور لطف یہ کہ شبہات کو بھی زائل کر دیتا ہے اس لئے فرماتا ہے والفجر ولیال عشر والشفع والوتر واللیل اذا یسر۔ یہ کل پانچ چیزیں ہوئیں کہ جنکی قسم کھائی گئی اول **فجر**۔ اگر فجر کے معنی صبح کے لئے جاویں جیسا کہ جمہور کا قول ہے تو یہ بھی قیامت کے برپا ہونے کا پورا نمونہ ہے رات کو ایک سناٹا ہوتا ہے پرند چرند انسان حیوان پر نیند و آرام طاری ہوتا ہے جو ایک حالت موت سے پوری مشابہ ہے نہ وہ شور و غل ہے نہ ہائے ہو ہے نہ وہ آفتاب کی مشعل کی روشنی ہے پھر صبح نمودار ہوتے ہی ہر ایک بیدار ہوتا ہے پرند چہکنے لگ

مسافروں نے چلنے کی تیاری کی۔ کاروباری اپنے کاروبار کی طرف درباری اپنے دربار کی طرف دوڑنے لگے الغرض ایک شور برپا ہوگیا یہ قیامت کا پورا نمونہ ہے کہ مرنے کے بعد خصوصاً جبکہ فنا کے صور سے ہر چیز نیست ہو جاوے گی اور عدم کی رات طاری ہو جاوے گی تو پھر صبح قیامت نمودار ہو کر لوگوں کو بیدار کر دے گی بادہ غفلت کے مست کہیں گے من بعثنا من مرقدنا کہ ہمکو نیند سے کس نے جگا دیا۔

اس تقدیر پر فجر سے مراد کسی دن معین کی فجر نہیں بلکہ عام ہے جیسا کہ اور جگہ بھی آیا ہے والصبح اذا تنفس والصبح اذا اسفر اور یہی حضرت علیؓ وابن عباسؓ وابن الزبیرؓ کا قول ہے اور جو اس سے کسی خاص دن کی فجر مراد لیجاوے تو بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ اور علماء فرماتے ہیں چنانچہ (۱) قتادہ کہتے ہیں کہ محرم کی پہلی تاریخ کی فجر مراد ہے کس لئے کہ عرب کے نزدیک شروع سال محرم سے ہوتا ہے تب انکے نزدیک اس فجر میں یہ خصوصیت ہوگی کہ گویا یہ تمام سال کا دیباچہ ہے اور برس بھر کے روزوں کا پیش خیمہ ہے جو ہر روز کے لحاظ سے پورا پورا قیامت کا نمونہ ہے اور سال بھر میں جو کچھ نیک و بد کام ہوتے ہیں انکا دروازہ ہے۔ اور مجاہدؒ کہتے ہیں کہ یوم النحر کی صبح مراد ہے کیونکہ یہ دن مناسک ملۃ ابراہیم کے ادا کرنے کا ہے جو تمام خدا پرستوں کے لئے ملت ابراہیمیہ کا شعار ہے۔

اور اس دن دنیا بھر کے خدا پرستوں کا ایک متبرک مقام پر مجمع ہوتا ہے جو ہر ایک اپنے خدائے پاک پر جان فدا کرنے کو تیار ہے اور جان کے بدلہ اپنی خاص رحمت سے جانوروں کی قربانی کی اجازت دیدی ہے۔ یہ دن بڑا متبرک دن ہوا اور اجتماع کے لحاظ سے حشر کا بھی نمونہ ہی پھر اسکی صبح تو کیا ہی مبارک صبح ہے۔ ضحاکؒ کہتے ہیں کہ ماہ ذی الحجہ کے پہلے روز کی صبح مراد ہے کس لئے کہ مناسک حج جو حشر کا نمونہ ہیں اس سے شروع ہوتے ہیں اور اسی لئے اسکے بعد لیال عشر کی قسم کھائی ہے جو اسی مہینے کی دس راتیں ہیں۔ بعضؒ کہتے ہیں عرفہ کی فجر مراد ہے کس لئے کہ آج تو تمام حجاج کا مجمع ہوتا ہے۔ اعظم ارکان حج کے لئے اب اگر فجر کے اور معنے لئے جاویں جیسا کہ دیگر علماء نے لئے ہیں تب بھی ہر ایک معنی کے لحاظ سے یہ حشر و نشر اور اس دن میں اسکے جلال و جمال کے اظہار کا پورا نمونہ ہے چنانچہ بعض فرماتے ہیں کہ فجر سے مراد لغوی معنے کے لحاظ سے پھٹنا اور بہنا ہے جس سے چشموں کا بہنا اور پھوٹنا مراد ہے اور انپر دنیا کی معاش کا دارومدار ہے اور یہ اسکے جمال یعنی اس روز کی خاص رحمت کا جو نیکوں کے لئے رکھی گئی ہے پھوٹ پڑنے اور چشموں کی طرح بہنے کا پورا نمونہ ہے۔

بعض صوفیہ کرام فجر سے مبدء طلوع نور حق مراد لیتے ہیں جس کا اول مرتبہ نور روح کا بدن پر ظہور ہے جسکو انسان کی آفرینش یا تولد سے تعبیر کرنا چاہئے اور پھر ترقی کرتے کرتے اس کے تجلیات تک نوبت پہونچتی ہے یہ دوسرا مرتبہ ہے مگر اب تک آفتاب ذات حق اسپر طلوع نہیں ہوا اب تیسرے مرتبہ میں جب آفتاب ذات حق جلوہ گر ہوتا ہے تو روز روشن ہو جاتا ہے پھر کوئی چیز مخفی نہیں رہتی ...... یہ مرتبہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو اور انکے بعض مخصوص لوگوں کو حیات ہی میں حاصل ہو جاتا ہے مگر اور لوگوں کو مرنے کے بعد حشر کے دن حاصل ہوگا۔ اور اسمیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نور نبوت کی ابتدا کیطرف بھی اشارہ ہے کس لئے کہ جب یہ سورہ نازل ہوئی ہے تو اسوقت نبوت کی فجر تھی مکہ ہی میں اسلام تھا پھر آفتاب جلوہ گر ہوا اور دنیا کو منور کرتا گیا اس لئے اس سہانی حالت کی قسم کھاتا ہے۔

دوسری چیز جسکی قسم کھائی ولیال عشر ہے جسکے معنے ہیں دس رات کے یہ وہ دس رات کہ جنکی خداتعالیٰ قسم کھاتا ہے بڑی متبرک راتیں ہیں جن میں بندہ کے لئے عالم بالا سے ایک خصوصیت خاصہ ہے جمہور مفسرین کے نزدیک ان دس راتوں سے ماہ ذی الحجہ کی دس راتیں مراد ہیں کہ جن میں دور دراز کے خداپرست ایک متبرک مقام پر جمع ہوکر عبادت و دعا میں مشغول ہوتے ہیں یہ ایام حج کی راتیں ہیں۔ ان میں بھی مجمع حشر کا نمونہ ہے۔ دوسرا قول بعض مفسرین کا یہ ہے کہ اخیر رمضان کی دس راتیں مراد ہیں جن میں لیلۃ القدر بھی واقع ہوتی ہے اور اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان راتوں میں نہایت شب بیداری کرتے تھے اور گھر والوں کو بھی شریک کرتے تھے اور مسجد میں معتکف ہوکر بیٹھے تھے دنیاوی کاروبار چھوڑ دیتے تھے جیسا کہ بیع وشرا وغیرہ اگرچہ آپ کے دنیاوی کام بھی بغرض تحفظ دین ہی ہوا کرتے تھے تیسرا قول یہ ہے کہ ماہ محرم کی اول دس راتیں مراد ہیں کس لئے کہ دسویں تاریخ کے روزہ کے فضائل احادیث میں بکثرت وارد ہیں۔ اور اسی لئے رفع درجات کے لئے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی مصیبت اور شہادت بھی انہیں ایام میں واقع ہوئی ہے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ تمام سال میں سے یہ دس متفرق راتیں ہیں جنمیں سے پانچ رات تو اخیر رمضان کی ۲۱-۲۳-۲۵-۲۷-۲۹-جن میں لیلۃ القدر واقع ہوتی ہے۔ اور ایک عید الفطر کی رات اور ایک عرفہ کی رات اور ایک یوم النحر کی رات اور ایک لیلۃ المعراج یعنے ستائیسویں رجب کی رات۔ اور ایک شب برات اور چونکہ یہ راتیں فی الجملہ مبہم ہیں جیساکہ چار قولوں میں مختلف اقوال گذرے۔ اور نیز ان کی تعظیم بھی مقصود تھی اس لئے نکرہ لائیں گئیں تاکہ ہر احتمال کو گنجایش ہوسکے۔ بعض صوفیہ کرام دس راتوں سے حواس عشرہ پانچ باطنہ اور پانچ ظاہرہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور ان کو رات سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ انوار حق ومجردات کے ادراک اور ان میں مشغول ہونیکے وقت یہ متکدر اور بیکار ہوجاتے ہیں اور شب کی طرح ان پر ظلمت طاری ہوجاتی ہے کیونکہ جب نور الٰہی کی تجلی ہوتی ہے تو یہ جسمانی آلات معطل ہوجاتے ہیں مگر بندہ کے کسب کمالات کے لئے عمدہ اوزار ہیں اس لئے ان کی قسم کھائی گئی۔ اور یہ تعطل ایک جسمانی عالم کا بطلان ہے جو قیامت اور صور فنا کو یاد دلا رہا ہے۔

تیسری اور چوتھی چیز جس کی قسم کھائی والشفع والوتر ہے کہ قسم ہے شفع اور وتر کی شفع زوج جسکو جفت کہتے ہیں وتر طاق یا فرد ان سے کیا مراد ہے؟ اس میں علماء کے بہت اقوال ہیں۔ مگر وہ سب دو قولوں سے باہر نہیں کس لئے کہ یا تو ان سے نفس عدد مراد ہوگا۔ یا معدود اول قول جو حسن کا قول ہے یہ ہے کہ نفس عدد جفت وطاق کی قسم کھاتا ہے جس کی حساب کے لئے اور گنتی کے لئے لوگوں کو بس ضرورت ہے اور دنیا کی عمر یا خود انسان وحیوان کی عمر ضرور کسی نہ کسی عدد پر منتہی ہوتی ہے۔ دس بیس پچاس سو ہزار لاکھ یا کچھ ہو آخر کوئی نہ کوئی عدد ہوگا طاق ہو یا جفت اسمیں دنیا و اہل دنیا کے حادث اور فانی ہونیکی طرف اشارہ ہے انکی ابتدا بھی ہے پھر انتہا بھی یہی ایک بات اگر عاقل غور کرے تو جلد قائل ہوجاوے کہ آخر ایک روز یہاں سے جانا ہے اور جاکر کئے کا بدلہ پانا ہے دوسرا قول یہ ہے کہ معدود مراد ہیں پھر اسمیں بھی کئی قول ہیں (۱) یہ کہ عام ہے سبکو شامل ہے رات دن کا جوڑا نیکی بدی کا شمس وقمر کا جن وانس کا کفر و ایمان کا سعادت وشقاوت کا مرد و عورت کا ذلت وعزت کا دولت وفقر کا آسمان وزمین کا بحر و بر کا۔

تندرستی بیماری کا موت و حیات کا جیسا کہ فرماتا ہے ومن کل شیٴ خلقنا زوجین لعلکم تذکرون یہ مخلوق تو سب شفع ہے اور اور وتر یعنی فرد ہے وہ سبحانہ ان کا خالق ہے جس کا کوئی جوڑا نہیں یہ سفیان بن عیینہ و مجاہد و محمد بن سیرین و قتادہ وغیرہ کا قول ہے (۲) یہ کہ مخلوق میں سے شفع اور وتر مراد ہے شفع یوم النحر ہے اور وتر یوم عرفہ پہلے دن میں قربانی ہوتی ہے اور دوسرے پر بہت سے احکام حج کا مدار ہے (۳) ربیع بن انس و ابو العالیہ کہتے ہیں صرف نماز مغرب مراد ہے اسکی دو پہلی رکعت شفع ہیں اور تیسری رکعت وتر ہے (۴) ضحاک ...... وعطا کہتے ہیں شفع دس روز ذی الحجہ کے اور وتر اسکے بعد کے تین روز ہیں (۵) بعض کہتے ہیں آدم و حوا مراد ہیں کس لئے کہ آدم اکیلے تھے پھر حوا کے ملنے سے جوڑا ہو گیا (۶) مقاتل کہتے ہیں شفع کل ایام ہیں رات دن کے لحاظ سے اور وتر وہ اخیر دن ہے یعنی قیامت کا (۷) حسین بن فضل کہتے ہیں شفع جنت کے درجات ہیں کیونکہ وہ آٹھ ہیں۔ اور وتر جہنم کے طبقات ہیں کیونکہ وہ سات ہیں (۸) شفع صفات خلق ہیں علم ہے تو جہل بھی ہے قدرت ہے تو عجز نہیں (۹) شفع انسان کے بعض اعضا دو کان دو ہاتھ دو پاؤں۔ اور وتر وہ جو ایک ہیں ناک سر قلب (۱۰) شفع سجدہ اور وتر رکوع ہے۔

اور بھی اقوال ہیں الفاظ قرآنیہ میں بڑی وسعت ہے سبکو حاوی ہیں۔ مگر ان میں ٹھیک وہی ہیں جنکی طرف احادیث صحیحہ میں اشارہ ہو۔ ترمذی و امام احمد وغیرہما نے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کسی نے شفع اور وتر کے معنی پوچھے آپ نے فرمایا کہ نماز مراد ہے بعض جفت ہیں دو دو یا چار چار رکعت بعض طاق یعنے تین رکعت لیکن اس روایت میں ایک راوی مجہول ہے اور اسی لئے ترمذی نے کہدیا کہ یہ روایت غریب ہے اور امام احمد و نسائی و حاکم نے روایت کی ہے کہ لیال عشر عید الضحیٰ کی دس راتیں اور وتر عرفہ کا دن اور شفع نحر کا دن ہے۔ مگر محققین محدثین کے نزدیک ان روایات میں کلام ہے۔

پانچویں چیز کہ جسکی قسم کھائی وہ رات ہے۔ فرماتا ہے واللیل اذا یسر کہ قسم ہے رات کی جبکہ ڈھلے یسری تھا ی فواصل آیات کے لحاظ سے محذوف ہو گئی۔ اور کلام عرب میں ایسا بہت ہے۔ اسکے معنی ہیں جبکہ جاوے یعنی ڈھلے جیسا کہ ایک جگہ فرمایا ہے واللیل اذا ادبر واللیل اذا عسعس مگر قتادہ و ابو العالیہ کہتے ہیں اسکے معنے ہیں جبکہ آوے اسمیں کسی رات کی تخصیص نہیں ہر رات میں جبکہ ڈھلتی ہے رحمت الٰہی کا ظہور اور اسکی تجلی ہوتی ہے بخاری و مسلم نے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تہائی رات باقی رہجاتی ہے تو اللہ تبارک و تعالیٰ آسمان دنیا کی طرف اترتا ہے[ف] اور فرماتا ہے کون ہے جو مجھ سے مانگے تاکہ میں دوں اور کون ہے جو دعا کرے کہ میں قبول کروں اور ہے کوئی جو مجھ سے معافی مانگے میں معاف کر دوں۔ اور بھی پچھلی رات کے برکات و فضائل آئے ہیں اور اسی لئے حضرات انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام و صالحین کا ہمیشہ پچھلی رات میں جاگنے اور عبادت و دعا کرنے کا دستور رہا ہے۔ اور احادیث میں تاکید ہے۔

اور روز جزا پر شبہات ہوتے ہیں انکا بھی ان پانچوں چیزوں کی قسم کہانے میں جواب ہے منکرین قیامت اکثر یہ شبہ کیا کرتے ہیں کہ دنیا میں نیکی و بدی کی جزا و سزا دینے سے کون مانع ہے اگر خدا تعالےٰ ہے اور وہ بندوں کے نیک و بد

ف رات

شبہ

ف۔ آسمان دنیا کی طرف اترنا یا نازل ہونا کنایہ ہے اسکی ایک توجہ اور التفات خاص سے جو اسکی تجلی سے عبارت ہے نہ نزول وصعود جسمانی کیونکہ وہ اس سے پاک ہے ۱۲ منہ۔

اعمال پر بھی نظر رکھتا ہے اور وہ جزا و سزا پر قادر ہے تو پھر اسی جہاں میں کیوں بدلہ نہیں دیتا تاکہ جلدی قصہ طے ہو جاوے۔

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ اسکی حکمت کاملہ کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اس بدلہ دینے میں قیامت کا انتظار کیا جاوے کس لئے کہ انسان کی دو حالت ہیں ایک اس کی یہ زندگانی دوسری موت اور بعد کا زمانہ پہلی حالت سزا و جزا کے لئے کافی نہیں اس لئے دوسری حالت پر موقوف رکھا ہے کیونکہ اس جہاں میں انسان کی تمامی عمر دار آخرت کے لئے سامان جمع کرنے کے واسطے مقرر ہے کہ اخیر تک تحصیل کمالات کرے اور نیز ہر ایک کے ساتھ بہت سے لوگوں کے حقوق و آسایش بھی متعلق ہیں۔ اور نیز بعض ایسے بھی لوگ ہیں کہ جنپر ظلم و ستم ہوتے ہیں اور ظالم زندہ ہے مظلوم مر گئے اب اگر اس کو اسی جہان میں سزا دیجاتے تو اول تو اسی کو اس کہنے کی جگہ باقی رہے کہ جلدی کیوں کی میں آیندہ توبہ و استغفار و عبادت کرنے کو تیار تھا مافات کی تلافی کا مجھے وقت باقی تھا۔ دوم اسکے سزا دینے سے اسکے متعلقین پر ایک مصیبت کا دروازہ کھلتا اسکے عیال و اطفال اور دیگر اہل حقوق اپنے حقوق سے محروم رہجاتے۔ سوم جن مظلوموں پر ظلم ہوئے اگر انکے بعد ظالموں کو سزا ہوتی تو انہیں کیا وہ دیکھتے تو دل ٹھنڈا بھی ہوتا یا وہ اپنے حقوق کا اس سے مطالبہ کرتے چوتھے اس عالم میں جزا و سزا ہونے پر بندوں کی وہ آزمایش جو دنیا میں آزادانہ زندگی پر منحصر ہے باقی نہ رہتی اس لئے اس کی سزا و جزا کے لئے یہ زندگانی کافی نہیں بلکہ ایک دوسرا جہان ہے جہان نہ یہ عذر باقی رہیگا کہ میرے لئے تلافی کا وقت باقی تھا نہ اسکی جزا و سزا سے اسکے متعلقین کی آسایش میں کچھ فرق آئے گا نہ ان کے حقوق تلف ہونگے اور جہاں مظلوم بھی موجود ہوگا اور ظالم بھی ہوگا اپنی آنکھوں سے دیکھکر دل ٹھنڈا کرے گا۔ پس اس جہاں کا انتظار کرنا چاہئے کیونکہ دنیا میں بھی بہت باتیں فوراً ہی نہیں ہو جایا کرتیں انتظار ہی کرنا پڑتا ہے فجر کو دیکھو کہ اکثر لوگ اپنے کام اور ضرورتوں کے سرانجام کے لئے اس کا انتظار کیا کرتے ہیں بیمار و عشاق تو رات میں تڑپ تڑپ کر صبح کی آرزو کیا کرتے ہیں پرند اور چرند جب خالی پیٹ ہو جاتے ہیں تو صبح کے انتظار میں کلبلانے لگتے ہیں علیٰ ہذا القیاس پھر لیال عشر دس راتوں کو دیکھو کہ انکے انتظار میں برس گذر جاتا ہے خواہ ذی الحجہ کی دس رات ہوں یا رمضان کی یا محرم کی۔ یا سال بھر میں سے متفرق۔ اور عدد جفت و طاق کو دیکھو جنکے انتظار سے چارہ نہیں تمام دنیا کے کاروبار تنخواہ طلب تو الد و لیں دین اسی عدد پر موقوف ہے خواہ جفت ہو خواہ طاق نو مہینے تک لڑکے کے پیدا ہونے کا انتظار رہتا ہے مہینا یا سال بھر نوکر ماہوار یا سالیانہ کا انتظار کرتا ہے اور رات کو دیکھو کہ اسکا بھی انتظار ہوتا ہے سیکڑوں کام رات کے آنے پر موقوف ہوتے ہیں پھر کیوں جھٹ پٹ اسیوقت نہیں کر لیتے جب دنیاوی کاموں میں وقت و عدد کا انتظار ہے تو پھر اگر ایسے بھاری کام کے لئے ہو تو کیا تعجب ہے اسلئے اسکے بعد فرماتا ہے هل فی ذالك قسم لذی حجر کہ کیا جو کچھ مذکور ہوا عقلمند کے لئے اسمیں کافی قسم ہے؟ ضرور ہے بلکہ بغیر قسم ہی کے عقلمند ان پانچ چیزوں میں غور و تدبیر کر کے کہہ سکتا ہے کہ بیشک قیامت آنے والی ہے اور مصلحت الٰہی سے اسکا ایک وقت مقرر ہے اور بندہ کے نیک و بد کام سے وہ غافل نہیں۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝ الَّتِىْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِى الْبِلَادِ ۝ وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ

(ای مخاطب) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے عاد ارم ستونوں والوں سے کیا کیا جن کا مثل دنیا پر پیدا نہ کیا گیا تھا اور ثمود سے کیا کیا کہ جنہوں نے

جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۝ وَفِرْعَوْنَ ذِى الْاَوْتَادِ ۝ الَّذِيْنَ طَغَوْا فِى الْبِلَادِ ۝ فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ ۝ فَصَبَّ

وادی میں پہاڑ تراشتے تھے (مکان بنانے کے لئے) اور میخوں والے فرعون سے کیا کیا ان سب نے ملک میں سرکشی کر کے بڑا ہی فساد مچا دیا تھا پھر تو

عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۝ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ۝

آپ کے رب نے بھی ان پر عذاب کا کوڑا پھٹکار دیا کیونکہ آپ کا رب تاک میں ہے

ترکیب

ارم ذات العماد عطف بیان لعاد او بدل منہ و ارم غیر منصرف للتعریف والتانیث۔ و ارم جدّ عاد لانہ عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح وقال قتادہ ہی قبیلۃ من عاد وقال ابو عبیدہ ہما عادان فالاولے ارم۔ ومعنی ذات العماد وذات القوۃ والشدۃ وقیل ذات الطوال یقال رجل طویل العماد اے القامۃ وفی الصحاح العماد الابنیۃ الرفیعۃ تذکر و تونث التی لم یخلق الخ صفۃ لعاد وقیل صفۃ ارم علی قول من قال ان ارم قریۃ وارض وثمود بالنصب عطفا علے عاد مجرور محلا علی انہ اسم للقبیلۃ ففیہ التانیث والتعریف فہو غیر منصرف الذین الخ صفۃ لثمود جابوا الجوب القطع ومنہ جاب البلاد اذا قطعہا ومنہ جیب القمیص لانہ قطع بالواد متعلق بجابوا والمراد بالواد وادی القری وہو موضع بقرب المدینۃ من جہۃ الشام۔ قرء الجمہور بالواد بحذف الیا۔ وصلا و وقفا اتباعًا لرسم المصحف وقرء ابن کثیر باثباتہا فیہما وقری باثباتہا فے الوصل دون الوقف وفرعون معطوف علی عاد ذی الاوتاد صفۃ فرعون والمراد بہ قومہ والاوتاد جمع وتد بکسر التاء وفتحہا وعند اہل نجد بسکونہا۔ والمراد بالاوتاد الجنود لان الملک یشد بہا الذین الخ الموصول صفۃ لعاد و فرعون اے طغت کل طائفۃ منہم فی بلادہم وتمردت فصب اے القیٰ وافرغ وہذا استعارۃ عن ایقاع العذاب بہم علے ابلغ الوجوہ ان ربک تعلیل لما قبلہ ایذانا بانہ عالم باحوال القریش یوقع بہم ما اوقع بمن قبلہم۔ وقیل ہو جواب القسم۔

تفسیر

اس بات کا ذکر ہوا تھا کہ جزا و سزا کا دن قیامت ہے اور وہیں پوری سزا و جزا ملا کرتی ہے۔ اب یہاں سے یہ ثابت کرتا ہے کہ کبھی دنیا میں بھی ہم کچھ سزا دید یا کرتے ہیں اور نیکوں کو جزا بھی۔ اس لئے پہلی قوموں کے تین مشہور واقعات یاد دلاتا ہے کہ جنکی سرکشی پر خدا نے دنیا ہی میں انکو سزا دی تھی فقال الم تر کیف فعل ربک بعاد کہ کیا اے مخاطب تو نے نہیں دل کی آنکھ سے دیکھا گو اس زمانہ کے لوگوں نے دیکھا نہیں مگر وہ مشہور واقعہ ایسا ہی یقین بخش ہے جیسا کہ آنکھ کا دیکھا ہوا کرتا ہے اسلئے الم تر فرمایا کہ تیرے رب نے عاد کی قوم سے کیا کیا۔ کونسے عاد سے آپ ہی فرماتا ہے ارم یعنے عاد ارم کی قوم سے جنکو عاد اولے بھی کہتے ہیں، ارم انکے جد اعلیٰ کا نام تھا۔ عرب میں جد اعلیٰ کی طرف منسوب کرنا عام محاورہ ہے کہتے ہیں قریش کنانہ۔ اور وہ کیسی قوم تھی؟ ذات العماد بڑی بلند قامت یعنی طاقت ور یا یہ معنی کہ مکانوں اور محلوں والی کس لئے کہ عاد بلند مکانوں کو بھی

کہا کرتے ہیں یا خود ستونوں والی کیونکہ اس دولتمند قوم کی عادت تھی کہ اپنے بزرگوں کے مقابر پر بلند منارے بنوا دیا کرتے تھے فخر اور یادگاری کے لئے جسکے آثار ملک مصر میں ابتک باقی ہیں۔ التی لم یخلق مثلھا فی البلاد ایسی قوم یا ایسے ستون یا ایسی عمارات کہ جنکی مثل اس عہد تک ملکوں میں پیدا نہیں کئے گئے تھے یہ پہلا واقعہ ہے قوم عاد اولیٰ کا۔

اولیٰ و اخریٰ

واضح ہو کہ عاد دو فرقوں کا نام تھا۔ ایک کو عاد اولیٰ اور عاد قدیمہ بھی کہتے تھے۔ اور وہ اولاد عاد بن اوص بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام سے تھے اور انہیں کو عاد ارم کہتے ہیں کس لئے کہ ارم انکے دادا ہیں اور شہر ارم بھی عدن کے قریب نہایت عمدہ انہوں نے اپنے نام سے آباد کیا تھا جسکا مثل اس زمانہ میں دنیا بھر میں تھا یا ملک عرب میں نہ تھا۔ دوسرا فرقہ جسکو عاد اخریٰ کہتے ہیں وہ لوگ ہیں جو اس قوم کے ہلاک ہونے سے بچ رہے تھے اور یہ لوگ ملک یمن کے ضلع حضر موت میں احقاف کی زمین میں رہا کرتے تھے پھر یہ بھی بڑے پھلے پھولے اور آخر کار جبار و سرکش ہو گئے انہیں میں ہود علیہ السلام پیغمبر بھیجے گئے تھے یہ قوم ہوا کے طوفان سے ہلاک ہوئی تھی ان کا قصہ قرآن مجید میں کئی جگہ آیا ہے۔ مگر عاد ارم کا صرف دو ہی جگہ آیا ہے ایک انہیں آیات میں دوسرے سورہ نجم میں جہاں کہ فرمایا وانہ اھلک عادا الاولیٰ ۔

تاریخی حالات قوم عاد ارم کا

اس قوم کا وہ واقعہ جو صحیح طور پر ثابت ہوا اسیقدر ہے کہ یہ ایک قوم قدیم زمانہ میں طوفان نوح علیہ السلام کے بعد ملک یمن میں آباد تھی اس قوم کا یہاں تک عروج ہوا کہ تمام عرب بلکہ مصر و دیگر ممالک بھی انکی سلطنت ہو گئی اور انہوں نے بڑے بڑے عجائب شہر آباد کئے۔ اور دولت و حشمت نے انکے قول ہار دیا تھا منجملہ انکے شہر ارم بھی اسوقت میں ایک عجائب زمانہ تھا یہ بڑی طاقتور اور بہادر قوم تھی مگر پھر دولت و ثروت کے ساتھ بدکاری اور عیاشی اور ظلم بھی ان میں آیا اور یہ باتیں دولت و ثروت کا ثمرہ ہیں ہر چند اس عہد کے انبیاء علیہم السلام نے انکو سمجھایا اور راہ راست پر لانیکی کوشش کی مگر انکے گناہوں کی کشتی جو بھر چکی تھی غرق ہونے کو تھی کب مانتے تھے آخر عذاب الٰہی کا کوڑا ان پر پڑا برباد و ہلاک ہو گئے سلطنتیں جاتی رہیں دولت و ثروت نے منہ پھیر لیا وبا اور دیگر مصائب نے ہجوم کر لیا برباد ہو گئے۔

شہر ارم کا بیان

مروی ہے کہ عاد کے دو بیٹے تھے شدید اور شداد یہ ملکوں پر قابض ہوئے شدید مر گیا تو شداد اسکا قائمقام ہوا اسکے اقبال نے بڑی ترقی کی بڑے بڑے بادشاہ اسکے مطیع ہو گئے اس نے جنت کا ذکر سنکر کہا کہ میں بھی ایک ایسی ہی بہشت تیار کرتا ہوں تب اس نے یمن کے بعض جنگلوں میں شہر ارم کی بنیاد ڈالدی اور تین سو برس میں ایک شہر تیار ہوا جسکے چاندی سونے کے محل اور یاقوت زبرجد کے انکے ستون تھے اور اقسام اقسام کے اسمیں باغ اور نہریں تھیں جب بنکر تیار ہوا تو ارکان دولت کو لیکر اس بہشت میں چلا جب قریب رہ گیا تو آسمان سے ایک کڑک آئی اور سب کو ہلاک کر دیا شداد نو سو برس کی عمر میں مرا۔

یہ بھی روایت ہے کہ ابو قلابہ اپنا اونٹ ڈھونڈتے ہوئے اس جنگل میں جا نکلے اور شہر ارم میں جا پہونچے اور وہاں سے بہت کچھ جواہرات اٹھا لئے اسکی خبر معاویہؓ کو پہونچی انہوں نے بلا کر پوچھا سارا احوال بیان کر دیا تب معاویہؓ نے کعب سے دریافت کیا تو کہا یہ وہ شہر ارم ہے جو شداد نے بنایا تھا۔ اگر یہ روایت صحیح تسلیم کر لیجائے تو ممکن ہے کہ شہر ارم کے کھنڈرات میں جا پہونچے ہوں اور بیش بہا پتھر لے آئے ہوں مگر اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ شہر ارم اسی طرح اب بھی یمن کے جنگلوں میں موجود ہو اور لوگوں کی نظروں سے

غائب ہے اسکے بعد دوسرا واقعہ بیان فرماتا ہے جو اسکے بعد گزرا ہے فقال وثمود الذین جابوا الصخر بالواد اور قوم ثمود کے ساتھ کیا کیا وہ قوم ثمود کہ جس نے جنگلوں میں پتھر تراشے تھے اور بڑے مستحکم مکان بنائے تھے کہ ہم ہمیشہ ان میں رہا کریں گے۔ یہ قوم شمال عرب میں رہتی تھی۔ حجر سے لیکر وادی القریٰ تک انکی بستیاں تھیں۔ پہاڑ تراش کر نہایت خوبصورتی کے ساتھ مکان بنایا کرتے تھے تصویریں اور پھولوں اور درختوں کی صورتیں بھی تراشا کرتے تھے نہایت شادمانی اور مزے سے زندگانی بسر کیا کرتے تھے مگر ساتھ ہی بدکاری اور بت پرستی بھی بیحد تھی۔ حضرت صالح علیہ السلام اس قوم کی طرف مبعوث کئے گئے پھر کب یہ ماننے والے تھے آخر ایک ہی بار ہلاک ہوگئے۔ ان کا قصہ بھی کئی بار قرآن مجید میں آچکا ہے۔ ان کے آثار ابتک شام کی طرف جانے والوں کو دکھائی دیا کرتے ہیں حال کے سیّاحوں نے بھی انکے سنگین مکانات کے کچھ کچھ آثار دیکھے ہیں۔

اسکے بعد تیسرا واقعہ قوم فرعون کا بیان فرماتا ہے فقال وفرعون ذی الاوتاد اور فرعون کے ساتھ کیا کیا جو لشکر والا تھا۔ اوتاد وتد کی جمع ہے جسکے معنے ہیں میخ کے مفسرین کے اسکی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں (۱) یہ کہ اوتاد لشکروں کو کہتے ہیں کیونکہ سلطنت وحکومت کی یہی میخ ہے جس بادشاہ کا لشکر مہیا اور کارآمد نہیں اسکی بادشاہت بے بنیاد ہے اور یہی ابن عباس کا قول ہے۔
(۲) یہ کہ اسقدر گھوڑے اور خیمے تھے کہ بیشمار میخیں ساتھ چلا کرتی تھیں جس سے اسکی حشمت اور کثرت مال وجاہ کیطرف اشارہ ہے (۳) یہ کہ وہ موذی ایمانداروں کو چومیخا کیا کرتا تھا اسلئے میخیں رکھ چھوڑی تھیں اسلئے اسکو اس بری صفت سے یاد کیا گیا۔

پھر اجمالاً ان تینوں قصوں کو بیان فرماکر سب کے افعال زشت اور حالات بد کا اجمالی حال بیان فرماتا ہے جو انپر دنیا میں قہر ٹوٹ پڑنے کا باعث ہوا فقال الذین طغوا فی البلاد یہ سب قومیں وہ تھیں کہ جنہوں نے ملک میں رہ کر سرکشی کی اپنی حد سے گزر گئے تھے تکبر کی بھی انتہا نہ رہی تھی محکوموں کے ساتھ نخوت اور بے پروائی سے پیش آتے تھے اخلاق کا نام تک نہ تھا شہوت پرستی اور عیاشی کا بھی کچھ انتہا نہ تھا بہائم کو بھی شرما دیا تھا اسپر درندے بھی بن گئے تھے جسکو چاہا پیٹ ڈالا قید کردیا مروا ڈالا الزام لگاکر گھر بار ضبط کرلیا۔ عدل وانصاف صداقت پارسائی پرہیزگاری رحمدلی خوش اخلاقی تو چھو بھی نہیں گئی تھی اسپر اعتقادات وہ بد کہ الٰہی توبہ۔ خدا تعالیٰ کی بے ادبی اسکے رسولوں اور انکی شریعت کی بے عزتی بت پرستی ایک ادنیٰ بات تھی دار آخرت اور اعمال کی جزا وسزا کا تو خیال بھی نہیں آتا تھا زناکاری اور شراب خواری کے دروازے کھول دیئے تھے لوگوں کو بھی اسی روش اور انہیں خیالات پر پھیر کر لاتے تھے اور اپنی عقل وتدبیر اور شوکت وحشمت موجودہ پر بڑا غرور تھا ان سب باتوں کی طرف اس ایک ہی جملہ میں اشارہ ہے فاکثروا فیہا الفساد کہ زمین میں بہت ہی فساد کیا ہے ہر ایک بات جو اوپر مذکور ہوئی فساد فی الارض ہے اب انکی سزا بیان فرماتا ہے فقال فصب علیہم ربک سوط عذاب کہ تیرے رب نے (جو رب العالمین ہے اسکو اپنے غریب بندوں کی پرورش بھی ملحوظ ہے مظلوموں پر رحم کھانا بھی اسکی ربوبیت کا مقتضیٰ ہے) انپر سزا کا کوڑا مارا سبکو ہلاک وبرباد کردیا۔ اسکے تازیانہ سے ڈرنا چاہیئے کس لئے کہ ان ربک لبالمرصاد تیرا رب اپنے بندوں کے حالات وحرکات دیکھتا رہتا ہے سب کچھ انکی نظروں میں رہتا ہے کچھ انہیں قوموں پر انحصار نہیں اور صدہا قوموں پر سزا کے کوڑے مارے ہیں اور آیندہ مارے گا۔ اگر یہی اخیر جملہ بندے کے دھیان میں رہے تو بڑا ہی نیک ہوجاوے قرآن نے تذکیر میں کوئی مرتبہ اٹھا نہیں رکھا اس سے بڑھ کر کوئی کہہ نہیں سکتا۔

فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ۞ وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ

لیکن انسان ایسا ہے کہ جب اسکا رب اسکو آزماتا ہے پس اسکو عزت اور نعمت عطا کرتا ہے تو کہنے لگتا ہے کہ مجھے میرے رب نے نواز دیا اور جبکہ اسکو دوسطرح آزماتا ہے کہ اس کی روزی

رِزْقَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ۞ كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ۞ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۞

اسپر تنگ کر دیتا ہے تو کہنے لگتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا ہرگز نہیں بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے اور نہ مسکین کے کھانا کھلانے کی ترغیب دلاتے ہو۔

وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ۙ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ۞

اور مردوں کا مال بھی سمیٹ کر کھا جاتے ہو اور مال کو بھی بہت ہی عزیز رکھتے ہو۔

ترکیب

فاما ہہنا لمجرد التاکید لالتفصیل المجمل اذا شرطیۃ ما زائدۃ فاکرمہ ونعمہ تفسیر للابتلاء فیقول الخ جواب الشرط وقیل اذا ظرفیۃ ودخلت الفاء فی فیقول لتضمن اما معنی الشرط اے فاما الانسان فیقول ربی اکرمنی وقت ابتلائہ بالنعماء۔ اکرمن اصلہ اکرمنی حذفت الیاء اتباعاً لرسم المصحف وبقیت الکسرۃ دلیلاً علیہا وقس علیہ واما اذا ما ابتلاہ فقدر الخ کلا ردع للانسان عن قولہ ولا تحاضون والمفعول محذوف اے احدا او انفسکم قرء الجمہور تحضون من حضہ علے کذا اے اغراہ بہ وقری تحاضون بفتح التاء۔ وصلہ تحاضون اے لا یحض بعضکم بعضا وقری بضم التاء من الحض وہو الحث۔ طعام المسکین والطعام اما اسم مصدر اے اطعام المسکین او اسم للمطعوم فالمضاف محذوف اے بذل طعام المسکین التراث صلہ الوراث فابدلت التاء من الواو المضمومۃ کما فی تجاہ ووجاہ لما اصل اللم الجمع یقال لممت الشئ المہ جمعتہ الجم الکثرۃ یقال جم الشئ یجم جموما یقال فی المال وغیرہ فہو جم وجائم

تفسیر

پہلے فرمایا تھا ان ربک لبالمرصاد کہ وہ آخرت کے مفید و مضر کاموں کو دیکھ رہا ہے فاما الانسان الخ اور انسان کا یہ حال ہے کہ وہ رات دن حصول دنیا اور اسکے لذات و شہوات میں مشغول ہے۔ اگر دنیا میں دولت و راحت مل گئی تو کہنے لگا کہ میرا خدا مجھ سے خوش ہے اور جب ہی تو اس نے مجھے یہ عزت دی ہے اور جو تنگ دستی یا تکلیف پیش آگئی تو کہنے لگا کہ ناراض ہے جس لئے اس نے مجھے ذلیل کر رکھا ہے گویا خدا تعالے کی رضامندی اور اسکا عزت واکرام حصول دولت و راحت دنیا پر منحصر جانا اور اسکی ناراضگی اور توہین کو دنیاوی فقر و فاقہ اور تکالیف پر محمول کیا اور یہ اس کا خیال باطل ہے کس لئے کہ دنیا کی راحت و نعمت اور اسیطرح افلاس و فقر بیماری و خواری اسکی آزمایش ہے کہ نعمت و راحت پاکر کیسی شکر گزاری و فرمانبرداری کرتے ہیں اور مصیبت میں کیونکر صبر کرتے ہیں۔ اگر مصیبت میں صبر کیا تو ترقی درجات آخرت کا باعث ہے اور نعمت میں شکر نہ کیا تو اور بھی بازپرس کا باعث ہوگا

الغرض حصول دنیا اور اس کے عدم حصول پر ہماری رضا مندی اور اکرام یا توہین و ناراضی سمجھنا غلط بات ہے جیسا کہ کفار سمجھ ہوتے ہیں اور یہی حجت پیش کیا کرتے ہیں اس لئے اسکے بعد فرماتا ہے کلا کہ ہرگز ایسا نہیں۔
کلا یعنی فراغدستی کثرت مال و اولاد سے یہ سمجھنا کہ خدا مجھے معزز سمجھتا ہے اچھا اور محبوب جانتا ہے یا تنگدستی سے برا جانتا ہے غلط خیال ہے جسکو لفظ کلا سے تعبیر کیا۔ بلکہ فراغدستی بھی اسکی آزمایش ہے اور تنگدستی بھی کہ فراغدستی میں کیا شکر اور تنگدستی میں کیا صبر کرتے ہو۔ فراغدستی سے خدا کے نزدیک عزت دار نہیں ہوجاتا نہ تنگدستی سے ذلیل۔ بل بلکہ ذلت کے یہ اسباب اور یہ کام ہیں۔ گو وہ کتنا ہی مالدار کیوں نہو اور وہ ذلت کے کام کیا ہیں جنکے کفار مرتکب تھے آپ ہی بیان فرماتا ہے (۱) لا تکرمون الیتیم تم یتیم کی عزت نہیں کرتے حالانکہ وہ بے باپ کے ہے۔ دنیا کے مصائب اس پر پڑے ہوئے ہیں اور خود بھی کم سن ہے کچھ کر نہیں سکتا۔ اب تم اپنے تکبر سے اسکو منہ بھی نہیں لگاتے شفقت اور کھانا کھلانا اس کی حاجت برآری کرنا تو کجا یہ کام ہے جس سے اللہ کے نزدیک انسان ذلیل ہوجاتا ہے۔ خواہ بظاہر کیسا ہی دولتمند کیوں نہو۔ جہال عرب میں یہ بھی عیب تھا کہ یتیموں پر مہربانی نہیں کرتے تھے۔ احادیث صحیحہ میں یتیموں پر مہربانی کرنیکے بڑے فضائل آئے ہیں (۲) ولا تحاضون علی طعام المسکین اور نہ مسکین کے کھانا کھلانے کی ترغیب دلاتے ہو نہ اپنے آپ کو اور نہ اور کسیکو۔ حالانکہ غریب محتاج کو کھانا کھلانا تمام اہل عقل و نقل کے نزدیک مسلم نیکی ہے برخلاف اس کے بدبخت جاہل یہ کہتے ہیں کہ جب اسکو خدا ہی نے نہ دیا اور اس نے اسکی بے قدری کی اور خدا ہی نے یتیم کے باپ کو مار دیا تو ہم اسپر کیوں رحم کریں کیوں کھانا کھلائیں۔ نہ کرنے میں تو یہ دو کام نہیں کرتے جو کرنے چاہئیں تھے۔ اور کرنے میں یہ دو کام کرتے ہیں (۳) وتاکلون التراث اکلا لما کہ مردوں کا مال جو بلا مشقت ورثہ میں ملتا ہے اسکو سمیٹ لیتے ہو اور خوب دل کھول کر کھاتے ہو فضول خرچی کرتے ہو عیاشی اور لہو کے کاموں میں اوڑاتے ہو۔ سچ ہے مال مفت دل بے رحم۔ (۴) وتحبون المال حبا جما اور مال کی دل سے محبت کرتے ہو بڑے لالچی اور طماع ہو۔ معاذ اللہ تمام گناہوں کی جڑ یہی محبت دنیا اور یہی لالچ اور طمع تو ہے یہی حق تلفی کراتی ہے یہی
جھوٹ بلواتی ہے یہی خون کراتی ہے۔ یہی بے شرم بے حیا بنا دیتی ہے۔ یہ ہیں وہ کام جو
تم اے قریش کر رہے ہو۔ بجائے عبادت۔ صداقت ایمان پرہیزگاری
خیرات۔ صلہ رحمی کے پھر تم سمجھ لو کہ عاد و ثمود و فرعون پر
جو کوڑا پڑا تھا وہ تمہارے لئے بھی تیار ہے پھر بتاؤ اہانت
و ذلت خدائی کا سبب حب دنیا ہو
یا فقر و فاقہ
؟

كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ۙ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۚ وَجِایْٓءَ یَوْمَىٕذٍۭ بِجَهَنَّمَ ۙ۬ یَوْمَىٕذٍ

نہیں نہیں جبکہ زمین چکنا چور ہو جاوے اور آپکے رب کا (تخت) آجائے اور فرشتے بھی صف بستہ چلے آئیں اور اسدن جہنم بھی سامنے لائی جاوے اس دن

یَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰىؕ یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ قَدَّمْتُ لِحَیَاتِیْ ۚ فَیَوْمَىٕذٍ لَّا یُعَذِّبُ عَذَابَهٗۤ

انسان سمجھے گا اور اسوقت اسکو سمجھنا کیا فائدہ دیگا کہیگا اے کاش میں اپنی زندگی کے لئے کچھ آگے بھیجتا سو اس دن اس جیسی مار کوئی بھی

اَحَدٌ ۙ وَّلَا یُوْثِقُ وَثَاقَهٗۤ اَحَدٌ ؕ یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىٕنَّةُ ۗۖ ارْجِعِیْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِیَةً

نہ ماریگا اور نہ اس جیسی جسکو کوئی جکڑے گا (کہا جاوے گا) اے تسلی یافتہ جان اپنے رب کی طرف چل کہ تو اس سے راضی

مَّرْضِیَّةً ۚ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ۙ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ۠

وہ تجھسے راضی (اے آ) میرے بندوں میں جا مل اور میری بہشت میں چل رہ

ع ۳۰ ۱۴

ترکیب

کلا ردع اذا ظرف والعامل فیہ یتذکر الانسان دکا منصوب علے انہ مصدر موکد للفعل و دکا تاکید للاول۔ والدک الکسر و جاء معطوف علے دکت صفا صفا حال اے مصطفین او ذوی صفوف وجئ فعل مجہول بجہنم مفعول مالم یسم فاعلہ قائم مقام الفاعل یومئذ منصوب بجائے والجملۃ معطوف علی دکت یومئذ بدل من یومئذ قبلہ یتذکر عامل اذا و انی لہ الذکری الجملۃ حال من فاعل یتذکر۔ یقول الخ تفسیر لیتذکر قدمت لحیاتی۔ اے قدمت فی الدنیا من الاعمال الصالحۃ لاجل حیاتی الاخرویۃ فانہا الحیاۃ بالحقیقۃ۔ وقیل ان اللام بمعنی فی والمعنے یا لیتنی قدمت فی حیاتی الدنیاویۃ الاعمال الصالحۃ۔ یومئذ عاملہ لا یعذب الخ عذابہ و وثاقہ بالنصب علے نزع الخافض اے کعذابہ و وثاقہ۔ قرء الجمہور لا یعذب ولا یوثق مبنیا للفاعل فالضمیر فی عذابہ و وثاقہ یرجع الے اللہ تعالیٰ اے لا یعذب احد کعذابہ ولا یوثق احد مثل وثاقہ۔ وقری بصیغۃ المجہول ایضا فالضمیران راجعان الی الانسان الکافر راضیۃ مرضیۃ حال من فاعل ارجعی۔

تفسیر

پھر فرماتا ہے کہ یہ مت سمجھو کہ وہ خدا تعالےٰ جو تمہارے نیک و بد کاموں کو دیکھ رہا ہے وہ بدلہ دینے سے عاجز ہے یا بدلہ نہ دے گا۔ کلا ہرگز یہ خیال نہ کرو بلکہ وہ ضرور بدلہ دے گا کس روز؟ اذا دکت الارض دکا دکا۔ جس دن کہ زمین جو اس دنیا کا فرش ہے ریزہ ریزہ ہو جاوے اور بلند و پستی ہموار کر دیجاوے یہ نفخ صور اول کے بعد ہوگا جبکہ زلزلہ عظیم زمین کو زیر و بالا کر دے گا اور اس کے بعد یہ تمام عالم فنا ہو جاوے گا تب ایک دوسرا جہان پیدا ہوگا اور مردے قبروں سے زندہ ہو کر نکلیں گے اور تمام اولین و آخرین عدالت کے لئے خدا تعالیٰ اور اسکے ملائک مقربین کی راہ تکیں گے کہ اس گرمی و مصیبت سے فیصلہ کر کے ہمکو نجات دے وجاء ربک تیرا رب آوے گا یعنی صفت جلال و قہر میں تجلی

کرے گا اور بندوں کی عدالت کی طرف متوجہ ہوگا والملک صفا صفا اور فرشتے بھی صف باندھ کر آ حاضر ہونگے یہ تعمیل حکم
کرنے کے لئے صف بستہ کھڑے ہونگے۔ ہر ایک مرتبہ کے فرشتوں کی ایک صف ہوگی وجائی یومئذ بجھنم اور
جہنم بھی لاکر لوگوں کے سامنے موجود کی جاوے گی اور اسکی بڑی بڑی چنگاریاں اڑتی ہوں گی اور اسکے جوش و خروش
کی ایک ہیبت ناک آواز لوگوں کے ہوش و حواس پریشان کرتی ہوگی۔ لانے سے مراد ظاہر کیا جانا بھی ہو سکتا ہے
جیسا کہ اس آیت میں آیا ہے وبرزت الجحیم لمن یری یومئذ یتذکر الانسان اس روز انسان یاد کرے گا جو اس نے
دنیا میں کیا تھا اور اس روز اسکا نشہ ہرن ہو جاوے گا اور اسکو نصیحت ہو جاوے گی کہ جو کچھ دنیا میں انبیا علیہم السلام
اور انکے نائبوں نے خبر دی تھی سب حق ہے اور ہم اپنی بدبختی سے آنے والی مصیبت کو ٹھٹھوں میں اڑاتے رہے اور
اس کے لئے نیک عمل اور ایمان صادق کا سرمایہ جمع کرنے سے دنیاوی لذات و شہوات فانیہ میں مستغرق رہے وانی
له الذکری مگر اس روز کے سمجھنے سے اس کو کیا فائدہ ہوگا اس روز پچھتانا دانت پیسنا رونا سر پیٹنا کچھ کام نہ آئیگا
اور اس دن اس رونے پیٹنے میں منہ سے کیا کہے گا؟ یلیتنی قدمت لحیاتی اے کاش میں آج کی زندگی
کے لئے جو ابدی ہے دنیا میں ایمان و اعمال نیک کا سرمایہ آگے بھیجتا اس کے بعد مرتا میں بدنصیب توجہ
کرتا رہا چند روز زندگانی کے لئے کرتا رہا جو ایک خواب سا تھا۔

بعض نے لحیاتی کے لام کو فی کے معنے میں بھی سمجھا ہے تب یہ معنی ہونگے کہ اپنی زندگانی دنیا میں اس دن کے لئے
کاش کچھ آگے بھیجتا۔ یہ حسرت و ندامت بھی عذاب جسمانی کے سوائے ایک اور روحانی عذاب ہوگا اس لئے فرماتا ہے فیومئذ
لا یعذب عذابه احد کہ پھر اس روز اسکے عذاب جیسا اور کوئی عذاب نہ کرے گا یعنی جسقدر اللہ تعالیٰ اس روز اس
بے ایمان بدکردار کو عذاب دیگا ویسا کسی نے نہ دیا ہوگا کس لئے کہ اول تو اس کا عذاب روحانی اور جسمانی ہوگا دوم ایسا
سخت ہوگا کہ ویسا دنیا میں ہو نہیں سکتا سوم دنیا کے عذاب کی انتہا خواہ وہ کیسا ہی کیوں نہو موت ہے جس سے چھٹکارا
ہو جاتا ہے مگر وہاں موت بھی نہیں کہ چھٹکارا ہو جاوے ولا یوثق وثاقه احد اور نہ اسکی قید جیسی کسی نے قید کی ہوگی
وہاں کی بیڑیاں خدا کی پناہ وہاں کے جیلخانہ سے کوئی نکل نہیں سکتا اے دیگر کوئی راحت نہیں پہونچا سکتا آخر ہمیشہ کی
قید الامان الامان اسکے علاوہ عقل و ادراک تمام اسی تکلیف کیطرف متوجہ۔ غمزدہ آدمی کہیں جاوے اسکے غم کی بیڑیاں اس
کے پاؤں میں رہا کرتی ہیں یہ روحانی قید ہے جو وہاں بدرجہ کمال ان بدبختوں کو ہوگی۔ پھر ایسی قید اور کون کرسکتا ہے بعض
قاریوں نے لا یعذب ولا یوثق کو مجہول کا صیغہ پڑھا ہے تب یہ معنی ہونگے کہ اس غافل بدبخت جیسا اور کسیکو عذاب
نہ کیا جاوے گا نہ اس جیسی اور کو قید کیجاویگی کس لئے کہ وہ کافر و مشرک اور اس پر بدکار لذات و شہوات دنیا کا فریفتہ کسی وقت
اور کسی حال میں بھی دنیا میں خدا تعالےٰ اور دار آخرت کیطرف متوجہ نہیں ہوتا تھا۔ برخلاف ایمانداروں گنہگاروں کے
کہ اگر وہ کبھی بدی کرتے تھے تو دوسرے وقت کوئی نیکی بھی کر لیتے تھے ان کو آخر کار انکے ایمان یا اعمال نیک کے سبب رستگاری
ہو جاویگی۔ یہانتک تو بدوں کا حال بیان فرمایا جو قیامت میں ان پر طاری ہوگا اسکے بعد نیکوں کا حال بیان فرماتا ہے
کہ ان سے اس روز کیا معاملہ پیش آوے گا؟ فقال یا ایتها النفس المطمئنة ارجعی الی ربک راضیة مرضیة کہ اس

خوف وہراس کے وقت فرشتے ان سے تسلی دے کر یہ کہیں گے کہ اے اطمینان یافتہ جان اپنے رب کی طرف عدالت میں خوش خوش چل تو اس سے خوش وہ تجھ سے خوش کوئی غم وہراس نہ کر۔ اس عظمت وشان سے اسکو پیشی میں لادینگے پھر جب وہ حق سبحانہ کے سامنے ہوگا جو کچھ عنایت ومہربانی اس پر ہوگی اسکا انتہا نہیں۔ آخر کار خدا تعالیٰ اسکو فرمادیگا کہ فادخلی فی عبادی کہ آپ اس بلند مرتبہ اور بلند جگہ میں آؤ جو میرے بندگان خاص کے لئے ہے جیسا دنیاوی عدالت میں حاکم کسی کی تعظیم وتکریم کے لئے کہا کرتا ہے کہ آپ ادہر معزز لوگوں میں آئیے ہمارے پاس دائیں طرف عزت کی کرسی پر بیٹھئے جہاں اور اور معزز ہیں وادخلی جنتی اور میری بہشت میں جو میں نے خاص تمہارے لئے پہلے سے تیار کر رکھی ہے اسمیں رہئے سدا آرام کیجئے۔ دنیاوی بادشاہ بڑے عالیشان مکانوں اور باغوں میں ملا کرتے ہیں اور ملنے والوں کے لئے بیٹھنے رہنے کی جگہ کی کیسی تیاری کرتے ہیں تو پھر کیا خدا پاک کا جہاں دیدار ہوگا وہ کوئی کوٹڑی اور ویرانہ ہوگا؟ ہرگز نہیں جہاں ان کا جلوہ جہاں انکا دیدار وہ جگہ گلزار بلکہ لاکھ گلزار اس پر نثار۔ یہ بات جنتی کے لفظ سے سمجھی جاتی ہے جسمیں جنت کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ بہت سے خشک زاہدوں اور بے سمجھ شاعروں نے جنت نہیں سمجھی جنت کو دنیا کا باغ اور چکلہ اور کیا کیا بتانے لگے۔ یوں سمجھنا چاہئے کہ جو اس دیوان خاص میں نہ جانے پائے گا اسکو اس کا دیدار ہی نصیب نہوگا۔ کوہ طور پر حضرت موسےٰ علیہ السلام کو تجلی دکھائی پھر کیا اسکی وہ جنت دنیا کے کوہ طور سے بھی کم ہوگئی؟ ہرگز نہیں۔

ف۔ اس نیک کو اطمینان والی جان کیوں فرمادیا؟ اسلئے کہ اسکو اس لفظ کے سنتے ہی عذاب وعتاب کی دہشت سے اطمینان ہوجاوے۔ گویا یہ تسلی دینے والا لفظ پہلے سے بطور مژدہ کے سنایا جاوے گا کہ تجھے اطمینان ہو۔

ف۲ واضح ہو کہ انسان کے نفس کی تین صفات ہیں امارہ۔ لوامہ۔ مطمئنہ۔ امارہ کفار ودنیا کی لذات پر فریفتہ لوگوں کی صفت ہے کہ وہ انکو بدکاری پر بار بار امر یعنی حکم کرتا رہتا ہے اور وہ مانتے رہتے ہیں لوامہ لوم ملامت کرنے والا یعنی اپنی برائیوں پر ملامت کرے یہ عامہ ایمانداروں کی صفت ہے ان میں حس وادراک باطنی باقی ہے ابھی گناہ کو گناہ سمجھتے ہیں افسوس کرتے ہیں دل میں گناہ کرکے رنج ہوتا ہے مطمئنہ۔ اطمینان یافتہ یہ حضرات انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام وصالحین کے نفس کی حالت ہے انکو عبادت ومعرفت سے اطمینان ہوجاتا ہے الا بذکر اللہ تطمئن القلوب اور کاموں میں انکا دل بیقرار رہتا ہے پھر پھر کر اپنے مرکز اصلی ذکر الٰہی کیطرف آرہتا ہے یہ بات بوقت مرگ بھی نیکوں سے پیش آتی ہے کیونکہ یہ بھی قیامت صغریٰ ہے رحمت کے فرشتے نہایت مہربانی سے کہتے ہیں کہ اے روح اطمینان والی چل اپنے رب کی طرف اس ویرانہ دنیا کو چھوڑ تو اس سے خوش وہ تجھ سے تیرے لئے وہاں بڑی بڑی تیاریاں ہیں احادیث صحیحہ میں اسکی بکثرت تصریح ہے

جعلنا اللہ منھم

سورہ بلد مکیہ ہے اس میں بیس آیات ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لَآ اُقْسِمُ بِھٰذَا الْبَلَدِ ۝ وَاَنْتَ حِلٌّ بِھٰذَا الْبَلَدِ ۝ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ۝ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ ۝

میں قسم کھاتا ہوں اس شہر (مکہ) کی حالانکہ آپ اس شہر میں مقیم ہیں اور قسم ہے والد اور اسکی اولاد کی کہ البتہ ہم نے انسان کو محنت میں پیدا کیا ہے

ترکیب

لا قدم الکلام فیہا فقیل زائدۃ وقیل لا لنفی کلام الکفار وقیل لنفی القسم لظہور الامر اے لا حاجۃ الی القسم بہذہ الاشیاء والمراد بالبلد عند جمہور المفسرین مکۃ والبلد یذکر ویونث والجمع بلدان والبلدۃ بالفتح جمعہا بلاد بالکسر وانت حل الخ قال الواحدی الحل والحلال والمحل واحد وہو ضد الحرم اے فاحل اللہ لنبیہ صلے اللہ علیہ وسلم القتال فی مکۃ وقد انجز اللہ تعالیٰ وعدہ یوم الفتح فالجملۃ معترضۃ بین المقسم بہ وما عطف علیہ وقیل معناہ حال اے اقسم بہذا البلد وانت مقیم فیہ تشریفا لک وتعظیما لقدرک او لا اقسم بہذا البلد حال کونک مقیما فیہ بل اقسم بک فعلی ہذا الجملۃ منصوبۃ محلاً ووالد وما ولد معطوف علی البلد وما بمعنی من لقد خلقنا الجملۃ جواب القسم فی کبد حال اے مکابدا واصل الکبد الشدۃ ومنہ تکبد اللبن اذا اشتد وغلظ ثم استعمل فی کل مشقۃ وشدۃ وقیل الکبد الاستواء والاستقامۃ (ابن کثیر)

تفسیر

یہ سورۃ بھی جمہور کے نزدیک مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ ابن عباسؓ وابن الزبیرؓ کا بھی یہی قول ہے اس میں بیس آیات ہیں اور اسکا نام سورۂ بلد اسلئے ہے کہ اسکے اول میں بلد یعنی شہر مکہ کی قسم ہے۔

سورۂ فجر میں ذکر تھا کہ عاد وثمود وفرعون کو ہم نے ہلاک کر دیا ہے۔ دنیاوی اسباب پر غرور کر کے خدا تعالیٰ سے سرکشی کرنا اپنے سر پر قہر الٰہی لینا ہے اس بات پر کفار مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے تھے کہ اس میں آپکا امتحان ہو تو ہم پر بھی عاد وثمود جیسا عذاب نازل کرا دو اگر سچے ہو چاہئے کہ مکہ شہر غارت ہو جاوے۔ اس سورہ میں انکے اس واہی شبہ مکہ کی قسم کھانے کے پیرایہ میں جواب دیا جاتا ہے کہ یہ شہر مقدس ہے اس میں کعبہ ہے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا بنایا ہوا سب دنیا کے معابد سے اول معبد یہی ہے۔ اور نیز ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہیں رہتے ہیں ماکان اللہ لیعذبہم وانت فیہم ہمارے نبی کا مولد اور اسلام وبرکات کا سرچشمہ بھی یہی ہے۔ پھر تم بیہودہ لوگوں کے کہنے سے ہم اسکو کیوں غارت کرنے لگے تم خود ہی برباد ہو جاؤ گے جیسا کہ فی کبد میں اشارہ ہے اور نیز یہ بھی مناسبت ہے کہ سورہ فجر میں بدوں پر دنیا اور آخرت میں عذاب نازل ہونا اور نیکوں کو راحت ملنا مذکور تھا جس سے یہ بات پائی جاتی ہے کہ انسان دنیا میں محض عیش وکامرانی کے لئے نہیں بنایا گیا ہے جیسا کہ اور حیوانات ہیں جنکا کام صرف پیٹ بھر کر کھانا اور سو رہنا اور خرمستی کرنا ہے نہ انکو آیندہ کی فکر ہے نہ کوئی تدبیر درپیش ہے بلکہ انسان کو عقل وادراک دیا گیا ہے اسلئے یہ مکلف ہے اسی مضمون کو اسکے مناسب چند چیزوں کی قسم کھا کر لقد خلقنا الانسان فی کبد میں بیان فرماتا ہے فقال لا اقسم بہذا البلد

وانت حل بہذا البلد کہ میں قسم کہاتا ہوں اس شہر مکہ کی اور تمکو لے محمدؐ قید نہ رہے گی اس شہر میں بلکہ یہاں کافروں سے لڑنا حلال ہوگا گویا اس نرغہ کے وقت آپ کو بشارت دیجاتی ہے کہ گویا شہر مقدس ہے اس میں شکار کی بھی ممانعت ہے قتل وقصاص کیسا؟ لیکن ان بدبختوں کی شرارت کے سبب ایک بار آپ کو ان سے انتقام لینا اور ان کو سرکشی کی سزا دینا اس شہر میں حلال ہوجاویگا چنانچہ حدیث متفق علیہ میں آیا ہے کہ یہ شہر محرم ہے اللہ نے اسکی حرمت قایم کی ہے قیامت تک نہ یہاں شکار کھیلا جاوے نہ گھاس کاٹی جاوے صرف میرے لئے ایک ساعت کیلئے یہاں کفار سے جنگ کرنا حلال ہوا ہے لیکن پھر اسکی وہی حرمت عود کرآئی ہے۔ (یہ معنی ہیں ابن عباس وسعید بن جبیر وابی صالح وعطیہ وضحاک وقتادہ وسدی ابن زید کے نزدیک) اسمیں انکے اس شبہ کا جواب بھی ہے جو کہتے ہیں کہ پھر مکہ کیوں ہلاک نہیں کیا جاتا؟ یعنی صبر کرو ابھی نبی صلعم کے لئے مباح ہوا جاتا ہے تمہاری گردنیں ماری جاتی ہیں۔ اس پیشین گوئی کو خدا تعالیٰ نے فتح مکہ کے روز سچا کر دیا۔ آپ شوکت وجلال سے یہاں آئے اور دشمنان خدا سے انتقام لیا گیا۔ بعض علماء اسکے یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ میں اس شہر مقدس کی قسم کھاتا ہوں کیونکہ یہاں جانور و نیز بھی ظلم ممنوع ہو سبکو امن ہو کوئی اپنے باپ کے قاتل کو بھی یہاں نہیں مارتا یہ سب کچھ ہے مگر وانت حل بہذا البلد تم اے نبی اس شہر میں حلال ہو تمہارے ساتھ یہ کچھ کر رہے ہیں ظلم وستم مار دھاڑ سب تمہیں روا ہو گویا یہ قریش مکہ پر تعریض ہو کہ اور چیز ونکا مارنا تو ممنوع مگر ہمارے نبی معصوم کا خون مباح اور حلال یہ کیا انصاف اور کونسی عقل ہے؟ بعض علماء حل کے معنی کہتے ہیں مقیم کہ ہمیں اس شہر کی قسم جبکہ تم اسمیں مقیم ہو اسکی برکت وحرمت زیادہ تمہارے سبب سے ہے۔ اور بعض فرماتے ہیں لا نفی کیلئے ہے کہ جسوقت آپ اس شہر میں ہیں ہمکو اسکی قسم کھانے کی حاجت نہیں بلکہ آپ کی کہانی چاہئے کیونکہ تم ہی تو اس شہر کی برکت اور روح رواں ہو اور لطف یہ کہ تمہیں پر یہ ظالم ظلم کر رہے ہیں۔

ووالد وما ولد اور قسم ہو والد کی اور اسکی جو اس سے پیدا ہوا۔ یہ عام ہے بعض کہتے ہیں کہ والد سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ابو البشر ہیں ما ولد سے انکی اولاد۔ ان چیزوں کی قسم کھاکر فرماتا ہے لقد خلقنا الانسان فی کبد کہ ہمنے انسان کو مصیبت ومشقت کے لئے بنایا ہے پھر اسپر یہ غرور اور سرکشی جو خدا کے بندوں میں داخل ہونے سے دور رہتا ہے۔ یہ مناسبت ہے اس سورہ کو سورہ فجر سے۔

اس مضمون سے ان چیزونکو کہ جنکی پہلے قسم کھائی یہ مناسبت ہے کہ شہر مجمع خلایق ہوتا ہے حاجت ایک دوسرے سے تمدن میں پڑتی ہے کوئی بیکار نہیں رہتا کوئی کپڑا بنتا ہے تو کوئی بڑہئی کا کام کرتا ہے علی ہذا القیاس ہر ایک ایک نہ ایک دہندے اور مشقت میں ہے اور بالخصوص مکہ شہر جہاں اول تو اسکی پہاڑی اور ریگستانی زمین کیوجہ سے مشقت ہے جہاں نہ کوئی باغ ہے نہ کھیتی نہ کنوؤں میں میٹھا پانی اور نیز گرم جگہ جہاں بادسموم چلا کرتی ہے اور جب سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو اور بھی دینداروں کو مصیبت ومشقت ہوگئی آئے دن کی مار پیٹ گالی گلوج شروع ہوگیا تھا اور والد اپنی اولاد سے مشقت اور فکر معیشت اور تدبیر تربیت میں مبتلا ہوتا ہے۔ بچوں کی بیماریاں اور پھر جوان ہوکر مرجانے کے صدمے اور پھر نالایق اٹھنے کے دکھ باپ ہی سے پوچھنے چاہئیں اور اسپر انکے لئے رزق وآسایش کے سامان بہم پہنچانے اور انکو آرام دینے آپ دکھ اٹھانے کا حال بھی ہر ایک صاحب اولاد پر ظاہر ہے اور بچہ بھی دنیا میں آکر کیسی کیسی مصائب اٹھاتا ہے تو پہلے رحم میں خون کھاکر تنگ رستہ سے نکلنا پھر دانتوں کی تکلیف آنکھوں کی تکلیف اور صدہا تکالیف ہیں کہ جو ضعیف البنیان بچوں کو انکی جسمانی حالت سے پہونچتی ہیں اور ماں باپ کو روحانی صدمہ ہوتا ہے اسلئے یہ فرمانا کہ انسان کو مشقت ومصیبت کے لئے پیدا کیا ہے بہت ٹھیک ہے۔ کیا خوب کہا ہے کسی نے ؎ جگ میں کوئی نہ ٹک ہنسا ہوگا ✦

کہ نہ ہنستے ہی رو دیا ہوگا ٭ دل زمانہ کے ہاتھ سے سالم ٭ کوئی ہوگا جو نچ رہا ہوگا ٭ اس مشقت کی تصویر بعض اکابر نے یوں کھینچی ہے کہ اول تو انسان کی خلقت میں آب باد خاک آتش ایسی چار چیزیں متضاد جمع ہیں کہ ہر ایک کا غلبہ اعتدال سے دور کرکے طرح طرح کی اذیتیں پہونچاتا ہے ؎ گر یکے زین چہار شد غالب ٭ جان شیریں بر آید از قالب ٭ دوم رحم میں محبوس ہونے اور طرح طرح کے مصائب اٹھانے کی مشقت۔ سوم باہر آنے کی مشقت چہارم لڑکپن میں ضعیف البنیان ہونیکے سبب طرح طرح کے امراض کی مشقت کہ کسی سے کچھ کہہ بھی نہیں سکتا پنجم دانتوں کے نکلنے کی مشقت ششم مکتب و مدارس میں تعلیم کی مصیبت ہفتم جب عقل و بلوغ کی بیڑی پاؤں میں پڑی تو قوی شہوانیہ وسبعیہ و حرص اور انکے ثمر اٰنکی ایسی مشقت کہ الہٰی توبہ ایک ذراسی دیر کے مزے کے لئے عزت مال تندرستی دین سب کو خیر باد کرتا ہے اور رسوائے خلائق ہوتا ہے پھر غصہ ہے کہ شیر بھیڑیا بناکر مخلوق الٰہی کے درپے آزار کرتا ہے جس سے خلق کی بدگوئی اور دنیا کی نفرینیاں اسکو نصیب ہوتی ہیں۔ پھر کبھی حرص و طمع چند دانوں (یعنی غلہ) کے لئے سخت گرمی اور سردی برسات اور خشکی میں آرام سے نہیں بیٹھنے دیتی ہیلوں کے پیچھے دوڑاتی ہے چند روپیوں کے لئے فوج میں نوکر ہوکر کیا کیا مصائب دیکھکر سر کٹواتا ہے۔ چند پیسوں کے لئے دن بھر دوکان یا کارخانہ میں مقید رہتا ہے۔ پھر حرص و حسد کی آگ ہمیشہ دلمیں شعلے مارتی رہتی ہے۔ جو کچھ نعمتیں اسکو میسر ہیں ان کا مزہ اور ان سے تمتع بھی نصیب نہیں ہوتا۔ پھر حب جاہ و مال اور نام آوری کی حرص ہوئی تو اسکو ایسے ایسے ہولناک گڑھے جھکواتی ہے ہشتم طبیعت کی عقل و دین سے لڑائی کی مصیبت عقل کہتی ہے یہ کام نکر اسمیں تیری رسوائی اور سخت نقصان ہے مگر طبیعت نہیں مانتی۔ دین یا الہام الٰہی کہتا ہے کچھ آخرت کا توشہ ساتھ لے تجھے یہاں سے بہت جلد جانا ہے اور ایسا جانا کہ پھر نہیں آنا ہوگا۔ عبادت کر۔ خیرات کر خلق خدا کے ساتھ نیکی کر۔ صداقت و بردباری اپنا شیوہ بنا۔ مسافرانہ زندگی بسر کر مگر کمبخت طبیعت ادہر نہیں آنے دیتی۔ حرام کاری فسق و فجور سے شرع روک رہی ہے طبیعت ابھار رہی ہے جسکو بفتوی شرع و خرد توبہ کرتا ہے رات کو بحکم نفس اسکو توڑکر جو نہیں کرنا وہ کرتا ہے یہ تو وہ مصائب تھے جو خاص اسکی ذات سے متعلق تھے اب جن میں دوسروں کا بھی تعلق ہے وہ سنئے۔ رعیت کو بادشاہ کی اطاعت بلکہ غلامی اور کار بیگار وخراج وٹیکس کی مصیبت بادشاہ کو جہانداری وحفظ سلطنت کی مصیبت نوکر کو آقا کی اطاعت کی مشقت آقا کو اپنے ملازمین کی نگہداشت اور تمرد و خیانت کی مشقت بیوی کو میاں کی اطاعت و بچہ کشی کی مشقت میاں کو بیوی کے اخلاق بد اور خیانت مال یا اسکے جابجا مصارف اور فرمائشات کے برداشت کرنے کی مشقت۔ ماں باپ کو اولاد کی پرورش اور بیماری میں انکے درد و غم کہانے کی مشقت۔ اولاد پر مادر و پدر کی خدمت و اطاعت کی مشقت پھر احباب و ہموطن و ہمسایوں کے خوش رکھنے کی مشقت۔ یہ تو دنیا کی مشقتیں تھیں اب آگے کی سنئے نزع کی مشقت تنگی قبر اور مفارقت مال و اولاد و احبہ کی مشقت پھر اگر شقی ازلی ہے تو ابدی جہنم کی مشقت اور مصیبت پر مصیبت کبد بفتح ب بمعنی مشقت اور بکسر ب بمعنی جگر۔ جگر غذا کے پکانے اور خون بناکر اعضاء میں تقسیم کرنے کا ذمہ دار ہے

ابن مسعود و ابن عباس و عکرمۃ و مجاہد و ابراہیم نخعی اسکے معنے یہ کہتے ہیں کہ انسان برابر پیدا کیا گیا اسکی آفرینش میں کوئی
قصور نہیں اندھا نہیں اپاہج نہیں سمجھ بوجھ سب کچھ دیا گیا ہے پھر کیوں ہلاکت کے گڑھے
میں گرتا ہے۔ میرے نیک بندوں میں داخل
نہیں ہوتا۔

وقف لازم

أَيَحْسَبُ أَنْ لَنْ يَقْدِرَ عَلَيْهِ أَحَدٌ ۘ يَقُولُ أَهْلَكْتُ مَالًا لُبَدًا ۗ أَيَحْسَبُ أَنْ لَمْ يَرَهُ أَحَدٌ ۗ

کیا وہ (یہ) سمجھ رہا ہے کہ وہ کسی کے قابو میں نہ آئے گا ۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے ڈھیروں مال اڑا دیا ۔ کیا وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ اسکو کسی نے دیکھا ہی نہیں ۔

ترکیب

آ الہمزۃ للاستفہام الانکاری یحسب فاعلہ الضمیر یرجع الی الانسان آن مخففۃ من الثقیلۃ وسمہا ضمیر الشان مقدر و الجملۃ مفعول یحسب یقول جملۃ مستانفۃ اہلکت صرفت لبدا صفۃ مالا قال ابو عبیدہ لبد فعل من التلبید وہو المال الکثیر بعضہ علی بعض وقال الفراء جمع لبدۃ وقال بعضہم ہو واحد الا الاستفہام للانکار آن انہ لم یرہ احد خبر ان والجملۃ مفعول یحسب

تفسیر

یعنی باوجودیکہ انسان مصائب کش پیدا ہوا ہے سدا کا دکھیا ہے پھر اسپر بھی اسکو یہ غرور و پندار ہے ایحسب ان لن یقدر علیہ احد کیا یہ خیال کر رہا ہے کہ مجھپر کوئی قابو نہیں پاویگا میرے اعمال بد کی سزا مجھے کوئی نہیں دیگا جو چاہوں کروں گویا حشر کا انکار کرتا ہے اور دنیا میں بھی اعمال بد کی سزا کا منکر ہے اور اپنی تھوڑی سی کامیابی اور دنیاوی اسباب پر یہ گھمنڈ کرتا ہے بعض مکہ کے کفار تو اپنے مال و اولاد کے گھمنڈ پر خدا تعالیٰ کے زواجر سنکر صاف صاف کہدیا کرتے تھے کہ وہ اور ہی لوگ تھے جنکو خدا نے غارت کر دیا ہمپر کون قادر ہو سکتا ہے کس کا قابو چل سکتا ہے یقول اہلکت مالا لبدا کہتا ہے کہ مینے اپنی حفاظت میں بہت سا مال صرف کر دیا ہے بڑے عمدہ گھوڑے لڑائی کے قابل اور بڑے عمدہ ہتھیار خریدے ہیں بہت لوگوں کو کھلا پلا کر تنخواہیں دیکر تیار کیا ہے پھر وہ بوقت مقابلہ ہمارے ساتھ ہیں ۔ اور نیز آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عداوت اور دین الٰہی کے برباد کرنے کے لئے بھی وہ بہت کچھ خرچ کرتے تھے ۔

اور لوگ بھی گو صاف یہ نہیں کہتے مگر انکی حالت تکبر اور معاصی پر اصرار یہی کہہ رہا ہو ۔ دنیاوی پادشاہ اپنی فوجوں اور اعوان و انصار و اسلحہ و آلات پر نازاں ہوا کرتے ہیں جنپر بیشمار روپیہ صرف کر چکے ہیں کروڑہا روپیوں سے جنگی جہاز اور عمدہ توپخانے اور کیا کیا سامان بہم پہنچائے اور اس روز میں آکر کفر بکتے ہیں بدکاری کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ ہمیں کون مغلوب کر سکتا ہے حالانکہ روزمرہ کے حالات بتا رہے ہیں کہ وہ بالکل بیس ہیں ۔ یہ جملہ یقول اہلکت اسکے گمان کرنے کی وجہ ہے یعنی اسلئے گمان کرتا ہے کہ اسکا اعتماد عزت و جاہ پر ہے جو مال صرف کرنیسے پیدا کیا ہے اور بعض تو اپنے آلہہ باطلہ کے نذر و نیاز میں صرف کرنے کو اپنی حفاظت کا ذریعہ سمجھا کرتے ہیں اور کہتے ہیں فلاں دیو اور دیوتا کی نذر و نیاز میں مینے ڈھیروں خرچ کر دیا ہے وہ میرے حامی ہیں ہمیں کوئی آسیب نہیں پہونچتا ۔

الغرض دنیاوی تحفظ و استحکام میں جو کچھ اسنے خرچ کیا ہے اسکو اپنے قیام و دوام کا سبب جانتا ہے اور قادر حقیقی کی قدرت کاملہ پر غور نہیں کرتا کہ وہ کیا تھا پھر اسکو کیا کر دیا کیا اسکی اول حالت کسی نے نہیں دیکھی ایحسب ان لم یرہ احد ضرور دیکھی ہو وہ پہلے ایک قطرہ منی تھا پھر پیدا ہوا تو ایسا بے بس تھا کہ آپ منہ سے مکھیاں بھی نہ مار سکتا تھا نہ کچھ ہوش و ادراک تھا نہ اسکے پاس کچھ مال و زر تھا نہ کچھ زور و بل تھا پھر جسنے یہ زور و زر ہوش و ادراک عطا کیا کیا وہ اسکو پھر لے نہیں سکتا ؟ ضرور لے سکتا ہے وہاں کچھ مال و زر کام نہیں آتا بڑے بادشاہ بڑے مالدار جب بیماری یا اور کسی آسمانی بلا میں مبتلا ہوتے ہیں تو تمام مال و زر دھرا سو کتا ہے پھر اسپر یہ غرور یہ سرکشی اگلی آیات الم نجعل لہ عینین میں اسی بات کو بیان فرماتا ہے ۔

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۙ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ۙ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۚ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۖ وَمَا اَدْرٰىكَ

کیا ہم نے اسکے لئے دو آنکھیں اور ایک زبان اور دو ہونٹھ نہیں بنائے اور اسکو دونوں رستے ہی سمجھا دیئے پھر گھاٹی میں نہ گھس پڑا اور تو کیا جانے

مَا الْعَقَبَةُ ۗ فَكُّ رَقَبَةٍ ۙ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ۙ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۙ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۗ

گھاٹی ہے کیا بردہ آزاد کرنا یا بھوک کے دن کھانا کھلانا قرابت دار یتیم کو یا خاکسار فقیر کو

ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۗ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۗ وَالَّذِيْنَ

پھر اس گروہ میں سے ہوتا جو ایمان لائے اور وہ صبر اور رحم کرنے کی برابر تاکید کرتے رہے وہی لوگ مبارک ہیں اور خوش نصیب اور جو لوگ

كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۗ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ۠

ہماری آیتوں کے منکر ہوئے وہی منحوس (وبدبخت) ہیں وہی آگ میں بند کر دیئے جائیں گے

ع ۱ ۲۰ ۱۵

ترکیب

الم نجعل الاستفہام للتقریر انجعل بمعنی الفعل فعینین مفعول لہ متعلق بنجعل ولسانا وشفتین معطوفان علے العینین النجدین مفعول ثان لہدینا والضمیر المنصوب مفعول اول۔ قال اہل العربیۃ النجد الطریق فی الارتفاع فکانہ لما وضحت الدلائل جعلت کالطریق المرتفعۃ العالیۃ لسبب انہا واضحۃ للعقول کوضوح الطریق العالی للابصار فالمراد بہما عند عامۃ المفسرین سبیلا الخیر والشر وعن ابن عباس وعکرمۃ وسعید بن المسیب والضحاک النجدان الثدیان فہدی اللہ سبحانہ فی بدء الولادۃ الطفل الثدیین۔ فلا اقتحم لا حرف التخصیص والاقتحام الدخول فی الامر الشدید یقال قحم یقحم قحوما واقتحم اقتحاما وتقحم تقحما اذا رکب القحم وہی المہالک والامور العظام۔ العقبۃ مفعولہ۔ وہی طریق فی الجبل والجمع العقب والعقاب۔ وہو مثل ضربہ اللہ سبحانہ لمجاہدۃ النفس والہوی فی اعمال الخیر وکف النفس عن اللذات والشہوات الغیر المرضیۃ۔ فک رقبۃ الخ تفسیر للعقبۃ وما ادراک جملۃ معترضۃ اوردت لبیان شان العقبۃ او اطعام عطف علی فک رقبۃ وہما مصدران والتقدیر ہی فک او اطعام۔ وقیل ہما فعلان ویؤیدہ ما بعدہما وہو قولہ تعالی ثم کان۔ ذی مسغبۃ صفۃ لیوم والسغب الجوع والساغب الجائع والمسغبۃ مفعلۃ منہ یتیما مفعول اطعام وقری الحسن ذا مسغبۃ بالنصب علے انہ مفعول اطعام ای یطعمون ذا مسغبۃ ویتیما بدل منہ۔ او مسکینا معطوف علے یتیما ذا متربۃ صفۃ لمسکینا یقال ترب الرجل یترب تربا ومتربۃ اذا افتقر حتی لصق بالتراب ثم کان عطف علی المنفی بلا وثم للتراخی فی الذکر لا فی الوجود کقولہ ؎ ان من ساد ثم ساد ابوہ ٭ ثم قد ساد قبل ذلک جدہ ٭ لم یرد بقولہ ثم ساد ابوہ التاخر فی الوجود وانما المعنی ثم اذکر انہ ساد ابوہ کذا المراد فی الآیۃ وتواصوا معطوف علی آمنوا ای اوصی بعضہم بعضا بالصبر علے طاعۃ اللہ وعن معاصیہ وعلے ما اصابہم من البلایا والشدائد فی دین اللہ۔ موصدۃ ای مطبقۃ مغلقۃ یقال اصدت الباب واوصدتہ اذا اغلقتہ قرء الجمہور بالواو وقری بالہمزۃ والمعنی واحد والمراد علیہم نار ابوابہا مغلقۃ لا تفتح ابدا

وقیل المراد احاطۃ النیران بہم من جمیع الجہات۔

تفسیر

فرماتا ہے الم نجعل لہ عینین کہ کیا ہم نے اسکے لئے دو آنکھیں نہیں پیدا کر دیں؟ اسمیں چند چیزوں کی طرف اشارہ ہے (۱) اندھا نہیں ہے دیکھ سکتا ہے کہ ایسا ناپاک مال اور پاک بھی ہو تو ایسے نفس کو خوش کرنے والے کاموں میں صرف کرنا کوئی نیکی نہیں۔ ہر چند یہ بات محسوس نہیں مگر بمنزلہ محسوس کے ہے جسکو ہر ایک آنکھوں والا بخوبی دیکھ سکتا ہے (۲) مال کے خرچ کرنے کا فخر بیجا ہے مال حاصل کرنے کے آلات جنہیں سے اعلےٰ چیزیں آنکھ اور زبان اور لب ہیں وہ تو ہم نے ہی پیدا کر دیئے ہیں پھر اس نے کیا کمایا۔ اندھا اپاہج ہوتا تو کیا کماتا (۳) آنکھیں ہیں تو جا کر دیکھ لے کہ اس سے پہلے لوگ عاد و ثمود جو اس سے کہیں زیادہ فخر و نام آوری و تحفظ کے کاموں میں صرف کیا کرتے تھے ہلاک ہوئے (۴) یہ سمجھنا کہ مجھے کسی نے نہیں دیکھا نہ میرے اسرار دل پر کوئی واقف ہے یہ بھی غلط ہے کس لئے کہ جب ہم نے اس کے لئے دو آنکھیں پیدا کر دی ہیں جو سیاہ اور سفید میں فرق کر سکتی ہیں تو پھر ہمارے علم و بصیرت کا کیا انتہا ہے صرف دو آنکھیں ہی نہیں پیدا کر دی ہیں بلکہ لساناً زبان بھی پیدا کر دی ہے خود عقل نہیں تو پوچھ دیکھے اور نیز یہ بھی سمجھے کہ جس نے مجھے زبان عطا کی ہے جو میرے اندرونی اسرار کو ظاہر کرنے کا آلہ ہے تو کیا وہ اندرونی اسرار نہیں جان سکتا؟ اور نیز زبان ایک ایسا آلہ ہے کہ میٹھے اور کڑوے میں امتیاز کر دیتا ہے تلخی اور شیرینی کے اقسام اور مراتب پہچان سکتا ہے نعماء الٰہی کے کھانے پینے کا مزہ اسی سے وابستہ ہے پھر انسان سمجھ لے کہ لسان غیب میرے اندرونی حالات کیونکر نہ بیان کریگی اور زبان غیب نیک اور بد کاموں کا فرق کیونکر نہ بیان کریگی مگر سننے والے کے لئے کان ہوں تو سن لے کہ ہر دم لسان غیب سے کیا آوازیں آیا کرتی ہیں اور صرف زبان ہی پر بس نہیں کی وشفتین دو ہونٹھ بھی بنا دیئے جن سے تکلم میں مدد پہنچتی ہے اور جن سے چوسنے اور پھونکنے کا کام چلتا ہے۔ اور یہ دونوں منہ کے دو کواڑ بھی ہیں اور چہرہ کی خوشنمائی بھی خلاصہ یہ کہ انسان کی قوت واکتساب کے آلات آنکھیں زبان لب ہم نے پیدا کئے ہیں پھر اسکو کاہے پر غرور ہے اور نیز یہ سعادت حاصل کرنے کے بھی آلات ہیں ان کو کیوں کام میں نہیں لاتا کیوں بری جگہ استعمال کرتا ہے۔ علماء نے فرمایا ہے کہ دو آنکھ ایک زبان پیدا کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اسکا دیکھنا عام ہے خیر کو دیکھتا ہے شر کو بھی مگر کہنا خاص ہی رہنا چاہئے۔ صرف خیر کا کلمہ منہ سے نکالنا چاہئے۔ بری بات منہ سے نہ نکالے۔ اور نیز دو ہونٹھ اسکے دو کواڑ ہیں جو ہر وقت اسپر موکل ہیں کہ دیکھ جو کچھ کہنا ہو سمجھکر کہیو۔ نیک بات کہیو کس لئے کہ تو دل کی کنجی شمار ہوتی ہے۔

ترمذی نے عقبہ بن عامر سے روایت کی ہے کہ میں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا حضرت نجات کس چیز میں ہے۔ فرمایا کہ اپنی زبان بند کر اور گھر میں گوشہ نشین ہنکر بیٹھ اور اپنے گناہوں پر رویا کر۔ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ زبان

سانپ ہے اسکا گھر منہ ہے اسلئے کوئی شاعر کہتا ہے ؎ احفظ لسانک ایہا الانسان ✽ لا یلدغنک انہ ثعبان ✽ کہ اے انسان اپنی زبان کو حفاظت سے رکھ یہ سانپ ہے کہیں تجھے ڈس نہ لے۔ حفظ لسان اور کم گوئی کے فوائد اور زیادہ گوئی کے نقصان علماء و حکماء نے نظم و نثر میں بہت بیان کئے ہیں احادیث صحیحہ میں سب سے زیادہ مذکور ہیں۔

ف ان اعضا کے یہاں ذکر کرنے سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ انسان جب ماں کے پیٹ سے باہر آتا ہے تو اسوقت اسکی غذا صرف ماں کا دودھ ہی ہوتی ہے اسکے پینے میں یہ اعضاء کام آتے ہیں پھر جب وہ اپنی غذا پر قادر نہ تھا تو اور مال اس نے اپنی ہمت اور کوشش سے بغیر ہماری مدد کے کیونکر پیدا کر لیا جسکے خرچ کرنے کا فخر کرتا ہے۔

اور ان اعضا ہی پر بس نہیں بلکہ وہدیناہ النجدین اسکو نیکی اور بدی کے دو رستے بھی سوجھا دیئے۔ مضر اور مفید کی پہچان عطا کر دی دنیاوی امور سے لیکر آخروی تک سب کو انسان (بشرطیکہ تھوڑی دیر کے لئے شیطانی عوارض دور ہو جاویں) بخوبی پہچان سکتا ہے خود اس کا دل فتویٰ دے سکتا ہے کہ یہ نیکی ہے یہ بدی ہے اس جگہ مال خرچ کرنا حق سبحانہ کی خوشنودی کا باعث ہے کہ نہیں پھر کیوں عذر کرتا ہے کہ مجھے نیکی کا رستہ معلوم نہیں بعض علماء نجدین سے مراد دو پستان لیتے ہیں کہ یہ بھی تتمہ ہے بیان سابق کا کہ ہمنے دودھ پینے کے آلات عطا کئے اور ماں کی چھاتیاں بنائیں ہیں خود بخود ملہم غیبی کے کہنے سے بچا ماں کی چھاتیوں کیطرف قصد کرتا ہے۔

پھر جب نیکی اور بدی کے دو بلند نشان بتا دیئے تو فلا اقتحم العقبۃ پھر نیکی کی گھاٹی میں کیوں نہیں گھستا۔ اس سخت اور اونچی چڑہائی پر کیوں نہیں چڑھتا جس پر چڑہنا نفس کے خلاف ہے اور بدی کا رستہ خواہش نفسانی کے موافق ہوتا ہے اسلئے اسپر چلنا آسان معلوم ہوتا ہے مگر اس میدان دشوار گذار کو وہی طے کرتے ہیں جو جوانمرد ہیں اور جنکی تقدیر میں سعادت ازلی ہے ؎

گوئے توفیق و سعادت درمیاں افگندہ اند کس بمیداں درنمی آید سواراں را چہ شد

یہ گھاٹی بڑی دشوار گذار ہے کیونکہ اس میں سے گذرنا نفس کے خلاف ہے اس لئے آپ ہی پوچھتا ہے وما ادراک ما العقبۃ اور اے انسان تجھے کیا معلوم کہ وہ گھاٹی ہے کیا۔ پھر آپ ہی بیان فرماتا ہے فک رقبۃ۔ اب نیکی کے اقسام ارشاد ہوتے ہیں اول فک رقبۃ ہے یعنی گردن کا چھڑانا یہ لفظ عام ہے اسمیں کئی معنی ہیں (۱) غلام کا آزاد کر دینا یا اس کی قیمت مالک کو ادا کر کے آزاد کرا دینا عرب میں غلاموں پر ایام جاہلیت میں بڑی سختی ہوتی تھی انکو بہائم مرتبہ میں رکھکر سخت مشقت کے کام لیا کرتے تھے اسلام نے اس رسم میں بھی صلاح کی اول تو آزادی کی بڑی ترغیب دلائی اور جو کسی کے پاس رہ جاوے تو اسکے ایسے حقوق قایم کئے کہ پھر غلام کو غلامی میں آزادی ہے کوئی تکلیف سخت باقی نہیں رہتی (۲) جو کوئی قصاص

لـه - نجد بلند جگہ اسکی جمع نجود آتی ہے۔ اور ملک نجد کو اسلئے نجد کہتے ہیں کہ وہ تہامہ سے بلند قطع زمین پر ہے اسلئے پستان کو نجدین سے تعبیر کرنا بھی ٹھیک ہو سکتا ہے اور خیر و شر کے دلائل واضح ہونیکے سبب بھی انکو دو بلند رستوں سے تشبیہ دینا ٹھیک ہے جو ہر ایک اہل بصارت کو دکھائی دیتے ہیں ۱۲ منہ

سـه عقبہ پہاڑ کا رستہ جسکی جمع عقب و عقاب آتی ہے اس سے مراد نیکی کا دشوار گذار رستہ ہے اس دشواری و بلندی کی وجہ سے راہ ہدایت کو عقبہ سے بطور تمثیل کے بیان کیا ہے یعنی استعارہ ہے اور نجدین ذکر کرنے کے بعد عقبہ کا ذکر ترشیح ہے ۱۲ منہ

میں گرفتار ہوا اسکا خونبہا ادا کرکے اسکو آزادی دلانا۔ (۳) کسی نادار قرضدار کو قرضہ معاف کرکے خود آزادی دینا یا ادا کرکے اس کی گردن کو اس سخت پھندے سے چھڑا دینا (۴) کوئی ظالم زبردستی اور ناحق کسیکو بیگار قید میں پکڑلے اسکی خلاصی کرانا خواہ بقوت بازو خواہ مال دے کر (۵) اپنے آپ کو حقوق العباد و حقوق اللہ سے ادا کرکے رہائی دلانا اپنی گردن میں سے یہ پھندا نکالنا بھی حریت کبری اور اصل آزادی ہے جسکے بعد سعادت عظمی ہے۔ ورنہ غلامی کی قید میں پڑا ہوا ہے یہ کام ہیں مال صرف کرنیکی

قسم دوم۔ او اطعام فی یوم ذی مسغبۃ یہ کھانا کھلانا اور احتیاج کے دن۔ جیساکہ ایام قحط میں یا کسی سبب سے غلہ نہ ملتا ہو ایسے وقت بھوکے کو کھانا کھلانا ہزار روپیہ دینے سے بہتر ہے ؎ شلغم پختہ بہ کہ نقرہ خام ٭ اسمیں کوئی ہو مگر یتیما یتیم کو کھانا کھلانا اور بھی بہتر ہے کس لئے کہ اسکا کوئی سرپرست نہیں نہ اس کی صغر سنی کی وجہ سے اس سے کوئی توقع ہے نہ اس کی مدح سے دل خوش ہوتا ہے اور یتیموں میں بھی ذامقربۃ اہل قرابت ہو جیساکہ چچا کا بیٹا یا بھتیجا یا بھانجا یا خالہ زادہ یا ماموں زادہ بھائی ہو۔ کیونکہ انپر رحم کہانے اور کھانا کھلانے میں صلہ رحمی بھی ہے کسی نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے اسلام کے عمدہ کام دریافت کئے تو فرمایا کھانا کھلانا یا سلام کرنا۔ خواہ کسی کو جانتے یا نہ جانتے اور رات میں جبکہ لوگ پڑے سوتے ہوں نماز پڑہنا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ قید عمدہ موقع بتلانے کے لئے ہے اور کسی کو او مسکینا ذامتربۃ یا فقیر حاجتمند کو کہ فقر و فاقہ نے اسکو خاک پر بٹھا دیا ہو۔ کیونکہ جب یہ حالت پہونچ جاتی ہے۔ تو اس سے کوئی دنیاوی توقع باقی نہیں رہتی اسوقت جو کچھ کہلایا پلایا جاویگا خاص اللہ تعالی کی رضامندی کے لئے ہوگا۔ یوں تو وہ بھی مسکین ہے کہ جسکا خرچ اس کی آمد سے بڑہا ہوا ہے یا بالفعل اسکے پاس کچھ نہیں لیکن امید ہے۔ اسکا کھلانا بھی بہتر ہے مگر پہلا موقع اس سے بھی بہتر ہے یہ ہے مال صرف کرنے کا عمدہ موقع نہ وہ کہ جسکو وہ دولتمند سمجھ رہا تھا نام آوری تن پروری میں صرف کرنا۔

یہاں تک جو کچھ ذکر ہوا وہ صرف مالی عبادت کے بعض عمدہ مواقع بتلائے گئے جن میں کسی مذہب و ملت کو بھی اختلاف نہیں مگر یہ اعمال جب ہی مقبول ہوتے ہیں کہ جب ایمان بھی ہو کس لئے کہ قوت عملیہ کی تکمیل قوت نظریہ کی تکمیل پر موقوف ہے اس لئے اس کے بعد یہ بھی ارشاد فرمایا ثم کان من الذین امنوا یعنی بااین ہمہ پھر وہ ایمانداروں میں سے بھی ہو کیونکہ بغیر ایمان کے کوئی نیکی خدا کے ہاں مقبول نہیں ہوتی ایمان جڑ ہے یا ایمان ہی بنیاد ہے۔ اعمال صالحہ اسپر عمارت ہے کوئی عمارت بغیر بنیاد کے قایم نہیں رہ سکتی۔

ف لفظ ثم اس مقام پر تراخی ذکر کیلئے ہے یعنی ان سب باتوں کے ذکر کرنے کے بعد میں یہ بھی کہتا ہوں کہ ایماندار بھی ہونا چاہئے

ف بعض علما فرماتے ہیں کہ ثم اس جگہ تاخیر وقوع کے لئے ہے یعنی اعمال خیر کفار کے توقف میں رہتے ہیں اگر اخیر میں ایمان لے آیا تو یہ اعمال قبول ہو جاتے ہیں ورنہ مردود چنانچہ حکیم بن حزام نے اسلام لانے کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میں نے حالت کفر میں بھی بہت کچھ نیک کام کئے ہیں آپنے فرمایا تیرے ایمان نے ان سب کو نیک اور مقبول کر دیا۔

الحاصل عقبۂ سعادت کی گھاٹی میں سے گزرنا نہ صرف بردہ آزاد کرنا یتیموں و مسکینوں کو مصیبت کے دن کہانا کھلانا ہی بلکہ اسکے ساتھ ان لوگوں کے زمرے میں بھی داخل ہونا ہے جو ایمان لائے اور ایمان ہی پر بس کرکے نہ بیٹھ رہے بلکہ ہر ایک قسم

کی نیکی خود بھی کی اور لوگوں کو بھی تاکید کی خصوصاً دنیا سے چلتے وقت۔
تواصوا بالصبر صبر کرنے کی وصیت اور تاکید کر چلے۔ اور صبر ہی پر موقوف نہیں بلکہ وتواصوا بالمرحمۃ ایک دوسرے سے باہم مہربانی اور نرمی اور رحمدلی کرنے کی بھی تاکید کر چلے۔
صبر نفس کو بیجا خواہشوں سے روکنا۔ راہ راست پر ثابت قدم رہنا۔ صبر کے محامد قرآن مجید میں بکثرت وارد ہیں۔ ازانجملہ یہ ہے فاصبر کما صبر اولی العزم من الرسل ازانجملہ یہ ہے یاایھا الذین امنوا استعینوا بالصبر والصلوۃ ازانجملہ یہ ہے ان اللہ مع الصابرین ازانجملہ یہ ہے انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب ازانجملہ یہ ہے وجعلنا منھم ائمۃ یھدون بامرنا لما صبروا وغیرہا من الآیات۔ اور احادیث صحیحہ میں بھی اسکے بہت کچھ محامد مذکور ہیں۔
واضح ہو انسان کے اندر تین قوتیں ایسی ہیں کہ جب وہ تیز ہو جاتی ہیں تو اسکو راہ راست سے ادہر اُدہر گھسیٹ لیجاتی ہیں ان سے نفس کو روکنا صبر ہے۔
اول قوت شہوانیہ۔ کھانے پینے جماع کے متعلق۔ اس سرکش گھوڑے کی لگام تھامنا بھی ایک قسم کا صبر ہے جسکو عفت اور اسکے خلاف کو فجور کہتے ہیں۔ پس جو چیزیں نہ کھانی پینی چاہئیں انہیں نہ کھائے پیئے جیساکہ شراب وسور رشوت اور جملہ ناجائز کمائی کا مال یا بیگانہ حق یا یتیم کا مال۔ اور جن جگہوں پر اسکو ازار کھولنا نہ چاہیے وہاں نہ کھولے جس سے زنا اور اغلام اور ہر قسم کی بدکاری ممنوع ہوگئی۔ بلکہ جو ان چیزوں کی طرف رغبت دلانے والی چیزیں ہیں جیساکہ ناچ اور نامحارم کے ساتھ اختلاط اور فواحش قصے اور ناہنجاروں کی صحبت۔ ان سے بھی دور اور نفور رہے۔
دوسری قوت غضبیہ ہے جس سے ظلم وستم برپا ہوتے ہیں اسکی لگام بھی بڑے زور سے روکنی چاہیے یہ دوسری قسم کا صبر ہے۔ غصہ کا تھامنا اور انتقام سے درگذر کرنا بھی بڑے جوانمردوں کا کام ہے۔ کسی نے گالی دی یا برا کہا اسکو سنکر جو نفس کو ہیجان ہوتا ہے اس کا تھامنا ہی صبر ہے اسی بارہ میں خداتعالےٰ فرماتا ہے ولمن صبر وغفر الخ اور اسکو حلم کہتے ہیں۔ عالی حوصلہ انتقام لینے سے درگذر کرنے میں زیادہ لذت پاتے ہیں۔
تیسری قسم کی قوت طمعیہ ہے وہ بھی بہت دور دراز کھینچکر لیجاتی ہے اس سرکش گھوڑے کی لگام تھامنا بھی صبر ہے نیک کام میں خرچ نہ کرنا اس قوت کی بے صبری ہے جسکو بخل کہتے ہیں اور نیک راہ میں صرف کرنا سخاوت اور جود ہے اور اسی طرح یہ قوت خیانت اور دوسروں کے حقوق تلف کرنے کی طرف ابھارا کرتی ہے۔ اسکے مقابلہ میں نفس کو روکنا امانت و صیانت ہے اور کبھی تجملات دنیا کے حاصل کرنے کی طرف بلاتی ہے جسکو حرص کہتے ہیں اسکے مقابلہ میں نفس سرکش کی مہار تھامنا زہد وقناعت کہلاتا ہے جو ایک قسم کا صبر ہے۔
اسکے سوا مصائب اور تکالیف کی برداشت کرنا اور جزع وفزع نکرنا اور دین پر ثابت قدم رہنا چوتھی قسم کا صبر ہے جیساکہ اللہ کی راہ میں دور دراز کا سفر اختیار کرنا اور سفر اور دھوپ اور بھوک اور پیاس کے صدمے اٹھانا یا اعداء دین کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنا ان سے خوف نہ کرنا۔ پانچویں قسم یہ ہے کہ نفس خبیث کو ریاضات شاقہ وعبادات پر لانا اور اسکی خواہشوں سے روکنا بھی صبر ہے۔ روزہ میں بھوک پیاس کی برداشت کرنا نیند کا غلبہ ہے مگر نماز کی طرف آنا نہانے اور وضو کرنے سے دل ڈرتا ہے

فاصبر کما صبر

مرحمت کے افعال

مگر اسکے مقابلے میں نہانا وضو کرنا صبر ہے چھٹی قسم کا صبر رضا بقضا ہے۔

اسی طرح مرحمت بھی صدہا خصائل حمیدہ کا رکن اعظم ہے۔ یتیموں پر شفقت چھوٹوں پر مہربانی بیکسوں بیواؤں بے زبانوں کی چارہ سازی قوم اور ملک کے ساتھ بھلائی کرنا بھوکوں کو کھانا کھلانا بیماروں کی دوا کرنا ننگوں کو کپڑا پہنانا۔ بھولوں کو رستہ بتانا درماندوں کی انکے کاموں میں مدد کردینا وغیرہ سب مرحمت کی شاخیں ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے الراحمون یرحمہم الرحمٰن ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء (رواہ ابوداؤد والترمذی) کہ رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحمت کرتا ہے زمین والوں پر رحم کرو تم پر آسمان والے رحم کریں گے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اسکی قسم کہ جسکے قبضہ میں میری جان ہے تم میں سے جب تک کوئی بھی مومن (کامل) نہیں ہوتا جب تک کہ جو اپنے لئے چاہے وہی اپنے بھائی کے لئے نہ چاہے (متفق علیہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم سے نہیں جو ہمارے چھوٹے پر رحم اور بڑے کی توقیر نہ کرے (رواہ الترمذی) آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ ایمانداروں کو تو باہمی رحمدلی اور محبت و نرمی میں ایسا پاویگا کہ جیسا ایک جسم جسکا ایک عضو بیمار ہو جاوے تو دوسرے اعضاء میں بھی درد و بخار پیدا ہو جاتا ہے (متفق علیہ) ؎ بنی آدم اعضائے یکدیگر اند ٭ کہ در آفرینش زیک جوہر اند ٭ جو عضوے بدرد آورد روزگار ٭ دگر عضوہا را نماند قرار ٭ تمام نیکیوں کی یہی دو چیز اصل ہیں تعظیم لامر اللہ جو صبر سے متعلق ہے اس سے اسکو مقدم کیا۔ دوم شفقت برخلق اللہ جسکو مرحمت سے تعبیر کیا۔

جو لوگ ان اوصاف حمیدہ سے موصوف ہیں اولئک اصحاب المیمنۃ وہی لوگ یمن اور برکت والے ہیں انکی تاکید صبر و تاکید مرحمت کا نفع انکی حیات میں اور انکے بعد میں انکو بھی پہونچتا رہیگا اور بندگان خدا کو بھی پہونچتا رہیگا بعض علماء میمنہ کو یمین یعنی جانب راست سے لیتے ہیں یعنی وہ دائیں والے ہیں تخت رب العالمین کے دائیں طرف کھڑے ہونگے اور یہ جگہ اہل سعادت کی ہے اور عرب دائیں جانب کو متبرک اور بائیں کو زبوں سمجھا کرتے ہیں

ان اہل کمال کے بعد ازلی بدبختوں کا حال بیان فرماتا ہے والذین کفروا بایاتنا کہ جنہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا اور ہماری آیات میں مکارم اخلاق اور حسنات کی تاکید اور قبائح کی مذمت ہے پھر وہ ان پر عمل سے بھی محروم رہے۔ اخلاق ذمیمہ اور طرح طرح کی سیئات کے امراض روحی میں مبتلا رہے ہم اصحاب المشئمۃ وہی شامت اور بدبختی والے ہیں انکے بداخلاق کی نحوست نے انکو ہر طرف سے احاطہ کرلیا اگر مشئمۃ کو بمعنی چپ یعنی بائیں کے لئے جاویں تو بھی ممکن ہے کیونکہ بائیں جانب والے بدبخت اور مشہور اور نامبارک لوگ ہیں انکے یہ اخلاق ذمیمہ اور ناپاک عقائد اور یہ کفر و بت پرستی جو یہاں انپر محیط ہے وہاں آگ بنجائیگی علیہم نار موصدۃ اور سرپوش بناکر ڈھانک دیجائیگی جس طرح دنیا میں ان آتشیں ملکات وافعال و عقائد سے نہ نکلتے تھے وہاں بھی کبھی نہ نکلیں گے

اعوذ باللہ من النار۔

٭ ٭ ٭

٭

سورۂ شمس مکہ میں نازل ہوئی اسمیں پندرہ آیات ہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ۝ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ۝ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ۝ وَاللَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا ۝ وَالسَّمَاۗءِ

قسم ہے آفتاب اور اسکی دہوپ کی اور قسم ہو چاند کی جبکہ اسکے پیچھے چلے اور قسم ہے دن کی جبکہ آفتاب کو نمایاں کرے اور قسم ہو رات کی جبکہ آفتاب کو چھپا لے اور قسم ہے آسمان کی

وَمَا بَنٰهَا ۝ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا ۝ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ۝ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ

اور اسکے بنانیوالے کی اور قسم ہو زمین کی اور اسکے بچھانیوالے کی اور قسم ہو انسانی جان کی اور اسکی کہ جسنے اسکو درست بنایا پھر اسکو اس کی بدی اور نیکی سمجھائی بیشک کامیاب ہوا کہ جسنے اپنی روح کو

زَكّٰهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ۝

پاک کر لیا۔ اور بیشک وہ غارت ہوا کہ جسنے اسکو آلودہ کر لیا۔

ترکیب

والشمس الواو للقسم جارۃ وضحٰها و ما بعدها عطف علی الشمس اذا تلٰها وکذا اذا یغشٰها الظرف معمول للقسم اے اقسم اذا تلٰها و اقسم اذا یغشاها۔ والضمیر فی تلاها راجع الی الشمس۔ ومعناه اذا تبعها وذلک بان یطلع القمر بعد غروب الشمس یقال تلا یتلو اذا تبع۔ وذلک فی النصف الاول من الشهر اذا غربت الشمس تلاها القمر فی الاضاءۃ وکذا الضمیر فی اذا جلاها ویغشاها راجع الی الشمس لان الشمس عند انبساط النهار تتجلی تمام الانجلاء۔ وکذا عند مجیئ اللیل تغشی الشمس و یذهب ضوءها فالاسناد فی جلا و یغشی مجازی وما بناها ما مصدریۃ اے اقسم بالسماء وبنائها اذا بناء السماء بالرفعۃ و الاستدارۃ امر عجیب وقیل موصولۃ بمعنی من اقسم بالسماء ومن بناها وایثار ما علی من لارادۃ الوصفیۃ لقصد التفخیم۔ والاول قول الفراء والزجاج والثانی قول ابی البقاء۔ وقس علیه قوله تعالیٰ وما طحاها والطحو البسط من کل جانب کما فی قوله دحاها ومعناهما واحد وقیل معنی طحاها قسمها وخلقها وقال ابو عمرو بن العلاء طحا الرجل اذا ذهب فی الارض یقال ما ادری این طحا ویقال طحا به قلبه اذا ذهب به ومنه قول الشاعر ؎ طحابک قلب فی الحسان طروب ٭ بعید الشباب عصر حان مشیب وکذا قوله تعالیٰ وما سواها فالهمها عطف علی سواها وجواب القسم عند الجمهور قوله تعالیٰ قد افلح الخ قال النحاۃ ان الماضی المثبت المتصرف الذی لم یتقدم معموله اذا وقع جوابا للقسم تلزمه اللام وقد ولا یجوز الاقتصار علی احدهما الا عند الضرورۃ او طول الکلام وههنا لطول الکلام حذف اللام۔ و دساها اصله دسسها فابدلت السین الاخیرۃ الفا ومعنی التدسیس الاخفاء

تفسیر

یہ سورہ بھی مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ ابن عباس و ابن الزبیر کا یہی قول ہے اسکی پندرہ آیات ہیں احمد و ترمذی و نسائی نے بریدہ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز میں والشمس وضحاها اور ایسی ہی سورتیں پڑھا کرتے تھے طبرانی نے ابن عباس سے نقل کیا ہے

ف۔ اس جگہ اشکال پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ یہ واوات یا عطف کیلئے ہیں یا قسم کیلئے اگر عطف کے لئے ہیں تو لازم آتا ہے العطف علی معمولی عاملین مختلفین یعنی دو مختلف عاملوں کے معمولین مختلفہ پر عطف ہے۔ اگر قسم کے لیے ہیں تو یلزم تعدد القسم مع وحدۃ الجواب اور اس صورت میں وحدۃ جواب مع تعدد قسم لازم آتا ہے اسکی تحلیل سیبویہ منع کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ شق ثانی ہے یعنی الواوات للقسم کو اختیار کرکے جواب دیا ہے اور خلیل کے قول کو رد کر دیا۔ بعض نے شق اول اختیار کرکے منع وارد کیا ہے وہ یہ کہ المجرور ان تلک الواوات نواب للواو الاولی القسمیۃ الجارۃ بنفسها النائبۃ مناب فعل القسم فی الاول تعمل الجر والنصب

کہ انکو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ نماز صبح میں واللیل اذا یغشیٰ والشمس وضحاہا پڑھا کرے عقبہ بن عامر سے بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے کہ ہمکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ ہم صلوٰۃ ضحیٰ کی دو رکعتوں میں والشمس وضحاہا اور والضحیٰ پڑھا کریں۔ اور حدیث جابر میں بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ کو فرمایا تھا کہ کیوں سبح اسم ربک الاعلیٰ والشمس وضحاہا واللیل اذا یغشیٰ نہیں پڑھا کرتا

مناسبت اسکی سورہ بلد سے یہ ہے کہ سورہ بلد میں خیر و شر کی رہنمائی کا ذکر تھا قال وھدینٰہ النجدین اسیطرح اس سورہ میں بھی اشارہ ہوا فالھمھا فجورھا وتقوٰھا کہ ہر ایک کو ہمنے نیکو کاری و بدکاری سمجھا دی اور سب سے بڑھکر مناسبت یہ ہے کہ خیر کی رہنمائی میں آفتاب نبوت کی روشنی درکار ہے کہ جسکے سبب نیک و بد میں تمیز کر سکے اسلئے سورۂ بلد کے بعد سورہ والشمس نازل ہوئی تاکہ معلوم رہے کہ شمس یعنی آفتاب بغیر جس طرح حیات دنیاوی میں چارہ نہیں اسیطرح آفتاب نبوت بغیر ہدایت کی راہ نہیں ملتی اور اسی لئے اس سورہ کا نام سورہ شمس ہوا۔ اور انسان کو جو کچھ آفتاب اور ماہتاب اور دن اور رات اور آسمان و زمین کے ساتھ حیات دنیاوی میں احتیاج ہے اسی طرح اس کو جبکہ وہ دنیا کے کھیت میں آخرت کے لئے کچھ بونا چاہئے آفتاب نبوت اور اس کے متعلقات کی طرف بھی حاجت ہے اس لئے اس کا بیان کرنا بھی آفتاب کے ساتھ مناسب ہوا جس کی تشریح یہ ہے کہ دنیا میں کاشتکار کو ان چھ چیزوں کی سخت ضرورت ہوتی ہے اور اکثر انہیں پر انسانی قوت کا مدار ہوتا ہے (۱) آفتاب کہ جسکی گرمی سے دانہ زمین میں پڑنے کے بعد پھوٹ کر باہر نکلتا ہے اور اسکی حرارت سے نشوونما پاتا ہے اور اسی سے پھل اور پھول آتے ہیں اسیکی گردش سے موسم بدلتے ہیں (۲) چاند جسکی رطوبت سے پھل پھولوں میں رس پڑتا ہے دریا میں جزر و مد پیدا ہوتا ہے اور اندھیرے میں وہ آفتاب کا خلیفہ بھی ہے (۳) دن کہ جس میں کام کاج کئے جاتے ہیں (۴) رات کہ جس میں آرام کرتے ہیں اور دن کی گرمی سے ٹھنڈک پاتے ہیں اور رات کی شبنم دن کی حرارت کا تدارک کرتی ہے (۵) آسمان کہ نزول بارش وہیں سے ہے اور اسی میں آفتاب و ماہتاب ہیں (۶) زمین کہ جس میں تخم ریزی ہوتی ہے بشرطیکہ قابل بھی ہو۔ اسی طرح انسان کو جو اس دنیا میں آخرت کی کھیتی کرنے آیا ہے ان چھ چیزوں کی ضرورت ہے (۱) آفتاب نبوت کی اسی کی روشنی اور اسی کی گرمی سے سب کام بنتے ہیں (۲) چاند یعنی آفتاب نبوت کے بعد اسکے جانشین اور نائب ضرور ہیں جو بمنزلہ چاند کے ہیں جس طرح چاند کی روشنی آفتاب کا پرتو ہے اسیطرح حضرات اولیاء کرام و نائبان رسول علیہ السلام کی روشنی بھی انہیں کا پرتو ہے۔ (۳) روز یعنی وہ عمر گرانمایہ کا حصہ کہ جسمیں کچھ کام کر سکے (۴) رات یعنی اسکے دنیاوی کاروبار اور راحت کا وقت چونکہ اسمیں اللہ سے غفلت ہے اس لئے اسکو رات سے تشبیہ دیجاتی ہے مگر نفس انسانی کو یہ وقت نہ ملے تو انوار دائمیہ اسکو سست و معطل کردیں اور اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بڑے عابد زاہد صحابی سے فرمایا تھا نم وصل کہ سو بھی اور تہجد کی نماز بھی پڑھ اور یہ بھی فرما دیا تھا کہ ان لنفسک علیک حقا[لہ] کہ تیرے نفس کا بھی تجھ پر حق ہے اسکو بھی راحت دو پھر اس سے کام لو (۵) آسمان شریعت جو اسکو جمیع اطراف سے محیط ہے اسکے عقائد و اعمال و احوال وہیں سے بارش کیطرح برستے ہیں وہیں سے شوق کی ہوائیں چلا کرتی ہیں جو کوئی شریعت سے باہر ہوکر یہ کھیتی کرنا چاہے گویا آسمان سے باہر نکلنے کا ارادہ کرتا ہے جو محال اور خیال باطل ہے۔

لہ بخاری [illegible] ۱۲ منہ

(۶) زمین وہ اسکی استعداد کی زمین ہے کہ جسقدر اس کی فراخی وصفائی ہے اسیقدر احوال ومقامات کا نشو ونما ہوتا ہے لیکن ان چھ چیزوں میں سب سے عمدہ آفتاب ہے جسکو عربی میں شمس کہتے ہیں اسلئے اس سے ابتدا کی اور اس لئے سورہ کا نام شمس ہوا۔ یا یوں کہو کہ یہ چھ چیزیں انقلاب دنیا کے لئے اصل الاصول ہیں اور یہ انقلاب انسان کو بتا رہا ہے کہ اسکو بھی جانا ہے اور نیز انسانی حالات کا بھی نمونہ ہیں آفتاب نور نبوت اور اسکی روحانی روشنی پر دلالت کرتا ہے اور قمر اس کے دوسرے حال پر جو پہلے سے کمتر ہو اور دن اسکی علم معرفت اور روشنی پر کہ جس میں سیاہ وسفید کا امتیاز ہوتا ہے اور رات اسکی بہیمیت اور قویٰ شہوانیہ پر اور آسمان اسکی بلندی پر جو قویٰ روحانیہ کے آفتاب چمکنے سے حاصل ہوتی ہے اور زمین اسکی پستی پر جو قویٰ بہیمیہ کی رات اور اندھیرا چھا جانے سے پیدا ہوتی ہے۔ اور ان چھ چیزوں میں ان چھ چیزوں کی طرف اشارہ ہے۔ اور نیز یہ بھی بتلایا جاتا ہے کہ جس طرح آفتاب اور اس کی روشنی اور پھر دن کسی کے روکے سے نہیں رکتے اسی طرح نور نبوت اور دنیا کی روشنی جو دن سے عبارت ہے وہ بھی کسی کے روکے سے نہیں رکے گی پھر اے قریش تمہارا ہمارے نبی کے مقابلہ میں یہ جد وجہد محض بے فائدہ ہے اور رات اور اس میں آفتاب کا پوشیدہ ہونا ضلالت ہے جو اس وقت دنیا میں چھائی ہوئی تھی اسکے بعد طلوع آفتاب مقتضائے حکمت ہے اور اگر اس آفتاب نے غروب بھی کیا تو مدتوں چاند کی روشنی رہے گی جس سے نائبان نبوت کے پرتوے مراد ہیں اور آسمان وزمین ہر ایک کی تقدیری پستی وبلندی ہے۔ اس لئے ان چھ چیزوں کی قسم کھا کر جو اسکی قدرت کاملہ کا نمونہ ہیں انسان کی جان اور اس کے ٹھیک کرنے کی یعنے قویٰ باطنیہ وظاہریہ عطا کرنے کی اور پھر اس سے نیک وبد کی سوجھ بوجھ عطا کرنے کی قسم کھا کر انجام کار بتلاتا ہے کہ جس نے اپنی اس روح کو آلائش سے پاک وصاف کر لیا اس نے فلاح پائی آسمان رفعت پر پہونچا اور جس نے اسکو آلودہ کر لیا شب ضلالت اسپر طاری ہوگئی وہ جہنم کی پستی کی طرف گیا خراب ہوگیا۔

اور اس کے بعد چند لوگوں کا تذکرہ کرتا ہے کہ جنہوں نے اپنے نفس کو آلائش دنیا میں آلودہ کیا تھا کہ وہ پستی کی طرف ڈالے گئے دنیا میں بھی ہلاک ہوئے آخرت کا وبال بھی سر پر پڑے گئے۔ اس مضمون کو اس سورہ میں کس دلکش انداز سے بیان فرماتا ہے فقال والشمس کہ قسم ہے آفتاب کی جسکا نمونہ نور نبوت ہے۔ وضحٰہا اور قسم ہے آفتاب کی روشنی کی جس کا نمونہ نور نبوت کا جہان میں پھیلنا ہے۔ جیسا کہ کتاب یسعیاہ علیہ السلام کے ساٹھویں باب میں بشارت ہے۔

اٹھ روشن ہو کہ تیری روشنی آئی اور خداوند کے جلال نے تجھ پر طلوع کیا ہے کہ دیکھ تاریکی زمین پر چھا جائے گی اور تیرگی قوموں پر لیکن خداوند تجھ پر طلوع کریگا اور اس کا جلال تجھ پر نمودار ہوگا اور قومیں تیری روشنی میں اور شاہان تیرے طلوع کی تجلی میں چلیں گے انتہی۔

شمس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات اور آپ کی روشنی جو دنیا میں پھیلے وہ ضحٰی یا ضحوہ ہے والقمر۔ اور قسم ہے چاند کی اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین ہے جسکے بعد دیگر ونیز اولیاء کرام اذا تلاہا جبکہ آفتاب کے بعد آوے یا پیروی کرے۔ آفتاب سے ماہتاب کو چند باتوں میں پیروی اور اتباع ہے اول استفادۂ نور میں دوم غروب میں کہ آفتاب کے غروب ہوتے ہی ماہتاب نمودار ہوتا ہے یہ اول چاند رات سے لیکر پندرہویں یا چودہویں تاریخ تک

ہوتا ہے۔ سوم جسم میں باعتبار حسن ظاہر کے کس لئے کہ اور ستارے گو جسامت میں ماہتاب سے بھی بڑے کیوں نہوں اور بعد مسافت کی وجہ سے چھوٹے نظر آتے ہوں مگر حسن ظاہر میں آفتاب کی برابر بجز ماہتاب کے اور کوئی ستارہ نظر نہیں آتا۔ چہارم تاثیرات اور حساب سال و ماہ میں ہے جہاں اور ستاروں کو دخل نہیں۔ یہ قید اسلئے لگائی کہ آفتاب کے اتباع کرنے میں ہی ماہتاب کا کمال ہے جس سے اشارہ ہے کہ نائبان خیرالانام علیہ التحیۃ والسلام کا کمال اور منصب خلافت و امامت آنحضرت صلعم کی پیروی میں ہے۔ والنہار اذا جلّٰہا اور قسم ہے دن کی جبکہ آفتاب کو روشن کرے جس سے دین محمدی علیہ السلام کے شیوع و ظہور کی طرف اشارہ ہے۔ اور نیز سالک و مرشد کی اس حالت کی طرف بھی اشارہ ہے جو ریاضات و مراقبات کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ اور نورایت محمدیہ ان میں جلوہ گر ہو جاتی ہے جس میں ایماء ہے کہ خالی ریاضات و مجاہدات بغیر اسکے کہ نور محمدی کو ان میں چمکایا جاوے کچھ بھی قابل عزت و حرمت نہیں ورنہ یوں تو بہتیرے جوگی سناسی عمر بھر فضول ریاضات کیا کرتے ہیں۔

ہرچند آفتاب دن کو روشن کرتا ہے نہ دن آفتاب کو مگر آفتاب جب دن دوپہر آتا ہے تو زیادہ روشن و تاباں معلوم ہوتا ہے برخلاف وقت طلوع و غروب کے یہ ظرف ہے اور ظرف کیطرف اس فعل کو نسبت کرنا مجاز ہے جو محاورہ میں کثیر الاستعمال ہے بعض علماء فرماتے ہیں ضمیر اذا جلاہا آفاق یا ارض کی طرف راجع ہے گو مذکور نہو مگر مراد ہے والیل اذا یغشٰہا اور قسم ہے رات کی جبکہ آفتاب کو چھپالے۔ رات میں آفتاب چھپ جاتا ہے اس لئے رات کی طرف مجازاً اسناد کیا گیا۔ اس رات اور اس کے آفتاب کے چھپا لینے سے اشارہ ہے انسانی راحت اور اس کے حقوق زن و فرزند اعزہ واجبہ کے ادا کرنے پر متوجہ ہونے کی طرف یعنے توجہ الی الخلق کیطرف یہ بھی ایک متبرک چیز ہے اگر ایسا نہو تو بہت سے حقوق اور معاملات دنیا درہم برہم ہو جاویں۔ اور یہ منشاء بعثت انبیاء علیہم السلام کے برخلاف ہے اور اسی لئے یہ کیفیت توجہ الی اللہ کی ہر وقت نہیں ہوتی مگر اس غفلت کو صحابہ اپنی اولوالعزمی اور شوق الی اللہ سے نفاق سمجھا کرتے تھے چنانچہ ایک بار ایک صحابی نے جسکا نام حنظلہ ہے اس بات کی حضرت صدیق اکبر سے شکایت کی اور کہا میں تو منافق ہو گیا وہ حالت جو حضرت کی صحبت میں نصیب ہوتی ہے بال بچوں میں جاکر نہیں رہتی صدیق اکبر نے کہا میرا بھی یہی حال ہے۔ دونوں آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ آپ نے فرمایا اے حنظلہ یہ کیفیت ہر وقت نہیں رہا کرتی۔ اگر ایسا ہو تو بشریت سے نکلکر فرشتوں میں ملجاؤ۔ (مشکوٰۃ) اور نیز اس رات سے عارف و سالک کے قبض کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اسوقت آفتاب معرفت بالکل چھپ جاتا ہے جس سے پھر انکشاف تام ہوتا ہے جیسا کہ رات کے بعد پھر آفتاب جلوہ گر ہوتا ہے اور محبت میں یہی مزے ہیں ہجر نہو تو وصال کا مزہ نہ آوے اور نیز اسلامی تنزل کی طرف بھی اشارہ ہے جس کی خبر آنحضرت صلعم نے دی مگر وہ تنزل بار دیگر ترقی کا سبب ہے کیونکہ اس رات کے بعد پھر دن ہونیوالا ہے اس لئے یہ بھی ایک محترم چیز ہے والسماء وما بنٰہا اور قسم ہے آسمان کی اور اسکی بناوٹ کی۔ آسمان تو عجیب غریب چیز ہے مگر اسکی بناوٹ بھی عجائب ہے قدرت کاملہ کا نمونہ ہے بعض علماء نے ما کو مصدریہ نہیں بلکہ مَن کے معنی میں پڑھا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ آسمان اور اسکے بنانے والے کی قسم یعنی اس بنانے والے کے قربان جائیے جس کے مبارک ہاتھوں نے یہ رفیع عمارت بنائی

آسمان کو شریعت سے تشبیہ ہے کہ جو آسمان کی طرح انسان کے جمیع افعال و احوال و مقامات و عقائد کو محیط ہے۔ اور جس طرح آسمان میں بروج اور ستارے ہیں۔ اسیطرح شریعت میں ابواب و اقسام ہیں اور یہی مناسبات ہیں والارض اور قسم ہے زمین کی وماطحاہا اور اسکی فراخی و کشایش کی یعنی کیا ہی اس میں وسعت رکھی ہے۔ یہاں بھی بعض علماء نے ما کو بمعنی من پڑھا ہے۔ اور یہ استعداد نفس انسانی کی مثال ہے جس کی وسعت و فراخی کے بموجب اسمیں تخم معرفت بویا جاتا ہے اب خود نفس انسانی کی عالم میں کوئی نظیر باقی نہ تھی کیونکہ وہ آپ ہی اپنی نظیر ہے اس لئے خاص اسی کی قسم کھاتا ہے۔ فقال ونفس وماسواہا کہ قسم ہے انسان کی جان کی اور اسکی آراستگی کی یا اسکی کہ جس نے اسکو آراستہ کیا۔ انسان کے جسم کو دیکھو تو اس میں کیا کیا کاریگریاں کی ہیں جسکی پوری شرح کیجائے تو ایک دفتر میں بھی نہ سماوے اور اسکے قوی باطنیہ و ادراکات و علوم کو غور کیا جاوے تو اسکی آراستگی حیرت خیز ہے اور وہ پہلی چھ چیزیں کہ جنکی قسم کھائی گئی اس نفس انسان ہی کے لئے بنائی گئی ہیں اور وہ سب ملکر ایک عالم ہیں تو نفس انسانی تنہا ایک دوسرا عالم ہے جس میں اول عالم کی سب باتیں موجود ہیں بایں طور کہ اسکا آفتاب نور روحانی ہے اور ماہتاب دل کی روشنی ہے جو اس سے حاصل ہوتی ہے اور دن اسکے کمالات کا ظہور اور اس کی حیات کے ثمرات کا بروز ہے۔ اور اسکی رات اور اس کی روح اور قلب کی تاریکی ہے یا اس کی قوائے بہیمیہ ملکیہ پر غلبہ ہے اور چونکہ قلب جو محل معرفت اور عرش رحمانی ہے وہ نور روح و ظلمت نفس کے ملنے بغیر نہیں ہوتا گویا کہ وہ ان دونوں کے اجتماع سے پیدا ہوا ہے اور اگر نفس کی ظلمت نہو تو قلب پر معانی ظاہر نہوں۔ کیونکہ روح میں کمال صفائی و نورانیت ہے اس لئے یہ رات بھی ایک عمدہ چیز ہے اور اسکا آسمان روح حیوانیہ ہے اور زمین اس کا بدن ہے کہ جس کے خالق نے اسکو فراخ و وسیع کیا ہے اس طور پر کہ روح حیوانیہ ہر جگہ اثر کر رہی ہے اور یہاں تک نفس انسانی کی درستگی کی کہ فالہمہا فجورہا وتقوٰہا کہ اسکی بدی اور نیکی کی پہچان اسکو عطا کر دی اور نفوس حیوانیہ کی طرح نامکمل نہیں رکھا کہ اپنی شقاوت و سعادت اخرویہ کو نہ جانتا ہو صرف معاش ہی کے رستے جانتا ہو۔

ف علماء فرماتے ہیں کہ الہام فجور و تقوٰی سے جبر لازم نہیں آتا کس لئے کہ یہ جب لازم آتا کہ اس میں بندہ کے ارادہ و اختیار کو دخل نہوتا پھر جبکہ جو کچھ کراتے ہیں بندہ ہی کے اختیار اور ارادہ سے کراتے ہیں تب کسی طرح جبر لازم نہیں آتا۔

(تحقیق المقام)

الہام در دل افگندن و آنچہ در دل افگند خدائے تعالیٰ یقال الہمہ اللہ و استلہمت اللہ (صراح) یہ الہام ہے جس کے معنی القاء کے ہیں اس سے کوئی فرد بشر بھی خالی نہیں ہر ایک کے دل پر اس طرف کا تار برقی لگا ہوا ہے ادھر سے نیک و بد بات دلمیں پڑتی ہے یہ اہل سنت والجماعت کے عقائد کے موافق ہے اور اسمیں کوئی جبر بھی لازم نہیں آتا کس لئے کہ القاء ہونے کے بعد کرنا نکرنا اس کے اختیار و ارادے کے ساتھ ہے اور اسی پر عذاب و ثواب کا دارومدار ہے اور یہ بھی معنی ہوسکتے ہیں کہ انسان کو خدائے پاک نے عقل و ادراک سمجھ بوجھ عطا کی ہے جس سے

وہ نیک و بد جانتا ہے۔ یہ ہیں فجور اور تقوی کے الہام کے معنی۔ اور مجاہد اور فراء اسی کے قائل ہیں۔ اور مذہب معتزلہ بھی یہی ہے۔

اس الہام عام کے بعد ایک اور مرتبہ خاص الہام کا ہے جو حضرات اولیاء کرام و انبیاء علیہم السلام کا حصہ ہے اس میں اور کو شرکت نہیں

واضح ہو کہ

کہ ان آیات میں خدا تعالیٰ اپنی ذات و صفات غائب پر مشاہد سے استدلال کرتا ہے اور مشاہد بجز عالم جسمانی کے اور نہیں اور عالم جسمانی کی دو قسم ہیں۔ بسیط اور مرکب۔ پھر بسیط کی دو قسم ہیں علوی جسکی طرف والسماء وما بناھا میں اشارہ ہے۔ دوم سفلی جس کی طرف والارض وما طحاھا میں اشارہ ہے۔ اور نیز والشمس والقمر بھی علویات میں داخل ہیں اور رات دن ان سے پیدا ہوتے ہیں۔ اب رہے مرکبات سو ان میں سب سے افضل انسان ہے جسکی طرف ونفس وما سواھا میں اشارہ ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ خدائے پاک مدبر اجسام ہے خواہ علویہ ہوں خواہ سفلیہ خواہ مرکبہ خواہ بسیط پس عالم محسوسات میں ایسی کوئی شے نہیں جو اسکے پیدا کرنے اور ایجاد کرنے سے نہ ہوئی ہو مگر یہاں ایک شبہ پیدا ہوتا تھا کہ حیوان و انسان کے افعال اسکی ایجاد و تخلیق میں داخل نہیں اسکا دفع اس قول میں کر دیا فالھمھا فجورھا وتقوٰھا کہ یہ بھی اسی کے پیدا کرنے سے ہیں اسی کی قضاء و قدر سے سرزد ہوتے ہیں پس ثابت ہوا کہ ماسوی اللہ جو کچھ ہے سب اسکی قضاء و قدر سے پیدا ہوا ہے۔ اسی کے احاطہ قدرت و تصرف میں ہے۔ پس الہام فجور خذلان ہے اور الہام تقوی توفیق ہے اور وہ حدیث جسکو امام احمد و مسلم و ابن جریر وغیرہ نے عمران بن حصین سے روایت کیا ہے اسکی موید ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا حضرت یہ لوگ جو کچھ کر رہے ہیں پہلے انکے حق میں مقدر ہو چکا تھا یا ایک آیندہ فعل ہے کہ اپنے نبی کے فرمانے سے کرتے ہیں آپ نے فرمایا پہلے ہی سے مقدر ہو چکا ہے اسکے موافق کرتے ہیں اسنے عرض کیا پھر اب لوگ کس لیے عمل کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ جسکو اللہ نے ان دونوں مرتبوں (خیر و شر) میں سے جسکے لیے پیدا کیا ہے اسکو اسکے موافق عمل کرنا آسان کر دیتا ہے اور تصدیق اسکی کتاب اللہ میں ہے فالھمھا فجورھا وتقوٰھا۔

مگر اسکے ساتھ بھی انسان کو اختیار باقی رہتا ہے جیسا کہ حدیث مذکور سے پایا جاتا ہے اور اسی لیے اسکے بعد جواب قسم میں اس بات کو واضح کر دیا۔ قد افلح من زکاھا وقد خاب من دساھا کہ فلاح پائی جس نے اپنے نفس کو پاک کر لیا گناہوں اور غفلات کے میل کچیل سے۔ انسان جب کوئی گناہ کرتا ہے یا عقائد فاسدہ کو دل میں جگہ دیتا ہے یا حب لذات و شہوات میں خدا سے غافل ہو جاتا ہے تو اسکے نفس یعنی روح پر ایک میل یا دھبہ لگ جاتا ہے مرنے کے بعد یہی دھبہ جس مرتبہ کا ہے اسی کے موافق ایک خاص صورت میں باعث عذاب ہوتا ہے جیسا کہ فرمایا وقد خاب من دساھا کہ خراب ہوا جس نے روح کو آلودہ کر لیا اس نورانی جوہر کو گندہ چیزوں میں چھپا دیا تزکیہ و تطہیر نفوس کے لیے صرف یہی ایک جملہ قد افلح الخ کافی ہے جسکو چند مہتم بالشان چیزوں کی قسم کھا کر ارشاد فرمایا ہے اور وہ چند چیزیں جنکی قسم کھائی ہے اسکی قدرت کاملہ کا نمونہ۔ اور عالم حسی کی بنیاد ہیں

له معلوم ہوا کہ تزکیہ نفس اور دسیسہ آلودگی کا انسان کو اختیار دیا ہے جو ان افعال کو اسکی طرف منسوب کیا ہے ۱۲ منہ

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوٰىهَآ ۝ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ۝ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ۝ فَكَذَّبُوْهُ

(قوم) ثمود نے اپنی سرکشی سے (صالح پیغمبر کو) جھٹلایا جبکہ انہیں سے سب سے بڑا بدبخت اٹھا پھر انسے اللہ کے رسول نے کہہ دیا تھا کہ اللہ کی اونٹنی اور اسکے پانی سے تعرض نہ کرنا سو انہوں نے پیغمبر کو جھٹلایا

فَعَقَرُوْهَا ۝ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ۝ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ۝ ع

اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں پھر تو انکے رب نے بھی انکے گناہ سے انہیں مارکر برابر کر دیا اور اس نے اس کے انجام کی پروا ہی کی

ع ۱۵/۱۶

ترکیب

بطغوٰہا البار للسببیۃ الطغوٰی فعلی من الطغیان والواو مبدلۃ من یاء مثل التقوٰی ومن قال طغوت کانت الواو اصلا۔ ثمود فاعل کذبت والجار فی بطغوٰہا یتعلق بکذبت اذ ظرف لکذبت او للطغوٰی انبعث مطاوع بعث یقال بعثت فلانا علی الامر فانبعث لہ ومعناہ انتدب لذلک وقام بہ ناقۃ اللہ منصوب بفعل محذوف اے ذروا ناقۃ اللہ او احذروا وسقیاہا معطوف علیہ والاضافۃ فی ناقۃ اللہ للتشریف کبیت اللہ فدمدم فی الصحاح ودمدمت الشئ اذا الزقتہ بالتراب الدمدمۃ تضعیف ... العذاب یقال ودمدمت علی الشئ اے اطبقت علیہ ودمدم علیہ القبر اے اطبقہ۔ فسوٰہا والضمیر یعود الی الدمدمۃ اے فسوی الدمدمۃ علیہم وعمہم بہا فاشتملت علی صغیرہم وکبیرہم وقیل یعود الے الارض اے فسوی الارض علیہم فجعلہم تحت التراب وقیل یعود الی الامۃ اے ثمود۔ ولا یخاف الخ الجملۃ حال اے فعل ذلک وہو لا یخاف والضمیر فی عقباہا یعود الے الفعلۃ او الے الدمدمۃ۔ والضمیر فی لا یخاف یرجع الی اللہ سبحانہ۔ وقیل الی صالح علیہ السلام۔ اے لا یخاف الرسول وہو صالح علیہ السلام عقبی ہذا العذاب کانہ وعد لنصرتہ۔ وقیل یرجع الی الاشقٰی اے ذلک الاشقٰی الذی عقر الناقۃ لا یخاف عقبی ہذہ الفعلۃ۔

تفسیر

پہلے فرمایا تھا قد افلح من زکاہا وقد خاب من دساہا جس سے تزکیہ فلاح کا سبب اور تلویث خسارہ کا سبب سمجھا گیا۔ تلویث میں قوی بہیمیہ عقل وشرع پر غالب آجاتی ہیں اور تزکیہ میں انپر عقل وشرع غالب رہتی ہے اب تلویث کے مضمون پر ایک واقعہ کا ذکر کرنا مناسب ہوا تاکہ واضح ہو جاوے کہ قوی بہیمیہ کے غلبہ دینے سے دنیا اور آخرت میں کیا کیا برے نتائج پیدا ہو جاتے ہیں اور قوت دراکہ بھی فاسد ہو جاتی ہے حق باتوں کا انکار کر دینا اور انکار پر اصرار کرنا اور ناصح مشفق کا مقابلہ کرنا انکے نزدیک ایک ادنیٰ سی بات ہو جاتی ہے اسلئے اب اس واقعہ کا ذکر ہوتا ہے۔ فقال کذبت ثمود قوم ثمود نے اپنے پیغمبر صالح علیہ السلام کو بطغواہا اپنی سرکشی سے جھٹلا دیا تھا یعنی قوی بہیمیہ کے جوش وغلبہ کے سبب جسکے وہ عادی ہو رہے تھے۔ اور یہ ہوتا ہے کہ جس قوت کو ترقی دیجاتی ہے اسکے بعد ایک ملکہ راسخہ ہو جاتا ہے جس سے اسکے موافق افعال بے تکلف سرزد ہونے لگتے ہیں عبادات وریاضات والے سے عبادات وریاضات بدکار شہوت پرست غدار سے ویسے کام۔

ف جمہور کے نزدیک طغوٰی بفتح الطاء مصدر ہے بمعنی الطغیان فراء کہتے ہیں طغوٰی وطغیان دونوں مصدر ہیں مگر اس جگہ

اخیر آیات کے لحاظ سے طغویٰ کا استعمال ہوا۔ بعض کہتے ہیں واؤ کو اسم وصفت میں فرق کرنے کے لئے یاء سے بدل لیا کرتے ہیں جیسا کہ تقویٰ وسرویٰ۔ اور جس نے طغویٰ کو بضم الطاء پڑھا ہے اس کے نزدیک یہی مصدر ہے جیسا کہ رجعیٰ اور حسنیٰ ابن عباسؓ فرماتے ہیں طغویٰ سے مراد اس قوم کا وہ عذاب ہے کہ جس سے وہ ہلاک ہوتے تھے صالح علیہ السلام نے اس کی خبر دی تھی انہوں نے اسکو جھٹلا دیا تھا۔ اور چونکہ طغویٰ کے لغوی معنی حد سے گزرنے کے ہیں اور وہ عذاب جس سے وہ ہلاک ہوئے وہ بھی حد سے گزر گیا تھا اس لئے اس پر طغویٰ کا اطلاق ہونا بہت ٹھیک ہو سکتا ہے۔

ثمود اُس قوم کے بزرگ کا نام تھا جو کئی واسطہ سے حضرت نوح علیہ السلام کا پوتا ہوتا تھا۔ قوم عاد جو عرب کے جنوبی حصہ یعنی یمن میں تھی اس کے ہلاک وبرباد ہونے کے بعد شمال عرب میں یہ قوم زور آور ہوئی تھی۔ یہ قوم شام اور حجاز کے بیچ میں آباد تھی انکے اس شہر کا نام جو شام کی طرف تھا حجر تھا اور جو حجاز کی طرف تھا اس کا نام وادی القریٰ تھا ان دونوں شہروں کے درمیان اور بھی بہت سے قریات اور شہر اس قوم کے تھے جنکی تعداد بعض مورخین نے ایک ہزار سات سو بتلائی ہے۔ اس قوم میں مال ودولت بہت تھا بڑے بڑے عالیشان مکان بناتے تھے اور سنگتراشی کا ہنر خوب جانتے تھے اس لئے پہاڑ کھود کھود کر بڑے بڑے عجیب وغریب مکان بناتے تھے اور عمیق کنوئیں اور باؤلیاں بھی کھود دی تھیں مگر اسکے ساتھ بت پرستی اور بدکاری بھی غضب کی تھی درندہ پن اور سفاکی اور بے رحمی کا بھی کچھ ٹھکانا نہ تھا۔ الغرض قوت شہوانیہ وغضبیہ وغیرہا کا دریا جوش زن تھا۔ خدا پرستی رحمدلی پرہیزگاری کا نام ونشان بھی نہ تھا ایسی حالت میں رحمت الٰہی نے انہیں میں سے ایک شخص صالح بن عبید کو منتخب کیا اور نور نبوت سے منور فرمایا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اس بدبخت قوم کی اصلاح اور وعظ وپند میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا مگر انکی تقدیر میں شقاوت ازلیہ تھی کب ماننے والے تھے پھر جو جو مصائب اور ایذائیں ایسی قوم کے واعظ وناصح مشفق کو پہونچیں کم ہیں۔

ایک بار قوم نے صالح علیہ السلام کو لاجواب کرنے کے لئے ایک معجزہ طلب کیا اور وہ کہ فلاں پہاڑ میں سے ایک اونٹنی نکلے جو ایسی اور ایسی ہو اور پھر نکل کر وہ اسی وقت بچہ بھی دے چنانچہ حضرت صالح علیہ السلام نے دعا کی ویسی ہی اونٹنی پہاڑ پھٹ کر برآمد ہوئی اور اس نے باہر آکر بچہ بھی دیا قوم نے یہ معجزہ آنکھ سے دیکھا مگر بجز جندع بن عمر رئیس قوم اور اسکے اتباع کے اور کوئی ایمان نہ لایا صرف یہی ایک جماعت ایمانداروں نیکوکاروں کی تھی اور قوم ویسی کی ویسی رہی اور اب اور بھی ایذا وظلم کا دروازہ کھولدیا۔ ادہر اونٹنی کی سنئے چونکہ وہ قوی ہیکل تھی اور جانور اسکو دیکھکر بدکتے تھے یہ ٹھہرا کہ ایک روز گھاٹ پر یہ پانی پینے آوے تو دوسرے روز اور لوگوں کے جانور چند سے اسپر قوم نے صبر کیا مگر ایک فاحشہ عورت نے جسکی ایک شخص شریر سرکش قیدار نامی سے آشنائی تھی یہ فرمایش کی تو اس اونٹنی کا کام تمام کردے کیونکہ میرے جانوروں کو تکلیف پہونچتی ہے۔ وہ بدبخت اپنے یاروں کو لیکر اس کی تاک میں نکلا اور اس کی کوچین کاٹ ڈالیں اور پھر سب نے تلواروں سے مار مار کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور قوم میں اسکا گوشت بٹا سب نے خوشی سے پکا کر کھایا اور حضرت صالح علیہ السلام پر بڑے ٹھٹھے لگائے مگر حضرت صالح علیہ السلام نے پہلے ہی اس کام سے منع کر دیا تھا اور کہدیا تھا کہ اگر اسکو ہاتھ لگایا تو جان لینا کہ غضب الٰہی آگیا مگر اب تو صاف صاف کہدیا کہ تین روز کی مہلت ہے اگر ایمان لایا جاوے اور توبہ کیجاوے تو کرلو ورنہ ہلاک ہوجاؤ گے اور

علامت ہلاکی یہ ہوگی کہ اول روز تمہارے چہرے زرد ہو جائیں گے دوسرے روز سرخ تیسرے روز سیاہ چنانچہ صبحکو جب اٹھے تو سب کے چہرے زرد تھے۔ یہ دیکھکر قیدار اور اسکے شریر دوستوں کو حضرت صالح علیہ السلام پر بڑا غصہ آیا۔ چاہا کہ عذاب آنے سے پہلے اونٹنی کی طرح انکا بھی کام تمام کر دیا جاوے یہ قصد کرکے نو بد معاش شبخون کی نیت سے حضرت صالح علیہ السلام کے گھر پر رات کو آئے حمایت الٰہی نے حضرت صالح علیہ السلام کو بچا لیا وہ بد معاش صبحکو وہیں مردہ پڑے پائے یہ دیکھکر قوم کو اور بھی جوش آیا اور انکا بدلہ لینے کے لئے حضرت صالح پر حملہ آور ہوئے۔ ادہر حضرت صالح علیہ السلام کی جماعت بھی آمادۂ جنگ ہوگئی۔ آخر یہ فیصلہ ٹھہرا کہ صالح اور انکے اتباع شہر سے باہر نکل جاویں۔ چنانچہ یہ سب لوگ نکل گئے اور رہبانیت کو غنیمت جانا۔ یہ روز انکے چہرے سرخ ہونیکا تھا سب کے منہ لال ہو رہے تھے اگلا روز آیا سب کے منہ سیاہ ہوگئے اور یہ دیکھکر انکو یقین ہوگیا کہ اب ضرور کوئی بلا آنیوالی ہے اسلئے وہ اپنے ان پہاڑوں کے تراشے ہوئے مکانوں میں چلے گئے جنکی نسبت ان کو گمان تھا کہ یہاں نہ بجلی کا اثر پہونچے گا نہ زلزلہ کا نہ بارش کا اتنے میں سیاہ آندھی آئی اور اسکے بعد زلزلہ آیا اور کڑک شروع ہوئی متواتر دو تین بار ایسی ہیبتناک آوازیں آئیں کہ سب کی روح پرواز کر گئی کوئی بھی زندہ باقی نہ بچا۔ عذاب دفع ہونے کے بعد حضرت صالح علیہ السلام اس بدبخت قوم پاس آئے انکی لاشیں اور انکو اوندھے پڑے دیکھکر حسرت بھرے الفاظ میں فرماتے تھے کہ ہائے تمنے میرے کہنے کو نہ مانا اے بدبخت قوم میں نے تمکو بہت سمجھایا مگر تم نہ سمجھے۔

یہ ہے اس قوم کی مختصر سرگذشت جو عرب میں متواتر منقول تھی اور اس واقعے کو کہہ و مہ جانتا تھا یہ شہر کہ جہاں عذاب آیا حجر ہے۔ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک میں صحابہ کے ساتھ حجر سے گزرے تو صحابہ کو اس بدبخت قوم کی جگہ پر ٹھہرنے اور ان کے کنوؤں سے پانی لینے سے بھی منع فرما دیا تھا۔ عرب میں اب تک سیاحوں کو قوم ثمود کے آثار باقیہ شام جاتے آتے دکھائی دیا کرتے ہیں جو اس بدبخت قوم کے حال زار پر عبرت کے آنسوؤں سے رویا کرتے ہیں۔

اسی پر موقوف نہیں اب بھی اسکے قریب قریب حادثات بدبخت قوموں پر گزرتے ہیں مگر وہ اسکو کبھی زلزلہ اور کبھی سمندر کی طغیانی اور کبھی ژالہ باری بجلی کا صدمہ بتایا کرتے ہیں۔ تھوڑے دنوں پہلے یورپ میں آتش فشاں مادے سے بستیاں غارت ہوئیں اور اٹلی وغیرہ بلاد میں زلزلہ سے ہزاروں شخص ہلاک ہوئے شہر اجاڑ ہوگئے آسمانی پتھر برسنے سے ہندوستان میں گاؤں کے گاؤں برباد ہوگئے۔ ہوا نے گاؤں اجاڑ دیئے سیکڑوں آدمی ہلاک ہوئے دریاؤں کی طغیانی سے گاؤں کے گاؤں برباد ہوگئے مگر اب ان واقعات سے عبرت بھی نہیں کیونکہ حال کا علم ان کو اسباب کا فعل کہتا ہے مسبب الاسباب کا قائل نہیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اب ہم آیات کی تفسیر کرتے ہیں جن میں یہ واقعہ مختصراً مذکور ہے اذا انبعث اشقاھا جبکہ اپنی شرارت اور اور نشاط سے اس قوم میں سے بڑا بدبخت کھڑا ہوا اور وہ قیدار بن سالف تھا۔ یہ پاجی پست قد۔ چتکبرا نیلی آنکھوں والا سرخ رنگ۔ بڑا موٹا تازہ شریر اور متکبر شہوت پرست شخص تھا۔ اسی لئے عرب میں یہ مثل مشہور ہوگئی ہے وہوا شام

من قدار کہ فلاں تو قدار سے زیادہ منحوس و بدبخت ہے۔

ہر قوم میں چند ایسے نالایق اور ریچے ہوا کرتے ہیں جو کام لوگوں کے نزدیک بہت ہی برا اور قابل نفرین اولین و آخرین ہو وہ اس کے نزدیک کچھ بھی نہیں ہوتا وہ اسکے لئے تیار ہے۔ چنانچہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا کہ میں بتاؤں تجکو سب سے بڑا شقی علیؓ نے عرض کیا فرمائیے آپ نے فرمایا ایک تو وہ کہ جس نے صالح علیہ السلام کے ناقہ کی کوچین کاٹین اور دوسرا وہ کہ جو تیرے سر پر تلوار مارے گا جس سے تیری ڈاڑھی پر خون بہیگا یہ دونوں سرخ رنگ والے سب سے شقی ہیں (رواہ احمد وابن ابی حاتم والطبرانی وابن مردویہ والحاکم وابونعیم فی الحلیۃ) یہ شخص بھی در حقیقت بڑا ہی بدبخت تھا کس لئے کہ جناب مرتضوی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا پورا نمونہ اور شوکت اسلام کا سرچشمہ تھے گویا اس بدبخت نے ایک خسیس شہوت کے لئے سلسلہ خلافت کو درہم برہم کردیا۔ یہ شخص ابن ملجم خارجی تھا۔ ایک خارجیہ عورت نے کہ جس پر یہ عاشق تھا حضرت مرتضوی کے شہید کرڈالنے کی ترغیب دلائی تھی۔

اسی طرح شمر اور یزید بھی اس شقی سے کم نہیں کہ جنہوں نے دنیائے دنیہ کے لئے جگر گوشہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کس بیرحمی سے شہید کیا۔

جب اس مردود قدار نے ناقہ کی کوچین کاٹنے کا بیڑا اٹھایا تھا تو حضرت صالح علیہ السلام کو اس بدبخت قوم کا ارادہ معلوم ہو گیا تھا اسلئے آپ نے بتاکید فرما دیا تھا فقال لھم رسول اللہ انکے رسول اللہ یعنی حضرت صالح علیہ السلام نے کہدیا تھا ناقۃ اللہ وسقیٰھا خبردار رہنا اللہ کی اونٹنی اور اسکے پانی پینے سے کبھی اسکو برائی سے نہ چھونا نہ پانی پینے سے منع کرنا۔

ف۔ اللہ کی اونٹنی اس لئے کہا گیا کہ وہ خاص معجزہ سے اللہ نے پیدا کی تھی یہ اضافت تشریفی ہے یعنی عزت دینے کے لئے جیسا کہ بیت اللہ ورنہ خدا پاک کا کوئی خاص گھر نہیں کہ جس میں وہ رہا کرتا ہو اور نہ اس کے چڑھنے کی کوئی اونٹنی ہے اور یوں تو دنیا بھر کی اونٹنیاں بلکہ کل چیزیں اسی کی ہیں مگر اس اونٹنی میں یہ خصوصیت تھی کہ وہ اسکی طرف سے آیۃ یعنی نشانی تھی اسکی قدرت کاملہ کا ایک خاص طرز سے پیدا ہونے کے سبب نمونہ تھی۔

مگر وہ بدبخت کب ماننے والے تھے فکذبوہ حضرت صالح علیہ السلام کو جو کچھ انہوں نے اونٹنی کی بابت فرمایا تھا کہ اگر اسکو بری نگاہ سے دیکھو گے تو ہلاک ہو جاؤ گے جھٹلا دیا اور کہدیا کہ یہ بھی ایک ڈھکوسلا ہے کس لئے کہ گناہ کرتے کرتے وہ دلیر ہوگئے دلوں پر سیاہی چھا گئی تھی اس لئے فعقروھا اس بدبخت قوم نے اسکی کوچین کاٹ ڈالیں کوچین تو قدار نے کاٹی تھیں مگر اوروں بھی شریک تھے اس فعل بد سے راضی تھے اسلئے یہ فعل ان سب کی طرف نسبت کیا گیا فدمدم علیھم ربھم پھر تو ان کو ان کے رب نے غارت کردیا بذنبھم یوں ہی نہیں بلکہ انکے گناہ کے سبب جو کفر و تکذیب اور کوچین کاٹنا تھا اور ایسا ہلاک کیا کہ فسوٰھا اس ہلاکت کو سب کے لئے برابر کردیا کوئی بھی ان میں سے نہ بچا چھوٹے بڑے سب ہلاک ہوئے بجز ان لوگوں کے کہ جو حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لائے تھے اور کوئی نہ بچا

ف۱۔ اور اسلئے سورہ قمر میں خاص اس بدبخت کیطرف اس فعل کو نسبت کیا کما قال فتعاطیٰ فعقر اس لئے دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں ۱۲ منہ

ولا یخاف عقبٰہا اور خدا نے تعالیٰ اس ہلاکت کے انجام سے نہیں ڈرتا تھا۔ کس لئے انجام سے ڈرنے کی کئی صورتیں ہوا کرتی ہیں اول یہ کہ بے سوچے سمجھے کر [illegible] کر بیٹھے [illegible] کہ انجام بد کا خوف ہوا کرتا ہے [illegible] کس لئے کہ وہ ہر بات کا انجام اور ابتدا جانتا ہے دوم یہ کہ اس ہلاک شدہ چیز سے کسی منفعت کے فوت ہو جانیکا خوف ہو جیسا کہ کوئی غصہ سے گھر میں آگ دیکر بعد میں پشیمان ہوا کرتا ہے سو وہاں یہ بھی نہیں کہ کس لئے کہ اس نابکار قوم میں کوئی صلاحیت اور قابلیت ہی نہیں رہی تھی جو ان سے کوئی مصلحت یا منفعت متصور ہو سکتی ہو بلکہ یہ ناپاک قوم ایسی تھی کہ جیسے باغ میں خاردار درخت اگ آویں انکے اکھاڑے بغیر چارہ نہیں ہوتا چہ جائیکہ انکے وجود میں کوئی منفعت یا مصلحت ہو۔ سوم، یہ کہ ہلاک شدہ قوم کا کوئی اور قوم یا شخص انتقام لینے والا ہو اس وقت خوف انتقام ہوا کرتا ہے۔ سو خدا پاک کو انکی طرف سے کسی کے انتقام کا بھی خوف نہیں تھا وہ جس قوم یا جس شخص کو برباد کرتا ہے بیدھڑک کرتا ہے۔ اس میں مشرکین کے خیال باطل کا بھی رد ہے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ فلاں بت یا فلاں روح جسکی ہم پرستش کرتے ہیں ہمکو ہر قسم کی مصیبت سے نجات دیگی اور جو کوئی ہمیں ہلاک کردیگا تو وہ ضرور بدلہ لیگا۔ بتلایا جاتا ہے کہ خدا سے کوئی بدلہ لینے والا نہیں۔

بعض علماء نے لایخاف کا فاعل عاقر یعنی کوچیں کاٹنے والے کو قرار دیا ہے۔ یہ سدی اور ضحاک اور کلبی کا قول ہے۔ اس تقدیر پر یہ معنی ہونگے کہ اس بدبخت نے ایسا نڈر ہو کر اس اونٹنی کی کوچیں کاٹیں کہ اس فعل بد کے انجام سے بھی نہیں ڈرا۔ جو صالح علیہ السلام نے فرمایا تھا اسکو جھوٹ جانتا تھا اور حقیقت میں ایسا بڑا فعل جو کوئی بدبخت کرتا ہے وہ انجام کار سے نہیں ڈرتا اگر ڈرے تو کرے کیوں بعض علماء نے فرمایا ہے کہ ضمیر لایخاف کی رسول اللہ یعنی صالح علیہ السلام کی طرف پھرتی ہے کہ جب صالح علیہ السلام ان سے کہتے تھے کہ خبردار ناقۃ اللہ اور اس کے پانی پینے سے تعرض نہ کرو تو اس وقت نہایت بلند حوصلگی سے یہ فرماتے تھے انکو اس قوم کی ہلاکت میں اپنی اور اپنے متبعین کی ہلاکت کا کچھ بھی خوف نہ تھا گویا انکو وعدہ دیا گیا تھا کہ انکے ساتھ تم ہلاک نہ ہوگے اول معنی زیادہ ترجیحان ہیں اور یہی جمہور کا قول ہے۔

اس مختصر سی صورت میں کس انداز اور خوبی سے انسان کی سعادت و شقاوت کا نقشہ کھینچکر دکھایا ہے کہ ایسا نقشہ کھینچنا بشر کی طاقت سے باہر ہے اور ہر آیت کے ہر ایک پہلو میں بے شمار معانی ودیعت رکھے ہیں جو انسان کو اگر ان پر غور کرے شقاوت کے عمیق گڑھے سے نکال کر سعادت کے محل پر بٹھا سکتے ہیں اور لطف یہ کہ کلام میں شان شاہانہ بھی ہے جو کہے دیتی ہے کہ یہ بشر کا کلام نہیں۔ فسبحان من انزل القرآن

سُورَةُ اللَّيْلِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اِحْدٰى وَعِشْرُوْنَ اٰيَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى ۙ وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلّٰى ۙ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنْثٰى ۙ إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ۗ فَأَمَّا مَنْ

قسم ہے رات کی جبکہ چھا جائے اور دن کی جبکہ روشن ہو جائے اور قسم ہے اسکی کہ جس نے نر و مادہ کو بنایا بیشک تمہاری کوشش مختلف ہے پھر جس نے

أَعْطٰى وَاتَّقٰى ۙ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۙ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۗ وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۙ وَكَذَّبَ

(اللہ کی راہ میں) دیا اور پرہیزگاری کی اور نیک بات (کلمہ توحید) کو سچ جانا تو ہم اسکے لئے جنت کی راہیں آسان کر دیں گے اور جس نے کنجوسی کی اور آخرت کی پروا نہ کی اور نیک بات کو

بِالْحُسْنٰى ۙ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ۗ وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗٓ إِذَا تَرَدّٰى ۗ

جھٹلایا۔ تو اسکے لئے ہم جہنم کی راہیں آسان کر دینگے اور اسکا مال اسکے کچھ بھی کام نہ آئیگا جبکہ وہ گڑھے میں پڑیگا۔

ترکیب

واللیل الواو للقسم اذا العامل فیہا معنی القسم والنہار عطف علیہ وما خلق الخ معطوف علی السابق وما مصدریۃ عند مقاتل و المعنی واقسم خلق الذکر والانثیٰ۔ وعند الجمہور موصولۃ اے والذی خلقہما وما بمعنی من فقد اقسم بنفسہ الکریمۃ ان سعیکم لشتی جواب القسم اے عملکم مختلف فمنہ عمل للجنۃ ومنہ عمل للنار او منکم مؤمن ومنکم کافر اوسعی بمعنی عمل وشتی جمع شتیت کمرضی جمع مریض والشتات ہو الافتراق ومعناہ مختلف لتباعد البعض عن البعض۔ وسعیکم مصدر مضاف فیفید العموم فہو جمع معنیً فامامن الخ شرط فسنیسرہ الخ جواب والسین فی الموضعین للتسویف وہو من اللہ محقق والحسنیٰ اے الخصلۃ الحسنیٰ التی تشتمل کل فعل محمود من التوحید والایمان والفرائض والیسریٰ والعسریٰ المراد بہما جماعۃ الاعمال فوجہ التانیث ظاہر وان کان المراد عملا واحدا فوجہ التانیث اے الخلۃ او الفعلۃ او المراد بہا الطریقۃ فکانہ قال للطریقۃ الیسریٰ والعسریٰ وفی تفسیرہا اقوال (۱) المراد بالیسریٰ الجنۃ وبالعسریٰ النار (۲) والمراد بالیسریٰ الخیر بالعسریٰ الشر (۳) المراد بالیسریٰ العود الے الطاعۃ وبالعسریٰ الرجوع الی القبائح کالبخل والتکذیب واتباع الہوی وانما سمیت بالعسریٰ لاعتبار العسر فی ارتکابہا علی اہل السعادۃ اولاعتبار نتائجہا من العذاب

تفسیر

یہ سورہ بھی مکہ میں نازل ہوئی ابن عباس و ابن زبیر کا بھی یہی قول ہے اسمیں اکیس آیات ہیں بیہقی نے اپنی سنن میں جابر بن سمرہؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظہر و عصر میں واللیل اذا یغشیٰ جیسی سورتیں پڑھا کرتے تھے۔
طبرانی نے اپنی کتاب اوسط میں انسؓ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے انکو ایک بار ظہر کی نماز پڑھائی کسیقدر آواز بلند ہوئی تو معلوم ہوا کہ سورہ والشمس وضحاہا اور واللیل اذا یغشیٰ پڑھ رہے ہیں ابی بن کعب نے عرض کیا کہ یا حضرت کیا آپکو اس نماز میں کسی خاص سورہ پڑھنے کا حکم ہوا ہے فرمایا نہیں لیکن میں چاہتا ہوں کہ تمہارے لئے وقت مقرر کر دوں۔

ربط

ربط اس سورۃ کا پہلی سورۃ سے یہ ہے کہ (۱) دونوں سورتوں کے ابتدا میں ان چیزوں کی قسم ہے جو باہم نہایت مناسبت رکھتی ہیں (۲) پہلی سورہ میں نفوس انسانیہ کا اختلاف مذکور تھا کہ بعض کو فجور کا الہام ہوتا ہے تو بعض کو تقویٰ کا اس سورۃ میں بھی یہی تفاوت بیان فرمایا ہے بقولہ ان سعیکم لشتّٰی اور پھر اس کی آگے تفصیل فرمائی ہے بقولہ فاما من اعطیٰ الخ (۳) اس سورہ میں اشقیٰ کا بیان تھا تو اس سورہ میں جماعت اشقیا کا بیان ہے۔

اگرچہ الفاظ سورۃ کے عام ہیں مگر سبب نزول اسکا علماء نے یوں بیان فرمایا ہے کہ مکہ میں دو شخص بڑے مالدار تھے۔ ایک صدیق اکبرؓ دوسرا امیہ بن خلف۔ مگر دونوں کا مال خرچ کرنے میں مختلف طریقہ تھا۔ امیہ کے بہت سے غلام مختلف کاموں پر معین تھے اور ہر قسم سے اسکے پاس مال تھا باوجود اس کے خدا کی راہ میں ایک پیسہ بھی خرچ نہیں کرتا تھا اور جو کسی غلام نے دیدیا تو اسپر آفت آجاتی تھی۔ اور جو کوئی اس سے توشۂ آخرت پیدا کرنے کو کہتا تھا تو یہ کہتا کہ آخرت ہے کہاں اور جو ہوئی بھی تو میرا یہ بے شمار مال اور یہ غلام اور یہ اولاد کافی ہیں مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ان نعیم جنت کی پروا نہیں جنکا وہ فقیروں کنگالوں کو لالچ دلاکر اپنا معتقد بناتا ہے۔ اسکے غلاموں میں سے ایک بلالؓ بھی تھے۔ یہ نیک طینت توحید و ایمان کی دولت سے مالا مال ہو چکے تھے اس بدبخت کو جو خبر ہوئی تو روکنا چاہا اور جب نہ مانا تو طرح طرح سے ایذائیں دینی شروع کیں چنانچہ اول اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ اس کے بدن میں کانٹے اور سوئیاں چبھوؤ۔ پھر عین دوپہر میں مشکیں باندھکر جلتے پتھروں پر چیت لٹادو پھر شام کو اس تنگ مکان میں کہ جہاں سخت گرمی ہو بند کردو اور بعدہ کوڑے مارو چنانچہ ایسا ہی کرتے تھے مگر اس تکلیف کے وقت بلال کے منہ سے احد احد ہی نکلتا تھا کہ اللہ ایک ہے اللہ ایک ہے۔ ایک روز ابوبکر صدیقؓ اس بدبخت کے محلہ میں گئے اس کے گھر میں سے آہ وزاری اور شور و فریاد کی آوازیں سنائی دیں پوچھا کہ یہ کیا واقعہ ہے کسی نے اصل حال سے مطلع کیا کہ بلال کو بجرم اسلام مارتے پیٹتے ہیں۔ صدیق اکبرؓ کو بڑا رحم آیا اور آپ امیہ سے ملے اور کہا تو خدا سے نہیں ڈرتا کس لئے اس بیکس اور غریب کو اتنی تکلیف دیتا ہے اس نے کہا اگر تو خدا ترس اور اسلام کا حامی ہے تو اسکو خرید لے آپ نے فرمایا بہت اچھا کیا مانگتا ہے اس نے کہا اسکے بدلے میں مجھے اپنا غلام نسطاس رومی دیدے یہ رومی غلام بڑا ہوشیار اور قابل تھا دو ہزار دینا اس نے اپنی کمائی سے جمع کر رکھے تھے۔ صدیق اکبرؓ نے نسطاس دیکر بلکہ اور بھی کچھ دیکر بلال کو خریدا اور آنحضرت صلعم کی خدمت شریف میں لائے اور لاکر آزاد کر دیا۔ اسی طرح اور بہت سے غلاموں اور لونڈیوں کو جو مسلمان ہو گئے تھے اور اپنے کافر اور بے رحم مالکوں سے بے انتہا اذیتیں اٹھاتے تھے خرید کر آزاد کیا ازانجملہ عامر بن فہیرہ ہے یہ بڑے اولیاء اللہ میں سے تھے یہ شخص ہجرت میں آنحضرت صلعم کے ساتھ تھے اور جنگ بیر معونہ میں شہید ہوئے۔ ازانجملہ زبیرہ لونڈی ہے جسکو خرید کر آزاد کیا آزادی کے بعد اس کی بینائی جاتی رہی تھی اس کے مالکوں نے طعنہ کے طور سے کہا دیکھی ہمارے لات و عزیٰ کی کرامات تمکو اندھا کر دیا نا اس نے کہا وہ کیا کر سکتے ہیں میرا اللہ ہی اندھا کرتا ہے وہی آنکھوں میں روشنی دیتا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھیں روشن کر دیں۔

صدیق اکبرؓ کے پاس چالیس ہزار درہم تھے بہت تو مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خرچ میں صرف ہوئے اور جو کچھ باقی رہے تھے انکو آکر مدینہ میں صرف کیا جن سے مسجد نبوی کی زمین خریدی گئی اور اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بارہا فرمایا کرتے تھے انّ من امنّ الناس علیّ فی صحبتہ و مالہ ابوبکر ولو کنت متخذا خلیلا لاتخذت ابابکر خلیلاً ولکن اخوة الاسلام و مودتہ (متفق علیہ) کہ سب لوگوں کے جان اور مال سے ابو بکر کا مجھ پر بڑا احسان ہے اگر خدا کے سوا میں اور کو خلیل بناتا تو ابو بکر کو لیکن اخوت اسلامی اور اسکی مودت کافی ہے۔ یہانتک کہ ایک بار جبکہ ابو بکرؓ کے پاس کچھ نہ رہا تو کمبل لپیٹ کر کانٹے کا تکمہ لگا کر آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے اتنے میں جبرئیل بھی نازل ہوئے اور کہا اے محمد صلعم خدا تعالےٰ ابو بکر کو سلام کہتا ہے اور پوچھتا ہے کہ اس فقر میں بھی تو مجھ سے راضی ہے یا کچھ کدورت آگئی۔ یہ سنکر ابو بکرؓ پر ایک وجد کی حالت طاری ہو گئی اور کہنے لگے کہ ہائے ہائے مجھے اپنے مولےٰ سے کدورت ہو؟ اور بار بار اس کلمہ کو کہتے تھے انا عن ربی راضٍ انا عن ربی راضٍ۔ رضی اللہ عنہ۔ حق تعالیٰ اس سورہ میں ان دونوں شخصوں کے معاملات و حالات کا نقشہ کھینچکر سعادت و شقاوت کے دو رستے بتاتا ہے اور بنی آدم کی مختلف کوشش کا مآل کار ظاہر فرماتا ہے سعادت کی طرف نفوس انسانیہ کو ابھارتا ہے۔

فقال واللیل اذا یغشیٰ یعنی قسم ہے رات کی جبکہ چھا جائے یا کہو آفتاب کے نور کو چھپالے اور جہان کو تاریک کر دے اور سبکو ڈھانک لے یہ کنایہ ہے انسان کی اس ظلمانی حالت سے جو اس کے نور روحانی اور نور قلب کو چھپا کر اسکے اندرونہ جہان میں اندھیرا کر دیتی ہے اور اس سے پھر گوناگوں افعال بد سرزد ہوتے ہیں جیسا کہ رات میں اندھیرے کے سبب چوروں زناکاروں جادوگروں کو موقع ملتا ہے اسی طرح اس اندھیری میں شیطان اور نفس امارہ کے چوروں قزاقوں کو اپنی کارروائی کا موقع ملتا ہے اور رات دنیا میں ایک انقلاب عظیم بھی ہے اور موت اور قیامت کا بھی پورا نمونہ ہے کس لئے کہ رات میں یکے بعد دیگر باتیں کرتے کرتے سو جاتے ہیں تھوڑی دیر کے بعد سناٹا ہو جاتا ہے سب مردوں کیطرح فرشوں پر بیخبر لیٹے ہوتے ہیں نہ اسوقت اپنے مال کی خبر ہوتی ہے نہ اولاد کی نہ کسی کے نیک و بد کہنے کی یہی حال خواب عدم کا ہے یکے بعد دیگر مرجاتے ہیں سب کو یہیں چھوڑ جاتے ہیں ایک عرصہ کے بعد اسکے ہمعصروں میں سے کوئی انسان کیا جانور بھی باقی نہیں رہتا سب پر خواب عدم طاری ہو جاتا ہے اس لحاظ سے یہ ایک بڑی نشانی قدرت کاملہ کی ہے اس لئے اسکی قسم کھائی گئی والنہار اذا تجلیٰ اور قسم ہے دن کی جبکہ روشن ہو جائے یہ اسکی قدرت کاملہ کی دوسری نشانی ہے کہ اب دوسری حالت پلٹ دی جو بے خبر پڑے سوتے تھے جاگ اٹھے اور پھر ہائے ہو ہونے لگی۔ پرند چہچہانے لگے چرند جنگل کی طرف جانے لگے ہر ایک کاروبار والا اپنے کار کی طرف چلنے لگا مسافر کمر باندھنے لگے۔ یہ حشر کا نمونہ ہے۔ اور اس میں انسان کی اس نورانی حالت کیطرف اشارہ ہے جبکہ اس میں آفتاب روح جلوہ گر ہوتا ہے اور رات کے چور بدمعاش بھاگنے لگتے ہیں اور نیک کاموں کیطرف اسکے ارادوں کے لوگ دوڑنے لگتے ہیں چنانچہ آگے انہیں دونوں حالتوں کی طرف ایماء ہوتا ہے کہ ہم ایمانداروں نیکوکاروں کو نیکی کا رستہ آسان کر دیتے ہیں اور بے ایمانوں بدکاروں کو بدی کا رستہ آسان کر دیتے ہیں۔ رات دن بھی نر و مادہ سے مشابہت رکھتے ہیں اور انکے افعال و خواص میں بڑا اختلاف ہے ہر ایک کی کوشش مختلف ہے اسی طرح مخلوق میں نر و مادہ کا حال ہے اسلئے اسکے بعد نر و مادہ کی بھی قسم کھاتا ہے فقال وما خلق الذکر والانثیٰ اور قسم ہے نر و مادہ پیدا کرنے کی۔ یا یوں کہو کہ قسم ہے اس ذات پاک کی (یعنی اپنی) کہ جس نے نر و مادہ پیدا کیا

لغة میں اپنے رب سے خوش ہوں میں اپنے رب سے خوش ہوں ۱۲ منہ

بعض کہتے ہیں نر سے خاص آدم علیہ السلام اور مادہ سے حضرت حوا مراد ہیں جو تمام بنی آدم کی اصل ہیں۔ بعض کہتے ہیں ہر ایک نر و مادہ ہے خواہ انسانی ہو خواہ حیوانی خواہ اور مخلوق کی یہ بھی اسکی قدرت کاملہ کی بڑی نشانی ہو کس لئے کہ نر و مادہ کا ایک ہی مادہ ہے یعنی ایک ہی تخم سے پیدا ہوتے ہیں پھر وہ کون ہے کہ اسی سے کسی کو نر اور کسی کو مادہ کر دیتا ہے۔ حیوانات و انسان کے ہر صنف و نوع میں یہی قانون جاری ہے پھر نر اور مادہ میں جو جو چیزیں ہونی چاہیئے تھیں وہ سب ہر ایک موقع سے پیدا کیں۔ اعضاء انسانی کے تناسب کو اگر بغور دیکھا جاوے تو عقل حیران ہو جاوے ماں کے ستر مخصوص کو جو ایک شرم کی چیز ہے کس موقع پر پیدا کیا اور اسکے ہاتھ پاؤں میں حتیٰ کے سر کے بالوں اور دیگر بدن کے صاف ہونے میں کیا مصلحتیں ملحوظ رکھی ہیں۔ پھر اندرونی اعضاء توالد و تناسل میں کیا کیا کاریگریاں کی ہیں پھر اسکے قویٰ و عادات و افعال طبعیہ میں کیا کیا مصلحتیں رکھی ہیں۔ اگر نر و مادہ نہ ہوتے سب نر ہوتے یا سب مادہ ہوتے تو کیا کیا مشکلیں پیش آتیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ نر و مادہ میں ایک مقناطیسی کشش ایسی رکھی ہے کہ جس نے ایک کو دوسرے کا فریفتہ کر دیا ہے۔ اور اس میں اشارہ ہے کہ جس طرح نر و مادہ کے تخم میں نر و مادہ ہونے کی صلاحیت رکھی ہوئی ہے اسی طرح ہر ایک میں خیر و شر نقصان و کمال کی بھی قابلیت پیدا کی ہے اور جس طرح نر و مادہ کے میل سے اولاد پیدا ہوتی ہے اسی طرح انسانی قویٰ کے باہمی اختلاط سے بھی عجائب و غرائب ثمرات پیدا ہوتے ہیں اگر خیر کی طرف ہے تو فرشتوں سے جا ملتا ہے اور شر کی طرف ہے تو شیاطین سے بھی بڑا ہوتا ہے اور مگران کی جماعت میں جا ملتا ہے۔ اور اسی کی اصلاح کے لئے حضرات انبیاء علیہم السلام دنیا میں بھیجے گئے ہیں جس طرح رات اور دن کی کوشش اور افعال و خواص میں اختلاف ہے اسی طرح نر و مادہ کی بھی۔ نر کا مقتضے طبعی اور مادہ کا اور۔ اسی لئے اس مناسبت سے ان چیزوں کی قسم کھا کر فرماتا ہے ان سعیکم لشتیٰ کہ اے بنی آدم اعمال و اشغال میں تمہاری کوشش و ہمت اور جد و جہد گوناگوں ہے۔ ہر چند یہ بات ذکر و انثیٰ کی پیدائش سے عیاں تھی مگر اسکے بعد اسکا ذکر کرنا گویا دعوی کو مع دلیل ذکر کرنا ہے پھر کسی کی کوشش رات کی طرح ظلمانی ہے برے کام کرتا ہے اور کسی کی دن کی طرح نورانی ہے اچھے کاموں میں سرگرمی کر رہا ہے پھر کوئی اپنی کوشش میں مرد میدان ہے تو کوئی نامرد اور زن ہے اور پھر کسی کی کوشش مردانہ ہے زبون اور دنیائے دوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتا سعادت کے بلند مقامات ہی کے طے کرنے کے درپے رہتا ہے اور کسی کی کوشش زنانہ ہے دنیا کی خسیس چیزوں پر مر رہا ہے لذائذ فانیہ پر فریفتہ ہے حیات کے سبز باغ پر شیدا ہے۔ کوئی ہے کہ رات دن مال و زر کے جمع کرنے میں لگا ہوا ہے نہ اسکو دن میں چین نہ رات کو راحت نہ کھانے پینے پہننے کا خیال۔ نہ کبھی یہ خیال آتا ہے کہ ایک روز مرنا اور ان سب کو چھوڑ جانا ہے اور جب اس دولت سے کوئی تمتع ہی نہیں تو پھر کس کام آوے گی۔ اور کوئی ہے کہ اسکی ہمت مردانہ کے نزدیک مال و زر تو کیا دنیا کی سلطنت بھی کوئی چیز نہیں وہ سمجھتا ہے کہ چند روزہ مہمان ہوں جہاں سدا رہنا ہے راحت و عزت ہو تو وہاں کے لئے ہو یہاں آرام سے گزر گئی تو کیا تکلیف سے گزر گئی تو کیا۔ ؎ شب تنور گزشت و شب سمور گزشت ✤ اسکے بعد ان مختلف مساعی کے نتائج مختلف بیان فرماتا ہے فاما من اعطیٰ کہ جس نے اللہ کی راہ میں دیا حتی المقدور سب نیک کاموں میں خرچ کیا یہ زکوٰۃ و صدقات کو بھی شامل ہے اور ہر قسم کی خیرات کو بھی یہ وہ پہلا کام ہے کہ جسکی خوبی پر تمام مذاہب اور دنیا بھر کے عقلا کا اتفاق ہے دوم واتقیٰ اور برائیوں سے بھی بچا ظلم و ستم زنا کاری جھوٹ بولنا کسی پر اتہام لگانا ناحق قتل کرنا چوری کرنا۔ ماں باپ کی نافرمانی کرنا وغیرہ کبائر

سے دور رہا جیسیں دیگر فقیر مسکین و اہل قرابت پر احسان جتلانا یا ریاکاری کے لئے دنیا بھی آگیا۔ الغرض پرہیزگاری کی۔ کس لئے کہ ثنیئے
کے بعد افعال قبیحہ سے بچنا بھی شرط ہے۔ یہ وہ دوسری بات ہے جسکو اکثر کیا بلکہ کل مذاہب مانتے ہیں۔ خیر یہاں تک
قوت عملیہ کی اصلاح تھی۔ عبادت مالی اور بدنی سے اور نیز بری باتوں کے عمل میں لانے سے۔ مگر ان سب کے بعد عقائد کا درست
کرنا بھی ضرور ہے یعنی قوت نظریہ کا یا کہو عمل کے بعد علم کی صلاح اس لئے فرماتا ہے وصدق بالحسنیٰ اور اسی نے نیک باتوں کو سچ
بھی جانا ہو جیسا کہ حق سبحانہ اور اسکے صفات کاملہ۔ اور حضرات انبیاء علیہم السلام اور قیامت اور آسمانی کتابوں کی تصدیق
یا جو کچھ انبیاء نے فرمایا اسکی تصدیق جسکو ایمان کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں حسنیٰ کلمۂ توحید ہے۔ اس بات کو عقلاء و حکماء
بھی مانتے ہیں کہ مرنے کے بعد انسان کی روح باقی رہتی ہے اور وہ ایک دوسرے جہان میں جاتی ہے جہان اس کے علم
(دگیان) کے موافق بشرطیکہ وہ علم صحیح ہو کیونکہ یا تو علم ہی نہوا اور ہوا تو خلاف واقع کے ہوا کہ بات تھی کچھ اور اس نے جان
لی کچھ اور جسکو جہل مرکب کہتے ہیں تو روح پر تاریکی طاری ہوتی ہے۔ اور یہ تاریکی رنج و غم اور جہنم ہے۔ اور اگر علم ہے اور علم بھی
علم صحیح تو یہ ایک نور ہے جو راحت و سرور و جنت و سرگ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ انتہیٰ قولہم۔

لیکن یہی بات تو قابل بحث ہے کہ مطابق واقع کیا ہے اور خلاف واقع کیا اعتقاد ہے کس لئے کہ مشرکین اور مذاہب باطلہ
اپنے من گھڑت خیالات و توہمات کو اعتقاد کامل اور علم مطابق واقع سمجھا کرتے ہیں اور اپنے مخالف کے اعتقاد کو جہل مرکب
اس بات کا فیصلہ بھی انہیں الفاظ میں کر دیا کیونکہ جنکی تصدیق کرنی چاہئے یا یوں کہو جن پر ایمان لانا چاہئے اُن کو
حسنیٰ کے لفظ سے تعبیر کر کے بتا دیا کہ ایمان لانے کے قابل وہی باتیں ہیں جو عمدہ اور خوب ہوں اب ہر ایک بات کی عمدگی اور
خوبی کی پہچان دو ہی باتوں پر منحصر ہے اوّل یہ کہ کوئی مسلم شخص جسکے علم و انکشاف کو ایک عالم نے تسلیم کر لیا ہو ان کو عمدہ
کہے دوم یہ کہ عقل سلیم کے حوالے کر کے (جبکہ عوارض وہم اس سے دور ہوں) دریافت کیا جاوے کہ ان میں حسن و خوبی یعنی راستی
بھی ہے کہ نہیں وہ شخص کہ جو مسلم ہے بنی ہے کیونکہ اسکا علم و انکشاف اور لوگوں کے علم و انکشاف سے خواہ وہ کیسے ہی مرتاض
ہوں بدرجہا فائق ہے پس اسکے فرمودہ عقائد حسنیٰ ہیں اور نیز عقل سلیم بھی انکی عمدگی پر شہادت دے رہی ہے مثلاً خدا کی توحید
اور صفات میں یکتائی حسنیٰ ہے نہ کہ تثلیث علیٰ ہذا القیاس عمل کے متعلق جو کچھ انہوں نے فرمایا خدا کی عبادت و خیرات جملہ
بری باتوں سے پرہیزگاری اب یہ تین باتیں ہوئیں پھر جس نے ان تین باتوں کے حاصل کرنے میں کوشش اور ہمت کی تو
فسنیسرہ للیسریٰ ہم اسکے لئے یسریٰ کو آسان کر دینگے۔ یسریٰ سے مراد آسان طریقہ وصول الی اللہ اور وصول الی الجنۃ کا ہے اور
وہ طریقہ آسان شرع محمدی ہے علیہ السلام کس لئے کہ اگر بغور دیکھو گے تو ہر طریقہ میں دقت و دشواری پاؤ گے برخلاف
شریعت کے یعنی ہم اسکو اس نیک رستہ پر چلنے کی توفیق عطا کریں گے۔ جب انسان کوئی کام بار بار کرتا ہے تو اسکا ملکہ پیدا
ہو جاتا ہے اگر نیک کاموں کی عادت ڈالے گا جنکا ذکر ہوا تو ایک نورانی ملکہ پیدا ہو گا جس سے اسکو ہر نیک کام آسان معلوم ہو گا
اور پھر مرنے کے بعد یہی ملکہ بارگاہ قدس اور عالم باقی میں پہنچانے کا ذریعہ ہو جاوے گا اور یہی ملکہ قبر کی روشنی اور
پلصراط کا نور اور میدان حشر میں سایہ اور نجات کے لئے وسیل ہے واما من بخل اور جو بخل کرتا ہے اللہ کی راہ میں کچھ نہیں دیتا
مال کی محبت کی جڑ اس کے دل پر ہے یہ اول صفت کی ضد ہوا استغنیٰ اور بے پروائی بھی کی یعنے پرہیزگاری نہ کی بلکہ بے پروائی اور تکبر سے

برے کام کرنے لگا۔ قوت عملیہ بگاڑلی یہ دوسری صفت کی ضد ہے وکذب بالحسنیٰ اور نیک باتوں کو جھٹلا دیا نہ اللہ تعالیٰ کا قائل رہا اور قائل ہوا تو توحید کا قائل نہیں نہ اور صفات حمیدہ کا نہ دار آخرت کا اور نہ اعمال کی جزا کا قائل نہ انبیاء علیہم السلام کا قائل یہ تیسری صفت کی ضد ہے اب اس شخص میں بدی کا پورا ملکہ پیدا ہو گیا جو سخت ظلمانی ملکہ ہے فسنیسرہ للعسریٰ تو اسکے لئے ہر عمل بد خواہ کیسا ہی سخت اور مشکل ہو آسان ہو جاتا ہے جس میں ملکہ خیر ہے اگر اس سے کہو چوری کر یا زنا کر یا فلاں کو مار ڈال وہ کبھی نہ کرسکے گا اور یہ کام اسکو پہاڑ معلوم ہوگا اور کہو تہجد کی نماز پڑھا کر اللہ کی راہ میں غرباء و مساکین کو دیا کر وہ اسکو بہت ہی آسان کام جانے گا اور جس میں بد ملکہ پیدا ہو گیا ہے اسکا معاملہ برعکس ہو جاتا ہے۔ تمام عمر زنا کرے گا اور یہ اس کے نزدیک آسان کام ہے اگر کہو نکاح کر لے نہ کرے گا یہ مشکل کام ہے ناحق قتل کر ڈالنا رات کو چوری کرنا سردی اور برسات کی تکلیف اٹھانا یا رات بھر ناچنا اور رات بھر محفل رقص و سرود میں جاگنا آسان مگر آدھ گھنٹہ بھی عبادت کے لئے جاگنا اور وضو کی تکلیف اٹھانا پہاڑ سے بھاری۔ فواحش کو ہزاروں روپیہ دے ڈالنا آسان۔ اللہ کی راہ میں دو پیسے بھی دینا سخت مشکل۔ یہ ملکہ ظلمانی جسکے سبب خدا نے تمام بد راہوں کے لئے برے کام آسان کر دیئے قبر میں عذاب اور حشر میں جہنم اور طوق و زنجیر ہے۔ اعاذنا اللہ منہا۔ اول ملکہ دن روشن سے اور دوسرا چھا جانے والی رات سے مشابہ ہے اول کا صاحب نر دوسرے کا صاحب مادہ ہے مگر وہ بد بخت جو مال میں بخل کرتا تھا اور نیک کام میں صرف نہ کرتا تھا نہ آپ فائدہ اٹھاتا تھا وما یغنی عنہ مالہ اذا تردیٰ اوسکے مرنے کے بعد وہ کس کام آئے گا وہ تو اوروں کے ہاتھ میں چلا جائے گا۔ یا یوں کہو جبکہ جہنم کے عمیق گڑھے میں گرے گا تب وہ مال کیا کام آئے گا پھر اس پر اسقدر فریفتگی۔

ف جس طرح تزکیہ اور کمال کے لئے تین وصف بیان فرمائے تھے ایک اعطیٰ اللہ کی راہ میں دینا دوم واتقیٰ پرہیز گاری سوم وصدق بالحسنیٰ درستی اعتقادات و ایمان اسی طرح نقصان وتلویث کے لئے ان تین وصفوں کے مقابلہ میں تین صفت رذیلہ بیان فرمائے بخل اعطیٰ کے مقابلہ میں بخل بھی بڑا ہی عیب ہے۔ بخیل کے ہنر بھی عیب معلوم ہوا کرتے ہیں اسکے دوست دشمن ہو جاتے ہیں خلائق میں اس سے نفرت پیدا ہو جاتی کوئی بھلائی سے یاد نہیں کرتا۔ عالم بالا میں یہ حقیر شمار ہوتا ہے اور اتقیٰ کے مقابلہ میں واستغنیٰ تجبر و احکام الٰہی سے بے پروائی گناہوں اور برے کاموں سے بے پرواہ ہو کر عمل میں لانا معاذ اللہ فاسق و بدکار بھی مخلوق میں گھنونا ہو جاتا ہے اسکے کسی کام میں برکت نہیں ہوتی عالم قدس کے لوگ اس سے نفرت کرتے ہیں اسکی دعا کو قبولیت نہیں۔ عمر و مال میں برکت نہیں ہوتی آخرت میں سخت عذاب میں مبتلا ہوتا ہے اور صدق بالحسنیٰ یعنے ایمان کے مقابلہ میں کذب بالحسنیٰ بے ایمانی کافر و بد عقیدہ تو خدا کا دشمن اور سخت مقہور ہوتا ہے اس کے کسی نیک کام کا بھی آخرت میں ثمرہ نہیں ملتا کیونکہ آخرت کا اعتقاد نہیں۔ اب درمیانی تیسرا امر تہ رہ گیا کہ اس میں بعض صفات حمیدہ ہیں تو بعض رذیلہ اسکو مخاطبین کے فہم پر چھوڑ دیا کہ وہ آپ سمجھ لیں گے اگر ایمان ہے تو قصور عمل سے آخرکار نجات ہے۔

إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدَىٰ ۞ وَإِنَّ لَنَا لَلْآخِرَةَ وَالْأُولَىٰ ۞ فَأَنذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظَّىٰ ۞ لَا يَصْلَاهَا إِلَّا الْأَشْقَى ۞

ہم پر تو صرف رہنمائی کر دینا ہے اور آخرت اور دنیا (دونوں) ہمارے ہی بس میں ہیں پس میں نے تو تمکو دہکتی آگ سے خبردار کر دیا ہے جس میں صرف وہی بدبخت داخل ہوگا۔

الَّذِي كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ۞ وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ۞ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّىٰ ۞ وَمَا لِأَحَدٍ عِندَهُ مِن نِّعْمَةٍ

جو دین حق کو جھٹلاتا اور منہ موڑتا رہا۔ اور اس آگ سے وہ پرہیزگار دور رہیگا جو اپنا مال پاکیزگی حاصل کرنیکو دیا کرتا ہو اور اسپر کسیکا کوئی احسان بھی نہیں کہ جس کا

تُجْزَىٰ ۞ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَىٰ ۞ وَلَسَوْفَ يَرْضَىٰ ۞

بدلہ اتارتا ہو۔ وہ تو صرف اپنے عالیشان خدا کی رضامندی کیلئے دیا کرتا ہے۔ اور وہ عنقریب خوش ہو جاوے گا

ع ۱۷

ترکیب

للهدى اسم ان علینا خبرہا۔ اے علینا ان نبین طریق الہدی من طریق الضلال وقد فعلنا ذلک حیث بینا طریق کلا الفریقین ترغیباً وترہیباً۔ قالہ الزجاج للآخرۃ معطوف علیہ والاولیٰ معطوف وکلاہما اسم ان لنا خبرہا والجملۃ معطوفۃ علے الجملۃ السابقۃ ومعناہ لنا کل ما فی الآخرۃ وکل ما فے الدنیا فمن ارادہما فلیطلب منا تلظّی صفۃ نار وصلہ تتلظّی فحذفت احدی التائین تخفیفاً وقری علی الاصل ومعناہ تتوقد وتتلہب یقال تلظت النار تلظیا ومنہ سمیت جہنم لظی لا یصلاہا الجملۃ صفۃ نار۔ وہو بیان لمن ہی۔ الا الاشقی استثناء متصل اے لا یدخلہا دخولا مؤبدا احد الا الاشقی۔ وہو الکافر والمشرک الذی کذب وتولی وصف للاشقی الذی یؤتی مالہ صفۃ للاتقی یتزکی فی محل نصب علے الحال من فاعل یؤتی اے حال کونہ طالبا للزکاۃ وہی طہارۃ النفس۔ ویجوز ان یکون بدلا من یؤتی داخلا معہ فی حکم الصلۃ وما لاحد الخ الجملۃ حال من فاعل یؤتی وقیل مستانفۃ لتقریر ما قبلہا من کون التزکی خالصا للہ لا علے سبیل المعاوضۃ۔ تجزی صفۃ نعمۃ اے لیس علے ہذا المؤتی احسان احد یجزی بہ الا ابتغاء الخ قرا الجمہور بالنصب علے الاستثناء المنقطع لعدم اندراجہ تحت جنس النعمۃ وقیل مفعول لہ علے المعنے اے لا یؤتی الا لابتغاء وجہ ربہ لا لمکافاۃ نعمتہ۔ وقری بالرفع علے البدل من محل نعمتہ لان محلہا الرفع اما علے الفاعلیۃ واما علے الابتداء ومن مزیدۃ ولسوف اللام موطئۃ للقسم اے وتاللہ لسوف یرضی بالعطیۃ من الاجر العظیم۔

تفسیر

پہلے بیان سے جو اس بابت تھا کہ خیرات اور پرہیزگاری اور ایمان لانے والے کے لئے نیکی کا رستہ آسان کر دیتے ہیں اور ان تینوں باتوں کے خلاف کرنے والے کے لئے برائی کا رستہ آسان کر دیتے ہیں جو سخت ہے، یہ شبہ پیدا ہوتا تھا کہ جب اسی کے ہاتھ میں ہے تو پھر آپ ہی کیوں ہدایت نہیں کر دیتا۔ رسولوں کے بھیجنے اور کتابوں کے نازل کرنے سے کیا فائدہ؟ اسکا جواب دو جملوں میں دیا جاتا ہے اول ان علینا للهدى کہ بندوں کی رہنمائی کرنا ہمارا ذمہ ہے ہم نے اپنی رحمت سے اپنے اوپر واجب کر لیا ہے۔ اس لئے اول حواس خمسہ ظاہری اور حواس خمسہ باطنی عطا کئے۔ عقل و ادراک دیا جو نیک و بد میں امتیاز کرتا ہے اس کے بعد رسول بھیجے کتابیں نازل کیں پھر رسولوں کے جانشین علماء وائمہ و اولیاء و مرشدان دین و واعظان پر گو قائم کئے اور حوادث دہر اور تغیرات عالم بلکہ انکے حالات کے عبرت خیز نشان قایم کئے تاکہ باختیار و ارادہ نیک رستہ کو اختیار

شبہ

جواب

کریں برے رستہ کو چھوڑیں۔ اور یہ ہمارا ذمہ نہیں کہ زبردستی سے کسی کو بے ارادہ و اختیار ہدایت پر لاویں بلکہ دونوں رستوں پر چلنا چلنے والے کے اختیار و ارادہ پر چھوڑ دیا اگر ایسا نہ ہوتا تو نافرمان اور مطیع اور نیک و بد میں کچھ فرق نہ رہتا اور انسان حجر و شجر کی طرح مجبور سمجھا جاتا اور انسان کو قدرت و اختیار دے کر اس عالم میں بھیجنے کا منشاء غلط ہو جاتا۔ رہی توفیق جو انسان کے ارادہ اور اختیار سے متعلق ہے وہ ضرور ہمارے ہاتھ میں ہے۔ اور یہ کس لئے کہ وان لنا للاٰخرۃ والاولیٰ دنیا اور آخرت ہماری ہے ہمیں ان کے مالک و خالق و بادشاہ ہیں ایک ذرہ بھی ہمارے ارادہ اور قدرت اور قضا و قدر کے بغیر عالم وجود میں نہیں آسکتا۔ بندہ اور اس کے افعال اور جو کچھ راحت و رنج دنیا میں ہے وہ ہمارے اختیار و ارادہ سے موجود ہوتا ہے۔ اور جو کچھ آخرت میں نعیم جنت اور عذاب دوزخ ہے وہ بھی ہمارا ہی مخلوق و مملوک ہے۔ اور اسی لئے جو ہم سے دنیا مانگتا ہے اور جائز و ناجائز طور پر اسی کے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں کہ تمہاری کوششیں مختلف ہیں تو اسکو ہم جسقدر چاہتے ہیں دنیا کی کامیابی عطا کرتے ہیں اور جو عقبیٰ کی نعمتوں کے طالب اور حیات جاودانی اور سلطنت آسمانی کے خواہاں ہیں اور اسکے لئے سعی کوشش کرتے ہیں ان کو ہم وہ عطا کرتے ہیں دونوں جہان ہمارے ہیں جو جسکا طالب ہو اس کے لئے آدے اور حاصل کرلے اس شبہ کو ان دونوں جملوں سے دفع کر دیا اور جبر و قدر والوں کو باطل کر کے درمیانی صاف اور سیدھا رستہ بتا دیا۔

اور جبکہ ہدایت کرنا ہمارا ذمہ ہے اس لئے فانذرتکم نارًا تلظّٰی ہم نے تمکو اے بنی آدم اس شعلہ مارتی آگ سے خبردار اور متنبہ کر دیا ہے۔ اور یہ آگ مرنے کے بعد ایک دوسرے جہان میں کہ جہاں سب کو جانا ہے موجود ہے۔ اور قیامت کے روز سب پر ظاہر ہو جاوے گی رحیم و کریم ہوں یوں ہی اس میں اپنے بندوں کو نہیں جھونک دونگا بلکہ لا یصلاھا الا الاشقی اس میں بجز بڑے بدبخت کے اور کوئی نہیں پڑے گا۔ اب اشقیٰ کی آپ ہی تفسیر بھی بیان فرماتا ہے الذی کذب وتولّٰی کہ اشقیٰ وہ ہے جس نے اللہ کے رسولوں اور اسکی فرسودہ باتوں کو جھٹلایا جنمیں سے مرنے کے بعد اعمال نیک و بد کی جزا و سزا بھی ہے اور جب جھٹلا دیا اور باور نہ کیا تو اس نے نیک کاموں سے منہ موڑ لیا یہ وہی شخص ہے کہ جسکے لئے عسریٰ یعنی بدی کا رستہ آسان کر دیا گیا تھا اور برے کام گو بظاہر مزے دار تھے مگر انکا انجام یہ آگ ہے اس لئے انکو عسریٰ کہا گیا۔ اور یا اسلئے کہ کذب بالحسنیٰ کی جگہ تو کذب موجود ہے جو اس سے بھی عام ہے اور تولّٰی کی تفسیر بخل و استغنیٰ ہو سکتی ہے۔

ف علماء اہل سنت والجماعت کے نزدیک گناہگار مومن کو بھی آخرت میں عذاب النار ہوگا اگر اللہ معاف نہ کر دے گا مگر فرقہ مرجیہ کہتا ہے کہ ایمان کے بعد کوئی ایسا گناہ نہیں جس سے جہنم میں جاوے۔ ہاں گناہوں کے سبب جنت میں درجات عالیہ نصیب نہونگے اس لئے گناہگار مومن اور نیک مومن برابر نہیں۔ اور دلیل انکی یہ آیت اور اس قسم کی دیگر آیات ہیں اور یہ اس لئے کہ اشقیٰ سے مراد کافر و مشرک ہی ہے کیونکہ بدبختی کی دو قسم ہیں۔ اول دنیا کی بدبختی بیماری تنگ دستی مرگ احبہ شکست و ناکامی وغیرہ سو یہ بدبختی دنیا ہی میں تمام ہو چکتی ہے۔ آخرت میں اسکا کوئی اثر نہیں پہونچتا دوسری عقبیٰ کی بدبختی پھر وہ دو قسم ہے ایک یہ کہ ایمان تو ہے مگر برے اعمال کرنے سے یا عبادات و فرائض میں سستی کرنے سے بدبختی پیدا ہوئی جس کا نتیجہ درجات عالیہ سے حرمان ہے اور اسی لئے اسکو شقی کہتے ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ اسکے ساتھ ایمان

بھی نہیں بلکہ الہام الٰہی کی تکذیب بھی کرتا ہے سو یہ الشقی یعنی بڑا بدبخت ہے اوسی کے لئے خدا پاک نے جہنم میں جانا بیان فرمایا ہے اور یہ عرف شرع میں کافر و مشرک ہے کس لئے کہ کذب اسی پر صادق آتا ہے نہ مومن گناہگار پر کس لئے کہ وہ تکذیب نہیں کرتا اللہ اور اسکے رسولوں کی سب باتوں کو سچ جانتا ہے مگر خواہش نفسانی یا غفلت و سستی سے گناہ کرتا ہے۔

علماء اہل سنت انکے جواب میں دو باتیں بیان فرماتے ہیں اول یہ کہ جو گناہگار مومن جہنم میں داخل ہوگا وہ وہاں سدا نہ رہے گا چند روز سزا ہوگی سو ایسا داخل ہونا کچھ داخل ہونا نہیں کس لئے کہ آیت میں داخل ہونے سے ہمیشہ کے لئے داخل ہونا مراد ہے۔ دوم یہ کہ نارا تلظّٰی تو خاص کافروں کے لئے ہے اور گناہگار مومن جس آگ میں داخل ہوگا تو وہ اور آگ ہوگی جو اس آگ کے آگے کچھ بھی نہ ہوگی وسیجنبہا الاتقی اور اس آگ سے عنقریب بڑا پرہیزگار دور رہے گا اب اس اتقیٰ کی تفسیر بیان فرماتا ہے فقال الذی یوتی مالہ یتزکّٰی کہ وہ جو اپنا مال خرچ کرتا ہے فقراء و مساکین کو دیتا ہے ریاکاری اور نمود یا غرض دنیاوی کے لئے نہیں بلکہ طہارت اور پاکیزگی حاصل کرنے کے لئے اور اپنے درجات کی دمبدم ترقی کے لئے۔ زکوٰۃ کے معنی پاکیزگی کے بھی ہیں اور افزایش و زیادہ کرنے یا ہونے کے بھی ہیں اس جگہ دونوں معنی صادق آتے ہیں کس لئے کہ اتقیٰ اپنا مال محض رضاء الٰہی کے لئے خرچ کیا کرتا ہے جیسا کہ آگے آتا ہے اور رضاء الٰہی میں صرف کرنے سے درجات و تقربات میں ترقی و افزایش بھی ہوتی ہے کیونکہ اس شجر تقرب کے لئے یہ عبادت پانی اور ہوا ہے جس سے یہ درخت بڑھتا ہے اور نیز اسکو ایک قسم کی نورانیت قلب حاصل ہوتی ہے جسکو انشراح کہنا چاہئے اور یہ نجاست بخل اور کدورات طمع و ظلمت حب مال سے پوری پاکیزگی ہے۔ پھر اس تزکی کی تشریح کرتا ہے وما لاحد عندہ من نعمۃ تجزیٰ یعنے اسکو کسی کا دینا نہیں آتا جو اسکے بدلہ میں دیتا ہو کسی کی نعمت و احسان کا بدلہ نہیں اتارتا الا ابتغاء وجہ ربہ الاعلیٰ بلکہ محض اپنے خدائے برتر کی ذات کی خواہش میں یعنی خاص اسی کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے دیتا ہے اور کوئی غرض نہیں۔ پھر اس اتقیٰ کا دار آخرت میں کیا انجام ہوگا؟ آپ ہی بیان فرماتا ہے ولسوف یرضیٰ قسم ہے کہ وہ بہت جلد راضی ہو جاوے گا یعنے دار آخرت میں اسقدر نعمتیں اور اس جہان کی خوبیاں اسکو عطا ہونگی کہ راضی ہو جاوے گا اپنے صرف کرنے اور خدائے پاک و برتر کی رضامندی حاصل کرنے سے پچھتاویگا نہیں بلکہ خوش ہوگا۔ اور سوف کے معنی ہیں آیندہ کے۔ یہ اسلئے کہ یہ سب کچھ دار آخرت میں ہوگا جسکا شروع موت ہے۔ یہ اسلئے فرمایا کہ دنیا میں خیرات کا اگر کسی مصلحت سے بدلہ نہ ملے تو دل تنگ نہ ہو کس لئے کہ دنیا اس وعدہ پورا کرنے کی جگہ نہیں اگر ایسا ہو تو لالچ کے مارے ہر بخیل بھی خرچ کرنے پر تیار ہو جاوے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ بسا اوقات اللہ کی راہ میں صرف کرنے والے کے مال میں برکت ہوتی ہے مصائب سے محفوظ رکھا جاتا ہے۔

ف عرف شرع میں اتقیٰ اسکو کہتے ہیں جو مومن صغائر و کبائر سے پاک ہو۔ اور جو اتفاقاً کوئی گناہ سرزد ہو جاوے تو توبہ و استغفار صدق دل سے کرے اور نہایت ندامت کرے۔ اور صوفیہ کرام کے نزدیک اس کے بعد خطرات اور توجہ الی ماسوی اللہ کی نجاست سے بھی پاک ہو۔ نہ دل میں حب جاہ و مال ہو نہ اللہ جل جلالہ کے سوا اور کسیکو جگہ ہو۔ پھر اتقیٰ کے بھی درجات متفاوت ہیں فرد کامل اسکا نبی ہے صلوٰۃ اللہ علیہ وسلامہ اس کے بعد پھر صدیق پھر شہید پھر صلحاء امت اور اولیاء کرام بھی صدیق و شہید کے

زمرہ میں داخل ہیں۔ اور یہی لوگ اصحاب الیمین اور سابقون ہے۔

اب اس آیت سے بطور مفہوم مخالف کے یہ سمجھا گیا کہ جو اتقیٰ نہیں گو متقی ہو وہ اس نار تلظّی سے دور نہ رہے یعنی جو صغائر سے مجتنب نہ ہو مگر مومن ہو اور کبائر سے بچنے والا ہو جسکو اتقیٰ نہیں کہتے متقی کہتے ہیں وہ اس آگ سے نہ بچے گا حالانکہ یہ پہلی آیت کے کہ جس میں یہ تھا کہ اس آگ میں اشقیٰ ہی داخل ہوگا خلاف ہے کس لئے کہ متقی اشقیٰ کیا شقی بھی نہیں اس الجھن کے جواب میں علماء نے طرح طرح کے جواب اپنی تفاسیر میں ذکر فرمائے ہیں مگر کاتب الحروف کے نزدیک یہ الجھن ہی کچھ نہیں کس لئے کہ اول تو ہر جگہ مفہوم مخالف پیدا کرنا ہی لغو ہے جیسا کہ علماء اصول فقہ نے اپنی کتابوں میں تصریح کی ہے بلکہ یہ محاورہ کی بات ہو کہ کبھی کسی قید یا وصف کو اسکی بہترین اور خوبی جتلانے کے لئے ذکر کیا کرتے ہیں مگر یہ مراد نہیں ہوتی کہ جس میں یہ قید یا وصف نہیں اسکے لئے مخالف حکم ثابت ہے اسکی نظیر قرآن مجید ہی کی آیات ہیں از انجملہ یہ ہے ولا تکرھوا فتیاتکم علی البغاء ان اردن تحصنا لتبتغوا عرض الحیوٰۃ الدنیا کہ اپنی لونڈیوں کو زنا کرانے اور خرچی کمانے پر مجبور نہ کرو اگر وہ پاک دامنی چاہیں۔ اب پاکدامنی کی قید اس لئے ہے کہ پاکدامنی کی خوبی ظاہر کرنا مقصود ہے نہ یہ کہ اگر وہ پاکدامنی نہ چاہیں تو خرچی کمانے پر مجبور کی جائیں اسی طرح آیت میں وصف اتقیٰ کی خوبی کا اظہار مقصود ہے نہ یہ کہ جو اتقیٰ نہیں وہ اس نار تلظّی سے دور نہ رہے گا۔ دوم اگر مفہوم مخالف بھی مان لیا جائے تو بھی کچھ محذور نہیں کس لئے کہ کبائر و صغائر سے بھی انسان مواخذہ کے قابل ہو جاتا ہے جس کی سزا جہنم کی آگ ہے گو وہ ابدی آگ نہیں ہوتی بلکہ موقت یہ اور بات ہے کہ حق سبحانہ صغائر و کبائر کو بشرطیکہ ان پر اصرار نہ ہو کبھی تو اور دوسرے نیک کاموں کے صلہ میں مٹا ڈالتا ہے کما قال ان الحسنات یذھبن السیات کہ نیکیاں گناہوں کو دور کر دیتی ہیں واولئک یبدل اللہ سیاٰتھم حسنات کہ ان لوگوں کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے۔ اور احادیث صحیحہ صریحہ میں بکثرت وارد ہے کہ ایک جمعہ کی شرائط سے نماز پڑھنا جمعہ بھر کے گناہ معاف کر دیتا ہو پانچ عمر بھر کے گناہ اور رمضان کے روزے سال بھر کے وغیر ذلک اور کبھی دنیاوی تکالیف بیماری تنگدستی یا موت اعزہ یا اور کوئی حادثہ بشرطیکہ صبر کیا جاوے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے اسکو یہیں اسیقدر عذاب پر رہائی ملجاتی ہے اور کبھی اہل دل کی ندامت و اشکباری جو انپر باعتبار تقرب الی اللہ کے نار متلظی یعنے شعلہ مارنے والی آگ ہو جاتی ہے وہ یہیں اس آگ میں جلکر تھوڑی دیر کے بعد نجات حاصل کر لیتے ہیں اور واللہ یہ دل کی آگ بڑی سخت آگ ہے جس کی گرمی سے دل پگھل کر آنسو نکلتے ہیں۔ اور کبھی موت کے وقت کی سختی اور کبھی تھوڑی سی قبر کی تنگی اور گھبراہٹ سے یہ گناہ مٹ جاتے ہیں اور نہیں تو اسکی رحمت کا پانی اور شفاعت کا ابر ماطر سب کو بہا دیتا ہے۔ یہ سب کچھ صحیح مگر مرجیہ فرقہ کو کیا جواب آئے گا وہ جو کہتے ہیں ایمان کے بعد کوئی گناہ جہنم میں نہیں لیجاتا اس آیت کا مفہوم مخالف انکے سراسر مخالف ہے واللہ اعلم باسرار کلامہ۔

ف۲۔ اس مقام پر ایک اور بحث دلچسپ ہے وہ یہ کہ الفاظ آیات کے ہر چند عام ہیں کوئی اشقیٰ ہو اور کوئی اتقیٰ کیوں نہ ہو ہر ایک کا حال اور مآل بیان فرما کر شقاوت و سعادت کا نقشہ کھینچا ہے اور کتاب آسمانی میں ایسا ہی ہونا بھی چاہیئے مگر جب قرآن مجید نازل ہو رہا تھا اسوقت بھی اشقیٰ و اتقیٰ کے افراد موجود تھے اور گو ان میں سے کسیکا نام نہیں لیا گیا اور لینا بھی نہیں چاہیئے تھا مگر ان پر رکھکر عموماً کلام کیا گیا اس لئے ان اشقیٰ و اتقیٰ سے ضرور اسوقت کے لوگوں کی طرف اشارہ ہوگا۔ اور اسی بات کو

ایک شبہ اور اسکا جواب

گناہوں کی معافی کے اسباب

بعض مفسرین نے یوں سمجھ لیا کہ یہ آیت فلاں شخص کے لئے نازل ہوئی ہے یا اس سے فلاں شخص مراد ہے اور اسی لئے وہ ان عام مفہوموں کے نیچے خاص خاص نام تفسیر میں لکھ دیا کرتے ہیں جہاں کہیں کا فر یا اور کوئی اس قسم کا لفظ آیا اس سے مراد ابوجہل لے لیا۔ یا جہاں کہیں کسی کے صفات حمیدہ مذکور ہوئے ان سے اپنے معتقد فیہ کا نام لے دیا۔ یہاں تک کہ بعض شیعہ نے تو جہاں کہیں اہل سعادت وشقاوت کے واقعات یا انکے حالات اور مآل کا ربیان کئے گئے ہیں ان سے حضرات اہل بیت اور انکے مخالفین جنکو کہ انہوں نے مخالف بنا رکھا ہے مراد لئے ہیں گویا تمام قرآن اسی جھگڑے میں نازل ہوا ہے اور دب دب کر معاذ اللہ اللہ تعالیٰ اہلبیت کی مدح اور انکے مخالفوں کی قدح کرتا ہے صاف صاف نام لینے سے ڈرتا ہے اور کوئی مقصد نہ تھا نہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور کسی کام کے لئے بھیجے گئے تھے اور لطف یہ ہے کہ جو جو مسایل اپنی طبیعتوں کے زور سے پیدا کر کے مذہب وملت یا اصول دین[1] بنائے گئے ہیں وہ بھی صاف صاف قرآن سے ثابت نہیں ہوتے اینچ تان کر ثابت کئے جاتے ہیں اور دوراز کار تاویلات کیجاتی ہیں اور شیعہ پر کیا موقوف ہے ہر ایک فرق کا کم وبیش یہی حال ہے جنکو مذاق تصوف ہے وہ ہر آیات میں توحید وجودی کا جلوہ دکھاتے ہیں اور کھینچ تان کر روح اور نفس اور قرب وبعد مقامات پر چسپاں کرتے ہیں حالانکہ نزول قرآن کے وقت تک یہ مسائل پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ یہ بڑی غلطی ہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ کہیں بھی قرآن مجید میں بزرگان دین صحابہؓ واہل بیتؓ کی جانفشانیوں کی مدح نہیں یا روح ونفس اور ومقامات واحوال ومواجید واشواق کیطرف ایما نہیں ضرور ہے مگر نہ ہر جگہ۔ اب انہیں آیات میں ضرور الاتقیٰ اور الشقی سے اسوقت کے بعض اشخاص کی طرف اشارہ ہے مگر یہ کہنا کہ کس کی طرف ہے قرائن کا محتاج ہے اور تعین کرنا ایک ظنی بات ہو اس لئے میں کہتا ہوں کہ اتقیٰ سے حضرت صدیق اکبر ابوبکر رضی اللہ عنہم کی طرف اشارہ ہے کس لئے کہ جب یہ آیات ہجرت سے پہلے شروع اسلام میں شہر مکہ میں نازل ہو رہی تھیں تو اسوقت مسلمانوں میں یوتی مالہ یتزکی وما لاحد عندہ من نعمۃ تجزیٰ کا مصداق اگر کوئی اور بھی فرض کیا جاویگا تو انسے بڑھکر اور کوئی نہیں نکلے گا اول تو اسوقت کوئی مسلمان مالدار ہی نہ تھا بجز ان کے نہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نہ حضرت عثمانؓ نہ حضرت عمرؓ۔ اور پھر انہیں حضرت کا مال اللہ کی رضا مندی میں بیدریغ صرف ہوا کرتا تھا انہیں نے بلال وغیرہ باخدا مسلمانوں کو کافروں سے خرید کر آزاد کیا یہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں مال وجان نثار کرنے والے یار غار تھے اسی لئے انکے فضائل انہیں کے ہمعصر صحابہ میں مسلم الکل تھے اور آنحضرت صلعم کے یاروں میں بڑی عزت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے

رضی اللہ عنہ

---

[1] اس میں اشارہ ہے کہ در اصل جو اصول دین ہیں وہ تو صاف صاف قرآن سے ثابت ہیں مگر جو بعد میں باہم مخالفت اور فرعیات میں نزاع قائم ہونے سے ہر ایک متعصب نے اصول دین بنائے ہیں جیسا کہ شیعہ کا مسئلہ امامت وہ قرآن سے ثابت نہیں ۱۲ منہ

سورۃ الضحیٰ مکہ میں نازل ہوئی اسمیں گیارہ آیات ہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والـ ... سجیٰ ماودعک ربک وما قلیٰ وللآخرۃ خیر لک من الاولیٰ ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ

قسم ہے ... رات کی جبکہ چھا جاوے کہ نہ آپکے رب نے آپ کو چھوڑ دیا ہے اور نہ وہ بیزار ہی ہوا ہے اور آپکے لئے دنیا سے آخرت کہیں بہتر ہے اور آپکا رب آپکو اتنا دیگا کہ آپ خوش ہو

صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲

ترکیب

والضحیٰ الواو للقسم وہو اول النہار اذا انجلی وارتفعت الشمس وقیل المراد بہ النہار کلہ مجازاً من اطلاق الجزء وارادۃ الکل بدلیل مقابلتہ باللیل اذا سجیٰ واللیل عطف علیہ اذا العامل فیہ معنی القسم سجیٰ اے سکن قالہ قتادۃ ومجاہد وابن زید وعکرمۃ وغیرہم یقال لیلۃ ساجیۃ اے ساکنۃ ویقال سجا الشئی یسجو سجواً اذا سکن وعن ابن الاعرابی سجیٰ امتد ظلامہ وقال الاصمعی سجو اللیل تغطیۃ النہار ما ودعک الخ ہذا جواب القسم قرء الجمہور بتشدید الدال من التودیع وقرئ بتخفیفہا من قولہم ودعہ ترکہ وما قلیٰ عطف علیٰ ما ودعک والقلا البغض یقال قلاہ یقلیہ قلاءً ولم یقل ما قلاک لموافقۃ رؤس الآی وللآخرۃ اللام جواب قسم محذوف۔

تفسیر

یہ سورۃ بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی ہے ابن عباسؓ کا بھی یہی قول ہے اس میں گیارہ آیت ہیں۔ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اور نیز حاکم نے اور ابن مردویہ اور بیہقی نے ابی الحسن مقری سے ایک روایت کی ہے کہ وہ کہتے ہیں میں نے قرآن عکرمہ بن سلیمان کے سامنے پڑہا اور اسنے خبر دی کہ میں نے اسماعیل بن قسطنطین اور سہل بن عباد کے سامنے پڑہا جب میں والضحیٰ تک پہونچا تو ان دونوں نے فرمایا تکبیر کہہ اخیر تک یعنی والناس تک ہر سورہ کے بعد تکبیر کہہ۔ کیونکہ ہمنے ابن کثیر کے سامنے قرآن پڑہا اس نے یہی حکم دیا اور خبر دی کہ میں نے مجاہد کے سامنے قرآن پڑہا تو اس نے مجھے یہی حکم دیا اور خبر دی کہ میں نے ابن عباس کے سامنے پڑہا تو اس نے مجھے یہی حکم دیا اور خبر دی کہ میں نے ابی بن کعب کے سامنے پڑہا تو اس نے مجھے یہی حکم دیا۔ اور خبر دی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو پڑہا تو آپ نے مجھے یہی حکم دیا۔

یہ روایت ابوالحسن احمد بن محمد بن عبداللہ بزی سے ہے جو قرأت کے امام تھے مگر فن حدیث میں ابوحاتم رازی انکو ضعیف جانتے ہیں لیکن اس روایت کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ شیخ شہاب الدین ابوشامہ شاطبیہ کی شرح میں لکھتے ہیں کہ امام شافعیؒ سے منقول ہے کہ انہوں نے کسیکو نماز میں اس سورہ کے بعد تکبیر پڑھتے سنا تو فرمایا کہ بہت خوب کیا یہ سنت ہے۔

پھر بعض علماء فرماتے ہیں کہ والضحیٰ سے لیکر اخیر تک جس سورہ کو تمام کرے تو اللہ اکبر کہے اور بعض کہتے ہیں اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر کہے وجہ اسکی علماء نے یوں بیان فرمائی ہے کہ ایک مدت تک آپکو وحی آنی بند ہوگئی تھی پھر جب شروع ہوئی تو یہی سورہ والضحیٰ

شان نزول

نازل ہوئی جسکی خوشی میں آپ نے تکبیر پڑہی۔ اس روایت کا کوئی ثبوت نہیں مگر بخاری و مسلم و ترمذی و نسائی و ابن ابی حاتم و ابن جریر و امام احمد نے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم بیمار ہوگئے تھے۔ ایک یا دو رات اٹھے نہیں ایک عورت نے آکر کہا کہ اے محمد میں تیرے شیطان کو نہیں دیکھتی کیا تجھے چھوڑ دیا تب یہ سورۃ والضحیٰ نازل ہوئی اور [illegible] عیینہ کی روایت میں یہ ہے کہ جبرئیل علیہ السلام کے آنے میں دیر ہوئی تو مشرکوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ اللہ نے محمد [illegible] اب انکے قول رد کرنے کے لئے کہ اس نے ہرگز نہیں چھوڑا۔ یہ سورۃ نازل ہوئی یہی اسکا شان نزول ہے۔

ف۔ ابن اسحاق وغیرہ سلف سے منقول ہے کہ وہ جو سورہ نجم میں مذکور تھا کہ دنیٰ فتدلیٰ فکان قاب قوسین او ادنیٰ فاوحیٰ الیٰ عبدہ ما اوحیٰ (یعنی ہمنے اپنے بندے کی طرف جبکہ بہت ہی قریب ہوگیا تھا وحی کی جو کچھ کہ وحی کی) ایسیں یہی سورہ والضحیٰ وحی کی تھی

خلاصہ

چند روزہ وحی کے بند ہوجانے سے جسکو فقراء کے نزدیک قبض کہتے ہیں اور اسیکو کبھی ضلال بھی کہتے ہیں ایک عجیب حالت رنج وغم کی آنحضرت پر گزری تھی جسپر کفار کو محبوب حقیقی کی ناراضی اور جدائی کے طعنہ دینے کا موقع ملا۔ اسپر دریائے رحمت جوش زن ہوا اور یہ سورہ نازل ہوئی جس میں اس طعنہ کا رد اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے محامد اور آیندہ کے لئے تسلی اور قرب روزافزوں کے وعدہ کا مژدہ ہے فقال۔

والضحیٰ والیل اذا سجیٰ کہ قسم ہے روز روشن یا وقت چاشت کی اور قسم ہے رات کی جبکہ چھا جائے اور پھیل پڑے وقت چاشت کو (جبکہ آفتاب کی سلطنت کا عروج ہوتا ہے اور جہان میں نور پھیل جاتا ہے۔ رات کی کوئی مخفی چیز جو اچھی طرح دکھائی نہیں دیتی تھی مخفی نہیں رہتی) تقرب الٰہی اور نزول وحی کے وقت سے پوری مشابہت ہے کیونکہ اس وقت حجاب ظلمانی دور ہوجاتے ہیں۔ اور حقیقت الٰہی اور حقیقت کونی کا ظہور کلی ہوتا ہے۔ اور عالم ملکوت کے اسرار منکشف ہوجاتے ہیں۔ اور رات کو قبض وانقطاع وحی کے زمانہ سے کمال مشابہت ہے کیونکہ اس وقت ایک قسم کی ظلمت ہوتی ہے۔ اور نیز روز روشن کو فرحت و سرور سے اور رات کو رنج وغم سے مشابہت ہے۔ اسی لئے والضحیٰ کے مقدم کرنے میں اسبات کی طرف اشارہ ہے کہ ایام غم ہجر وانقطاع وحی تمام ہوچکے اب روز فرح و سرور تتابع وحی کا وقت ہوگیا۔ اس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مژدہ ہے ؎ رسید مژدہ کہ ایام غم نخواہد ماند ٭ چناں نماند و چنیں نیز ہم نخواہد ماند ٭ رات جب چھا جاتی ہے اور اسکی ظلمت عالم پر طاری ہوجاتی ہے اسوقت کوئی روشنی نہیں ہوتی اور ایسے ہی موقع پر رات کا چھا جانا مستعمل ہوتا ہے اس میں اشارہ ہے زمانہ جاہلیت کی طرف اور ضحیٰ سے زمانہ آفتاب نبوت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے جلوہ گر ہونے کی طرف اشارہ ہے جو آنحضرت صلعم سے اول نہ تھا۔ اور آپ کے بعد پھر رات پھیل گئی مگر آفتاب کا خلیفہ قمر خلافت مدتوں تاباں رہا اور اسکے بعد پھر تاریکی چھا گئی کہ جس میں متعدد فرقے پیدا ہوگئے اور ہر ایک فریق دلائل کے چراغوں اور مشعلوں سے استعانت کرتا ہے۔

اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ مذاہب مجتہدین وطرق اولیاء اللہ اس نور میں متفاوت درجہ رکھتے ہیں۔ اور یہ بھی ہے کہ وقت چاشت سے اس نور الٰہی کی طرف اشارہ ہے جو قلب محمدی علیہ السلام پر جلوہ گر تھا۔ اور شب سے اس ظلمت انسانیہ

کی طرف اشارہ ہے کہ جو نفوس و ارواح پر طاری ہوا کرتی ہے۔ نور اللہ قلوبنا بنور محمد صلے اللہ علیہ وسلم۔

ف۱ وہ ضحیٰ کہ جسکی قسم ہے بظاہر عام ہے مگر بعض نے خاص مراد لیا ہے چنانچہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس ضحیٰ سے وہ ضحیٰ مراد ہے کہ جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے کلام کیا تھا اور رات سے۔ لیلۃ المعراج مراد ہے بعض کہتے ہیں ضحیٰ سے جنت کی روشنی اور لیل سے جہنم کی تاریکی مراد ہے۔ بعض کہتے ہیں ضحیٰ قلوب عارفین کا نور اور لیل قلوب کافرین کی ظلمت ہے۔ بعض کہتے ہیں ضحیٰ آپ کا چہرۂ منور اور لیل موئے مبارک۔ بعض کہتے ہیں ضحیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظاہر حال جو سب پر روشن ہے اور لیل آپ کے اسرار روحانیہ کہ جنکو، بجز علام الغیوب کے اور کوئی نہیں جانتا۔ بعض کہتے ہیں کہ ضحیٰ اسلام کی ترقی کا زمانہ اور لیل اسکا تنزل۔

چونکہ الفاظ قرآنیہ میں بڑی وسعت ہے ہر ایک احتمال کی گنجایش ہے اور یہ بڑا معجزہ ہے۔

سوال

ف۲ اس جگہ دن کو قسم کھانے میں مقدم اور رات کو موخر کیا اور پہلی سورۃ میں برعکس کیا تھا اسکا کیا سبب؟ علما کرام نے اس کے جواب میں نہایت بے بہا موتیوں کی لڑیاں پروئی ہیں، مگر سب سے آسان اور جلد سمجھ میں آنے والی یہ بات ہے۔

جواب

(۱) یہ کہ پہلی سورۃ میں صدیق اکبرؓ کے فضائل تھے اس لیے اسکو سورۃ ابی بکر بھی کہتے تھے اور اس سورۃ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے فضائل مذکور ہیں اس لیے اسکو سورۃ النبی صلعم کہتے ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ صدیق اکبر کے کمالات وانوار جو کچھ تھے وہ آفتاب نبوت کا عکس تھا اور نہ اسلام سے پہلے یہ باتیں حاصل نہ تھی وہی اندھیرا انپر بھی طاری تھا جو عموماً تمام عرب کیا تمام دنیا پر طاری تھا۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بلکہ جمیع انبیاء علیہ السلام ماں کے پیٹ ہی سے باکمال پیدا ہوتے ہیں اسلئے سورہ ابی بکر میں رات کو قسم کھانے میں مقدم کیا اور اس سورۃ میں دن کو تاکہ معلوم ہو کہ نور صدیقی کے پہلے رات تھی اور نور محمدی ابتدا ہی سے نور ہے۔

(۲) یہ کہ پہلی سورۃ میں رات کا اول ذکر کرنا اور اس سورۃ میں دن کا اسبات کی طرف اشارہ ہے کہ صدیقیت سے ترقی کرکے محمدیت کا مرتبہ ہے اور نیز جس طرح دن کے بعد رات ہوتی ہے اسی طرح محمدیت کے بعد دنیا میں صدیقیت ہی باقی رہجایا کرتی ہے ؎ چونکہ گل رفت و گلستاں شد خراب ٭ بوئے گل را از کہ جوئیم جز گلاب ٭ اور یہ ان دونوں حضرات میں کمال اتحاد و وصلت کی دلیل ہے جس کا نتیجہ دنیا میں ہر جگہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رفاقت ہر معرکہ میں شرکت تھی اور مرنے کے بعد بھی اپنے آقا کے پہلو بہ پہلو ایک روضۂ منورہ میں لیٹے ہوئے ہیں۔

(۳) یہ کہ رات اور دن اسکے عجائب قدرت کی دلیل ہیں کبھی دن کی قسم کو مقدم کر دیا۔ اور کبھی رات کی قسم کو مقدم کر دیا۔ لیکن دن کے اس جگہ مقدم کرنے میں ایک یہ بھی اشارہ ہے کہ یہ کافر جو تجھکو کہتے ہیں کہ تیرا رب تجھ سے ناراض ہو گیا اور تجھے چھوڑ دیا (حالانکہ اور مطاعن سے یہ مفارقت محبوب کا طعنہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر توجسقدر شاق گزرتا ہوگا اسکا اندازہ نہیں ہوسکتا مگر آنحضرت صلعم سے کمتر درجہ کے لوگ یعنے عارفان طریق بھی اس مفارقت کو عذاب عظیم سے بڑھکر تصور کرتے ہیں اور جب دعا کرتے ہیں تو یہی کرتے ہیں ؎ خلاص حافظ ازاں زلف تابدار مباد ٭ کہ بستگانِ کمندِ تو رستگار انند ٭) سو یہ تکلیف تو آپ کو

دن ہی میں ہوتی تھی اور رات کا وقت تو آپ کا سراسر اطمینان قلبی اور یاد حق اور انس حقیقی کا وقت ہوتا تھا جس میں آپ کو مواصلات تامہ میسر آتی تھی۔

(۴) یہ کہ یہ جو آپ کو طعنہ دیتے ہیں کہ تجھے چھوڑ دیا اندھے ہیں جنکو دوپہر میں بھی آفتاب نظر نہیں آتا اور پھر رات تو رات ہی ہے آپ انکے کہنے کی کچھ بھی پروا نہ کریں۔

(۵) یہ ہے کہ جس طرح آفتاب روشن ہونے کے بعد تاریکی ہوتی ہے مگر اس کے بعد پھر آفتاب جلوہ گر ہوتا ہے دہر ایک وطیرہ پر نہیں رہتا۔ اسی طرح جو اس دہر میں ہیں انپر بھی ویسے تغیرات ہوں تو کیا تعجب ہے عارف کی یکساں حالت نہیں رہتی کبھی آفتاب غیب اور خورشید جمال حقیقی ایسا جلوہ گر ہوتا ہے کہ اسکی دوپہر ہوتی ہے جہاں ظلمت بہیمیہ کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہتا اور پھر کبھی انسانیت کی تاریکی اور مادیت کی رات بھی چھا جاتی ہے مگر اس رات کے بعد پھر آفتاب معنوی جلوہ گر ہوتا ہے ایسی جزر و مد سے یہ خیال کر لینا کہ انکو وہاں سے دوری ہو گئی انہیں کا کام ہے جنپر سدا بشریت کی رات کا اندھیرا چھایا رہتا ہے اور یہ تفاوت ایک . . . لذت رکھتا ہے کس لئے کہ ہجر کے بعد وصال ایسا ہی مزہ دیتا ہے جیسا کہ اہل جہان کے لئے رات کے بعد آفتاب کا جلوہ گر ہونا مسرت بخشتا ہے مگر یہ کور باطن اس مزے کو کیا جانیں جس مصلحت سے چندروز وحی بند ہوئی ہے اسکی حقیقت سے یہ کیا واقف؟

پھر اس بات میں کیا لطیفہ ہے کہ تمام دن کی قسم نہیں کھائی صرف وقت چاشت کی برخلاف رات کے کہ اس میں کسی وقت کی تخصیص نہیں کی بلکہ عموم سمجھا گیا؟

وہ لطیفہ یہ ہے کہ وقت چاشت فرحت و سرور کا وقت ہوتا ہے اور رات غموم وہموم کا وقت ہے یا یوں کہو کہ یہ وقت چاشت تمام حیوانات کی بیداری کا وقت ہے کس لئے کہ دن چڑھے تو بڑے عیاش اور منحوس بھی جاگ اٹھتے ہیں اور تمام رات نیند اور غفلت کا وقت ہے جو موت سے مشابہ ہے جس میں اشارہ ہے کہ انسان کی فرحت اور اسکا سرور بہ نسبت غموم وہموم کے بہت ہی کم ہے یا اسکی دنیاوی ہستی کا زمانہ اسکے نیستی کے زمانہ کے لحاظ سے بہت ہی کم ہے۔ پھر ایسی سی خوشی اور ایسی حیات سریع الزوال پر یہ غرور یہ گمراہی۔

ف ضحیٰ یعنے چاشت آفتاب بلند ہونے سے لیکر نصف النہار تک پہونچنے تک کا زمانہ ہے۔ اس وقت میں کوئی نماز فریضہ نہیں کس لئے کہ یہ کام کاج کا وقت ہے۔ لیکن طالبان آخرت کے لئے اس وقت بھی چند نوافل پڑھنا ایسا ہی مسنون ہے کہ جیسا رات میں تہجد یا اس سے کسیقدر کم۔ نماز چاشت کم از کم چار رکعت اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعت ہیں۔ اس نماز کے بہت سے فضائل ہیں اور اہل اللہ کا دستور قدیم ہے۔ اور اہل بصیرت نے فرمایا ہے کہ جو فقر و تنگدستی سے دور رہنا چاہئے تو نماز چاشت پڑھے۔ اور اگر گور کی تنگی اور وہاں کی اندھیری اور عذاب سے بچنا چاہے تو نماز تہجد پڑھا کرے۔

اب وہ بات بیان فرماتا ہے کہ جس کی صداقت کے لئے دن اور رات کی قسم کھائی ہے فقال ما ودعک[1] ربک وما قلیٰ کہ نہ تمہارے رب نے اے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) تمہیں رخصت کیا ہے اور نہ تمہارا پروردگار تم سے ناخوش ہوا ہے یعنی یہ جو چندروز

[1] ما ودعک ودیع تشدید سے ماخوذ ہے تودیع سے جس کے معنی ہیں رخصت کرنا یعنی چھوڑ دینا کیونکہ بوقت رخصت ایک دوسرے سے جدا ہوتا ہے ۱۲ منہ

کسی مصلحت سے وحی بند ہو گئی اس لئے نہیں کہ تمہارے رب یعنی پرورش کرنے والے کی پرورش میں کچھ قصور یا تمہاری حالت میں کچھ فتور آ گیا ہو بلکہ عنقریب پھر وہی آفتاب جلوہ گر ہوگا جیسا کہ رات کے بعد پھر آفتاب ظاہری جلوہ گر ہوا کرتا ہے۔ اب جلد وصال دائمی اور قرب روز افزوں آپ کو میسر آئے گا اسلئے فرماتا ہے وللاخرۃ خیر لک من الاولی کہ تمہاری ہر پچھلی ساعت پہلی سے بہتر ہی بہتر ہے جو آج قرب و کمال ہے کل اس سے زیادہ ہے اور جو صبح ہے شام اس سے زیادہ ہے اور ربوبیت تامہ کا بھی یہی مقتضا ہے کہ ہر آن اور ہر زمان پرورش کا سلسلہ جاری رہے پرورش ظاہری سے تو اور بھی مستفید ہیں مگر پرورش باطنی اور جو تائید الٰہی تمہارے لئے ہے کہ بغیر کسی مرشد و معلم کے خود حق سبحانہ نے تمہاری روح پر تجلی فرمائی اور اپنے نور حقیقی سے منور کیا اور علم اولین و آخرین کے خزانے تمہارے ہاتھ میں دیئے وہ کم نہ ہوگی بلکہ اب یہ وصال علی الدوام ہوگا اور مراتب قرب میں آپ درجات طے کرتے جاویں گے اور دنیا سے اٹھنے کے وقت دنیا و ما فیہا سے نفرت کلی اور عالم بالا کا شوق اور جذبہ بحد مستولی ہوگا چنانچہ بوقت اخیر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بار بار یہی فرماتے تھے اللھم الرفیق الاعلیٰ۔

اور اسی لئے واصلان حق کی اخیر عمر کا حصہ پہلی سے زیادہ تر متبرک سمجھا گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اول عمر میں کمالات باطنیہ کی ترتیب ہوتی تھی تو اخیر میں کھلم کھلا۔ بعض علما نے آخرت سے مراد دار آخرت اور اولیٰ سے دنیا لی ہے۔ انکے نزدیک یہ معنی ہونگے کہ آپ کے لئے دنیا سے آخرت بہتر ہے اور یہ بھی ٹھیک ہے کس لئے کہ دنیا آپ کے لئے تکالیف و شدائد کا گھر تھا مہینوں سوکھے ٹکڑوں یا چند چھواروں اور پانی پر اوقات بسری کی ہے۔ دو وقت پیٹ بھر کر اچھا کھانا میسر نہیں آیا ہے پھر نا اہلوں کے ظلم و تعدی اور اصلاح عالم کی فکر ہر وقت دامنگیر رہتی تھی مخالف خون بہا رہے ہیں تو آپ دعا کر رہے ہیں کسی سے اپنی ذات کا کبھی انتقام نہیں لیا کسی سے اپنے دنیا دی حقوق کا مطالبہ نہیں کیا کبھی کوئی عیش و نشاط کا سامان نہ بہم پہنچایا وہ خدائے پاک کے نور مجسم جنپر ہماری روح فدا ہو رات دن ہماری فکر میں رہکر دنیا و آخرت کی بھلائیاں ہمارے لئے تجویز کرتے رہے آخرت میں آپ کے لئے نعیم بے حد اور سرور سرمد ہے بلکہ وہ اس جہان کے سلطان اور حیات جاودانی اور سرور ابدی کے مالک اور تقسیم کرنے والے ہیں۔ وہ درحقیقت ابو القاسم ہیں۔ صلوٰۃ اللہ علیہ وسلامہ

دوم آپ کی سیادت کبریٰ اور سلطنت عظمیٰ کا ظہور کلی دار آخرت ہی میں ہوگا مرنیکے بعد ہر مومن پر روح پاک کی تجلی اور نور پر سرور کا جلوہ ہوگا اور ہوتا ہے اور یہی جلوہ نجات کا باعث ہے۔ اور میدان حشر میں تاج کرامت آپ کے سر مبارک پر رکھکر مقام محمود میں کھڑے کئے جاوینگے اور تمام انبیاء و اولیاء و اولین و آخرین کی نگاہیں اس روز آپ ہی کیطرف لگی ہوئی ہونگی آپ ہی شفاعت کریں گے جس طرح کوئی شفیق ماں اپنے گم شدہ بچوں کو ڈھونڈھتی پھرا کرتی ہے آپ امت کے مجھ جیسے روسیاہوں گناہگاروں کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر اپنے رب کریم کے سامنے لیجا کر بخشوائیں گے آپ کا حوض کوثر تشنگان میدان حشر کو سیراب کرے گا۔ آپ کا سایہ امت کو جگہ دے گا (اے میرے آقا روحی فداک میں بھی حضور کا ادنے غلام ہوں۔ میں بھی اس فیض عام سے فیضیاب ہوں آپ کے غبار پا کے قربان محروم نہ کیا جاؤں ننگ امت ہی سہی پر آپ کا نام لیوا تو ہوں)

اور چونکہ کفار نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی دل شکنی کی تھی تو حق سبحانہ آپ کو خلعت عز و امتیاز عطا کرتا ہے اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی بادشاہ کسی ملازم خاص پر عنایت فرما کر کوئی معزز عہدہ عطا کرے اور وہ کمال جد و جہد سے اس خدمت

کو ادا کر رہا ہو لیکن حاسدان بد اندیش محض اسکی دل شکنی کے لئے جھوٹی خبریں اڑائیں اور بدنام کریں کہ بادشاہ نے اس سے یہ خدمت چھین لی اور نظروں سے گرادیا تو ایسے موقع پر بادشاہ لوگوں میں عزت و امتیاز دینے کے لئے اور ان مخالفین کی باتوں کو غلط کرنے کے لئے اس معزز ملازم کو خلعت و عطیات سے سرفرازی بخشا کرتا ہے اور آیندہ ترقیوں کے لئے وعدہ فرمایا کرتا ہے تاکہ نہایت ہمت و کوشش سے اپنی خدمت کو ادا کرتا رہے۔ اسی طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مشرف فرماتا ہے فقال ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ کہ تمہیں تمہارا رب اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے یہ بڑا وسیع وعدہ اور نہایت گراں بہا خلعت ہے کس لئے کہ ایسے وعدوں میں دو باتوں کی طرف نظر ہوا کرتی ہے اول وعدہ دینے والے کی طرف کس لئے کہ اگر تنگ حوصلہ یا کم مایہ کسیکو ایسا وسیع وعدہ دے تو وہ بلحاظ اسکی مقدرت و حوصلہ کے ایک معمولی وعدہ بلکہ اس سے بھی کم سمجھا جاوے گا۔ مخاطب خیال کرسکتا ہے کہ یہ کیا مجھے کوئی جاگیر یا ملک دیگا یہی دو چار روپے پیسے اور اگر کوئی شاہنشاہ بلند حوصلہ ایسی بات کہے تو ضرور خیال ہوتا ہے کہ کوئی جاگیر یا ملک عطا ہوگا۔ اسی طرح جسکے لئے وعدہ ہو اسکی طرف بھی دیکھا جاتا ہے۔ اگر کوئی فرومایہ شخص ہے تو اسکی قابلیت اور حوصلہ کے موافق عطیہ خیال کیا جاویگا۔ اور اگر بڑا شخص اور بلند حوصلہ ہے تو اسی کے موافق عطیہ متصور ہوگا۔
اب اس مقام پر وعدہ دینے والا تو خدائے تعالےٰ ہے جسکے ہاتھ میں دارین ہیں اور اسکی بلند حوصلگی لفظ رب سے ظاہر ہے جو تمام مخلوق کو بلا امتیاز مومن و کافر مطیع و عاصی ہر وقت پرورش کر رہا ہے اور ہمیشہ سے کرتا آیا ہے۔ اور ہمیشہ کرے گا اور جسکی نسبت وعدہ ہے وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہیں جو حق سبحانہ کا دنیا میں ظل ہیں اور بلند حوصلگی آپ کی اس سے ظاہر ہے کہ کوئی اپنے دشمن کو سر دیا بھی دنیا گوارا نہیں کرتا آپ انکو سلطنت جاودانی اور ملک کامرانی دیتے ہیں پھر اب اس وعدہ کی وسعت کو غور کر لیجئے کہ کیا کیا دیں گے جو کچھ آپ کو کمالات جسمانی سے لیکر کمالات اخلاقی و روحانی عطا ہوئے۔ اور جو کچھ شرف و امتیاز دوسرے جہان میں عطا ہونگے اگر ان کو بیان کیا جاوے تو ایک دفتر میں بھی نہ سماویں اور حق سبحانہ نے فقیر کو توفیق دی تو خاص اسی آیت کی تفسیر میں ایک مبسوط کتاب لکھکر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عطیات و کمالات کا کچھ نمونہ دکھائے گا۔ مگر اد نئے بات اس وعدہ کے وسعت کی جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بلند حوصلگی کی ایک دلیل ہے یہ بات ہے کہ اس جملہ کو سنکر آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ واللہ میں کبھی راضی نہونگا جب تک کہ میری امت کا ایک شخص بھی جہنم میں رہیگا۔ اخرجہ الخطیب فی التلخیص۔ ویوئدہ مافی صحیح مسلم

* * *

*

اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ۝ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۝ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ۝ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ

کیا اس نے تمہیں یتیم نہیں پایا پھر جگہ دی اور اسنے تمہیں حیران پایا پھر تمہاری رہنمائی کی اور اسنے آپ کو تنگ دست پایا پھر غنی کر دیا پھر یتیم کو

فَلَا تَقْهَرْ ۝ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝

دبایا نہ کرو اور سائل کو جھڑکا نہ کرو اور ہر حال میں اپنے رب کے احسان کا ذکر کرتے رہا کرو

ع ۱۱ / ۱۸

۱۵ ؁ ناپالغ بچہ جسکا باپ نہ ہو ۱۲ منہ

ترکیب

الم یجدک ہذا شروع فیما انعم اللہ علیہ والہمزۃ لانکار النفی وتقریر المنفی فکانہ قال قد وجدک یتیما والوجود بمعنے العلم۔ فاٰوی قرء الجمہور بالالف بعد الہمزۃ رباعیا من آواہ یویہ وقری ثلاثیا وہوا ما بمعنی الرباعی اوہو من آوی لہ اذا رحمہ ووجدک ضالا فہدی معطوف علے المضارع المنفی وقیل علی ما یقتضیہ الکلام السابق والضلال ہہنا بمعنے الغفلۃ کما قال الزجاج ونظیرہ قولہ تعالیٰ ولا یضل ربی ولا ینسیٰ وقولہ تعالےٰ ان تضل احداہما فتذکر احدہما الاخریٰ وقیل من الطلب والمحبۃ کقولہ تعالیٰ انک لفی ضلالک القدیم ووجدک عائلا الخ معطوف علی الکلام السابق یقال عال الرجل یعیل عیلۃً اذا افتقر اما الیتیم منصوب بتقہر وقرے بالکاف۔ والعرب تعاقب بین القاف والکاف وقیل القہر الغلبۃ والکہر الزجر قال ابو حیان ہی لغۃ واما السائل منصوب بتنہر والتقدیر مہما یکن شئے فلا تقہر الیتیم ولا تنہر السائل واما بنعمۃ ربک فحدث قیل المراد بالنعمۃ النبوۃ وقیل عام والتحدث الابلاغ والاظہار او الشکر الجار والمجرور متعلق بحدث والفاء غیر مانعۃ من ذلک لانہا کالزائدۃ قال الکرخی۔

تفسیر

پہلے فرما دیا ہے کہ ہم آپ کو اسقدر دیں گے کہ آپ راضی ہو جاویں گے اب اس قول کی تائید و صداقت یا اطمینان قلبی کے لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے چند گذشتہ واقعات کا اجمالاً ذکر فرماتا ہے جنمیں حق سبحانہ کی طرف سے کیسی کیسی عنایتیں ہوئیں اور ان مواقع میں کیا کیا عطا فرمایا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف کے تین حال ہیں (اوّل) لڑکپن بلوغ کی حد تک کی عمر سو اس عمر میں آپ یتیم تھے آپ پر کیا بیکسی تھی مگر حق سبحانہ نے کیا کیا انعام و اکرام کئے اس لئے اس پہلی حالت کی بابت فرماتا ہے الم یجدک یتیما فاٰوی کہ کیا اس نے یعنی خدا نے تمہیں یتیم نہیں پایا کہ پھر تمکو جگہ دی۔ تفصیل اسکی یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حمل میں تھے کہ حضرت کے والد ماجد عبداللہ کا عین جوانی میں انتقال ہو گیا اور کوئی جائداد یا مال نہ چھوڑا کہ جس سے پس ماندوں کی پرورش ہوتی پھر حق سبحانہ نے یہ انعام کیا کہ آپ کے جد امجد عبدالمطلب کو آپ پر مہربان کر دیا ایسا کہ آپ کے آگے تمام اولاد کو بھول گئے حالانکہ عبدالمطلب کثیر الاولاد تھے۔ اور حال یہ تھا کہ جب حضرت [illegible] برس کے تھے تو والدہ ماجدہ بھی دنیا سے رخصت ہو گئیں تھیں اب نہ ماں ہے نہ باپ صرف اللہ کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ عبدالمطلب کو فریفتہ کر رکھا ہے جب چھ برس کے ہوئے تو عبدالمطلب بھی چل بسے اب خوف تھا کہ کیا کیا مصیبتیں آئیں مگر انکی

جگہ حضرت کے چچا ابوطالب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے والد ماجد سرپرستی کرنے لگے اور ایسی کی کہ کوئی اپنی حقیقی اولاد کی بھی ایسی نہ کرے گا یہ یتیمی کا زمانہ اس طور سے گزر اب بالغ ہوئے۔ دوسرا حصہ عمر کا شروع ہوتا ہے اس میں جوانی کی امنگیں اور فتنہ خیز شباب کے ولولے بھی کچھ کم نہیں ہوتے ہرچند آپ مادرزادنبی تھی اور طفولیت ہی میں رئیس الموحدین تھے خداپرستی مکارم اخلاق آپ کا شیوہ تھا مگر ہنوز مراتب قرب اور محبت کی سنگلاخ گھاٹیوں سے اور نیز وحی اور شریعت اسلام کی حقیقت سے جو آپ کو بعد میں الہام ہوئی ناواقف تھے اس کوچہ سے بھولے ہوئے تھے اور حیران و طالب تھے لیکن حق سبحانہ نے رہنمائی کی اس بات کی طرف اس جملہ میں ایماء کرتا ہے ووجدک ضالا فھدیٰ کہ ہمنے تمہیں بھولا ہوا یا طالب پایا کہ پھر تمہیں رہنمائی کی جیسا کہ ان آیات میں ارشاد ہوتا ہے ماکنت تدری ما الکتاب ولا الایمان الآیہ آپ عبادت کرتے تھے مگر یہ تعداد رکعات اور اسکے آداب و قوانین نہ جانتے تھے ناپاکی سے دور رہتے تھی ہاتھ پاؤں دھو لیا کرتے تھے مگر وضو اور غسل کے دستورات نہ جانتے تھے خیرات کرتے اور اسکی تاکید کرتے تھے مگر اسکے مصارف اور مقدار زکوٰۃ اور اسکے دیگر دستورات سے واقف نہ تھے اسی طرح ایک محبت الٰہی کا جاذبہ تھا اور دل میں ایک آتش عشق شعلہ مار تھی مگر اسکی ترقی اور اسکے قوانین سے واقف نہ تھی اس حالت کو ضلال سے تعبیر کیا جو انکی ہدایت سے بڑھکر تھی مفسرین نے ضلال کے چند معنی بیان فرمائے ہیں کسی نے کہا کہ ضلال سے مراد رستہ بھولنا ہے جو آپ شام کے سفر میں بھول گئے تھے بعض نے کہا حلیمہ سعدیہ کے ہاں ایک بار جنگل میں گم ہو گئے تھے بعض نے کہا مکہ میں رہا کرتے تھے تب رستہ بھول گئے تھے ابوجہل جا رہا تھا آپ کو اٹھا کر اپنے پیچھے سوار کرکے اونٹنی کو ایڑ ماری تو نہ اٹھ سکی ہرچند مارتا تھا مگر وہ جنبش بھی نکرتی تھی آخر ہاتف غیب نے آواز دی کہ تو نادان ہے جہاں کے سردار کو پیچھے سوار کرتا ہے اور آپ آگے ہوتا ہے یہ آگے ہونے کے قابل ہے تب آپ کو آگے بٹھایا جب اونٹنی چلی۔ آکر عبدالمطلب سے کہا کہ یہ تیرا بچہ دیکھئے کیا کیا گل کھلاہے اور سارا قصہ بیان کیا۔ بعض نے کہا وہ ضلال محبت کی بیتابی ہے جیسا کہ یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف سے تھی اور اسی لئے بیٹوں نے بھی کہا تھا انک لفی ضلالک القدیم حالانکہ حضرت یعقوب علیہ السلام اور کسی گمراہی میں نہ تھے۔ لیکن اس مقام پر ضلال سے مراد طلب اور حیرت ہے جو حضرت پر طاری تھی۔

ف حضرات انبیاء علیہم السلام جمہور اہل اسلام کے نزدیک گمراہی سے پاک تھے ابتداء عمر سے لیکر اخیر تک کوئی ناپاک دھبہ انکے دامن عصمت پر نہیں لگا اور نہ لگنا چاہئے کس لئے کہ جس نے انکو نبی اور مخلوق کا ہادی بنا کر بھیجا وہ انکی سیرت اور صورت اور اخلاق کو نفرت انگیز کیونکر ہونے دیتا جس میں سراسر مقصود الٰہی فوت ہو جاتا بعض گمراہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گمراہ کہنے میں اس لفظ سے استدلال پکڑ کر بڑی جرأت کی ہے اگر ناداستگی ہے تو خیر اور اگر متعصب عیسائیوں اور ہنود جیسا عناد اور آفتاب پر گرد و غبار ڈالنا مقصود ہے تو بڑا کمینہ پن اور دارین کی روسیاہی ہے۔

تیسری حالت یا عمر شریف کا وہ حصہ ہے کہ جسمیں عیالداری ہے۔ خصوصاً جبکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مکہ شہر میں نکاح کیا جہاں نہ زراعت تھی نہ صنعت نہ کوئی کارخانہ تجارت اسوقت حق سبحانہ نے یہ احسان کیا کہ آپ کو غنی کر دیا اس بات کی طرف اس جملہ میں اشارہ فرماتا ہے ووجدک عائلا فاغنیٰ اور تمکو فقیر پایا تو غنی کر دیا۔ حضرت کی تنگ دستی تو ظاہر ہے مگر غنیٰ کیونکر حاصل ہوئی اول تو اصل غنیٰ دل کی غنا ہے سو یہ بات حضرت کو بہت کچھ عطا کی اور دوسری اصل جسکو

غنا نفس حاصل نہیں گو کیسا ہی مالدار ہو مگر سخت محتاج ہے مارا مارا پھرتا ہے دل میں بے قراری ہے برخلاف غنا نفس کے کہ اسکو اطمینان ہے۔ دوم حضرت کو خدیجہؓ بیوی ملی جس سے اعیان قریش نکاح کرنا چاہتے تھے مگر وہ کسی کی طرف رغبت نہ کرتی تھیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو قبول کیا یہ بڑی مالدار تھیں۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تابعدار بلکہ جان نثار بھی تھیں۔

یعنی ہم اے نبی کریم تمہاری گزشتہ عمر میں تم پر کیا کیا احسان کرتے رہے پھر اب آیندہ جو بیشمار عطیات کا وعدہ کرتے ہیں اسکو کیونکر نہ پورا کرینگے۔ اب ان تینوں زمانہ کے انعامات کے شکریہ ادا کرنے کے لئے تین حکم صادر فرماتا ہے (۱) اما الیتیم فلا تقہر کہ یتیم جو ہو سو اس پر ظلم نہ کرنا۔ اپنے یتیمی کے زمانہ کو یاد کر لیا کرو۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تو کسی یتیم کو کیا اور بھی کسی کو نہ دباتے تھے نہ کبھی دبایا نہ کسی پر سختی کی عرب میں اسلام سے پہلے جہالت اور سخت دلی اور بدکاری کی کوئی حد نہ تھی خصوصاً یتیموں بیووں اور ضعیفوں پر زیادتی کرنا اپنے ذرا سے نفع کے لئے ان کا نقصان کر دینا کوئی بات نہ تھی اس لئے بظاہر تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے مگر معنیً سب کو حکم دیا جاتا ہے کہ یتیم پر قہر نہ کرنا یہ لفظ عام ہے۔ زبانی جھڑکنا سخت کلامی کرنا بری نگاہ سے دیکھنا اور اسکو مارنا یا اسکے مال کی خیانت کرنا یا دغا فریب سے لے لینا سب قہر میں داخل ہے بلکہ اسکے ساتھ ہمدردی نہ کرنا اس کے حال زار پر رحم نہ کہانا بھی قہر ہے۔ عرب اس مرض میں مبتلا تھے اور نیز دفع مضرت طلب منفعت سے مقدم ہے اس لئے یہ فرمایا کہ قہر نہ کرنا یوں نہ کہا کہ رحم کر۔ اور بھی نکتہ ہے کہ جب قہر نہیں تو خواہ مخواہ رحم ہی رحم ہے۔

پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم بالخصوص یتیموں پر بڑے مہربان تھے اور لوگوں کو بھی تاکید رحم کرنے کی فرماتے تھے کہ یتیم کی پرورش کرنے والا میرے ساتھ بہشت میں اس طرح سے رہے گا اور اپنی دونوں انگلیوں کیطرف ملا کر اشارہ فرمایا کہ جس طرح ہاتھ کی ایک انگلی دوسری سے ملی ہوئی ہے اسیطرح میرے ساتھ یہ ہوگا۔ یہ مضمون صحیح بخاری میں موجود ہے۔ اور یتیم ہی پر موقوف نہیں ہر ضعیف و بیکس پر رحم کرنا اسلام اور اسلامیوں کا شیوہ ہے۔ اب ان بیکسوں میں سے ایک سائل بھی ہے جب نہایت ذلیل و خوار حالت ہو جاتی ہے تب ہی شریف سوال کرتا ہے اس لئے فرماتا ہے واما السائل فلا تنہر اور جو کوئی سائل ہو اسکو نہ جھڑکو۔ اگر اسکے سوال پورا کرنے کی قدرت ہو تو پورا کر دو بشرطیکہ ممنوع امر کا سوال نہو ورنہ نرم الفاظ میں جواب دیدو۔ سائل کی دل شکنی نہ کرو اور دیگر طعنہ و تشنیع نہ کرو کہ ایسے دینے کا کچھ بھی ثواب نہیں۔ یہ اس دوسری نعمت کے شکریہ میں ہے یعنی آپ کو تنگدستی کے بعد غنی کیا اپنے وقت کو نہ بھولو۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سخاوت اور مروت کا کچھ انتہا نہ تھا نہیں تو کہنا جانتے ہی نہ تھے۔ آپ بھوکے ہیں سائل نے مانگا جو میسر آیا دیدیا۔ ایک بار بحرین سے نوے ہزار درہم آئے بانٹ کر خالی ہاتھ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک بار ایک عورت نے ایک عمدہ چادر سی کر آپ کو بھیجی۔ سائل نے مانگی اسیوقت اتار دی کبھی گھر میں مال و زر کچھ بھی نہیں رکھا اسکے سوائے اپنے پاس نہوا تو قرض لیکر دیا یا اور سے فرمایش کر کے دلوا دیا۔ یہانتک کہ ایک بار ایک ہی کرتا تھا جسے پہنے ہوئے تھے کسی نے مانگا اتار دیا۔ اب کوئی کپڑا نہیں جو پہنکر باہر نماز پڑھانے آویں لوگ بیٹھے راہ دیکھ رہے ہیں۔ اس بارہ میں آخر آیت

نازل ہوئی کہ ایسا ہاتھ نہ کھولو کہ تنگ ہو کر گھر میں بیٹھ رہنا پڑے۔

ف آیت میں سائل سے وہی سائل مراد ہیں جو حاجتمند ہو کر سوال کرتے تھے نہ وہ لوگ کہ جنہوں نے بارہ مہینے گداگری کو پیشہ کر لیا ہو اور صحیح و تندرست ہیں کما سکتے ہیں مگر کہیں کوئی بہروپ بھر لیا ہے کہیں کوئی اور صورت بنالی ہو صدائیں اور اشعار یاد کر لیے ہیں اور رہٹے کٹے ہیں پھر ایک نہیں دو دو چار چار جماعت بنا کر مانگتے پھرتے ہیں اور تکیوں میں بیٹھکر مسکرات پیتے ہیں بھنگ گھونٹتے ہیں چرس کے دم لگاتے ہیں نہ نماز ہے نہ روزہ اور اسیکو فقیری اور وصول الی اللہ اور معرفت و حقیقت کی روح جانتے ہیں اور پھر مانگتے کیا ہیں گویا شاہی حکمنامہ ساتھ لیکر چلتے ہیں اڑتے ہیں تو لیے بغیر ٹلتے نہیں اور پھر کیا کیا آوازہ کستے ہیں۔ ایسا سوال حرام ہے۔ اور ایسے سائل عرب میں نہ تھے اور جو کوئی تھا بھی تو شریعت نے منع کر دیا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تندرست سائل کو جو کمانے پر قادر تھا درے مارے ہیں۔ یہ بے حیائی کا پیشہ جیسا ہندوستان میں ہے شاید کہیں اور بھی ہو۔ اس نے صدہا لوگوں کو بیکار اور نکما کر دیا حاجتمندوں کا حق تلف کرا دیا۔ ایسے لوگوں کو دینا اور جو درحقیقت حاجتمند ہیں اور شرم کے مارے سوال نہیں کرتے ان کو نہ دینا بڑا ظلم ہے۔ اگر اس وقت کے مسلمانوں کی سخاوت قانون محمدی کے موافق ہوتی تو بہت کچھ نفع ہوتا۔ یہ بھی جہل کا کرشمہ ہے۔

ف۔ آیت میں ایک لطیفہ ہے رسائل کے لئے لفظ تنہر ایک عجیب لطف عربی زبان والوں کو دے رہا ہے کیونکہ سائل سے سیلان اور تنہر سے نہر سمجھا جاتا ہے جسکو سیلان ہوتا ہے۔ سائل سے وہ سائل بھی مراد ہو سکتا ہے جو مسائل پوچھے اسکو بھی جھڑکنا نہ چاہیئے یہ آداب تعلیم ارشاد ہوا ہے۔

اب اس تیسری نعمت کے مقابلہ میں یعنے ہدایت وارشاد کے مقابلہ میں یہ حکم ہوتا ہے واما بنعمۃ ربک فحدث اور اپنے رب کی نعمت کو بیان کیا کرو۔ نعمت کا لفظ عام ہے کوئی بھی نعمت ہو۔ اور بیان کرنے سے وہ بیان کرنا مقصود ہے جسمیں تعلی اور استکبار یا ریاکاری نہو بلکہ اوروں کو حق سبحانہ کی عطا وجود کی طرف رغبت دلانا مقصود ہو۔

بعض علماء نے بقرینہ فہدیٰ نعمت سے مراد نبوت و ہدایت لی ہے۔ اور درحقیقت یہ بڑی نعمت ہے اس سے بڑھکر اور کیا نعمت ہو سکتی ہے اور اسکے بیان کرنے سے بندوں میں اسکا اظہار اور ابلاغ اور گمراہوں کی رہنمائی کرنا مراد ہے۔

ف قرآن مجید میں جو کچھ روحانی برکات ہیں وہ تو ہیں ہی ہیں مگر امور معاش میں بھی ایک ادنے تاثیر یہ ہے کہ جب کسی کی کوئی چیز گم ہو جاوے تو سات بار اس سورہ مبارکہ کو پڑھے انگلی کے سرے کو سر کے اردگرد پھراتا جاوے اور اس کے بعد اَصْبَحْتُ فِیْ اَمَانِ اللّٰہِ وَاَمْسَیْتُ فِیْ جِوَارِ اللّٰہِ اَمْسَیْتُ فِیْ اَمَانِ اللّٰہِ وَاَصْبَحْتُ فِیْ جِوَارِ اللّٰہِ پڑھکر دستک دے تو وہ چیز ملجائے روح جو اپنا عالم قدس کا آشیانہ کھو بیٹھی ہے اس سے اس کا بھی جلد پتا ملجاتا ہے۔

اللہ اکبر

سورۂ انشراح مکیہ ہے اس میں آٹھ آیات ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝

کیا ہمنے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا اور کیا آپ سے آپ کا وہ بوجھ نہیں اتار دیا کہ جس نے آپکی کمر توڑ رکھی تھی اور کیا ہمنے آپ کے ذکر کا آوازہ بلند نہیں کیا

فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝

پھر مشکل کے ساتھ آسانی بھی ہے بیشک مشکل کے ساتھ آسانی ہے آپ پھر جب آپ (تبلیغ احکام سے) فارغ ہوا کرو تو محنت کیا کرو اور اپنے رب ہی کی طرف دل لگالو

ع ۱۹

ترکیب

الم نشرح الخ الاستفہام تقریری والمعنے قد شرحنا لک صدرک ووضعنا عنک معطوف علے معنی ما تقدم وعنک متعلق بوضعنا وتقدیمہ علے المفعول الصریح مع ان حقہ التاخر لتعجیل المسرۃ والتشویق الموخر۔ الذی الخ وصف الوزر ورفعنا الخ معطوف علے السابق یسرا اسم ان مع العسر خبرہا والعسر فی الموضعین واحد لان المعرفۃ اذا اعیدت یراد بہا الاول والیسر غیر الاول ولذا قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لن یغلب عسر یسرین ان اللہ یقول ان مع العسر یسرا الخ۔ اخرجہ عبد الرزاق وسعید بن منصور والبیہقی فی شعب الایمان وغیرہم۔

تفسیر

یہ سورۃ بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی جمہور کا اسپر اتفاق ہے حضرت عائشہؓ و ابن عباسؓ کا یہی قول ہے اس میں آٹھ آیات ہیں۔ اسکی مناسبت سورہ والضحیٰ سے ایسی ہے کہ بعض نے اسکو پہلی سورۃ کا جز سمجھ لیا اور کہدیا کہ دونوں ایک سورۃ ہیں چنانچہ شیعہ کا یہی قول ہے لیکن درحقیقت یہ دونوں دو سورت ہیں اس لئے کہ وہاں استفہام غائب کے صیغوں سے ہے جیسا کہ الم یجدک یتیما الخ اور یہاں متکلم کے صیغہ سے اور دونوں کے اسلوب میں بڑا فرق ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس سورۃ کے مضامین سورۃ والضحیٰ کے اخیر مضامین کا بقیہ ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جو جو افضال الٰہی ہوتے ہیں انکی طرف چھوٹے چھوٹے جملوں میں اشارہ ہے اور بعد انکے دو حکم موکد ہیں جو تکمیل و ترقی کے لئے دو رکن رکین ہیں۔

آنحضرت صلعم کے اندر خدائے پاک نے دو قسم کے کمالات ودیعت رکھے تھے ایک وہ کہ جنکا تعلق مخلوق سے ہے اور دوسرے وہ کہ جنکا تعلق خاص آنحضرت صلعم کی ذات پاک اور حق سبحانہ سے ہے۔ اول قسم کے

کمالات میں سے وہ تین کمال سورہ والضحیٰ میں مذکور تھے (۱) یتیمی اور اس میں باوجود ایسے اسباب پیدا ہو جانے کے کہ کوئی سرپرست اور معلم نہ رہا تھا۔ پھر کمالات ظاہری باطنی کی ایسے معلم نے تعلیم دی کہ انبیاء اولوالعزم اور حکماء باکمال سے صدہا منازل آگے بڑھ گئے (دوم) ہدایت عطا کرنا اور صدہا اقسام ہیں۔ اور دنیاوی تدابیر اگر موافق مصلحت اور مقتضائے حال کے نہوں تو گمراہی ہے پھر ان میں سیدھی راہ کی تعلیم والہام ہدایت ہے۔ پھر دینی امور میں قوانین ناموسیہ سے لیکر قوانین سیاسیہ تک راہ راست سے افراط وتفریط ضلال ہے اور راہ راست کی تعلیم والہام ہدایت ہے اسی طرح اخلاق میں افراط وتفریط ضلال ہے ان میں راہ راست کی تعلیم والہام ہدایت ہے اسی طرح قوی انسانیہ کی تہذیب ہدایت ہے اور اسکے برخلاف ضلال ہے۔ اسی طرح مراتب قرب ومنازل تقرب میں اوپر کے درجہ کی تعلیم ہدایت ہے اور اب یہ نیچا درجہ نقص وضلال ہے۔

ان سب امور میں حق سبحانہ نے حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو ہدایت کی یہ کیسی نعمت ورحمت ہے (۳) غنائے نفس اور غنائے مال جو ایک اور نعمت ہے اسکا عطا کرنا بڑا احسان ہے کیونکہ ایسے مصلح قوم بنی آدم کے لئے اگر استغنا نہو تو کوئی فائدہ مترتب نہو یہ تیسرا کمال تھا۔

ان تینوں کمالات کے بعد اس سورہ میں تین وہ کمال بیان فرماتا ہے جنکا تعلق خاص آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور حق سبحانہ کے مابین ہے اور وہ یہ ہیں (۱) شرح صدر۔ اس کے لفظی معنے ہیں سینہ کھولدینا۔ یہ ہدایت کا اخیر مرتبہ ہے۔ اس مرتبہ میں تمام حقائق ملک وملکوت لاہوت وجبروت منکشف ہو جاتے ہیں۔ زبان اسرار غیب کی کنجی اور دل خزانہ ہو جاتا ہے پھر وہ جو کچھ فرماتا ہے عالم غیب میں مشاہدہ کرکے فرماتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسی مرتبہ کے عطا ہونے کی التجا کی تھی رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي کہ اے رب میرا سینہ کھولدے یہ مرتبہ اولوالعزم انبیاء علیہم السلام کو عطا ہوا کرتا ہے اور آنحضرت کی نبوت کبریٰ کے لئے یہ مرتبہ اور یہ کمال ضروری تہا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کمال حاصل ہونے کی استفہام تقریری کے پیرایہ میں خبر دیتا ہے کیا ہمنے تمہارا سینہ نہیں کھولدیا یعنے کھولدیا تاکہ آپ کو اور لوگوں کو آپ کی نبوت کبریٰ کا اطمینان حاصل ہو اس لئے سب سے اول اسی کمال کا اظہار فرماتا ہے فقال۔ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ کہ کیا ہمنے اے نبی تیرا سینہ نہیں کھولدیا؟ ضرور کھولدیا یہ استفہام تقریری کامل ثبوت کا فائدہ دیا کرتا ہے۔ احادیث صحیحہ میں وارد ہے کہ دوبار آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا سینہ فرشتوں نے چاک کرکے قلب مبارک کو نورانی طشت میں آب قدس سے دھویا ایک بار لڑکپن میں جبکہ آپ حلیمہ سعدیہ کے ہاں پرورش پایا کرتے تھے۔ دوبارہ جبکہ معراج کو تشریف عالم بالا کی طرف لے گئے جمیع الواث بشریہ وکدورات انسانیہ دھودیئے تھے۔ یہ اسی شرح صدر کی تاثیر تھی کہ دنیا و مافیہا آپ کے نزدیک مچھر کے پر کی برابر بھی وقعت نہیں رکھتے تھے اور غم اور خوشی دونوں حالتیں آپ پر کوئی تغیر پیدا نہ کرتی تھیں ہمت عالی کے نزدیک تمام جہان کی اصلاح کے لئے کھڑا ہونا اور دنیا کو ناپاک کرنے والی قوی سلطنتوں کا اکھیڑ کر پھینک دینا کہ جنکی نسبت یہ خیال کرنا بھی جنون شمار ہوتا تھا کوئی بڑی بات نہ تھی۔ ہر حال میں آپ انبساط قلبی کے ساتھ اپنے فرائض کو

شرح صدر کی تفسیر

ادا کرتے تھے لک کی قید یہ بتلا رہی ہے کہ اور کسی کیلئے شرح صدر مراد نہیں بلکہ خاص آپ ہی کے واسطے۔

ف شرح صدر فرمایا شرح قلب نہ فرمایا اس میں کیا نکتہ ہے؟ اس میں یہ نکتہ ہے کہ صدر سینہ کو کہتے ہیں کہ جس کے اندر قلب ہے جب قلب کا قلعہ ہی درست کر دیا اور شیطان اور اس کے وسواس کی آمد و رفت بند کر دی ہو تو پھر قلب تک کہاں رسائی ہو سکتی ہے کس لئے کہ وہ تو سینہ میں ایک محفوظ جگہ ہے۔ جیساکہ جب کوئی شہر محفوظ کر دیا جاوے تو اس شہر میں جو مخصوص گھر ہے وہ بدرجہ اول محفوظ ہوگا۔ اور جب چور اس محفوظ گھر میں آنا چاہتا ہے تو اول اس شہر میں گھستا ہے پھر جب کوئی رستہ پاتا ہے تو اس گھر میں بھی آ گھستا ہے اور ہموم و غموم دنیا کے زہریلے اثر اور حب الشہوات و حرص آرزوہائے دور و دراز کے تلخ ثمر اور دار آخرت سے غفلت اور حق سبحانہ سے محجوبیت کے ظلمات ڈال جاتا ہے۔ پھر نہ کسی طاعت میں لذت نہ اسلام و ایمان میں حلاوت پاتا ہے اور نہ اسکی طرف رغبت کرتا ہے۔ اور جب یہ شہر ہی محفوظ ہو جاتا ہے اور اس میں ایسی روشنی تجلیات الٰہی کی ہوتی ہے کہ کوئی چور و قزاق روحانی جذبات کے پاسبانوں کے سامنے آنے نہیں پاتا تب عبادات و ریاضات میں حلاوت پاتا ہے اس لئے شرح صدر فرمایا نہ شرح قلب۔

وزر کی تحقیق

اب دوسرے کمال کا اظہار فرماتا ہے (۲) ووضعنا عنک وزرک الذی انقض ظہرک کہ ہم نے تمہارے اس بوجھ کو کہ جس نے تمہاری پیٹھ توڑ ڈالی تھی تسے اتار دیا۔ وہ بوجھ کیا تھا؟ صحیح تر بات یہی ہے کہ جس کی روح میں جو استعداد رکھی گئی ہے اس کے حاصل کرنے میں کوشش کرنا ایک جبلی بات ہے اور جب انسانی قوی اور اس کے اعضا ان چیزوں کی برداشت نہیں کرتے اور ان استعدادات کے حاصل کرنے میں تائید نہیں کرتے تو وہ چیزیں کہ جنکا داعیہ اس کی روح کو ہے ایک بار گراں معلوم ہونے لگتی ہیں اور بڑی کشمکش اور اضطراب میں پڑ جاتا ہے یہ ہے بار گراں اور یہ ہر شخص پر اس کے روحانی حوصلے کے موافق کم و زیادہ ہوا کرتا ہے۔ چونکہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا حوصلہ بہت ہی بڑا تھا۔ اور خصوصاً اس سبب سے کہ شرح صدر ہو چکی تھی تو آپ کے عزائم کا کیا انتہا اور مکہ میں اس وقت تک آپ کے پاس اس کے سرانجام کے اسباب نہ تھے نہ آپ کے قویٰ و جوارح ان کا تحمل کر سکتے تھے۔ یہ تھا وہ بوجھ بھاری کہ جس نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیٹھ توڑ رکھی تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اسکو یوں اتار دیا کہ اس کے سامان بہم پہونچا دیئے اور قویٰ و جوارح میں طاقت دیدی یا سامان بہم پہونچانے کا یہ قوی وعدہ ہے چونکہ یقینی ہے اس لئے اس آنے والی چیز کی ماضی کے صیغوں سے خبر دیتا ہے۔ یہ ایک قوی پیشین گوئی ہے جس کا تحقق بہت جلد ہوا۔

پیشین گوئی

بعض صوفیہ کرام فرماتے ہیں کہ وہ نبوت اور اسکے لوازمات کا بوجھ تھا کس لئے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا جب شرح صدر ہو چکا تھا اور تجلیات الٰہیہ و آفتاب ذات حق سبحانہ آپ کی روح پر جلوہ گر ہو چکا تھا تو آپ مقام شہود میں تھے اسوقت سوائے خالق اکبر کے اور کوئی دکھائی ہی نہیں دیتا تھا مخلوق کا وجود ہی معدوم معلوم ہوتا تھا پھر انکے افعال خیر و شر کا تو کیا ذکر تھا پھر کسکو کس بات سے منع کرتے اور کس کو کس بات کا حکم دیتے ہ

بسا میری نظر میں تو خوبرو ہے — جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے

پھر ایسے مستغرق الحال کو مخلوق کیطرف متوجہ ہونا اور اعلےٰ مقام سے نیچے تنزل کرنا سخت بوجھ ہے پھر اس بوجھ کو خدا پاک نے یوں اتارا کہ مقام بقا میں آپ کو ایسی ثابت قدمی عطا فرمائی کہ کثرت وحدت کا حجاب نہوئی عین تفصیل میں جمعیت کا مشاہدہ کرتے تھے اور مخلوق کی طرف متوجہ ہونے سے وہ شہود غائب نہیں ہوتا تھا یہ انتہا درجہ کا کمال ہے جو انبیاء اولوالعزم کا حصہ خاص ہے۔

بعض حضرات یوں بھی ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ بوجھ بھاری جس نے کمر توڑ رکھی تھی وہ ہیولانیت اور امکان کا بوجھ تھا جو آپ کو اوپر نہ ابھرنے دیتا تھا اور عالم قدس کے لحوق سے مانع تھا پھر جب اسکو خفیف کردیا اور حدوث و امکان پر تقدس و وجوب کا پرتو پڑگیا تو وہ بوجھ اتر گیا اور باطناً آپ عالم قدس کے لوگوں میں داخل ہوگئے اور اسی لئے طرفۃ العین میں آسمانوں پر تشریف لے گئے اور یہی وہ رفع ذکر ہے جسکا ذکر آتا ہے (۳) ورفعنا لک ذکرک اور ہمنے تمہارے لئے تمہارا ذکر بلند کیا اذان میں اللہ تعالےٰ کے نام کے ساتھ پانچ وقت آپ کا نام مبارک بھی پکارا جاتا ہے۔ خطبہ میں حضرت پر ثنا و درود ہوتی ہے۔ کلمہ جو ایمان کی جڑ ہے اس کے اندر بھی آپ کا ذکر ہے ہر حال میں باستثنا مواضع چند جہاں حق سبحانہٗ کا ذکر ہے وہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا بھی ہے۔ عالم غیب میں آپ سلطان ہیں کوئی جگہ اور کوئی محل نہیں جہاں آپ کا ذکر خیر نہو قبر میں بھی اور حشر میں بھی۔ ملائکہ بھی پوچھتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کا مطیع تھا یا نافرمان انپر ایمان بھی لایا تھا یا نہیں جنت کے دروازوں اور عرش کے کنگروں پر بھی اسم گرامی مکتوب ہے۔ موافق یا مخالف کی کوئی ایسی تاریخ نہیں جس میں حضرت کا ذکر نہو منکر بھی محامد ہی کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اب معمورۂ دنیا پر کوئی ایسی جگہ نہیں کہ جہاں آپکا ذکر نہو۔ پھر اس سے بڑھکر اور کیا رفعت ہوگی۔

رفع ذکر کا بیان

اس رفعت ذکر کو ایک محل رفیع الشان سے تشبیہ دیجاوے کہ جس میں بارہ کمرے ہوں تو نہایت ہی مناسب ہے ہر ایک میں آپ ہی حاکم اعلےٰ ہوں۔ جسکی توضیح یہ ہے کہ ایک کمرہ میں ایک بادشاہ عظیم الشان بیٹھا ہوا ہو اور اسکے سامنے روئے زمین کے بڑے بڑے بادشاہ عرب و عجم روم شام ایران و ہند وغیرہ ممالک کے دست بستہ حاضر ہیں اور تدابیر مملکت اور قوانین جہانداری آپ سے دریافت کر رہے ہیں اور جو کچھ آپ فرماتے ہیں اسکو سر اور آنکھوں پر رکھتے ہیں کہیں ہارون الرشید دست بستہ کھڑے ہیں کسی گوشہ میں مامون ہیں کسی میں سلاطین سلجوقیہ ہیں کہیں خلفائے مصر ہیں پھر ان سے پیچھے کہیں سلطان بایزید یلدرم ہیں اور کہیں سلطان محمد فاتح قسطنطنیہ ہیں۔ اور کہیں تیمور صاحبقران ہیں اور کہیں علاء الدین خلجی اور سلطان محمود۔ الغرض ہر ملک اور ہر زمانہ کے نامآور با اقبال بادشاہ جنکے تذکروں سے کتب تواریخ مزین ہیں اور جنکے کارنامے زبان زد خلائق ہیں ایک شاہنشاہ کے سامنے مسلح حاضر ہیں اور حکم کے منتظر ہیں اور وہ ان جملہ بادشاہوں کا بادشاہ کون ہے وہی ذات بابرکات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اول کمرہ

پھر دوسرے کمرہ میں ایک حکیم استاد زمانہ بیٹھا ہوا ہے اور اس کے سامنے دنیا بھر کے حکماء اور فیلسوف دست بستہ

دوسرا کمرہ

حاضر کھڑے ہیں اور علوم سیاست منزل تہذیب اخلاق و درستی آداب حاصل کر رہے ہیں کہیں ابو علی سینا کھڑا ہے کہیں ابو ریحان بیرونی کھڑا ہے کہیں ظہیر فارابی۔ اور کہیں شہرستانی اور کہیں نصیر طوسی وغیرہ وغیرہ حکماء دہر علوم کا استفادہ کر رہے ہیں۔ اور وہ استاد کل صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کو اسکی استعداد و فہم کے موافق تعلیم دے رہے ہیں۔

تیسرا کمرہ

تیسرے کمرہ میں قانون محمدی کی بہت سی کتابیں دھری ہوئی ہیں ہدایہ وغیرہ۔ اور ایک قاضی القضاۃ علیہ الصلوٰۃ والسلام بڑی تمکنت اور وقار سے بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور انکے سامنے بڑے بڑے معاملہ فہم اور موجد قوانین سیاسیہ و ناموسیہ حاضر ہیں کہیں امام ابوحنیفہ ہیں تو کہیں قاضی ابو یوسف اور امام محمد اور امام مالک و امام شافعی حاضر ہیں۔ پھر ان کے پیچھے امام الحرمین وابن دقیق العید و تاج الدین سبکی وغیرہ حاضر ہیں۔ اور آپ کے فیصلجات اور ارشادات کو اپنا دستور العمل بنا رہے ہیں۔

چوتھا کمرہ

چوتھے کمرہ میں ایک مفتی متبحر مسند افتا پر بیٹھے ہوئے ہیں اور علوم و فنون کے دریا جو اس کے سینہ میں جوش زن تھا رواں ہیں کہیں تو نئے واقعات کے احکام کتاب و سنت سے قواعد اصول کے مطابق نکال کر توضیح کیجا رہی ہے کہیں محدثین فخر روزگار فنون احادیث سے بحث کرکے مستفید ہو رہے ہیں اور کہیں مفسرین زمان قرآن مجید کے جلوہ میں جو جو اسرار ودیعت رکھے ہوئے ہیں ان سے استفسار کرکے قلم بند کر رہے ہیں۔ اور کہیں واقعات قرآنیہ کی تحقیق کر رہے ہیں اور کہیں اہل دل ان آیات سے جنہیں روحانی جذبات مذکور ہیں استفادہ کرکے حظ وافر اٹھا رہے ہیں۔ کہیں فرائض نویسوں کی ایک جماعت مسائل فرائض و میراث دریافت کر رہی ہے۔ اور کہیں قراء بیٹھے ہوئے تصحیح قرات کر رہے ہیں اور الفاظ قرآنیہ کو انہیں لب و لہجہ سے ادا کرنا سیکھتے ہیں اور کہیں نماز و روزہ حج و زکوٰۃ وغیرہا فرائض کے آداب و سنن پوچھ رہے ہیں اور کہیں معاملات بیع و رہن وغیرہ کے متعلق مسائل دریافت کر رہے ہیں اور کہیں متکلمین علم عقائد کے مسائل کا استفادہ کر رہے ہیں مخلوق کی ابتدا اور انتہا اور صفات باری اور اسکے افعال اور وجود ملائکہ اور اگلے پیغمبروں اور انکی کتابوں اور انکے شرائع سے سوال کر رہے ہیں کہیں مرنے کے بعد سے لیکر جو کچھ اخیر تک روح پر واقعات گزرتے ہیں ان کا حال دریافت کر رہے ہیں۔ اور کہیں دنیا بھر کے مذاہب کا حال دریافت کر رہے ہیں کہ ان میں سے کون کون سرے سے غلط اور خیالات جاہلانہ پر مبنی تھے۔ اور کون سے من اللہ ہیں۔ جو انبیاء علیہم السلام کی معرفت دنیا میں ظاہر ہوئے تھے مگر بعد میں ان میں تحریف و تبدیل ہو کر انکی صورت بگڑ گئی اور کہیں ایک جماعت اسرار احکام الٰہی دریافت کر رہے ہیں اور کہیں علم زہد و رقاق کے دقایق حل کر رہے ہیں یہ مفتی متبحر وہی سرور کائنات ہیں۔ علیہ افضل التحیۃ والصلوٰۃ۔

پانچواں کمرہ

پانچویں کمرہ میں ایک محتسب باوقار مسند حکومت پر بیٹھا ہوا ہے اور احکام الٰہی سے نافرمانی کرنے والوں کو سزائیں دلوا رہا ہے۔ کہیں زانی سنگسار ہو رہا ہے اور کہیں چور کے ہاتھ کاٹے جا رہے ہیں اور مسکرات کے استعمال کرنے والوں پر درے پڑ رہے ہیں۔ کہیں ظلم و تعدی کرنے والوں کو سزائیں ہو رہی ہیں اور کہیں لہو و لعب ناچ باجے والوں پر کوڑے پڑ رہے ہیں شہوات اور فسق و فجور کے رسوم مٹائے جا رہے ہیں۔ دغابازوں۔ مکاروں۔ فریبیوں پر سرزنش

ہورہی ہے۔ مرتشی حکام سے باز پرس ہورہی ہے یہ صاحب وقار محتسب بھی وہی عالیجناب ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

چھٹا کمرہ

چھٹے کمرہ میں ایک ملکی تدابیر اور پولیٹکل خیالات کا حل کرنے والا نہایت عزو وقار سے مسند پر بیٹھا ہوا ہے۔ بڑے بڑے مدبران ملک دست بستہ زمانہ کے موافق تدابیر پوچھ رہے ہیں پھر کہیں سلطنت کے اصول بیان فرمارہے ہیں امرہم شوریٰ کا اشارہ کرکے کاروبار سلطنت کے لئے مدبران قوم کو کمیٹی یا مجلس قایم ہونے کا حکم دے رہے ہیں اور تمام شاہی اختیارات قومی مشورہ کے سپرد فرمارہے ہیں۔ اور کہیں سلطنت کے استحکام کے لئے قومی لشکر جرار کی تیاری کا حکم دے رہے ہیں واعدوالہم ما استطعتم اور ہر زمانہ کے موافق اسلحہ وسامان حرب میں سب سے اول رکھنے کی تاکید فرمارہے ہیں۔ اور ملازمان سلطنت کو افسروں کی اطاعت کا حکم مؤکد صادر فرمارہے ہیں من اطاع امیری فقد اطاعنی پھر قرب جوار کی سلطنتوں کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہئے اسکے قوانین ودستورات کی تعلیم دے رہے ہیں کہیں ملک میں امن وامان قایم کرنے کی تاکید شدید کررہے ہیں کہیں عہدناموں کی پابندی پر مجبور فرماکر قوم کے عزت ووقار کو قایم رکھنے کی تدبیر کررہے ہیں۔ کہیں قوم کو ماتحتوں پر رحمت وشفقت کی ترغیب دلارہے ہیں اور کہیں سرکشوں خیرہ چشموں سے سختی اور جوانمردی کرنے کی تاکید فرمارہے ہیں۔ کس لئے کہ قیام سلطنت کے یہی اصول ہیں۔ کہیں قوم کو نیک چلنی اور پرہیزگاری کی تعلیم وعیش ونشاط میں پڑنے کی ممانعت کررہے ہیں اور باہمی اتحاد ومحبت کے اصول جماعت کی نماز جمعہ وعیدین اور حج اور بیمار کی پرسش اور سلام کا جواب دینا حاجات میں کام آنا معاملات میں درگزر کرنا وغیرہ تعلیم کررہے ہیں اور کہیں فتوحات کے حوصلے دلارہے ہیں اور اعدی ہنگ گھر میں بیٹھے رہنے کی برائیاں بیان فرمارہے ہیں یہ کون ہیں؟ وہی عالی جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم۔

ساتواں کمرہ

ساتویں کمرہ میں ایک عابد وزاہد دنیا ومافیہا پر لات مارے کس استغنا سے بیٹھا ہوا ہے اور صبح سے شام تک اور رات دن میں اپنی عمر گرانمایہ کی ایک گھڑی تو کیا پل بھی بیکار نہیں کھوتا کبھی تلاوت قرآن مع التدبر التام ہے اور کبھی نوافل میں مشغول ہیں کبھی تسبیح وتہلیل میں مصروف ہیں اور اوراد وادعیہ صبح وشام رات اور دن میں سے کسیکو بھی ترک نہیں کرتے ایک خشک ٹکڑے اور پانی کے گھونٹ اور موٹے پرانے کپڑوں پر اقتصار ہے۔ اور کسی غار یا ٹوٹے پھوٹے مکان کے گوشہ میں رہتے ہیں انکے چہرے پر انوار چمک رہے ہیں لوگوں کو ان سے دلی انس ہے ملائکہ علوی وسفلی بھی ان کے پاس آتے ہیں اور بندگان خدا بھی جوق جوق آکر مستفید ہوتے ہیں پھر کسی کو نوافل اور اورتہجد میں اور اذکار واشغال کی تعلیم ہے کسیکو دن کے وظائف کی تلقین ہے نہ کسی امیر کی پروانہ کسی دولتمند کے آنے کی تمنا یہ حضرت بھی وہی سرور کائنات ہیں صلوٰۃ اللہ علیہ وسلامہ۔

آٹھواں کمرہ

آٹھویں کمرہ میں ایک عارف وکامل تشریف رکھتے ہیں جو ذات وصفات کے اسرار اور عالم ناسوت وملکوت کے حقائق اسکے دل فیض منزل پر منکشف ہیں۔ حقائق ومعارف مواجید واشواق کا اسکی زبان فیض ترجمان سے دریا جاری ہے۔ فصوص الحکم وفتوحات مکیہ وغیرہ کتابیں اسی ذات مقدس کے بیانات سے لکھی جارہی ہیں وہ بھی آپ ہی ہیں صلے اللہ علیہ وسلم۔

نواں کمرہ

نویں کمرے میں ایک واعظ منبر پر بیٹھا ہوا ہے لوگوں کی روح اور دلوں کو اپنے کلام کی تاثیر سے ہلا رہا ہے اور ایسا سکہ جما رہا ہے کہ پھر وہ دور ہی نہیں ہوتا کسیکو ثواب عظیم و اجر جزیل کی ترغیب سے راہ پر لا رہا ہے اور کسیکو عذاب قبر اور عذاب جہنم کی لپٹیں دکھا کر توبہ کرا رہا ہے۔ اور کسیکو دار آخرت کے درجات اور حیات جاودانی کے برکات دکھا کر نیک کاموں پر آمادہ کر رہا ہے۔ ہزاروں کافر و بت پرست کفر و بت پرستی سے توبہ کر کے ایمان لا رہے ہیں۔ بدکار اپنی بدکاری پر نادم ہو کر رو رہے ہیں سنگدلوں کا دل موم ہو کر پگھلا جا رہا ہے مجلس میں آہ و بکا کی آوازیں دلوں کو ہلا رہی ہے اور پھر لطف یہ ہے کہ اثر میں وہ قیام ہے کہ پھر دور ہی نہیں ہوتا جو ایک بار بھی اس مجلس میں آگیا اسپر بھی ایسا رنگ جما کہ عمر بھر نہ اترا۔ خونخوار خونی ایسے رحمدل ہو گئے کہ چڑیا کے بچے پر بھی اپنے بچوں سے زیادہ شفقت کرتے تھے شہوت پرست پرہیز گار بن گئے سست و غافل ہوشیار بن گئے۔ کنجوس اور کنتر سخی ہو گئے۔ دنیا کی کایا پلٹ گئی۔ یہ حضرت واعظ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

دسواں کمرہ

دسویں کمرہ میں ایک بڑے مرشد کامل صاحب طریقہ و صاحب دل بیٹھے ہوئے ہیں جسکی نگاہ خاک کو کیمیا کر رہی ہے طالبان خدا کا اس کے ارد گرد ہجوم ہے وہ ہر ایک کے اسکی استعداد کے موافق حجاب دور کر رہے ہیں۔ اور وصول الی اللہ کے رستے بتا رہے ہیں اور انکے مقامات و احوال اور مراتب و مناصب ظاہر کر رہے ہیں اور مریدین کے باطن میں رنگارنگ توجہات و تاثیرات پیدا کر رہے ہیں کسی کو وجد آ رہا ہے کوئی حیرت زدہ ہو رہا ہے کوئی لطائف پر نظر کر رہا ہے۔ کسی پر فنا کا غلبہ ہے تو کسی پر بقا کا کوئی معیت کے دریا میں ڈوبا ہوا ہے تو کوئی تفرید کے جنگل میں ٹکرا رہا ہے حضرت جنید بغدادی و شبلی و سید عبدالقادر جیلانی و شیخ احمد بدوی و معین الدین چشتی و نظام الدین محبوب الٰہی و شیخ شہاب الدین سہروردی و خواجہ بہاء الدین نقشبند وغیرہ اولیاء کرام حاضر ہیں۔ یہ مرشد کامل بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہیں

گیارہواں کمرہ

گیارہویں کمرہ میں ایک نور پیکر بیٹھا ہوا ہے جس کے رخساروں پر آفتاب و ماہتاب قربان ہو رہے ہیں اور آسمان کے ستارے نثار۔ وہ جمال الٰہی کا پورا آئینہ ہے ازلی محبوبیت اسمیں کوٹ کوٹ کر بھر دی گئی ہے اسمیں ایک ایسی کشش ہے جو تمام بنی آدم کے دل بیخود اسکی طرف کھنچے چلے آ رہے ہیں۔ مخلوق پروانہ کی طرح بے اختیار اس شمع پر قربان ہو رہی ہے وہ بھی آپ ہی ہیں۔

بارہواں کمرہ

بارہویں کمرے میں ایک رسول صاحب کتاب نہایت عز و شان کے ساتھ تخت پر بیٹھا ہوا ہے اور حضرت ابراہیم و اسحاق و یعقوب و داؤد و سلیمان و موسےٰ و عیسےٰ علیہم السلام ان کے ارد گرد تشریف رکھتے ہیں۔ اور یہ خاتم النبیین انکی شریعتوں میں اصلاح کر رہے ہیں۔ کہیں ضرورت زمانہ کے لحاظ سے کچھ احکام بڑہا رہے ہیں کہیں گھٹا رہے ہیں کہیں اٹھے ہوئے نشانوں کو از سر نو قایم فرما رہے ہیں اور سب تسلیم کر رہے ہیں اور اپنا استاد مان رہے ہیں یہ بھی وہی ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

یہ ہے وہ شرح صدر اور یہ ہے وہ رفع ذکر جسکی پوری شرح ایک کتاب میں بھی ناممکن ہے۔

حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے اس معاملہ میں چند اشعار نظم کئے ہیں اور وہ یہ ہیں۔ ؎

اغر علیہ للنبوۃ خاتم	من اللہ مشہود یلوح ویشہد
وضم الالہ اسم النبی مع اسمہ	اذ قال فی الخمس المؤذن اشہد
وشق لہ من اسمہ لیجلہ	فذو العرش محمود وھذا محمد

چونکہ یہ رفع ذکر و شرح صدر و وضع وزر جو بڑی نعمت و سرور دائمی ہے یوں ہی نہیں مل گئی ہے اس کے لئے حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بڑے بڑے مجاہدات کئے ہیں اس لئے فرماتا ہے فان مع العسر یسرا کہ بیشک ہر سختی کے ساتھ آسانی بھی ہے جب کوئی سختی اور مشقت کا بوجھ سر پر دھرتا ہے تو بہت دیر کے بعد نہیں بلکہ بہت جلد راحت بھی پاتا ہے اسی لئے بعد کا لفظ نہیں فرمایا بلکہ مع کا یعنی کچھ دیر نہیں۔ اس میں ایمانداروں کو انکے مساعی جمیلہ پر دنیا و آخرت میں کامیابی کا پورا وعدہ ہے اور اسی لئے اس جملہ کو دوبارہ تاکید کے لئے فرمایا جاتا ہے ان مع العسر یسرا کہ ضرور رنج کے بعد خوشی اور دکھ کے بعد سکھ ہے۔ صبر کا نتیجہ اچھا ہے۔ دنیا میں دیکھو جب کاشتکار زراعت کی مشقت اٹھاتا ہے تو غلہ پیدا ہونے کی خوشی دیکھتا ہے۔ علم میں اور کمالات حاصل کرنے میں جو مشقتیں اٹھاتے ہیں بہت جلد اپنی کوشش کے پھل پاتے ہیں اسی طرح جو ایماندار نفس کو بدخواہشوں سے روکنے اور عبادت و فرائض کے ادا کرنے کی مشقت و محنت اٹھاتے ہیں دنیا میں بھی ورنہ مرنے کے بعد جو بہت ہی قریب زمانہ ہے اور گویا ساتھ ہی لگا ہوا ہے عمدہ پھل پاویں گے اس میں سستوں اور کاہلوں تن پروروں کو تنبیہ ہے کہ وہ کبھی سعادت کا منہ نہیں دیکھیں گے۔

اس جملہ کے دوبارہ لانے سے محاورہ عرب کے موافق زبان دانوں نے یہ سمجھا ہے کہ خدا تعالےٰ ایک سختی کیساتھ دو راحت عطا کیا کرتا ہے یا کہو دو راحت عطا کرنے کا وعدہ کرتا ہے کس لئے کہ لفظ عسر الف لام آنے سے معرفہ ہوگیا اور یسر نکرہ ہے۔ اور جب معرفہ بار دیگر ذکر کیا جاتا ہے تو اس سے وہی مراد ہوتا ہے برخلاف نکرہ کے کہ اس کے دوبارہ آنے سے پہلے سے غیر مراد ہوتا ہے اس قاعدہ سے عسر تو وہی ایک رہا اور یسر دو ہوگئے اور اس کی تائید ان روایات سے ہوتی ہے جو عبدالرزاق و سعید بن منصور و عبد بن حمید و بیہقی وغیرہ محدثین نے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک عسر دو یسر پر غالب نہ ہوگا کیونکہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ان مع العسر یسرا الخ بزار محدث نے کہا ہے کہ اس روایت کے سلسلہ میں ابو حاتم رازی ہے اور اسکی روایت ضعیف ہوتی ہے حسن بصری سے عبدالرزاق و ابن جریر و حاکم و بیہقی نے روایت کی ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خوش اور شاد گھر سے باہر تشریف لاتے ہنس رہے تھے اور یہ فرماتے جاتے تھے کہ ایک عسر یعنی سختی دو یسر یعنی آسانی پر غالب نہ آئے گی فان مع العسر یسرا ان مع العسر یسرا کسی عرب کے شاعر نے بھی اس مضمون کو اس شعر میں ادا کیا ہے ؎

اذا اشتدت بک البلوی ففکر فی الم نشرح ✤ لعسر بین یسرین اذا فکرتہ فافرح ✤ کہ جب تجھ پر کوئی بلا آجاوے تو الم نشرح سورۃ کو غور کر کہ اس میں ایک مشکل پر دو آسانیوں کا وعدہ مذکور ہے۔ بعض علماء نے مع سے حقیقی معیت سمجھکر ایک اشکال پیدا کیا ہے پھر اس کا جواب یوں دیا ہے کہ خاص مصیبت کے وقت میں تحمل اور آیندہ آنے والی راحت کی قوی امید سے بھی

ایک یسر ہوتا ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو وہ مصیبت نہ کٹے اور پھر دوسرا یسر اس مصیبت کے بعد یسر آتا ہے جبکہ اس محنت یا مصیبت کا اس رحیم و کریم کی طرف سے بدلہ ملتا ہے مگر یہ سب کچھ ایمان اور صبر کے ساتھ مشروط ہے وہ بے صبر و بے ایمان نہ جنکو خدا تعالیٰ کا اعتقاد نہ اسکے وعدہ پر بھروسہ۔ اگر کسی مصیبت کے بعد راحت نہ دیکھیں اور خود مصیبت کے وقت بھی اطمینان و امید کی راحت قلبی انکو نصیب نہ ہو تو کچھ بعید نہیں اور ایسا دیکھا بھی گیا ہے

بعض علماء فرماتے ہیں کہ ایک یسر سے مراد یسر دنیا اور ملکوں اور شہروں کا فتح کرنا اور اعدائے دین پر غلبہ پانا ہے اور دوسرے سے مراد یسر آخرت ہے اور وہ ثواب جنت اور عالم باقی کے درجات ہیں جیسا کہ اس آیت میں اشارہ ہے ہل تربصون بنا الا احدی الحسنیین حالانکہ یہاں دونوں حسنیٰ سے حسن ظفر اور حسن ثواب مراد ہے۔ گویا اس جملہ میں ایمانداروں کو بشارت ہے کہ اگر تم اسلام میں سرگرمی اور کوشش کروگے سستی اور نامردی اور دنیا پر فریفتہ ہوکر اسلام میں دغابازی نہ کروگے تو تمکو دو آسانیاں اور فرحتیں اس ایک تکلیف کے بدلے میں ملیں گی۔ ایک دنیا میں فتح و ظفر عزت و اقبال دوسری آخرت کے درجات اور اگر یہ عسر گوارا نہ کروگے تو دنیا میں ذلت اور آخرت میں عذاب الیم پاؤگے۔

جہاں تک تجربہ ہوا اور تواریخ زمانہ شہادت دے رہی ہیں اس سے یہی ثابت ہوا کہ جب مسلمانوں نے اسلام کے فرائض بجالانے کی تکلیف گوارا کی خصوصاً اعداء دین کے مقابلہ میں جوانمردی کی تو وہ ملکوں کے مالک اور آخرت کے حصہ دار ہو گئے جسکی نظیر صحابہ کرام اور انکے بعد اسلامیوں کے عروج کا زمانہ ہے پھر جب فرائض اسلام ترک کئے عیش و نشاط میں پڑے نامردی اور خیانت اور حمق میں مبتلا ہوئے تو دنیا میں غیروں نے انکے تاج و تخت چھینے انکی عزتوں کو خاک میں ملایا غلامی کی ہتکڑیاں اور فرمانبرداری کا طوق جو لعنت کا طوق ہے انکی گردنوں میں ڈالا۔ پھر دین بھی برباد ہوا دنیا بھی گئی۔ سب سے اول خلافت عباسیہ کا انجام دیکھو کہ اس عہد کے نالائق خلیفہ کی عیاشی اور عہدہ داروں کی تن پروری اور غفلت اور عیش پسندی اور خیانت نے کیا آفت برپا کی۔ دجلہ کا پانی مسلمانوں کے خون سے سرخ ہوا عورتوں کی عصمت تاتاری کفار کے ہاتھ کیسی خراب ہوئی۔ سلطنت گئی خزانے گئے۔ علوم مٹے کتب خانے برباد ہوئے مدارس و مساجد منہدم ہوئے۔ اسی طرح اندلس کی حالت ہوئی پھر اس زمانہ میں جسپر پوری ایک صدی بھی نہیں گزری فرانس نے الجیریا اور ٹونس پر اور روس نے ترکستان پر انگریزوں نے ہندوستان اور اسکے ملحقات پر کیسا تسلط کیا۔ یہ جو کچھ ہوا مسلمانوں کی عیاشی۔ بدکاری پستی۔ اور جہالت اور فرائض اسلامیہ سے غفلت کا نتیجہ ہے۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

ان نعمتوں کے بعد یہ بھی ارشاد ہوتا ہے کہ اذا فرغت فانصب یعنی جب رسالت کے کام سے اجوتبلیغ احکام وعظ و پند تدبیر امور فیصل قضایا ہیں، فراغت ہوا کرے تو عبادت کے لئے کھڑے ہو جایا کرو۔ منجملہ ان دو رحتوں کے جو ایک سختی کے بعد عطا ہوتی ہیں ایک بڑی راحت مشغولی بحق بھی ہے کس لئے کہ ارواح طیبہ کا حیز طبعی تقرب الٰہی ہے اور تمام مشاغل ایک قسم کے عوائق ہیں جہاں دور ہوئے فوراً ادھر ہی میلان ہوا اور یہی ان کا آرام جان ہے۔ الا بذکر اللہ

۵ عزنا کر لیسر اس آیت کی یوں تفسیر کرتے ہیں کہ عسر مجاہدہ کے ساتھ یسر مشاہدہ ہے اور عسر انفصال کے ساتھ یسر اتصال ہے اور عسر قبض کے ساتھ یسر بسط رکھا ہوا ہے اور اسکے بعد دوسرا یسر کشف حجاب اور رفع عتاب کا ہے یا یوں کہو کہ عسر اول حجاب جو احتجاب بالخلق عن الحق ہے اسکے بعد یسر کشف ذات ہے اور دوسرا عسر کے بعد احتجاب جو عن الخلق بالحق ہے دوسرا یسر اور وہ شرح صدر اور ثبات استقامت ہے کہ کثرت میں بھی وحدت کا جلوہ ہے اور یہی مقام ثبوت ہے ۱۲ حقانی

تطمئن القلوب حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جو تو تندرست ہو تو اپنا تکاح عبادت سے کر یہ اسلئے
کہ نصب کے معنی تکان کے بھی ہیں) یعنے بڑی کوشش اور سعی عبادت میں کر کہ تھک جاوے
قتادہ وضحاک ومقاتل فرماتے ہیں اس کے یہ معنے ہیں کہ جب نماز فرض سے فارغ ہو تو نوافل
کے لئے کھڑا ہو اور دعا کر اور خوب کر کہ تھک جاوے بعض فرماتے ہیں کہ جب مشاغل سے
فراغ دل حاصل ہو نماز کے لئے کھڑا ہونا مراد ہے۔ حقیقت میں جو اپنے فراغ کو اس کام میں
صرف نکرے بلکہ لہو ولعب میں تو وہ عمر گرانمایہ کو برباد کرتا ہے مگر بعض ایسے بھی بدنصیب ہیں
کہ انہیں دنیاوی جھگڑوں سے کبھی فراغت ہی نہیں ہوتی پھر ان کو اللہ کی عبادت کی فرصت کہاں
اسی جنجال میں موت آلیتی ہے۔ عاقل کو ضرور فارغ ہونا چاہئے یہ نعمت الٰہی کا شکریہ ہے۔
(۲) والیٰ ربک فارغب کہ اپنے رب کی طرف رغبت کر اسکی طرف ہمیشہ مدنظر رکھ۔
یہ دوسرا یسر ہے۔ یعنے ہر کار اور ہر شان اور ہر حال میں اسی محبوب حقیقی کی طرف نظر
رہے خصوصاً عبادت میں نہ ریاکاری مطلوب ہو نہ دنیا نہ آخرت بلکہ اسکی ذات اور اسی کا شوق
اسی کا جذبہ محبت۔ اس میں اشارہ ہے کہ شرح صدر میں اسقدر عروج تہا کہ بجز ذات حق
کے اور کوئی دکھائی ہی نہیں دیتا تھا محویت کبریٰ تھی۔ پھر جب دنیا کی تکمیل کا آپ پر بوجھ
ڈالا گیا جو بڑا بھاری بوجھ تھا اس لئے کہ حق سے خلق کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا
تو ایسی حالت میں روح پر وہ رنگ جو خاص مشغولی بحق میں ہوتا ہے ممکن ہے
کہ کسیقدر متغیر ہو جاتا ہو سو اس کی تدبیر بھی ارشاد فرما دی کہ جب
اس کام سے فارغ ہو کرے تو پھر روح کو اسکے تقرب سے قوی
اور منور کر لیا کرو اور پھر اسی مقام پر شہود
میں آجایا کرو تاکہ ماندگی دور ہو جاوے

ع

ہر چند پیر و خستہ دل و ناتواں شدم
ہرگہ کہ یاد روئے تو کردم جواں شدم

اللہ اکبر

سورۃ والتین مکہ میں نازل ہوئی اس میں آٹھ آیات ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۝ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۝ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۝ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝

قسم ہے انجیر اور زیتون اور طور سینا اور اس امن کے شہر کی کہ ہم نے انسان کو بڑے عمدہ انداز میں پیدا کیا ہے۔

ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝

پھر ہم نے اسکو سب سے نیچے پھینکدیا مگر ان کو نہیں جو ایمان لائے اور نیک کام کئے سو ان کے لئے تو بے انتہا بدلہ ہے۔

ترکیب

والتین الواو للقسم والزیتون وطور سینین وہذا البلد الامین معطوف علیہ لقد خلقنا الانسان الجملۃ المصدرۃ بلام التاکید وقد الی آخرہا جواب القسم۔ والقسم مع جوابہ جملۃ فعلیۃ۔ والمراد بالتین والزیتون عند الجمہور الشجرتان المعروفتان وقیل الجبلان وقیل البلدان وطور جبل کلم اللہ علیہ موسے علیہ السلام فی ناحیۃ الشمال والغرب من العرب وہو مضاف الی سینین عند النحاۃ سینین وسینا اسمان للمکان الذی حصل فیہ الجبل المذکور۔ وقال ابو علی الفارسی سینین فعلیل کررت اللام التی ہی نون فیہ ولم ینصرف سینین کمالم ینصرف سینار لانہ علم للبقعۃ وعجمی ای سریانی ولذا اختلفت بہ وۃ العرب فی تعریبہ فقیل سینین وقیل سینا۔ والامین بمعنی المامون وصف للبد۔ فی احسن الخ فی موضع الحال من الانسان والمراد بالتقویم القوام لان التقویم فی الحقیقۃ فعل اللہ تعالیٰ اسفل منصوب مضاف الی سافلین وہو حال من المفعول ویجوزان یکون نعتًا لمکان محذوف والتقدیر علے الاول ای رددناہ حال کونہ اسفل سافلین علے ارذل وعلے الثانی رددناہ مکانا اسفل سافلین ای الدرک الاالذین علی الاول استثنا متصل من ضمیر رددناہ فانہ فی معنی الجمیع وعلے الثانی منقطع ای لکن الذین کانو صالحین من الہرمی فلہم اجر غیر ممنوع علی طاعتہم علی الضعف والشیخوخۃ علی مقاساۃ المشاق۔

تفسیر

جمہور کا اتفاق ہے کہ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی جیسا کہ ابن الضریس و نحاس و ابن مردویہ و بیہقی نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی ہے اور ابن الزبیر سے بھی یہی منقول ہے اور اس میں آٹھ آیت ہیں۔ بخاری و مسلم و اہل سنن وغیرہ نے براء بن عازبؓ سے روایت کی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے اور عشا کی نماز پڑھائی تب ایک رکعت میں سورہ والتین والزیتون پڑھی سو میں نے آپ سے بہتر خوش آواز اور عمدہ پڑھنے والا نہیں سنا۔ اور انہیں سے خطیب نے روایت کی ہے کہ میں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی تو آپ نے سورۂ والتین پڑھی اور بھی اس قسم کی روایات ہیں۔
خدا تعالیٰ اس سورہ کے ابتدا میں چار چیزوں کی قسم کھا کر انسان کی آفرینش کا حال اور پھر سعادت و شقاوت حاصل کرنے مآل بیان فرماتا ہے۔ اور چاروں چیز اسکی کمال قدرت کے دلائل ہونے کے سوا اس مطلب کیساتھ کمال مناسبت بھی رکھتی ہیں فقال

والتین والزیتون وطور سینین وہذا البلد الامین کہ قسم ہے انجیر اور زیتون اور طور سینا اور اس شہر امین کی۔ طور سینا اور بلد امین تو بالاتفاق دو جگہ ہیں۔ طور سینا، وہ پہاڑ ہے جہاں حضرت موسےٰ علیہ السلام کو شرف کلام باری حاصل ہوا اور بلد امین یعنی محفوظ یا امانتدار شہر مکہ ہے۔ یہ امن کا شہر ہے۔ جاہلیت میں بھی یہ شہر دارالامن رہا۔ عرب میں باوجودیکہ اسلام سے پہلے ہاہمی وہ مار دھاڑ تھی کہ جسکی انتہا نہ تھی مگر مکہ میں کوئی اپنے دشمن سے دشمن کے ساتھ بھی تعرض نہ کرتا تھا اور اسلام میں بھی اسکی یہی حرمت تاقیامت باقی رہی۔ جو اسپر چڑھکر آیا غارت ہوا جس طرح اور شہروں پر آفات آئیں اسپر کبھی نہیں آئی یہ اپنے رہنے والوں کا امانت دار ہے اس میں بڑی وجہ امین ہونیکی یہ ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم جو دنیا کے لئے بڑی نعمت اور اس کی امانت تھے اسی شہر کے تفویض ہوئے تھے ہر چند مشرکین آپکی ذات بابرکات کے فنا کرنے میں ساعی تھے مگر کسی کی کچھ بھی نہ چلی اس شہر نے یہ امانت بسلامت مدینہ منورہ کے سپرد کر دی۔

مگر تین اور زیتون میں متعدد اقوال ہیں (۱) اکثر علماء کا تو یہ قول ہو کہ تین سے انجیر کا درخت اور زیتون سے یہی زیتون کا درخت مراد ہے، پھر ان میں کیا شرف ہے جو ان کی حق سبحانہ نے قسم کھائی؟ علمائے کرام نے اسکے چند اسباب لکھے ہیں اوّل یہ کہ انجیر کا عجب میوہ ہے جسمیں نہ گٹھلی نہ پوست پھر غذا بھی ہے اور چند امراض کے لئے دوا بھی۔ سریع الہضم جید الکیلوس والکیموس بلغم کو کم کرتا ہے بدن کو فربہ کرتا ہے گردوں کو ریگ وغیرہ سے پاک و صاف کرتا ہے اور کبد و طحال کے مسامات کھولتا ہے اورام کو تحلیل کرتا ہے اسکو انسان بے مشقت کھا سکتا ہے اسکے درخت میں نہ کانٹا ہے نہ بہت بلند ہے کہ پھل لینا مشکل ہو جاوے اور اسمیں معنیً اہل کمال سے پوری مشابہت بھی ہے کہ جس طرح وہ ظاہر و باطن میں یکساں ہیں یہ بھی ظاہر و باطن میں یکساں ہے نہ چھلکا پھینکنے کے قابل نہ گٹھلی ڈالدینے کے لایق دوسرا یہ کہ اہل کمال کی طرح یہ بھی لاف وگزاف سے مبرا ہے۔ پھل اور پھول کی بہار کا دعویٰ کرنے سے پہلے پھل ہی لے آتا ہے بخلاف اور درختوں کے۔ اور سال میں کئی بار میوہ لاتا ہے اور ارزاں بھی ہے بہر طور اسکو اہل کمال سے کمال مناسبت ہے اور اس سورہ میں اہل کمال کا حال ہے اور اسی طرح زیتون کو بھی اہل کمال سے ظاہر و باطن میں کمال مشابہت ہے۔ زیتون کے فوائد بھی انجیر کی طرح بہت ہیں اس کے سوائے زیتون میں ایک اور بات بھی ہے جو انجیر میں نہیں وہ یہ کہ اسکے پھلوں کا تیل علاوہ سیکڑوں فوائد کے جلانے میں وہ روشنی صاف دیتا ہے کہ ایسی اور تیلوں میں کم ہوتی ہے جس سے اہل کمال کی اس روشنی کی طرف اشارہ ہے کہ جو دنیا کے ہر امر میں انکے ساتھ ہوتی ہے اور مرنے کے بعد قبر میں اور حشر میں اور پلصراط پر دائیں بائیں دوڑتی چلے گی الغرض ان دونوں میں ایک عمدہ خوبی ہے اور انکے لگانے سے اور پرورش کرنے میں بڑی دقت نہیں ہوتی بلکہ پہاڑوں میں خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں یہی حال اہل کمال کا ہے کہ آفرینش سے انکی ذات میں صلاحیت رکھی ہوئی ہے چنداں تربیت کی حاجت نہیں برخلاف خاردار بے ثمر درختوں کے کہ انکی کوئی لاکھ تربیت کرے پھر وہی کے وہی رہتے ہیں (۲) قول یہ ہے کہ ان دونوں سے دو مبارک شہر مراد ہیں کعبؓ کہتے ہیں تین دمشق کا نام ہے اور زیتون بیت المقدس کا۔ اور برکات ان دونوں شہروں کے بسبب مولد و مسکن ہونے حضرات انبیاء علیہم السلام کے مشہور ہیں جس سے اہل کمال کے پیدا ہونیکے مقامات کا ذکر کرکے ان اہل کمال کا یاد دلانا مقصود ہے (۳) قول یہ ہے کہ تین اور زیتون دو پہاڑوں کے نام ہیں۔ اور یہی قول کاتب الحروف کے نزدیک قوی تر ہے

اوّل قول

دوم قول

سوم قول

کیونکہ توریت سفر استثنے کے تیتیسویں باب کے شروع میں ایک بشارت ہے اور وہ یہ ہے۔ خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدسیوں کیساتھ آیا اور اسکے داہنے ہاتھ ایک آتشی شریعت انکے لئے تھی اسکو تو اہل کتاب کے علما بھی مانتے ہیں کہ سینا سے کوہ سینا مراد ہے اور وہاں سے خداوند کا آنا حضرت موسٰے علیہ السلام پر تجلی کرنا ہے کہ کلام کا شرف دینا لیکن شعیر اور فاران سے جلوہ گر ہونے میں وہ اپنے خیال کے موافق توجیہ کرتے ہیں اور شعیر اور فاران بھی فلسطین کے پہاڑوں کا نام بتلاتے ہیں مگر کوئی تسلی بخش بات نہیں بتلا سکتے کہ فلسطین یا شام یا تیہ ہی کے پہاڑوں کا نام شعیر اور فاران ہے اور اگر تسلیم کرلیا جاوے تو پھر دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آنیکے کچھ معنی نہیں بنا سکتے۔ اسلئے میں کہتا ہوں کہ شعیر سے مراد بیت المقدس کے پہاڑ ہیں۔ مگر اس پہاڑ کے کہ جس پر بیت المقدس شہر آباد ہے دو ٹکڑے ہیں ایک کو تو اب تک زیتون کی پہاڑی کہتے ہیں۔ اور دوسرے کو تین کہتے ہیں۔ اور فاران مکہ کے پہاڑ کا نام ہے جہاں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ گر ہوئے۔ اور فتح مکہ کے روز دس ہزار قدوسی یعنی پاکباز صحابہ آپکے ساتھ تھے اور آتشی شریعت بھی آپ کے ہاتھ میں تھی جس نے بت پرستوں منکروں زناکاروں بدکاروں کو جلا دیا پس اس بشارت کے بموجب خدا پاک ان چاروں مقدس جگہوں کی قسم کھاتا ہے جہاں سے نبوت و رسالت کے آفتاب و ماہتاب و دنیا کو منور کرنیکے لئے جلوہ گر ہوئے تاکہ معلوم ہو کہ آئندہ جو کچھ انسان کی سعادت و شقاوت کی بابت کہا جاتا ہے وہ لغو بات نہیں بلکہ ان چاروں جگہوں کے مقدس و ابرار حضرات انبیاء علیہم السلام کا قول ہے کہ جنکو جہان مانتا ہے اور یہی تمام شرائع کا ماحصل اور خلاصہ مطلب ہے۔

پس تین و زیتون سے شام کے مقدس پہاڑ مراد ہیں جہاں سے حضرت عیسٰیؑ و داؤدؑ و سلیمان والیاسؑ وغیرہ اولوالعزم انبیاء برپا ہوئے اب خواہ تین سے دمشق کا پہاڑ مراد لو جیساکہ کعب کا قول ہے اور ابن عباسؓ سے بھی اسی کے قریب قریب منقول ہے اور اسی کے قریب ربیع اور ضحاک اور عکرمۃ کا قول ہے خواہ بیت المقدس کے سلسلہ کوہ کو کہو جو زیتون کے سوا ہے اور زیتون تو بیت المقدس کا پہاڑ ہے جیساکہ عکرمۃ و کعب و قتادہ کہتے ہیں اور طور سیناء سے بالاتفاق وہ پہاڑ مراد ہے جہاں حضرت موسیٰ پر تجلی ہوئی اور فاران کی جگہ ہذا البلد الامین فرما دیا جس سے بالاتفاق مکہ معظمہ مراد ہے۔ جو کوہ فاران پر آباد ہے چونکہ حضرت موسیٰ اور آنحضرت علیہ السلام ممتاز نبی ہیں اسلئے انکے مطلع الانوار مواضع کا جداگانہ نام لیا گیا اور یکے بعد دیگرے ترقی ہوتی گئی کیونکہ سب سے زیادہ مرتبہ مکہ معظمہ کا ہے وہیں کے آفتاب نے تمام دنیا کو منور کردیا۔

ف بعض عرفاء فرماتے ہیں تین سے شجرہ روح قدسیہ کیطرف اشارہ ہے اور زیتون سے شجرہ عقل قدسی کی طرف کہ اسی کی روشنی پھیلتی ہے اور طور سینین سے عارف کے قلب کیطرف اور بلد امین سے محب کے سینہ کیطرف اشارہ ہے کہ جسمیں بیشمار اسرار الٰہی امانت رکھے ہیں بہرحال ان چیزوں کی قسم کھا کر فرماتا ہے لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم کہ ہمنے انسان کو بڑے عمدہ انداز اور شان میں پیدا کیا ہے۔ ۵ حق نے کھینچی ہے تری تصویر اپنے ہاتھ سے ۵ اسکے تناسب اجزا کو دیکھا جائے تو عقل حیران ہے بجائے ناک ہے تو کتنی اور کس موقع پر آنکھیں ہیں تو کیسی اور کس موقع پر۔ بھوؤں اور پلکوں کی خوبصورتی اس نرگسی آنکھ کا جسکی سفیدی اور سیاہی کبھی عاشق کو گمراہ کررہی اور کبھی ہدایت پر لارہی) اور بھی حسن بڑھا رہی ہے۔ پھر ہاتھ۔ پاؤں ہیں تو ایسے قد ہے کہ سرو کو

شرمارہے ہے رخساروں کی خوبی آفتاب وماہتاب کو ماند کر رہی ہے لال لب یاقوت بدخشاں کو اور دُرِّ دنداں مروارید عدن کی لڑی کو شرمارہے ہیں اور حیوانات کو اور اسکو ملا کر دیکھا جائے تو قدرت حق کا تماشہ نظر آئے پھر اسکے باطن میں کیا کیا قوتیں عطا کیں کہ اسکو قادر ومرید سمیع وبصیر مدبر وحکیم وگویا بنا دیا گویا اپنے صفات عالیہ سے حصہ عطا کیا چنانچہ اس حدیث میں اسی طرف اشارہ ہے ان اللہ خلق آدم علے صورتہ کہ اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا کیونکہ حق سبحانہٗ شکل وصورت سے تو پاک ہے لیس کمثلہ شئی افمن یخلق کمن لایخلق کہ اسکی کوئی مثل نہیں اور خالق مخلوق جیسا نہیں پھر صفات ہی کی طرف اشارہ سمجھنا چاہئے۔ انسان باطنی لحاظ سے ایک عجیب مجموعہ ہے تمام عالم کا نمونہ ہے سیکڑوں دریا جوش زن ہیں۔ سیکڑوں نہریں پڑی بہ رہی ہیں سیکڑوں بلند پہاڑ اسمیں موجود ہیں۔ آتش فشاں مادے بھی ہیں ہیبتناک پر از ظلمات جہنم کے مشابہ عمیق گڑھے بھی ہیں جن میں گر کر نکلنا مشکل ہے۔ بڑی بڑی پرخار وادیاں بھی ہیں جنکے بھولے کو خضر ہی رستہ بتاویں تو بتاویں اب ان چار نہروں کو ہی دیکھئے کہ رات دن کس زور شور سے بہا کرتی ہیں۔ شہوت کی نہر، غصہ کی نہر، طمع کی نہر، خیال کی نہر، اگر یہ ٹھیک ٹھیک ہیں تو خیر اور جو طغیانی پر آجائیں تو پھر انکے ڈوبے کبھی نہ ابھریں اسی طرح محبت وعشق کی نہریں۔ علم وادراک کلیات وجزئیات مادیہ ومعانی مجردہ کے دریا رواں ہیں۔ قوی ملکوتیہ کے بلند پہاڑ ہیں جنمیں انجیر اور زیتون اور کیا کیا مفید اور پرثمر چیزیں ہیں اور قوی بہیمیہ کے پرخار وادی اور ہیبتناک گڑھے بھی ہیں جنمیں سانپ بچھو اور زہریلے جانور رہا کرتے ہیں اور اس عالم کبیر پر ظلمات کی رات اور انوار حق کا دن بھی آتا ہے اور تجلی ذات کا آفتاب اور نور روح کا ماہتاب اور انوار لطائف کے ستارے بھی چمکا کرتے ہیں یہ تو اسکی فطری حالت ہے اب جس نے اسکی اصلاح کی اور ان وادیوں اور گندہ نہروں اور ظلمات سے بچنے میں کوشش کی وہ سعادت کے ملک کا بادشاہ بنگیا اور جس نے کوشش نہ کی بلکہ خود انہیں کیطرف ان کا سبز باغ دیکھ کر جھک پڑا تو شقاوت کے عمیق گڑھے میں گرا جو نہایت نیچے ہے اب ان دونوں حالتوں کی طرف ان جملوں میں اشارہ ہوتا ہے ثم رددناہ اسفل سافلین کہ پھر ہمنے اسکو اسکے برے کرتوتوں کے سبب نیچے کے درجہ میں پھینک دیا یا کہو گرا دیا۔ اور جسقدر سافلین ہیں یعنی فروتر اور پست درجہ کے یہ ان سے بھی فروتر ہو گیا اور حیوانات میں تحصیل کمالات کی استعداد نہ تھی اسلئے وہ فرو اور پست ہوئے مگر اس بدنصیب نے باوجود استعداد کے تحصیل کمالات میں کوشش نہ کی بلکہ نقص پیدا کر لئے اسلئے اب ان سے بھی گیا گزرا ہوا اسی بات کی طرف لحاظ کر کے خدا تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے کہ یہ چارپایوں کے مانند بلکہ ان سے بھی بڑھکر گمراہ ہے۔ الغرض شیطان ہو گیا اور خبیثوں میں مل گیا۔ یہ ایک حالت تھی اور دوسری حالت کیطرف اس استثناء میں اشارہ کرتا ہے الا الذین آمنوا وعملوا الصالحات فلہم اجر غیر ممنون مگر وہ اس پستی سے مستثنےٰ ہیں جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے یعنی قوت نظریہ وعملیہ کو درست کر لیا وہ ملک سعادت کے بادشاہ ہیں انکے لئے بے انتہا اجر اور نیک بدلے ہیں جیسا کہ بادشاہوں کو ہر نعمت میسر ہے اور یہ بھی معنے ہو سکتے ہیں کہ انسان کو ہمنے نہایت خوشنما قالب میں ڈھالا عمدہ انداز پر بنایا چڑھتی جوانی کی بہار قابل دید ہوتی ہے یہ اسکی ایک حالت ہوئی اب اسکی مرضی بغیر اپنے آسمانی حکم سے اسکی حالت علو کو پلٹا اور بڑھاپے کی پست تر حالت میں پہونچا یا لیکن ایمانداروں نیکوں کو اسپر بھی دار آخرت میں ایک نئی زندگانی اور بلندی ہے جسکو اجر غیر ممنون سے تعبیر کیا۔

فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّينِ ۝ أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ ۝ ع

پھر اسکے بعد آپ کو قیامت کے معاملہ میں کون جھٹلا سکتا ہے۔ پھر کیا اللہ سب حاکموں سے زیادہ حاکم نہیں؟ فرور ہے

ترکیب

فما استفہامیۃ ای ای شئی وقیل بمعنی من یکذبک الکاف مفعول یکذب وفاعلہ ضمیر یرجع الی ما والباء للسببیۃ فی بالدین والظرف متعلق بالفعل۔ اللہ فاعل لیس باحکم الحاکمین خبرہا والاستفہام اذا دخل علے النفی صار الکلام ایجابا وتقریرا۔ فما یکذبک الخ قال الفراء تقدیرہ فمن یکذبک یا محمد بعد ظہور ہذہ الدلائل بالدین وقیل الخطاب للانسان والمعنی فما الذی یلجئک بعد ظہور الامر ایہا الانسان الی تکذیب الجزاء۔

تفسیر

جب اے انسان تجھے یہ معلوم ہو گیا کہ حق نے تجھے عمدہ اور بہتر سے بہتر انداز اور شان میں پیدا کیا ہو اور پھر تیری حالت کو باعتبار ظاہر کے بھی ایسا پلٹا ہو کہ بوڑھا ہو جاتا ہے نہ آنکھوں میں نور رہتا ہے نہ چہرہ پر تازگی قد رعنا کمان کی طرح جھک جاتا ہے دانتوں کی لڑیاں ٹوٹ پڑتی ہیں بھاڑ سا پوپلا منہ کھلا برا معلوم ہوتا ہے اور صدہا نقصان پیدا ہو جاتے ہیں ؎ پیری وصد عیب چنیں گفتہ اند۔ اور باطن میں بھی تغیر ہوتا ہے کہ یا تو فطرت سادہ تھی پھر برے کاموں سے شیطان اور بھوت ہو جاتا ہے پھر اس صنعت و قدرت و کمال کے دیکھنے کے بعد فما یکذبک بعد بالدین وہ کونسی دلیل اور کونسی وجہ تیرے پاس ہے جو تجھے دار آخرت کے انکار پر مجبور کر رہی ہے یا کہو اے نبی علیک السلام اس بیان اور ان حالات کے سننے کے بعد وہ کونسا تیرہ باطن ہے جو تمہیں قیامت اور اعمال کی جزا و سزا کے معاملہ میں جھٹلا دیگا۔

اور اگر اسپر بھی باور نہیں الیس اللہ باحکم الحاکمین تو پھر کیا خدا تعالیٰ سب حاکموں سے زیادہ حاکم نہیں؟ ضرور ہے۔ ہمکو تو سب ملتے ہیں اور عقل کی آنکھوں سے روز دیکھتے ہیں اسکے حکم سب پر نافذ ہوتے ہیں۔ بڑے بادشاہ کو دیکھو جسکے پاس لشکر اور خزانہ اور ملک اور حکماء و عقلاء سحر کار سب حاضر ہیں مگر وہ بھی جلیل و جبار کا زیر فرمان اسی طرح سے ہو کہ جس طرح ایک ادنیٰ فقیر مفلس و بیکس اس بادشاہ کے ذاتی تغیرات لڑکپن اور جوانی اور بے اختیار بڑھاپا اور پھر بیماری و تندرستی پھر موت اور اسکے اعزہ کی بیماری اور موت اسی طرح سے ہو کہ جس طرح غریبوں کی وہ بادشاہ ان میں سے ایک کو بھی ٹال نہیں سکتا پھر جب دنیاوی بادشاہ اپنی عدالت کا قایم کرنا لوازمہ سلطنت جانتے ہیں بد و نکو سزائیں دیتے ہیں خیر خواہان سلطنت اور فرمانبرداروں کو انعام عطا کرتے ہیں پھر کیا وہ سب سے بڑا حاکم اپنے نافرمانوں سرکشوں بندگان خدا پر ظلم و ستم کرنے والوں بدکاروں منکروں کو یوں ہی چھوڑ دیگا اور مطیع و فرمانبرداروں کی طاعت ضائع کر دیگا ہرگز نہیں۔ اور دنیا تو اس جزا و سزا کا مقام نہیں کس لئے کہ یہ تو اخیر عمر تک دار العمل ہے پھر ضرور ہے کہ اور دوسرا جہان دار الجزاء ہو اور یہی مدعا ہے یہ دوسری دلیل اثبات جزاء و سزا پر تھی۔

ابوہریرہ سے مرفوعاً منقول ہے کہ جب کوئی اس جملہ الیس اللہ الخ کو پڑھے تو کہے بلی وانا علے ذالک من الشاہدین کہ ضرور ہے اور میں بھی گواہ ہوں روایت کیا ہمکو ترمذی و ابن مردویہ وغیرہ نے۔ احناف کے نزدیک یہ جملہ نماز میں زبان سے نہ کہے صرف دل سے اور بیرون نماز کہے اور ائمہ ہر جگہ کہنے کا حکم دیتے ہیں۔ اللہ اکبر

سُورَۃُ اِقْرَأ مکہ میں نازل ہوئی اس میں انیس آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ الَّذِيْ عَلَّمَ

اپنے رب کے نام سے پڑھو جس نے سب کچھ بنایا — جس نے آدمی کو خون کی پھٹکی سے پیدا کیا — پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے — جس نے لکھنا سکھایا

بِالْقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۗ

جس نے انسان کو وہ کچھ سکھایا کہ جسکو وہ جانتا ہی نہ تھا

ترکیب

اقرء عند الجمہور بسکون الہمزۃ ہو امر من القراءۃ وعند البعض بفتح الراء علی انہ قلب الہمزۃ الفاً ثم حذفہا للامر۔ ومفعول اقرء محذوف اے مایوحیٰ الیک باسم ربک متعلق بمحذوف وہو حال اے اقرء متلبساً باسم ربک۔ وقال ابو عبیدۃ الباء زائدۃ فہو مفعول اقرء والاسم صلۃ ایضاً والمعنی اذکر ربک وقیل الباء بمعنی علی والمعنی اقرء ما یتلیٰ علیک علی اسم اللہ۔ وقیل الباء للاستعانۃ اے مستعیناً بہ۔ الذی الخ الجملۃ صفۃ لربک خلق الانسان الجملۃ تفسیر للجملۃ الاولیٰ وہی الذی خلق وقیل تخصیص بعد التعمیم تشریفاً للانسان لما فیہ من بدیع الخلق وعجیب الصنع من علق الجار متعلق بخلق والعلق جمع علقۃ وہی الدم الجامد واذا جریٰ فہو المسفوح۔ ولم یقل من نطفۃ او من علقۃ رعایۃً للفواصل۔ اقرء تاکید وتقریر للاول۔ وربک موصوف الاکرم صفتہ۔ الذی موصول علم بالقلم صلتہ والجملۃ صفۃ ثانیۃ فالموصوف مع الصفات مبتدء علم الانسان الخ الجملۃ خبر والمبتدء مع الخبر جملۃ اسمیۃ وہی حال من ضمیر اقرء۔

تفسیر

یہ سورہ بھی بلاخلاف مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ اور قرآن میں سے جو سب سے پہلے سورہ نازل ہوئی یہی ہے۔ اور یہی جمہور صحابہ وتابعین کا قول ہے اور صحیح بخاری ومسلم وغیرہ کتب حدیث کی روایت صحیحہ اسی بات کو ثابت کر رہی ہیں۔ اس کے بعد سورہ فاتحہ پھر نون نازل ہوئی پھر مزمل پھر مدثر۔ اور اس بحث کو ہم مقدمہ تفسیر میں لکھ آئے ہیں۔ اور اس میں انیس آیات ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ سب سے اول سورۂ فاتحہ نازل ہوئی۔ اور جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ سب سے اول سورۂ مدثر نازل ہوئی سو یہ روایت اس قول کے مخالف نہیں کس لئے کہ سب سے اول اس سورۂ اقرء کی یہی پانچ آیات مالم یعلم تک نازل ہوئی تھیں اور پھر تعلیم سوال اور نماز میں پڑھنے کے لئے سورہ فاتحہ نازل ہوئی اور پھر چھ مہینے تک وحی بند ہوگئی پھر سب سے اول مدثر نازل ہوئی اور لگاتار قرآن مجید نازل ہونا شروع ہوا۔ پس حضرت علیؓ جو سب سے اول الحمد کا نازل ہونا ارشاد فرماتے ہیں وہ نماز اور تعلیم کے بارہ میں ہے اور جابرؓ جو مدثر کو اول کہتے ہیں اس لحاظ سے کہتے ہیں کہ وحی بند ہونے کے بعد جو سب سے اول نازل ہوا وہ یہی سورۃ تھی۔

شان نزول

اس سورہ مبارکہ کے نازل ہونے کی کیفیت صحیح بخاری میں یوں مروی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ اول آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو سچے خواب دکھائی دینے لگے۔ پھر جو کچھ خواب میں دیکھتے تھے وہی بات صبح کی سفیدی کی طرح پیش آتی تھی اسکے بعد آپ کو خلوت نشینی کیطرف رغبت ہوگئی کیونکہ ابتداء میں فراغ خاطر۔ لوگوں کے ساتھ میل جول ترک کئے بغیر میسر نہیں آتا۔ پھر آپ حراء پہاڑ کے ایک غار میں جاکر عبادت کیا کرتے تھے چندرات دن وہاں رہا کرتے پھر گھر میں آکر خدیجہ بیوی کے پاس کھانے پینے کا سامان لیجایا کرتے یہاں تک کہ اوسی غار حرا میں تھے کہ فرشتہ وحی لیکر آپ کے سامنے آیا اور کہا کہ پڑھو آپ نے فرمایا کہ پڑھنا نہیں جانتا پھر آنحضرت صلعم فرماتے ہیں کہ مجھے فرشتہ نے پکڑ کر بھینچ لیا اور بڑے زور سے بھینچا پھر مجھے چھوڑ دیا۔ اور پھر کہا پڑھ پھر میں نے کہا میں نہیں پڑھ سکتا۔ پھر دوبارہ مجھے پکڑ کر بھینچا زور سے پھر چھوڑ دیا اور کہا پڑھ پھر میں نے کہا میں نہیں پڑھ سکتا پھر تیسری بار مجھے پکڑا اور بہت زور سے بھینچا پھر چھوڑ دیا اور کہا اقراء باسم ربک الذی خلق خلق الانسان من علق۔ اقراء و ربک الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم۔ کہ پڑھ اپنے اس رب کے نام سے جس نے پیدا کیا بنایا انسان کو خون کے لوتھڑے سے پڑھ اور تیرے رب کریم نے جس نے قلم سکھائی انسان کو وہ بتایا جو جانتا نہ تھا ؎

نکتہ اول

اس واقعہ میں چند نکتہ ہیں (۱) کمالات میں ترقی بتدریج کرنا بنی آدم کی فطرت میں ہے۔ اور اسی فطری قاعدے پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اول خواب یعنی رویائے صادقہ کے ذریعہ سے علوم غیب کا القا ہوتا رہا تاکہ اوراسرار غیب اور ملکیت کبریٰ حاصل ہونے کی رفتہ رفتہ عادت ہو جائے۔ اس کے بعد اب دوسرا مرتبہ ترقی کا شروع ہوا وہ یہ ہے کہ عالم بیداری میں بحالت فراغ قلبی عالم ملکوت کا مشاہدہ ہونے لگا۔ اس لئے آپ کو خلوت و عزلت کا شوق ہوا تب آپ غار حرا[۱] میں بیٹھے جب اس عرصہ میں الواث بشریہ و کدورات بہیمیہ سے آئینہ باطن بالکل پاک و صاف ہوگیا تو عیاناً جبرئیل امین تشریف لائے

نکتہ دوم

جو عالم ملکوت کے بادشاہ[۲] ہیں۔ یہ ترقی کا تیسرا مرتبہ تھا (۲) یہ کہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو پڑھنے کو کہا تو آپ نے تین بار یہ کیا کہا کہ میں پڑھ نہیں سکتا یا میں نہیں پڑھتا جو ما انا بقاری کا ترجمہ ہے۔ اس میں سر یہ ہے کہ گو آپ بھی صاحب کمال تھے اور جو وہ پڑھاتے تھے آپ کے نزدیک آسان تھا۔ مگر جب ملکیت کبریٰ کا ظہور اتم ہوا اور عالم غیب کے علوم سامنے آئے تو اگلا کمال اور فصاحت و بلاغت اس طرح لاشئے ہوگئی کہ جس طرح آفتاب کے سامنے ستاروں کے نور لاشئے ہو جاتے ہیں اور یہ آپ پر ایک بار عظیم معلوم ہونے لگا اس لئے جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو تین بار لیکر بھینچا اور یہ ایک قسم کی توجہ ہے

---

[۱] یہ پہاڑ مکہ سے منیٰ کیجانب تخمیناً دو میل دور ہے۔ اسی میں وہ غار ہے جہاں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم قبل نبوت خلوت گزیں ہوتے تھے اور یہیں وحی کا آنا شروع ہوا اور سب سے اول سورہ اقراء کی یہ آیات نازل ہوئیں ۱۲ منہ

[۲] یہ شبہ کرنا کہ اس سے پہلے آپ نے عیاناً جبرئیل کو دیکھا نہ تھا پھر جب وہ سورہ اقرء کی وحی لیکر غار حراء میں آئے اور آپ سے بار بار پڑھنے کی تاکید کرنے لگے تو آپ نے کیونکر پہچان لیا کہ یہ جبرئیل ہیں ممکن ہے کہ کوئی جن بھوت ہو محض خام خیال ہے کیونکہ جبکا ادراک باطن اسدرجہ بڑھ جاوے کہ اسکو عیاناً ملائکہ دکھائی دینے لگیں اس کے نزدیک ان کا پہچان لینا بعینہٖ ایسا ہے کہ جیسا دوپہر میں آفتاب کا پہچان لینا جہاں دلیل کی ضرورت نہیں ۱۲ منہ

جسکو توجہ اتحادی کہتے ہیں اسکے سبب وہ بارگراں آسان ہوگیا اور جو پڑھایا پڑھنے لگے۔

واضح ہو کہ صوفیہ کرام کے نزدیک توجہ کی چار قسم ہیں (اول) تاثیر انعکاسی اس میں کامل کا عکس مرید میں چمک جاتا ہے اسکی مثال ایسی ہے کہ جیسا کوئی عطر ملکر کسی مجلس میں آوے اور ہمنشینوں کے دماغ میں اسکی خوشبو پہونچے مگر یہ اثر پایدار نہیں اسکے اٹھ جانے سے اٹھ جاتا ہے بعد میں باقی نہیں رہتا (دوئم) تاثیر القائی کہ اپنا اثر مریدوں پر ڈالدے اور وہ جب تک کوئی مانع نہ ہو قایم بھی رہے اسکی مثال ایسی ہے کہ کوئی چراغ جلا کر لاوے اور دوسرا اس سے اپنی بتی روشن کرلے سو یہ جب تک ہوا اور بارش وغیرہ کا صدمہ نہ پہونچے قایم رہے گی اور جسقدر اپنا تیل ہے اسی کی مقدار پر روشن رہیگی۔ یہ اول سے قوی ہے۔ (سویم) تاثیر اصلاحی کہ مرشد اپنی روحانی طاقت سے مرید کے باطن کی اصلاح کردے اور لطائف جاری ہوجاویں اسکی مثال ایسی ہے کہ جیسا کوئی کاریگر کسی حوض کی نالیوں اور پانی کے آنے کی جگہ کو اور فوارہ کو صاف کردے اور پانی ڈالکر فوارہ کو رواں کردے یہ اول سے بھی قوی ہے۔ لیکن یہ بھی اسیوقت تک جاری ہے کہ جب تک حوض میں پانی ہے اور نیز جس قدر پانی آنے کی نالیوں میں وسعت ہے اور جب تک ان نالیوں میں بہیت کا کوڑا کرکٹ نہیں آیا ہے۔ (چہارم) تاثیر اتحادی جو سب سے قوی تاثیر ہے اور وہ یہ کہ مرشد کامل اپنے روحانی زور سے مرید کو اپنے ضمن میں لیکر اپنی روح کو اسکی روح سے ایک کردے اور جو کچھ کمالات اسکی روح میں ہیں وہ اسمیں بھی آجاویں یہ سب سے اعلیٰ تاثیر ہے اس میں بار بار استفادہ کی حاجت نہیں رہتی۔ اور یہ کوئی محال بات نہیں روحانی طاقتور کا تو کیا ذکر ہے بعض پرند جانوروں میں ایسی تاثیر ہے کہ وہ دوسرے چھوٹے جانور کو ایک مدت میں اپنا سا ہی کردیتے ہیں اور انکے توالد و تناسل کا یہی طریقہ ہے۔ یہ توجہ اتحادی حضرت جبرئیل علیہ السلام نے رسول کریم پر کی تھی اور اس توجہ میں یہ کوئی ضرور نہیں کہ ہمیشہ اتحاد ظاہری و باطنی باقی رہے (۳) یہ کہ اسکے بعد آپ پر ایک عجیب حالت طاری تھی کہ بدن کانپ رہا تھا اس حالت میں آپ گھر تشریف لائے۔ اور آپکو بیوی خدیجہؓ محض اپنی محبت شوہری کے جوش میں اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں کہ ان کو یہ کیا بات پیش آئی ہرچند خود خدیجہؓ نے بھی تسلی بخش الفاظ کہے تھے کہ آپ غریب و بیکس کے چارہ ساز مہمان نواز حق پسند ہیں آپ کو کوئی آسیب و آفت خدا نہیں پہنچاوے گا مگر پھر بمقتضائے محبت دل نے نہ مانا اور ورقہ پاس لے گئیں۔ یہ ورقہ عیسوی مذہب کا عمر رسیدہ اور نیک شخص تھا تاکہ انسے اصلی حال دریافت کریں۔ ورقہ نے سب قصہ سنکر کہا کہ یہ ناموس اکبر ہے جو حضرت موسیٰ اور انبیاء اولوالعزم کے پاس آیا کرتا تھا کوئی خوف کی بات نہیں اور کاش میں اسوقت جوان ہوتا اور جبکہ تیری قوم تجھے یہاں سے نکالے گی تو میں مدد کرتا۔ آپ نے فرمایا کیا میری قوم مجھے نکالدے گی ورقہ نے کہا ایسا کون نبی ہے کہ جسکے ساتھ اسکی قوم نے ایسا نہیں کیا۔ پھر چند روز کے بعد ورقہ مرگیا اس لرزہ آنے میں یہ حکمت تھی کہ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ یہ غار کا قصہ بناوٹی ہے بلکہ اسکے آثار ظاہر جسم پر لوگوں نے دیکھ لئے۔ اور ورقہ بھی حضرت پر ایمان لانے کے بعد چند روز میں مرگئے تاکہ کوئی یہ گمان نہ کرے کہ یہ شریعت واحکام ورقہ سے سیکھے تھے۔

(اب میں) اس مقام پر حضرت عیسیٰ و موسیٰ علیہم السلام کی ابتدائی حالت اہل کتاب کی مسلم کتابوں سے دکھا کر موازنہ کرتا ہوں

توجہ کے اقسام

نکتہ سویم

تاکہ کسی متعصب کو نکتہ چینی کا موقع نہ ملے۔ انجیل متی کے تیسرے باب کے اخیر میں ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے حضرت یحییٰ علیہ السلام سے اصطباغ پایا یعنے اُنکے مُرید ہوئے اور مریدی کی رسم ادا کی جو دریا میں غوطہ مارنا تھا اور جب دریا سے اوپر آیا تو اُسکے لئے آسمان کھُل گیا اور خدا کی روح کبوتر کی مانند اُتری اور اپنے اوپر آتے دیکھا اور آسمان سے آواز آئی کہ یہ میرا پیارا بیٹا ہے۔ پھر چوتھے باب کے اول میں ہے۔ تب عیسےٰ روح کے وسیلہ سے بیابان میں لائے گئے تاکہ اُنہیں شیطان آزمائے اور جب چالیس دن اور چالیس رات روزہ رکھ چکے آخر بھوکے ہوئے تب آزمایش کرنے والے نے اُن پاس آ کے کہا کہ اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو کہہ کہ یہ پتھر روٹی بنجاوے۔ مسیح علیہ السلام نے جواب دیکر ٹالدیا پھر شیطان حضرت مسیح کو ہیکل یعنی بیت المقدس کے کنگوروں پر چڑھا لے گیا اور کہا تو اپنے آپ کو نیچے گرادے اگر سچا ہے تو فرشتے اُٹھالیں گے ٹھیس بھی نہ لگے گی۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے جواب دیا کہ خدا تعالیٰ کی آزمایش نکرنی چاہیئے۔ تیسری بار پھر آزمایا کہ ایک بلند پہاڑ پر چڑھا کر دنیا کی ساری بادشاہتیں اور اُسکی شان و شوکت دکھا کر کہا اگر تو مجھے سجدہ کرے تو یہ سب کچھ تجھے دیدوں تب مسیح علیہ السلام نے فرمایا اے شیطان دور ہو کیونکہ لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور اُس اکیلے کی بندگی کر۔ تب شیطان چھوڑ گیا اور مسیح علیہ السلام جلیل کو چلے گئے اور کفرناحوم میں جا کر منادی کرنے لگے۔ انتہیٰ ملخصا یہ ترقی اُس ترقی سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی کم درجہ پر ہے۔ اول تو آنحضرت صلعم کسی کے مرید نہیں ہوئے نہ کسیکے ہاتھ سے اصطباغ پایا بلکہ خدا تعالےٰ کے ہاتھ سے نہ کبوتر کی شکل میں اُنپر روح اُتری بلکہ عیاناً۔

حضرت موسےٰ کی بابت یہ ہے۔ تب اُسنے گلّے کو بیابان کے ایک طرف ہانکدیا اور خدا کے پہاڑ حوریب کے نزدیک آیا اُسوقت خداوند کا فرشتہ ایک بوٹے میں سے آگ کے شعلہ میں اُسپر ظاہر ہوا اُس نے نگاہ کی تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک بوٹا آگ میں روشن ہے اور وہ جل نہیں جاتا تب موسیٰ نے کہا میں اب نزدیک جاؤں اور اِس بڑے منظر کو دیکھوں کہ یہ بوٹا کیوں نہیں جل جاتا۔ جب خداوند نے دیکھا کہ وہ نزدیک آیا تو خدا نے اُسے بوٹے کے اندر سے پکارا کہ اے موسیٰ نزدیک مت آ اپنے پاؤں سے جوتا اُتار کیونکہ یہ جگہ جہاں تو کھڑا ہے مقدس زمین ہے پھر اُس نے کہا کہ میں تیرے باپ کا خدا اور ابراہیم کا خدا اور اسحاق کا خدا اور یعقوب کا خدا ہوں الخ۔ توریت سفر خروج باب ۳۔ یہاں حضرت موسےٰ پر خدا نے درخت میں سے تجلی کی مگر وہ تجلی جو غار حرا میں ہوئی تھی اِس سے کہیں بڑھکر تھی کس لئے کہ وہاں کسی ناسوتی شکل میں تجلی نہ تھی اور بلا کیف تھی اور تجلی کے بعد ناموس اکبر عیاناً دکھلائی دیا۔ اسی فرق اور امتیاز کو خدا تعالےٰ سورۂ نجم میں اور دیگر سورتوں میں جتلاتا ہے کہ ولقد رآہ بالافق المبین فاستوی وہو بالافق الاعلےٰ ثم دنا فتدلی فکان قاب قوسین او ادنی فاوحی الی عبدہ ما اوحی ما کذب الفؤاد ما رای افتمارونہ علےٰ ما یری۔ کہ محمدؐ نے جبرئیلؑ کو آسمان کے کنارے پر عیاناً دیکھا۔ اور جبرئیل جبکہ بلند کنارے پر تھے سنبھلے اور نزدیک ہوتے گئے یہانتک کہ کمانوں کے فاصلے کے برابر یا اُس سے بھی کم قریب آ کر ہمارے بندہ کو جو کچھ وحی کرنا تھا وحی کیا (سورۂ اقرا کی یہ آیات) اور محمدؐ صلعم کے دل کو اطمینان ہو گیا۔ پھر کہا اے لوگوں جو کچھ اُنہوں نے دیکھا اُس میں شک کرتے اور جھگڑتے ہو۔ رہا ورقہ کے پاس جانا یہ ایک انسانی فطرت کے باعث تھا۔ اور ورقہ جانتے تھے اس لئے ایمان لے آئے۔

اب ہم آیات کی تفسیر کرتے ہیں- اقرأ باسم ربک کہ اے نبی پڑھ اپنے رب کے نام سے- اسکے دو معنی ہیں اول یہ کہ باسم میں بازائد ہے
تب یہ معنی ہونگے کہ پڑھ اپنے رب کا نام یعنی اسکو یاد کر- اور اسم کا لفظ اس مقام میں اسلئے بڑہایا کہ ذات حق کیطرف ابتدائی حالت میں بغیر ملاحظہ
صفات کے رسائی نہیں اور اسم میں صفات کا ملاحظہ ہوتا ہے اور اسلئے اسکے بعد منجملہ اور صفات کے صفت الذی خلق ذکر کی یعنی وہ جو
پیدا کرتا ہے اور اسمیں شان ربوبیت ہی جلوہ گر ہے جو اول میں باسم ربک میں ظاہر کی گئی ہے اور اسلئے باسم اللہ نہ کہا بلکہ باسم ربک
فرمایا تاکہ ذات بحت کا ملاحظہ ابتدا میں شاق نہو- اور نیز ربک کے لفظ میں تسلی بہی ہے کہ کسی اجنبی کے نام یاد کرنے کا حکم نہیں دیا جاتا بلکہ
تمہارے اُس خالق کا کہ جسنے ابتک تمہاری ظاہری اور باطنی پرورش کی اور کرتا ہے اور کریگا اور یہ اُسکی صفت ربوبیت ہی کا
تقاضا ہے کہ تمکو تعلیم سے ترقی دیکر مخلوق کا ہادی بنانا چاہتا ہے- رب کا نام پڑہنا یعنے اُسکا ذکر کرنا- عام ہے کہ زبان سے مع
تعداد ہو یا بے تعداد یا محض قلبی ہے مگر اصل مقصود اس صفت کا استغراق اور مراقبہ ہے تاکہ اس آسان رستہ سے شاہد مقصود تک
پہونچے اور اس آئینہ سے اُسکے جمال باکمال کا نظارہ کرے- اور فی الحقیقت جملہ صفات باری سے اس صفت ربوبیت کی طرف
جسقدر انسان کیا کل مخلوق کو فطرتاً دلبستگی ہے اسقدر اور سے نہیں کیونکہ اول تو اُسکا مشاہدہ ہر دم کرتا ہے کسی دلیل و برہان یا
کسی کے اظہار و بیان پر موقوف نہیں جسقدر جسکو ادراک ہے اُسیقدر وہ اپنے اندر اُسکی شان پرورش کو ملاحظہ کر سکتا ہے- دوم
اسمیں جو مخلوق اور خالق میں رابطہ ہے اُسکا ہی کامل اظہار ہے- انسانی محاورے میں لفظ رب کی جگہ کبھی پیار سے باپ کا لفظ
مستعمل ہوتا ہے کس لئے کہ باپ میں ہی اپنے بچہ کے لئے ربوبیت کا ایک جلوہ ہے- حضرت عیسٰے علیہ السلام نے اسی لحاظ سے
خدا تعالیٰ پر اس لفظ کا استعمال کیا اور اے میرے رب کی جگہ اے میرے باپ کہا مگر اُنکے بعد عیسائیوں نے یہی سمجھ لیا کہ در
اصل حضرت عیسٰی خدا تعالےٰ کے بیٹے اور وہ اُنکا باپ ہے- (اور یہ بھی معنے ہیں) کہ بے باسم ربک میں استعانت کے لئے ہے
جیسا کہ کتبت بالقلم میں- اس تقدیر پر یہ معنی ہوئے کہ پڑھ اپنے رب کے نام کی مدد سے- کیا پڑھ- ؟ قرآن یا یوں کہو
جو کچھ تجھے سُنایا جاوے اور جو کچھ تجھ پر وحی کیا جاوے-

ف ہر چند حضرات انبیاء علیہم السلام خصوصاً سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم ازل ہی میں پڑہائے جاتے ہیں-
اور مدرسہ الٰہی میں اعلےٰ درجہ کی تعلیم پاکر دنیا میں مخلوق کو پڑہانے اور سدھارنے آتے ہیں مگر ظہور اُنکا اس عالم میں
پیکر انسانی میں ہوتا ہے تاکہ اس مجانست سے بنی نوع انسانی بآسانی تعلیم پاسکیں- اور پیکر انسانی یہی خاک و آب وغیرہ
عالم ناسوت کے کثیف اجزا ہیں جنکی خاصیت جہل اور نسیان اور لذات حسیہ پر فریفتگی ہے اس لئے آنحضرت صلعم کے دل
کو بلوغ سے پہلے ہی سینہ چاک کرکے آب قدس سے دھو دیا گیا تھا تاکہ لذات حسیہ کی فریفتگی اور جملہ تلوثیات
دور ہوجاویں- اور بلوغ کے بعد ایک دوسرا عالم شروع ہوتا ہے اس لئے بعد بلوغ بہی قلب مبارک
کو آب قدس سے دھویا تاکہ تمامی عمر خصائص ہیولانیت سے پاک اور مبرا رہیں پھر جب عالم ناسوتی میں عہدۂ رسالت
کبریٰ عطا ہوا تو جبرئیل نے عیاناً غار حرا میں وہ کچھ پڑہایا کہ اولین و آخرین کے جملہ علوم آپ کے بحر علوم کا ایک
قطرہ ہوگئے اور ایسا پڑہایا کہ آپنے اندھوں کی آنکھیں کھولدیں دلوں کے حجاب اُٹھا دیئے مردہ اجسام میں نئی روح پھونکدی جہلا کو
علوم کا چشمہ بنا دیا کما قال تعالیٰ یتلوا علیہم آیاتہ ویزکیہم ویعلمہم الکتاب والحکمۃ- اور در اصل پڑہانے والا اللہ تعالیٰ تہا جبرئیل ایک واسطہ درمیانی تہہ

(حاشیہ: اول معنی)

(حاشیہ: دوسرے معنی)

اسلئے کمال پر پہونچکر جبرئیل سے بہی بڑہ گئے۔ اور اسی بات کیطرف باسم ربک الخ میں اشارہ ہی کیونکہ یہ انکشاف علوم اسم ربک کی برکت تہی اول اسم ربک فرمایا تاکہ رب کی شان ربوبیت جسمیں تعلیم علوم بہی ہے اپنے اندر غور کرنے سے ظاہر ہوجاوے یہ شبہ النفس ہے۔ اسکے بعد آفاق کیطرف متوجہ کرنے کے لئے فرمایا ہے الذی خلق کہ جس نے تمام مخلوق کو بنایا۔ اپنی ذات میں ربوبیت کا جلوہ دیکہنے کے بعد کہ اسنے میرے ظاہر اور باطن میں کیا کیا صنعتیں صرف کی ہیں اور پہر کسطرح ہر لحظہ اُنکی تکمیل کے اسباب بہم پہونچا رہا ہے مخلوق میں غور کرنے سے اور بہی حیرت ہوتی ہے اور مخلوق میں سے انسان سب سے زیادہ نمونہ ربوبیت ہے اسلئے اسکے بعد فرمایا خلق الانسان من علق وہ رب کہ جسنے انسان کو خون کے لوتھڑے سے بنایا۔ علق علقہ کی جمع ہے جسکے معنے ہیں خون بستہ۔ مختلف غذاؤں نے ہضم کے بعد جسم میں ایک نیا رنگ بدلا اور سبکا عطر کھینچکر ایک دوسرا جوہر تیار ہوا جسکو منی کہتے ہیں جسمیں جملہ کمالات جو تدریجاً ظاہر ہونگے ودیعت رکہے ہوئے ہیں یہ پہلا استحالہ یا اول ترقی تہی اسکے بعد جب وہ منی عورت کے رحم میں جاتی ہے تو چند روز کے بعد خون بستہ ہوجاتی ہے یہ دوسرا استحالہ ہوا۔ پھر یہ خون چند روز کے بعد ترقی کرکے گوشت کا لوتھڑا بنجاتا ہے اُسکو مضغہ کہتے ہیں یہ تیسرا استحالہ ہوا۔ اب صناع حقیقی اُسمیں سے مختلف اجزا ہاتہہ پاؤں سر دل دماغ نمودار کرتا ہے اور ہر ایک عضو کی خاصتیں اُسکو عطا کرتا ہے اب منی کے اندر جو کمالات ودیعت تہے خوب ظاہر ہونے لگے اب ایک ہی مادہ سے مختلف اجزاء بنانا اور اُن میں یہ حیرت انگیز نقاشی کرنا کیا طبیعت جسم بے تمیز کا فعل ہے ہرگز نہیں پھر کیا ماں باپ کی کاریگری ہے ہرگز نہیں انکو تو خبر ہی نہیں کہ اندر کیا ہو رہا ہے اور ابتک بہی جو جو مصلحتیں اور حکمتیں اُسکے اعضا میں رکھی ہیں اُنکی بہی تشریح سے بڑے بڑے اطباء عاجز ہیں قدرت کے بنائے ہوئے اعضاء میں کوئی جوڑ نہیں لگا سکتے اور نہ کسی میں کوئی زائد قوت رکہہ سکتے ہیں پھر ماں باپ بے علم کو کیا تمیز پھر یہ کون کاریگر ہے اور کسکے مبارک ہاتہہ اس اندھیر کوٹھری میں یہ حیرت بخش کاریگری کرتے ہیں ؟ اُسی قادر مطلق اور حکیم برحق کے۔ یہ چوتھا استحالہ تھا۔

اسکے بعد اسمیں حیات یعنی جان ڈالی جاتی ہے اور وہیں اسکے تغذیہ وتنمیہ کے سامان وہ رب حقیقی مہیا کرتا ہے اور رحم ہی میں پورے انسان بنجاتے ہیں یہ پانچواں استحالہ تھا۔ الغرض جب وہ منی اتنی الٹی پلٹیوں کے بعد انسان ہوجاتی ہے اور حضرت انسان رحم سے باہر آتے ہیں تب اُسپر ربوبیت کا اظہار یوں ہوتا ہے کہ اول تو اُسی جسم میں سے اُسکے لئے غذا تیار کی۔ ماں کی پستانوں میں دودھ پیدا کیا اس مرتبہ میں اس سے بڑھکر نہ کوئی غذا مفید ہے نہ آسان ہے پھر اُسکو بہی دودہ پینا اور منہ سے چوسنا سکہایا۔ جب اس عرصہ میں اُسکی اور بہی تکمیل ہوگئی اور اُسکے جسم میں دوسری غذا کیلئے قابلیت پیدا ہوگئی دانت نکل آئے معدہ میں قوت آگئی دوڑ پھر کر ہضم کرنیکا سامان بہی بہم پہنچگیا تو دنیا بھر کا الوان نعمت سے بھرا ہوا دستر خوان اُسکے لئے بچہا دیا گیا اب جو چاہیں کھائیں جو چاہیں پئیں اب بولنے بہی لگے حس ادراک بہی کرنے لگے اور اس میدان میں ترقی کرتے چلے یہانتک کہ عقل ہیولانی کے تنگ دائرہ سے نکلکر عقل بالفعل اور عقل کل تک جا پہونچے اب تو زمین وآسمان کے قلابے ملانے لگے۔ ان جملہ مراتب کو لحاظ کرے تو اُسکی شان ربوبیت کا کامل جلوہ نظر آنے لگے اور یہ بہی جان لے کہ اُسکی ربوبیت کا سلسلہ یہیں تک ختم نہیں ہوا بلکہ ایک دوسرے عالم تک جاتا ہے جسکے لئے علوم روحانیہ پڑہائے جاتے ہیں۔

ف منی کے مادہ کا ذکر چھوڑ کر خون بستہ کا ذکر کرنا اسوجہ سے ہوگا کہ ماں کے رحم میں آکر خون بستہ ہوجانا اول استحالہ ہے اور یہیں سے انسان کی عمارت شروع ہوتی ہے اور نیز عمارت تمام ہونیکے بعد بہی خون ہی کے زور پر قائم رہتی ہے اسی سے اجزاء تحلیل شدہ پھر تیار ہوجاتے ہیں اور اسی سے روح نفسانی وحیوانی وطبعی بنتی ہے وہ ہی روح انسانی یعنی نفس ناطقہ کا مرکب ہے بھلا کوئی کاریگر کسی مادہ سے ایسا خون بناکر تو دکھادے۔

مضامین مذکورہ بالا جو شان ربوبیت یاد دلاتے ہیں ذکر فرما کر پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اقرء پڑھ یہ کلمہ تاکید کے لئے دوبار استعمال کیا۔

فوائد: انجملہ

ف مفسرین نے اس کلمہ کے دوبارہ آنے کی بہت سی حکمتیں بتائی ہیں از انجملہ یہ ہے کہ اول بار جو اقرء فرمایا تھا اس سے مراد خود کا پڑھنا تھا کس لئے کہ آپ بظاہر اُمی تھے پھر جب تک کہ پہلے آپ کو نہ پڑھایا جاوے تب تک آپ اوروں کو کیا پڑھا سکتے تھے اس لئے اسکے بعد دوسرا اقرء فرمایا کہ اب آپ لوگوں کو پڑھائیں آپ ہی اُستاد الکل فی الکل ہیں یہ دستار فضیلت آپ ہی کے سر مبارک پہ قضاء وقدر کے ہاتھوں نے باندہی ہے از انجملہ یہ ہے کہ اقرء اول سے علوم باطنیہ کے پڑھنے کیطرف اشارہ ہے اور اقرء ثانیہ سے علوم ظاہرہ کیطرف یا برعکس۔ از انجملہ یہ کہ اقرء اول کی اقرء دوم تاکید ہے جیسا کہ کہتے ہیں پڑھو پڑھو اور یہ اس لئے کہ آپنے بھی کئی بار انکار ما انا بقاری کہہ کر کیا تھا۔

از انجملہ

یہ پڑھانا پڑھنے والے کے لئے ایک بڑا بھاری کام ہے بغیر مدد غیبی کے ہو نہیں سکتا اسلئے مدد غیبی کا بھروسا دلانیکے لئے اسکے بعد یہ بھی فرما دیا وربک الاکرم کہ تیرا رب کریم ہے اُسکے کرم اور فضل پر بھروسہ رکھو اُسکا کرم اے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) ضرور تمہاری دستگیری کریگا اور یہ بھاری کام تمہارے لئے آسان ہو جاویگا۔ اور اُسکے کرم کا یہ ثبوت ہے کہ الذی علم بالقلم اُسنے انسان کو قلم یعنی لکھنا سکھایا وہ مطالب جو ذہن میں ہوتے ہیں قلم کے ذریعہ سے کاغذ پر ثبت ہو جاتے ہیں جنکو لکھنے والا ہی سمجھ سکتا ہے اور بھولی بات کو لکھی دیکھکر یاد کر لیتا ہے اور دوسرا شخص بھی گو سیکڑوں ہزاروں برس گزر گئے ہوں مگر لکھی ہوئی بات کو سمجھ لیتا ہے اور ایک کے سینے کا مضمون دوسرے کے سینہ میں مرتکز ہو جاتا ہے۔

قلم پہ نہ صرف سلطنت تجارت حرفت کا دارمدار ہے بلکہ دینی امور بھی قلم کے ذریعہ سے آئیندہ نسلوں تک بحفاظت پہونچتے ہیں حضرات انبیاء علیہم السلام کی کتابیں اور اُنکے علوم اور اسیطرح اولیاء کرام کے فیوض و برکات جو پچھلوں کو پہونچے اور پہونچ رہے ہیں قلم ہی کے ذریعہ سے اسلئے قلم کے محامد میں لوگوں نے بہت کچھ عمدہ مضامین لکھے ہیں۔

اور دوسرا ثبوت اُسکے کرم کا یہ ہے کہ علم الانسان مالم یعلم کہ انسان کو جسکی حقیقت بیان ہو چکی ہے کہ وہ خون کی ایک پھٹکی سے بنا ہے وہ وہ چیزیں سکھائیں کہ جنکو وہ جانتا نہ تھا۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کو اسرار غیب بتائے بندوں کی نجات اور دنیاوی انتظام کے قانون سکھائے عرفاء کو مواجید و اشواق کے رستے بتائے ذات و صفات کے علوم عطا کئے حکماء کو صدہا علوم اور علوم کے اصول سکھائے جن سے اُنہوں نے دنیا میں وہ وہ عجائب فنون ایجاد و اختراع کئے جو حیرت بخش ہیں عام ہے کہ قلم کے ذریعہ سے یا خود اسکے دل میں القاء کئے ہیں۔ ان آیات میں اسطرف بھی اشارہ ہے کہ تعلیم الٰہی کے دو طریقے ہیں ایک تعلیم قلم یعنی تعلیم کتابی یہ کسی دوسرے کا فیض ہوتا ہے جو پڑھنے والے کو حاصل ہوا کرتا ہے۔ دوم تعلیم روحانی یا لدنی جو وحی و الہام کے ذریعہ سے انبیاء کو ہوتی اور قرآن تعلیم لدنی ہے اور یہ قلم کے ذریعہ سے پچھلوں تک متوارث ہوتا رہیگا۔ بعض عرفاء فرماتے ہیں کہ قلم سے مراد قلم اعلیٰ ہے یعنی روح اعظم جو واسطہ ہے علوم غیبیہ کا۔ اسکے ذریعہ انسان کو وہ کچھ سکھایا جو جانتا نہ تھا۔ ف انسان کو جن وسائل سے علم آتا ہے بہت سے ہیں از انجملہ قلم ہے جسکا ذکر ہوا از انجملہ حواس ظاہرہ و باطنہ ہیں یہ جزئیات مادیات کے علم میں کام آتے ہیں از انجملہ استدلال و نظر و فکر ہے جو چند معلومات کے مرتب کرنے سے مجہول چیز معلوم ہو جاتی ہے از انجملہ کشف ہے۔ از انجملہ رویاء صادقہ ہیں از انجملہ وحی و الہام ہے۔ نجوم و رمل و جفر علم معین یقین کے ذرائع نہیں انسے جو حاصل ہوتا ہے وہ ظن ہے اور وہ کارآمد نہیں۔ اب ان بے انتہا نعمتوں کے بدلہ میں انسان اپنے منعم سے کیا کرتا ہے۔

كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۝ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۝ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ۝ اَرَءَيْتَ الَّذِىْ يَنْهٰى ۝ عَبْدًا

بیشک انسان تو سرکشی کر رہا ہے۔ اسلئے کہ اپنے آپکو بے پرواجان رہا ہے۔ پھر کر تو تیرے رب ہی کے پاس جانا ہے۔ تم نے اسکو بھی دیکھا جو بندے کو

اِذَا صَلّٰى ۝ اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰٓى ۝ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ۝ اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝ اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ۝

نماز سے روکتا ہے۔ بھلا دیکھو تو سہی اگر وہ راہ پر ہوتا یا پرہیزگاری سکھاتا۔ بھلا دیکھو تو سہی اگر اُسنے جھٹلایا اور منہ موڑ لیا تو کیا وہ نہیں جانتا کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔

ترکیب

کلا فیہا اقوال (۱) انہا بمعنی حقا وہو مذہب الکسائی۔ لانہ لیس قبلہا ولا بعدہا شئی تکون کلا ردًا لہ ذکرہ الجرجانی صاحب النظم (۲) ہو ع وزجر لمن کفر انعامہ تعالیٰ لطغیانہ وان لم یتقدم لہ ذکر (۳) مذہب ابی حیان انہا بمعنی الا التنبیہ نحو الا انہم ہم المفسدون فیقف علے ماقبلہا وعلے الاول الوقف علیہا ان راہ بالنصب قال الاخفش اصلہ لان راہ فحذفت اللام کما یقال انکم لتطغون ان رئیتم غنا رکم۔ وقال ابن الصائغ ہو مفعول لہ اے لیطغی لذاک۔ والرویۃ ہہنا بمعنی العلم ولو کانت بصریۃ لا تمتنع الجمع بین الضمیرین فی فعلہا لشئی واحد لان ذلک من خواص علم ومثلہ فالمفعول الاول الضمیر فی راٰہ والثانی استغنیٰ الرجعیٰ والرجوع والمرجع کلہا مصادر۔ والرجعی علی وزن فعلی۔ ارایت فی المواضع الثلاثۃ بمعنی اخبرنی لان الرویۃ سبب الاخبار عن المرئی فاقیم مقام الاستفہام والخطاب لکل من یصلح لہ۔ ارایت فاعلہ الضمیر المستتر فیہ اے انت الذی موصول ینہی الضمیر الراجع فیہ اے الموصول فاعلہ عبدا مفعولہ اذا صلی متعلق بینہی والموصول مع الصلۃ مفعول لرایت والجملۃ الشرطیۃ (ان کان علے الہدی معطوف علیہ او امر بالتقوی معطوف) مفعولہ الثانی و جواب الشرط محذوف یدل علیہ قولہ الم یعلم الخ وارایت الثانی زائدۃ مکررۃ للتوکید ارایت الثالث مفعولہ الاول محذوف ان کذب وتولی شرط الم یعلم الخ جوابہ والشرط مع الجواب مفعولہ الثانی فان قلت کیف صح ان یکون الم یعلم جوابا للشرط قلت کما صح فی قولک ان احسن الیک زید ہل تحسن الیہ۔ الکشاف۔

تفسیر

کیا شکر گزاری اور نیازمندی کرتا ہے یا سرکشی اسکا بیان ان آیات میں ہے۔ کلّا نہیں نہیں انسان شکر گزاری نہیں کرتا بلکہ ان الانسان لیطغیٰ انسان سرکشی کرتا ہے۔ اور یہ کس لئے کرتا ہے ان راہ استغنیٰ کہ وہ اب اپنے آپ کو اُس منعم کا محتاج اور دست نگر نہیں سمجھتا جانتا ہے کہ اب مجھے کیا پروا ہے مجھ میں زور ہے تو ایسا میرے پاس مال واسباب ہے تو یہ کچھ۔ اور مجھے علم وعقل ہے تو یہ کچھ جسکے آگے تمام حیوانات میرے غلام۔ اور عناصر میرے خدمت گار ہیں۔ میں بجلی کی طاقت کو بس میں لاکر تار کے ذریعہ سے پل بھر میں سیکڑوں کوس اپنا مضمون پہونچا سکتا ہوں میرا الہام بھی کچھ کم نہیں۔ کہربائی طاقتوں سے وہ وہ حیرت انگیز کام کرسکتا ہوں کہ جو کوئی اور نہیں کرسکتا۔ ابخرات مائیہ کے زور سے ہزاروں من

بوجھ کھینچنے والی تیز چلنے والی ریل بناسکتا ہوں۔ بخارات کو بس میں کرکے کیسی کیسی مشینیں چلاسکتا ہوں سمندر کے سفر کیلئے میں نے اپنے علم اور عقل سے وہ وہ سامان بہم پہنچائے کہ سمندر پر میری حکومت ہوگئی۔ اور انسانی علاج میں میں نے وہ وہ نسخے بہم پہونچائے کہ جنکو سنکر حیرت ہوجاوے میں ہڈی کی جگہ اور ہڈی لگا سکتا ہوں اور بدن میں خون جدید پہونچا کر قوی کرسکتا ہوں۔ میں نے بارش کی حقیقت معلوم کرلی۔ اب جب چاہوں چند گولے چھوڑدوں انکے انجرات اوپر کو جاکر بادل بنجائیں اور پانی برسنے لگے۔ میں بجلی بناسکتا ہوں نوشادر اور جست اور تانبے کو ترکیب خاص سے ملادوں تو وہی کڑک وہی چمک ہونے لگے۔ اب میں آسمان کی طرف بھی غبارہ میں بیٹھ کر اوڑنے لگا ہوں میں نے وہ وہ دوربینیں ایجاد کی ہیں کہ جن سے عالم غیب کا مشاہدہ ہوجاتا ہے۔ لاکھوں کوس کے ستارے میرے سامنے آجاتے ہیں وہاں کی چیزیں مجھے خوب دکھائی دیتی ہیں۔ میں نے معاش میں وہ وہ کارآمد چیزیں ایجاد کی ہیں اور وہ وہ پُرلطف مکان بنانے جانتا ہوں کہ کوئی کیا بنائیگا۔ وہ وہ باجے ایجاد کئے ہیں کہ چابی دینے سے خود بخود گھڑیوں بجتے ہیں اور سننے والے کو محو کردیتے ہیں ہماری کوٹھی کا فرنیچر یعنی سامان کچھ جنت کے سامانوں سے کم نہیں۔ ابھی میں بہت سی چیزوں کی تحقیق میں سرگرم ہوں پھر دیکھئے میں کیا ہوجاتا ہوں۔ خدا خدا ارے کہاں ہے مجھے کوئی دوربین۔ خوردبین یا اور کسی آلہ سے تو دکھلائے۔ فلسفہ جدید کہتا ہے۔ یہ ایک انسان کا خیال ہے جو پشت در پشت چلا آیا ہے عالم اجسام مادہ کے سبب موجود ہے۔ آپ ہی چیزیں بگڑتی بنتی ہیں۔ جیسا کہ دریا کے جوش میں پانی کے بلبلے اٹھتے اور بیٹھ جاتے ہیں۔ مرنے کے بعد کس نے روح کو دیکھا ہے وہ تو قطعاً مرجاتی ہے۔ پھر آخرت اور ثواب وعقاب کا جھگڑا محض ریفارمروں نے لوگوں کے سمجھانے ڈرانے کے لئے بنالیا ہے اور اس بغیر انکا کام ہی نہیں چلتا تھا۔ یہ ہے وہ انسان بدبخت نمک حرام کی سرکشی جسنے اس خون کی بوند کو ایسا بنایا اور یہ کچھ سکھایا آج اس سے اکڑتا ہے اور یہہ سرکشی علے قدر مراتب ہمیشہ سے چلی آتی ہے۔ مکہ کے کافر اور مشرک اپنے حوصلہ کے موافق کرتے تھے آجکل جو علوم جدیدہ اور نیا فلاسفہ پھیلگیا اور عمدہ عمدہ سامان معاش بہم پہونچے تو صاف صاف بغاوت کی ٹھہرادی حالانکہ ابھی تو اس نمک حرام کو لاکھواں حصہ بھی نہیں بتایا ہے یہ خود جانتا ہے کہ فلسفۂ حال اور اسکی تحقیق کسی حد پہ جاکر ٹھہر نہیں گئی ہے ہر روز اور ہر سال نئی نئی باتیں معلوم ہوتی جاتی ہیں جن باتوں کا اگلے سال یقین تہا اب انکو غلط بتایا جاتا ہے الغرض جن جن نعمتوں پر شکر کرنا چاہیئے تہا انہیں پر اکڑنے لگا۔ کوئی حسن پر کوئی حسب ونسب پر کوئی مال وجاہ پر۔ کوئی علم وذہن پر کوئی اولاد ولشکر وتخت پر۔ بعض مفسرین انسان سے مراد ایک خاص انسان لیتے ہیں۔ مکہ کے کفار ابوجہل وغیرہ۔

اس بیان کے بعد انسانی سرکشی کو باطل کرتا ہے۔ فقال ان الیٰ ربک الرجعیٰ کہ بیشک تیرے رب

کیطرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ ہر پھر کر اُسی کیطرف آنا ہوتا ہے۔ اسکے دو معنے ہیں اول یہ کہ موت سے تو کسیکو بھی انکار نہیں جن حکیموں فیلسوفوں نے یہ کچھ ایجاد و اختراع کئے ہیں آخر وہ بھی اپنی صحت اور جوانی کی بقاء کی کوئی تدبیر نہیں کرسکے دیکھ رہے ہیں کہ عمر رواں ہاتھ سے چلی جارہی ہو تندرستی اور جوانی کا قافلہ لُٹ رہا ہے یکے بعد دیگرے اُسکے قوی جواب دیتے چلے جاتے ہیں آخر ایک روز یہ سرکش لمبے چوڑے دعوے کرنیوالا بھی چلدیتا ہے بےحس و حرکت ہوکر گرپڑتا ہے اب اُسکی روح خدا کے پاس جاتی ہے اپنے کئے کا بدلا پاتی ہے۔ دویم یہ کہ باوجود ان نعمتوں اور ان علوم کے جو اسکو خدا نے تعلیم کئے اور جن پر یہ سرکشی کرنے لگا اور منعم سے اکڑ بیٹھا جب اُنکی اسکی کوئی تدبیر بگڑتی ہو تو پھر خدا ہی سوجھتا ہو زمانہ حال کی بڑے مدعی جب اُنکا جہاز سمندر کے طوفان میں پھنستا ہو اور حیلہ تدابیر سے عاجز آجاتے ہیں تو خدا ہی سوجھتا ہو۔ اسیطرح وہ لشکر جنکے اسلحۂ جنگ پر ناز تہا شکست کہاتا ہو اور کوئی تدبیر بن نہیں پڑتی تو خدا ہی کی طرف دل دوڑتا ہو بڑے بڑے حکیم و ڈاکٹر جو اعجاز مسیحا کے مدعی تہے جب تدبیر بگڑتی ہے اور کچھ بن نہیں آتی تو وہی سوجھتا ہو۔ بھر طور بہرحال اور بشان میں اگر غور سے دیکھا جاوے تو انسان پر تمام تدابیر اور زوروں کے بعد ایک ایسی حالت بھی آتی ہو کہ جہاں بجز ناچاری کے اور کچھ نہیں ہوسکتا یہی وہ حالت ہے کہ جسکو رب کی طرف رجوع کرنے سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جنکی اندرونی آنکھیں روشن ہیں وہ تو اسوقت ہی دل سے اُسکی طرف رجوع کرتے ہیں اور خواب غفلت سے بیدار ہوکر جان لیتے ہیں کہ تمام اسباب کا سلسلہ ایک مسبب الاسباب کے ہاتھ میں ہے۔ مگر جو گمراہ ازلی ہیں اور بالکل تیرہ باطن ہیں اور بہائم سے زیادہ اُن میں باطنی حس وادراک نہیں وہ اُس حالت میں بھی کہ جو رجوع الی اللہ کی حالت ہے دل سے رجوع نہیں ہوتے اور اُسی گمراہی کے جال میں پھنسے رہتے ہیں۔ منجملہ اُسکے سرکشی کی ایک حرکت بد یہ بھی ہے ارءیت الذی ینہی عبدا اذا صلی کہ بندے کو نماز پڑھنے سے روکتا ہے۔ یعنے اللہ کے بندوں کو نماز اور رجوع الی اللہ سے روکتا ہے۔ آپ تو رکا ہوا تہا ہی اوروں کو بھی روکتا ہے یہ گمراہی اور سرکشی کا کمال درجہ ہے۔ ابوجہل لعین نے بھی ایسا ہی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا تہا کہ آپ نماز پڑھ رہے تہے پیچھے سے آکر گلے میں پٹکا ڈالکر اس زور سے کہینچا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں نکل آئیں۔ اور کہا کہ اگر پھر کبھی تجھے کعبہ میں نماز پڑھتے دیکھوں گا تو گردن توڑ ڈالونگا اور بلال جو غلام تہے جب تک اُسکی ملک میں تہے اُنکو بھی نماز سے روکتا تہا۔ اسوجہ سے مفسرین نے کہدیا کہ یہ آیات ابوجہل کے حق میں نازل ہوئی ہیں۔

ف نماز سے روکنے سے وہی روکنا مراد ہے جو عبادت الٰہی کا مخالف بنکر روکے ورنہ بیقاعدہ اگر کوئی نماز پڑھے جیسا کہ اوقات مکروہ میں یا غصب کی زمین میں یا فرائض وسنن کے علاوہ اور زیادہ نوافل میں نوکر یا بیوی مصروف ہوکر حرج کار کرے تو یہ روکنا وہ روکنا نہیں۔

اب یہ بتاتا ہے کہ بجائے اس سرکشی کے اسکو یہ کرنا تہا۔ فقال ارایت ان کان علے الہدیٰ او امر بالتقوی کہ اسے دیکہنے والے دیکہہ تو سہی وہ ناشکر متکبر باغی بندہ جو اوروں کو بہی خدا کیطرف رجوع ہونے سے روکتا ہے اگر بجائے اس گمراہی اور سرکشی کے خود ہدایت پر ہوتا یعنی سیدہی راہ چلتا جو انبیاء کی راہ ہے اور اس سے بہی ترقی کرکے اوروں کو بہی تقویٰ و پرہیزگاری کی ہدایت کرتا حکم دیتا تو کیا ہی اچہا ہوتا۔ گمراہی اور سرکشی کے بدلے ہدایت پر ہوتا اور لوگوں کے روکنے کے بدلے انکو بہی ہدایت کرتا مہدی اور ہادی ہوتا تو کیا بگڑ جاتا برخلاف اسکے ضال و مضل بنگیا نعمت کی شکرگزاری یہ ہے نہ وہ۔

ف لفظ او جسکے معنی یا کے ہیں انفصال حقیقی کے لئے نہیں صرف منع خلو کے لئے ہو کہ انمیں سے ایک نہ ایک بات ضرور کرنی تھی اور جو دونوں ہوتیں تو اور اچہا ہوتا مگر وہ بدنصیب تو ادہر آتا ہی نہیں اس بات کو اس جملہ میں ارشاد فرماتا ہے ارایت ان کذب و تولی الم یعلم بان اللہ یریٰ دیکہہ تو سہی اگر اس بدبخت نے ارشاد الٰہی کو جو اسی کی بہترین کے لئے تھا بجائے تصدیق کرنیکے جھٹلا دیا اور منہ موڑ لیا ہے تو کیا یہ نہیں جانتا کہ اللہ بھی دیکہہ رہا ہے۔ خلاصہ کلام اگر وہ خود بھی ہدایت پر ہوتا اور دوسروں کو بھی اور جو اسنے جھٹلا دیا اور منہ موڑ لیا تو بھی خدا نیکی بدی کا بدلہ دیتا ہے پھر جو بندہ نیکی سے روکتا اور بدی کرتا ہے کیا اسنے یہ سمجھ لیا ہے کہ خدا دیکھتا نہیں ہے ضرور دیکہتا ہے۔ اس میں اجمالی طور پر اعتقادات کی جزا و سزا کیطرف اشارہ ہے۔ اور تفصیل اسکی یہ ہے کہ حق سبحانہ لطیف و خبیر ہے کوئی جوہر اور کوئی عرض اس کے علم سے باہر نہیں اور علم بھی علم حضوری کہ نہ ذہول ہو نہ نسیان اور یہ اس لئے کہ وہ خالق ہے اور جواہر و اعراض مخلوق ہیں اور علت کو معلول کا علم حضوری ہوتا ہے اور یہ بھی ثابت کہ وہ عادل ہے پھر اسکے نزدیک محسن اور مسی نیک اور بد برابر کیونکر ہوسکتے ہیں اور قادر بھی ہے اور قدرت کاملہ کا ثبوت اس کے خالق ہونے سے بخوبی ہے۔ پھر قادر بھی ہو عادل بھی ہو عالم بھی ہو کہ اعمال تو اعمال دلوں کے خطرات بھی اسکو معلوم ہوں پھر اگر وہ نیک کو جزا اور بد کو سزا نہ دے تو عالم کی بادشاہی تو بڑی چیز ہے ایک گہر پر بھی حکومت نہیں کرسکتا اسلئے جس طرح اسکے فضل کا مقتضے یہ تہا کہ اسنے انسان کو یہ نعمتیں عطا کیں اور علم کی دستار اسکے سر پر باندھکر اور مخلوق کا سردار بنایا اسی طرح اسکے عدل و انصاف کا بھی یہ تقاضا ہے۔ کہ ان نعمتوں کے شکر کرنے والے کو دنیا میں یا مرنیکے بعد جزاء خیر عطا کرے اور وہ کیا ہے حیات جاودانی اور سرور ابدی۔ اور شکر یہ کیا ہے ایمان لانا اور نیک کام کرنا اور یہ خیال رکہنا کہ مجھے اللہ جل جلالہ کے سامنے حاضر ہونا ہے اور دل سے اس محسن کی محبت کرنا اور ناشکری کیا ہے کفر اور طغیان اور نیکی سے اوروں کو بھی روکنا تو اسکی سزا جہنم ہے۔

چنانچہ اگلی آیتوں میں اسکی تصریح فرماتا ہے

كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ۙ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۚ فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ۙ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ۙ

سردار لیں وہ [illegible] تو [illegible] جو [illegible] گنہگار ہے لے اب بلالے کا اپنی مجلس کو ہم بھی اپنے پیادے بلاتے ہیں

كَلَّا ۭ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۩

خبردار، اسکا کہنا نہ مانیو اور سجدہ کرو اور نزدیک ہوجاؤ۔

ترکیب

کلا۔ زجر للناہی عن الصلوٰۃ والخیرات۔ لئن شرطیۃ واللام موطئۃ للقسم اے واللہ لئن لم ینتہ عما ہو علیہ شرط لنسفعا الخ جواب الشرط۔ واصلہ لنسفعن۔ صیغۃ جمع المتکلم مع لام التاکید ونون الخفیفۃ للتاکید۔ السفع القبض علی الشئے وجذبہ بشدۃ اکشیدن) یقال سفع یسفع رسفع موئے پیشانی گرفتن رعع بفتحہا) یقال بہ سفعۃ من الشیطان اے مس وسوختن آتش وسموم روی وادرنگ گردانیدن۔ رسفعہ بالضم سیاہی کہ بسرخی زند) صراح وقری لنسفعن بنون مشددۃ ونون المخففۃ تبدل بالالف فی الوقف لسکونہا وانفتاح ماقبلہا۔ وکتبت فی المصحف بالالف علی حکم الوقف۔ ولما علم انہا ناصیۃ المذکور اکتفی بلام العہد عن الاضافۃ فقیل بالناصیۃ ناصیۃ بدل من الناصیۃ وجاز بدلہا عن المعرفۃ لانہا وصف بکاذبۃ خاطئۃ فاستقلت بفائدۃ وصارت کالمعرفۃ۔ وقرئت ناصیۃ بالرفع علی انہا خبر مبتدء اے ہی وقرئت بالنصب علی الذم۔ ووصف الناصیۃ بالکذب والخطاء وہما لصاحبہا علی الاسناد والمجازی للمبالغۃ والناصیۃ شعر مقدم الراس۔ النادی المجلس الذی ینتدی فیہ القوم اے یجتمعون والمراد اہل النادی رنداء بالکسر والمد آواز دادن وخواندن وقد یضم ایضا مثل دعاء ورغاء مناداۃ مثلہ وتنادوا اے نادی بعضہم بعضا ندی ندوۃ نادی منتدی انجمن) صراح الزبانیۃ قال الکسائی والاخفش وعیسے بن عمر وجمع زابن وقال ابوعبیدۃ جمع زبنیۃ۔ وقیل زبانی بتشدید الیاء۔ وقیل ہو اسم الجمع لا واحد لہ من لفظہ کعبادیہ وابابیل۔ واصل الزبن الدفع والعرب تطلق ہذا الاسم علی من اشتد بطشہ قال قتادۃ ہم الشرط قرء الجمہور سندع بالنون ولم یرسم الواو کما فی قولہ یوم یدع الداع۔

تفسیر

کلا۔ خبردار۔ یہ اس ناشکر کو جھڑکی ہے۔ واضح ہو کہ لفظ کلا کے کلام عرب میں کئی معنے ہیں۔ کبھی بمعنی بیشک وتحقیق کے آتا ہے کبھی حرف تنبیہ کی جگہ مستعمل ہوتا ہے جیسا کہ الا اس کے معنی ہیں دیکھو۔ کبھی تنبیہ وزجر وتوبیخ کے لئے آتا ہے جس کے معنے ہیں خبردار۔ یا نہیں نہیں اس جگہ اس معنے میں مستعمل ہے۔ اور یہ کلمہ قرآن مجید کے نصف اول میں مستعمل نہیں ہوا نصف اخیر بالخصوص آیات وسورہ مکیہ میں آیا ہے وجہ اسکی یہ ہے کہ مکہ کے لوگ کفر وبدکاری اور بیہودہ گوئی پر اصرار اور ہٹ دھرمی زیادہ کرتے تھے۔ اس جھڑکی کے بعد فرماتا ہے لئن لم ینتہ لنسفعا بالناصیۃ ناصیۃ کاذبۃ خاطئۃ اگر وہ بدکیش ناشکر کافر اسپر بھی باز نہ آیا تو ہم اس کی ڈب پکڑ کر کھینچیں کے یعنی پیشانی کے بال پکڑ کر

جو خطا کار اور جھوٹی پیشانی ہے۔

ف۱۔ پیشانی پکڑ کر گھسیٹنے سے مراد سر کا ذلیل و خوار کرنا ہے، دنیا اور آخرت میں۔ انجام کار ایسے متکبر و کافر سخت رسوا اور بہت ذلیل ہوتے ہیں۔ خدائے جبار انکے سب زور توڑ دیا کرتا ہے۔ کوئی تدبیر نفع نہیں دیتی اور جو کسی مصلحت سے دنیا میں چند روز مہلت بھی دی تو مرنے کے بعد تو یہی سزا ہے سفع کے معنے گھسیٹنے کے بھی ہیں اور سیاہی کو بھی کہتے ہیں اس لئے دوسرے معنے پر خیال کر کے علماء نے یوں مطلب بیان کیا ہے کہ ہم اسکو روسیاہ کر دیں گے۔

ف۲ پیشانی سر میں ایک نمود کی چیز ہے، اور سر ہی تمام غرور اور بطالت کا خزانہ ہے اس لئے ذلیل کرنے میں پیشانی کا ذکر کیا اور اس لفظ سے تعبیر کیا اور چونکہ یہ پیشانی یعنے سر غرور اور خیالات بیہودہ کا مخزن ہو دماغ ہی میں یہ لغویت ہوتی ہے۔ اس لئے اسکو خاطیہ یعنے خطا کار کہا یعنی غلط خیالات کا مخزن۔ اور اس میں جھوٹی تمنائیں بھی ہوتی ہیں کہ جس طرح دنیا میں ہم نے عزت حاصل کی خدا کے ہاں بھی حاصل کریں گے۔ اور یہ بھی کہتے تھے کہ ہمکو کون سزا دے سکتا ہے اس لئے اسکو کاذبہ یعنی جھوٹی بھی فرمایا یعنی وہ علوم جو اسکو راہ حق سے روکے ہوئے تھے بطالت و کذب تھے۔ بعض فرماتے ہیں کہ پیشانی خاطئہ کاذبہ ہونے سے مجازاً پیشانی والا مراد ہے۔

ف۳ خاطی اور مخطی میں فرق ہے۔ اول وہ جو دیدہ دانستہ کوئی برا کام یا غلطی کاری کرے۔ دوئم وہ جو بھول سے اول کی سزا جہنم ہے جیسا کہ ایک جگہ فرمایا ہے من غسلین لا یاکلہ الا الخاطئون۔ دوسرا قابل درگذر ہے جیسا کہ اس آیت سے سمجھا جاتا ہے ربنا لا تواخذنا ان نسینا او اخطانا کہ اے ہمارے رب بھول اور نادانستہ خطا پر ہمیں نہ پکڑنا۔

اگر اسپر بھی بس نہو اور یہ سمجھے کہ ہمکو کون پکڑ سکتا ہے جیسا کہ ابو جہل لعین نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو خانہ کعبہ میں نماز اور قرآن پڑھنے سے روکا اور دھمکی دی کہ اب دیکھوں گا تو گردن توڑ ڈالونگا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے قہر سے ڈر وہ چاہے تو تیری گردن توڑ ڈالے۔ اسپر اس نے کہا میری گردن کون توڑ سکتا ہے اگر میں اپنے اعوان و انصار کو کیا ہر وقت مجلس اور دربار کے بیٹھنے والوں کو بھی کہوں اور ان کو بلاؤں تو آدمیوں سے جنگل بھر دوں۔ اسیطرح ہر سر پر غرور کو خیال ہوتا ہے تو حق سبحانہ فرماتا ہے جب اسکی پیشانی کو پکڑ کر گھسیٹیں اور اسکو ذلیل و خوار کرنا چاہیں تو فلیدع نادیہ وہ اپنی مجلس اور اعوان و انصار کو بلالے دیکھیں کون آکر ہمارے مقابلے میں اسکو بچاتا ہے؟ کس لئے کہ سندع الزبانیہ ہم بھی اپنے جلادوں کو بلائے لیتے ہیں خدا تعالےٰ کے جلاد وہ قہر الٰہی کے فرشتے ہیں جن کے مقابلے کی کسیکو بھی طاقت نہیں۔ اور نیز وہ حوادث و ہولناک وقائع ہیں جو دنیا میں پیش آتے ہیں اور پھر کسی کے ٹالے نہیں ٹلتے۔ وبا۔ قحط۔ بیماری تنگدستی۔ بے عزتی۔ نفاق باہمی بزدلی۔ سوء تدبیر۔ کاہلی۔ غلبہ اعداء وغیرہ بھی آسمانی جلاد ہیں۔

ف۴ پھر جب ایک بار حسب دستور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے تو ابو جہل لعین نے دیکھا

اور حملہ کرنے کے لئے بڑھا جب قریب آیا تو کسی چیز کو ہاتھوں سے ہٹاتا ہوا پچھلے پاؤں جلدی سے لوٹا۔ لوگوں نے دیکھکر پوچھا تو کہا میرے اور اسکے درمیان ایک آگ کی خندق تھی اور پروں کی آواز معلوم ہوتی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بخدا اگر وہ میرے ہاتھ لگاتا تو اسکو فرشتے اچک لیجاتے اور تم سب کے سامنے پرزے پرزے کر ڈالتے (رواہ مسلم واحمد ونسائی وغیرہم)

آخرش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمودہ پیش آیا۔ بدر کی لڑائی میں اس واقعہ کے بعد ابوجہل بہت سے بہادروں کو لیکر نبی کریم صلعم کے مقابلہ میں نکلا حالانکہ اس کی جمعیت سہ چند تھی مگر جب قہرمان الٰہی نازل ہوا تو اس کی مجلس وجلیس کچھ کام نہ آئے اور بہت سے مارے گئے اور بہت بھاگے اور بہت سے گرفتار ہوئے اور یہ بھی زخمی ہوکر زمین پر گرا اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسکی گردن کاٹی۔ اور کان میں رسی ڈال کر گھسیٹتے ہوئے لائے۔ اور ایک گڑھے میں لاکر ڈال دیا گیا خدا کے قہر سے ڈرتا رہے آج وہ پرغرور جھوٹی اور خطاکار پیشانی کس ذلت سے میدان بدر میں گھسیٹی گئی۔

اس تہدید کے بعد اہل اللہ کی طرف روئے سخن کرتا ہے کلا کہ ہرگز ہرگز لاتطعہ اس کافر بدکیش ناشکر کا کہنا نہ مان جو تجھے نماز و تقرب و عبادت الٰہی سے روکتا ہے بلکہ اسجد اپنے رب کو کہ جس نے تجھے یہ نعمتیں دیں علم دیا سجدہ کر اور اس کے آگے جھک۔ بندہ کی یہی سعادتمندی ہے کہ اپنے آقا اور محسن کے آگے جھکے۔ سجدہ سے مراد بعض علماء کے نزدیک نماز ہے اس افضل جزء سے کل کو تعبیر کیا اور اس کے افضل ہونے کی یہ وجہ ہے کہ وہ سر پرغرور کہ جسکو ناشکر اونچا رکھتا ہے اپنے رب کے آگے سجدے میں رکھدیا جاتا ہے۔ اور یہ انسان کے تمام جسم میں افضل جزء ہے یہ کمال نیازمندی کی دلیل ہے اور اسی لئے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ جب اپنے رب کو سجدہ کرتا رہتا ہے تو نہایت قریب ہوجاتا ہے (رواہ مسلم) اور اسی لئے غیر اللہ کے لئے سجدہ حرام ہوگیا۔ بلکہ جو جھکنا سجدہ سے مشابہت رکھے اسکو بھی فقہاء نے حرام لکھا ہے۔

اور اے بندے اس سجدہ سے اقترب اسکا قرب حاصل کر۔ بندہ جس قدر اپنے رب کی عبادت کرتا ہے اسیقدر قرب حاصل ہوتا ہے۔ اور سجدہ افضل عبادت ہے اس لئے اس میں تقرب بھی زیادہ ہے اس لئے اپنے رب کو سجدہ کرنا تمام صالحین کی قدیم عادت ہے۔ بعض انبیاء علیہم السلام کی شریعت میں صرف سجدہ کرنا ہی نماز تھا۔

اس آیت کے پڑھنے اور سننے والے پر سجدہ کرنا واجب ہے۔ اور حدیث صحیح میں ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اس آیت کو پڑھکر سجدہ کیا کرتے تھے۔ اور یہ قرآن کے مواقع سجود میں سے اخیر موقع ہے۔

ف۔ بعض مفسرین فرماتے کہ کلا لئن لم ینتہ الخ خاص ابوجہل کے لئے نازل ہوا ہے۔ اور خطاب کے صیغوں سے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم مخاطب ہیں۔

سورہ قدر مکیہ ہے اسمیں پانچ آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃِ الْقَدْرِ ۝ وَمَآ اَدْرٰکَ مَا لَیْلَۃُ الْقَدْرِ ۝ لَیْلَۃُ الْقَدْرِ ۙ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَھْرٍ ۝ تَنَزَّلُ

ہمنے اتارا ہے اسکو شب قدر میں اور تو کیا جانے کیا ہے شب قدر شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے اس میں

الْمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوْحُ فِیْھَا بِاِذْنِ رَبِّھِمْ ۚ مِنْ کُلِّ اَمْرٍ ۝ سَلٰمٌ ۛ ھِیَ حَتّٰی مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝

فرشتے اور روح نازل ہوتے ہیں اپنے رب کے حکم سے ہر کام پر سلامتی کی رات ہے وہ صبح روشن ہونے تک

رکوع ۱ نازل ہوئی قرآن ... (حاشیہ)

ترکیب

انا مبتدا انزلناہ الضمیر یرجع الی القرآن وان لم یتقدم ذکرہ لکونہ معہودا معلوما فی متعلق بانزلنا والجملۃ خبر المبتدء۔ وما ادراک الجملۃ الاستفہامیۃ لبیان عظم شان لیلۃ القدر۔ لیلۃ القدر مبتدء خیر من الف شہر خبرہ والجملۃ التامۃ جواب الاستفہام۔ تنزل بحذف احدے التائین من الاصل۔ الملائکۃ فاعلہ وتانیث الفعل لاعتبار جمعیۃ الفاعل اے متلبسین والروح معطوف علی الملائکۃ فیہا اے فی لیلۃ القدر والجار متعلق بتنزل باذن ربہم متعلق بتنزل او بمحذوف ہو حال من فاعلہ اے متلبسین باذن ربہم اے بامرہ۔ من کل امر اے من اجل کل امر وقیل من بمعنے اللام اے لکل امر وقیل بمعنے الباء اے بکل امر متعلق بالفعل السابق۔ والفعل مع متعلقاتہ جملۃ مستانفۃ مبنیۃ لوجہ فضیلۃ لیلۃ القدر وتم الکلام عند من کل امر۔ ثم ابتدء فقال سلام ہی فی سلام وجہان الاول بمعنی مسلم اے تسلیم الملائکۃ علی المومنین او تسلیم بعضہم علی بعض فعلی ہذا ہی مبتدا مؤخر وسلام خبر مقدم وحتی متعلقۃ بسلام اے الملائکۃ مسلمۃ اے مطلع الفجر والثانی بمعنے سلامۃ ویجوز الوقف علیہا ویکون المعنی سلام من کل امر ہی حتی مطلع الفجر۔ ویجوز ان تتعلق حتی بسلام او بتنزل مطلع بکسر اللام وفتحہا لغتان وقیل الفتح اولی۔

تفسیر

اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ سورہ کہاں نازل ہوئی ؟ ماوردی کہتے ہیں کہ اکثر علماء کے نزدیک یہ مکہ میں نازل ہوئی ہے اور ابن عباس وابن زبیر وعائشہ صدیقہؓ کا بھی یہی قول ہے۔ ثعلبی کہتے ہیں کہ اکثر کے نزدیک یہ مدینہ میں نازل ہوئی ہو اور واقدی بھی یہی کہتے ہیں۔ قول اول زیادہ معتبر اور قرین قیاس ہے۔ اسکی پانچ آیت ہیں۔

مناسبت اس سورۃ کو سورۃ اقرا سے یہ ہے کہ سورہ اقراء میں بشر پر الطاف اور اسکے ترقیات کا اور پھر اس کی سرکشی اور سرکشی سے باز نہ آنے پر سزا کا ذکر تھا اس سورہ میں یہ بتلایا جاتا ہے کہ ان ترقیات والطاف کے سوا ہمنے انسان پر دو اور بے انتہا عنایت کی ہیں (۱) یہ کہ اس کی تہذیب اور دارین کی سعادت کیلئے ہمنے قرآن نازل کیا یعنی اسکو اس علم پر نہیں چھوڑا بلکہ علم الانسان مالم یعلم کے پورا کرنے کے لئے آپ اس سے بواسطہ جبرئیل اور پیغمبر علیہما السلام کے کلام کیا اور خود ہمکو آیندہ سعادت کی باتیں سکھائیں اور ہاویہ میں گرانے والی باتوں سے بچایا (۲) یہ کہ جس طرح دنیاوی شاہنشاہ ہو کر ہاں کرم دا

ایک روز ایسا ہوتا ہے کہ جس میں الطاف وعنایت خسروانہ بیشمار ہوتی ہیں انعامات بٹتے ہیں فرمانبرداروں کے لئے ترقی درجات ہوتی ہے اسی طرح ہمنے بھی انسان کے لئے ایک رات سال بھر میں ایسی رکھی ہے اگر یہ اس میں ہماری طرف توجہ کر لے اور عبادت ودعا واستغفار کرے تو اسکو بے انتہا انعامات ملیں دعائیں قبول ہوں اس کے گناہوں سے درگذر ہو اور برسوں کی عبادت سے یہ عبادت افضل ہے اور وہ لیلۃ القدر کا وقت ہے ان دونوں باتوں کا اس سورہ مبارکہ میں ذکر ہے اور یہ رحمت خاص نبی آخر الزماں صلے اللہ علیہ وسلم اور اسکے پیرووں کیلئے ہے اور سر اس میں یہ ہے کہ پہلی امتوں کی عمریں دراز اور قویٰ تیز تھے اسلئے انکے لئے عمل اور احکام کی پابندی کی بھی مشقت زیادہ تھی کئی کئی سو برسوں کی عمریں ہوا کرتی تھیں اور ان میں وہ کیا کیا ریاضات شاقہ کرتے تھے اور اسی بات کی طرف نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا ہے کہ میری امت اور اگلی امتوں کی مثال ایسی ہے کہ جیسا کسی نے نصف دن تک ایک معین اجرت پر کسیکو کام پر لگایا اور پھر نصف دن سے لیکر عصر تک اسی کام اور اسی اجرت پر دوسرے کو معین کیا اور پھر عصر سے لیکر غروب تک دوگنی اجرت پر تیسرے شخص کو معین فرمایا ۔ پہلے نے کہا میرا وقت اتنا اور مزدوری اسیقدر کہ جسقدر نصف دن سے لیکر عصر تک والے کی ہے اور اس کا وقت مجھ سے نصف ۔ پھر دوسرے نے بھی تیسرے کی نسبت یہی شکایت کی کہ اسکا وقت مجھ سے کم اور اجرت دوچند مالک نے فرمایا کہ یہ میری عنایت ہے جسپر چاہوں کروں مگر تمہارے حق میں سے تو میں نے کوئی کمی نہیں کی ؟ انہوں نے کہا نہیں ۔ وہ پہلا شخص یہود حضرت موسےٰ کی امت اور دوسرا عیسائی حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی امت اور تیسرا میری امت ہے تمہارے لئے وقت کم اور اجرت دوچند ہے اسکو امام مالک وغیرہ محدثین نے بسند صحیح نقل کیا ہے اور مقتضائے رحمت تامہ کہ جسکی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے التماس کی تھی اور جواب میں ارشاد ہوا تھا کہ فسأکتبہا للنبی الامی الخ کہ میں اسکو نبی امی کے حصہ میں لکھے دیتا ہوں ۔ اور کتب سابقہ سے بھی یہی پایا جاتا ہے کہ میں ایک نئی قوم پیدا کردوں گا اور میری قوم کہلاویگی اور وہ ابد تک مبارک ہوگی میں اپنے دست شفقت کو ان سے نہ اٹھاؤں گا الخ یہی تھا کہ اس امت اور اس مبارک قوم کے لئے ایک رات تقرب الٰہی میں ہزار راتوں سے بڑھکر بنائی جائے تاکہ یہ لوگ تھوڑی عمر اور تھوڑے زمانہ میں وہ تقرب حاصل کریں جو اوروں کو سیکڑوں برسوں میں بھی حاصل نہ ہوتا تھا گویا وصول الی اللہ کے لئے پہلے بیل گاڑی تھی پھر حضرت مسیح علیہ السلام کے عہد میں گھوڑا گاڑی بنی اور آخر الزمان نبی کے عہد میں ریل یا اس سے بھی جو کوئی تیز اور آرام کی سواری ہو وہ بنی جلد شہر مقصود تک تھوڑی سی دیر میں پہونچتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ جوگی اور گسائیں اور پادریوں میں راہب کیا کیا مشقتیں اٹھاتے ہیں اور کیسی کیسی سخت ریاضتیں کرتے ہیں مگر ان پر تقرب الٰہی کا دروازہ نہیں کھلتا باطن میں وہی تاریکی باقی رہتی ہے جو کبھی کسی جھری یا سوراخ میں سے کچھ چمک پڑگئی تو کس حساب میں ہے برخلاف طریقہ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے یہاں تھوڑی دیر میں اور بہت آسانی سے کشود کار ہوتا ہے پھر جو کوئی اب بھی ادھر نہ آئے تو بڑا ہی بدنصیب ہے ذرا اس سے کوچی کر تو دیکھے ۔ ان سب باتوں کا ذکر اس سورہ مبارکہ میں ہے گویا یہ شوق دلانے کے لئے اعلان شاہی ہے فرماتا ہے

انا انزلنٰہ فی لیلۃ القدر کہ خاص ہمنے نہ کسی اور نے اسکو یعنی قرآن کو جسکا چرچا ہو رہا ہے اور مکہ میں غلغلہ مچا ہوا ہے کسی ایسے

ویسے وقت نازل نہیں کیا بلکہ اس خاص وقت میں یعنی لیلۃ القدر میں۔

سوال اب اس جگہ ایک یہ **سوال** پیدا ہوتا ہو کہ باتفاق مورخین قرآن مجید تئیس ۲۳ برس میں تھوڑا تھوڑا نازل ہوا ہے اور سب سے اول جو سورۃ اقرا ء مالم یعلم تک نازل غار حرا میں ہوئی تو شوال کا مہینا تھا اور غالبًا اول عشرہ تھا پھر یہ کیونکر صحیح مان لیا جاوے کہ قرآن مجید کو ہمنے شب قدر میں نازل کیا ہے اس کا **جواب** یہ ہے کہ انزال اور تنزیل میں فرق ہے۔ تنزیل ٹکڑے ٹکڑے کر کے نازل کرنا اور انزال ایک بار۔ سو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تنزیل تئیس ۲۳ برس میں ہوئی اور ابتدائے تنزیل ماہ شوال میں ہوئی مگر اس آیت میں انزال کا ذکر ہے نہ تنزیل کا۔ بات یہ ہے کہ قرآن مجید کل یکبارگی شب قدر میں جو رمضان کے مہینے میں واقع تھی رکھا گیا اسی لحاظ سے فرمایا گیا شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن کہ رمضان کا وہ مہینا ہے کہ جس میں قرآن نازل کیا گیا، لوح محفوظ سے بیت العزۃ میں جو آسمان پر ایک جگہ ہے نازل کیا گیا اور پھر وہاں سے حسب حاجت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت صلعم کے پاس لاتے تھے اور آپ ہر کلام کو اسکے اصلی موقع پر جمع کرا دیتے تھے اور ترتیب اصلی قرآن مجید کی یہی ہے جو اب موجود ہے اور اسی ترتیب سے لوح محفوظ سے بیت العزۃ میں اوپر سے لاکر رکھا گیا تھا۔

پھر یہ بات دریافت طلب ہے کہ لوح محفوظ کیا ہے اور بیت العزۃ کیا ہے اور کیا قرآن کاغذوں پر معمولی سیاہی سے لکھا ہوا مجلد بیت العزۃ میں آیا تھا؟ اسکی تشریح ہم مقدمہ تفسیر میں کر چکے ہیں۔ جسکا خلاصہ یہ ہے کہ لوح محفوظ کوئی لوہے یا چاندی یا سونے یا لکڑی کی تختی نہیں۔ بلکہ وہ علم الٰہی کا تعین اور مرتبہ اثبات ہے جس میں ہر ایک چیز کا علم دوسری چیز کے علم سے متعین و ممیز ہے بامتیاز خاص ور نہ ذات بحت کے مرتبہ میں بھی اس کے علوم ناقص اور غیر متمیز نہیں۔ اس مرتبہ کو لوح سے تشبیہ دی گئی کہ جہاں ایک مطلب کو دوسرے مطلب سے امتیاز خاص ہوتا ہے اور یہ امتیاز اس سے جدا ہے جو لکھنے والے کے ذہن میں پہلے تھا کس لئے کہ وہ مرتبہ مخفی و مکنون تھا یہ لوح کے دیکھنے والوں پر ظاہر ہے وہ خود پڑھ سکتے ہیں اور ممکن ہے کہ عالم شہود میں یہ مرتبہ اپنے اپنے مناسب کسی شکل نورانی میں متمثل بھی ہو جسکو عالم جسمانی میں لوح سے کمال مشابہت ہو۔ اور بیت العزۃ اسکے بعد اور دوسرا مرتبہ علم و امتیاز کا ہے کہ جو اعلے طبقہ کے ملائکہ کے اوپر ظاہر و منکشف ہے اور ممکن ہے کہ اس مرتبہ میں قرآن کی حقیقت اپنے مناسب صورت میں متمثل ہو جسکو نوشتہ کتاب سے نہایت مشابہت ہو۔ واللہ اعلم۔

ف لیلۃ القدر کیا ہے؟ قدر مصدر ہے قدرت الشیٔ کا اور قدرا اور قدر سکون دال اور اسکی حرکت سے دونوں کے ایک ہی معنی ہیں مگر یہ فرق ہے کہ بالسکون مصدر و بالفتح اسم ہے۔ واقدی کہتے ہیں قدر کے لغت میں معنی ہیں اندازہ کرنا۔ اور قدر شرف و منزلت کو بھی کہتے ہیں لفلان قدر عند فلان کہ فلاں شخص کی فلاں شخص کے نزدیک قدر یعنی عزت ہو کیسر

ف ایک سوال انا انزلناہ پر یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ یہ جملہ بھی تو قرآن کا جز ہے۔ پھر جب انزلناہ کی ضمیر قرآن کیطرف پھرتی ہے تو اسمیں یہ جملہ داخل نہیں ہو سکتا ورنہ حکایت و محکی عنہ کا اتحاد لازم آجائیگا۔ اسکا جواب بچند وجوہ ہے گو انزلناہ میں ضمیر قرآن کی طرف پھرتی ہے مگر قرآن کا اطلاق جز اور کل سب پر ہوتا ہے ایک آیت یا سورہ کو بھی قرآن کہتے ہیں جیسا کہ مجموعہ کو پس ضمیر قرآن کے ان اجزا کیطرف پھرے گی جو سب سے اول لیلۃ القدر میں نازل ہوتے۔ اور بھی جواب ہیں ۱۲ منہ

ف لیلۃ القدر سو لیلۃ القدر کہنے کے وجوہ

اب دونوں معنی کے لحاظ سے اس رات کو لیلۃ القدر کہنے کی علماء نے کئی وجہ بیان فرمائی ہیں (۱) ابن عباس فرماتے ہیں اس رات کو اس لئے لیلۃ القدر کہتے ہیں کہ اس رات میں برس بھر کی آنے والی باتیں عالم بالا میں مقدر و معین کیجاتی ہیں کسی کا مرنا بیمار ہونا۔ رزق کی فراغدستی عزت و ذلت جو کچھ سال بھر میں اس جہاں میں ظاہر ہوگا وہ سب اس رات میں عالم بالا میں مشہور کر دیا جاتا ہے اور ہر ایک کام پر ملائکہ معین کر دیئے جاتے ہیں (۲) یہ کہ اس رات عالم بالا کے روحانیات اس قدر زمین پر آتے ہیں کہ گویا زمین میں تنگی ہو جاتی ہے گنجایش نہیں رہتی اور تنگی کے معنے میں بھی یہ لفظ قرآن مجید میں مستعمل ہوا ہے ومن قدر علیہ رزقہ (۳) زہری فرماتے ہیں اس لئے اس رات کو لیلۃ القدر کہتے ہیں کہ اس رات نیک بندوں کی خدا تعالیٰ اور عالم بالا کے لوگوں کے نزدیک نہایت قدر و منزلت ہوتی ہے بلکہ اہل صفا سے مصافحہ بھی کرتے ہیں اور عام ایمانداروں کو بھی چھوتے ہیں گو انکو محسوس نہو جسکا اثر انکے دل میں رقت اور گناہوں پر رونا اور دعا کرنا ہوتا ہے اور انکے اعمال حسنہ کی بڑی قدر و منزلت ہوتی ہے (۴) ابوبکر وراق کہتے ہیں اسلئے اسکو لیلۃ القدر کہتے ہیں کہ اس میں خدا تعالیٰ نے کتاب قابل قدر بہت قابل قدر کیلئے رسول صاحب قدر کی معرفت نازل فرمائی اور اسی لئے یہ لفظ تین بار آیا۔ اور اس لئے بھی کہ اس رات کی قدر کرنا چاہئے

یہ رات کب آتی ہے؟

ف یہ رات کب آتی ہے؟

اس میں علماء کے متعدد اقوال ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ سال بھر میں ایک بار مہینے کا کوئی تعین نہیں۔ اکثر کا قول یہ ہے کہ رمضان میں یہ رات ہوتی ہے۔ پھر اکثر اسی پر متفق ہیں کہ رمضان کے اخیر عشرہ میں بالخصوص ۲۱۔ ۲۳۔ ۲۵۔ ۲۷۔ ۲۹۔ راتوں میں تلاش کرنا چاہیے۔ اور بعض نے خاص ستائیسویں رات کی بابت زور دیا ہے اور احادیث بھی بکثرت اسی پر دلالت کرتی ہیں کہ رمضان کے اخیر عشرہ میں ہوتی ہے۔

ف اس کے اخفا کی حکمت

اور حکمت اس کے اخفاء میں یہ ہے کہ اسکا طالب سال بھر عبادت میں گزارے۔ گناہوں سے بچے ورنہ خیر رمضان شریف اور خصوصاً عشرہ اخیرہ میں تو بڑی کوشش کرے۔ نیکی کرنا تو اس رات میں بڑی قبولیت کا باعث ہے مگر اس رات گناہ کرنا بھی قہر الٰہی کا سبب ہے جیسا کہ کوئی خاص بادشاہ کے دربار میں بغاوت اور نافرمانی ظاہر کرتا ہے بہ نسبت اور کے وہ زیادہ سزا کا مستحق ہوتا ہے اس لئے اس بات کی زیادہ احتیاط چاہیے کہ بالخصوص اس رات گناہ سے بچے اور غفلت و عیش میں اس رات کو نہ گنوائے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اسکی برکت سے محروم رہا وہ سب بھلائیوں سے محروم رہا یعنے بڑا ہی بدنصیب ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جس کو دربار کے روز بھی حضوری نصیب نہیں ہوئی تو پھر وہ خلوت میں کیا ملسکتا ہے اور پھر معلوم نہیں کہ اس کی زندگی میں یہ رات اسکو نصیب بھی ہوتی ہے کہ نہیں زندگانی کا بھروسا کیا اس لئے ہر رات کی قدر کرنے والیکو وہ رات بھی نصیب ہو جاتی ہے۔ اسی لئے ہمیشہ سے صلحاء کا رات کو جاگنا عبادت کرنا۔ نماز تہجد پڑہنا دستور رہا ہے۔

اور سر اس لیلۃ القدر کا

یہ ہے کہ یہ اسکی تجلی کی رات ہے اور منجملہ شیون باریتعالیٰ کے ایک شان موصلت و تقرب و تدلی بھی ہے مخلوق کیطرف جیسا کہ فرماتا ہے کل یوم ہو فی شان ہر روز اسکی ایک شان ہوتی ہے اس رات یہ ہوتی ہے جس سے مدارک و اذہان بندگان میں اسکی طرف کا

اشتیاق پیدا ہوتا ہے اور قوت خیالیہ مدرکہ کے تابع ہو جاتی ہے اور تمام عالم سفلی میں عالم بالا کی طرف جنبش ہو جاتی ہے اور عالم بالا اور وہاں کے لوگ ملائکہ وارواح کو بھی اس تجلی کے ساتھ عالم سفلی کی طرف جھکاؤ ہو جاتا ہے جسکو اترآنے سے تعبیر کیا جاتا ہے اور عالم غیب کے عالم شہادت سے ملنے سے ایک نئی کیفیت اور لمعات پیدا ہوتے ہیں اور ایک عجیب حالت پیدا ہوتی ہے جس کی تشبیہ نہیں دیجاتی۔ مگر ایک تشبیہ ناقص سی یہ ہے کہ جس طرح بارش کے برسنے اور آفتاب کے ایک موقع خاص میں آنے سے ہر تخم اور ہر جڑی بوٹی میں ایک نئی جان پڑ جاتی ہے، پیڑ اور بوٹیاں نشو و نما کرتی ہیں درختوں میں پتے اور شگوفے اور رنگا رنگ کے پھول آتے ہیں اور فرحت و انبساط کی کیفیت ہو جاتی ہے اسیطرح عالم بالا اور حق سبحانہ کی تجلی سے ارواح بشریہ بلکہ تمام عالم محسوس پر ایک نئی کیفیت بہار کی پیدا ہوتی ہے۔

ف قرآن مجید میں ایک جگہ یوں بھی آیا ہے انا انزلناہ فی لیلۃ مبارکۃ انا کنا منذرین کہ ہمنے قرآن مجید کو لیلۃ مبارکۃ میں نازل کیا ہے۔ پھر کیا یہ اور کوئی رات ہے جیسا کہ بعض علماء شب برات کہتے ہیں جو شعبان کے نصف میں واقع ہوتی ہے؟ امام نووی شرح صحیح مسلم باب صوم التطوع میں کہتے ہیں کہ لیلۃ مبارکہ سے لیلۃ القدر مراد ہے۔ اور جو نصف رمضان کی رات کہتے ہیں وہ بڑی غلطی کرتے ہیں۔ اس تقدیر پہ کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔ مگر عکرمہ کہتے ہیں کہ یہ نصف شعبان کی رات ہے۔ اس صورت میں ایک تعارض سا واقع ہوتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ شب برات میں حکم ہوا تھا کہ قرآن کو لوح محفوظ سے نقل کر کے بیت العزۃ میں لیجاؤ یہ ہے لیلۃ مبارکۃ میں نازل کرنا اور پھر جب فرشتوں نے نقل کر کے بیت العزۃ میں پہونچایا تو لیلۃ القدر تھی اور جب دنیا میں نازل ہوا تو شوال یا ربیع الاول کا مہینا تھا۔

ف اب ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ تجلی کا وقت رات میں کیوں مقرر ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دن میں ہر چیز ظاہر ہوتی ہے اس لئے دن عالم شہادت سے مناسبت رکھتا ہے اور رات میں اخفاء و پوشیدگی ہوتی ہے اسلئے یہ عالم غیب سے مشابہ ہے اور عالم غیب کے اسرار منکشف ہونے کے لئے نہایت مناسبت رکھتی ہے۔

ف بعض عرفا انا انزلناہ فی لیلۃ القدر سے اس طرف بھی اشارہ کرتے ہیں کہ رات سے مراد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وہ حالت ہے جو شہود ذاتی کے بعد پیدا ہوتی تھی یعنی مقام خلوت میں محجتب ہونا کس لئے کہ قرآن مجید کا نازل ہونا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر بغیر ایسی حالت کے ممکن نہ تھا اور اسکو لیلۃ القدر اس لئے کہا کہ یہ حالت قابل قدر و تعظیم ہے۔

اب آپ ہی حق سبحانہ لیلۃ القدر کے مراتب بیان فرماتا ہے فقال وما ادراک ما لیلۃ القدر کہ اے نبی یا اے مخاطب تو کیا جانے کہ کیا حقیقت ہے لیلۃ القدر کی۔ کس لئے کہ عارف وسیع المعرفت ہی کیوں نہو۔ لیکن حقیقت اس تجلی کی کہ جو گوناگوں عالم کو ساتھ لاتی ہے اور قابلیت و استعداد کے موافق ہر ایک میں رنگارنگ تاثیرات پیدا کرتی ہے بغیر اس کے معلوم نہیں کر سکتا کہ تمام عالم اور جمیع قابلیت و استعداد عالم سفلی پر احاطہ ہو اور یہ مقدور بشر سے باہر ہے اسلئے خود ہی کسیقدر اس کے مراتب بیان فرماتا ہے۔ لیلۃ القدر خیر من الف شہر کہ لیلۃ القدر ہزار مہینے سے بہتر ہے

خلاصہ یہ کہ گو ہر مہینہ میں رات اور دن ہوتے ہیں اور ہر رات دن میں تجلیات غیبیہ و شہود یہ ہوا کرتی ہیں لیکن جو تجلی اس رات ہوتی ہے وہ اس سے ہزار ہا مرتبہ زیادہ ہے۔ اس رات کی تجلی سے ہر تجلی کو وہ نسبت ہے جو قطرہ کو دریا سے۔ اور عدد ہزار سے حصر مراد نہیں کہ ہزار ہی مہینوں سے بہتر ہے زائد نہیں بلکہ لفظ الف یعنی ہزار سے کثرت مراد ہے کس لئے کہ عرب میں اس سے اوپر کوئی عدد نہیں اس سے زیادہ جو گنتی کرنی ہوتی ہے تو اسی عدد کے ساتھ اضافہ کرنے سے کرتے ہیں۔

اور برسوں کی جگہ مہینوں کا نام اس لئے آیا کہ عرب کے سالوں کی بنیاد محض قمری مہینوں پر ہے اور قمر کو رات سے تعلق ہے برخلاف شمسی مہینوں کے کہ ان کا مدار دونوں پر ہے اور قمر کو اس تجلی سے نہایت مناسبت ہے یعنی جس طرح قمر اندھیری رات کو روشن کرتا ہے اسی طرح یہ تجلی دنیا کے ظلمتکدہ کو جو رات سے مشابہ ہے روشن کرتی ہے۔

ف اس رات کے ہزار مہینوں سے بہتر ہونے کے کیا معنی؟ ایک یہ کہ اس رات کی عبادت ایک خصوصیت خاصہ سے ایسے ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر ہے کہ جن میں یہ رات نہو۔

اور اسی لئے یہ فضیلت امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو عطا ہوئی کہ ان کی عمریں بہ نسبت امم سابقہ کے بہت کم ہیں۔ اگر کسی نے یہ ایک رات بھی پائی تو گویا اس نے کچھ اوپر تراسی برس عبادت کی اور جو کسی نے عمر میں کئی بار دس بیس پچاس بار پالیا کس لئے کہ ہر سال ایک بار یہ رات آتی ہے، تو گویا سینکڑوں برس عبادت کرلی۔ اور لطف یہ کہ ہزار مہینے سے بہتر فرمایا نہ برابر اب بہتری کس درجہ تک ہوگی اسکی حقیقت وہی جانتا ہے۔

ف بعض مفسرین نے بیان کیا ہے کہ اس میں بنی اُمیہ کی سلطنت کی عمر کی طرف بھی اشارہ ہے۔ بلکہ قاسم بن فضل نے ایک روایت بھی کردی کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا تھا کہ میرے ممبر پر بندر چڑھتے اور اترتے ہیں (یعنے بنی امیہ کے بادشاہ کس لئے کہ اس عہد میں خلیفہ ممبر نبوی پر چڑھ کر خطبہ پڑھا کرتا تھا) یہ بات آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو بری معلوم ہوئی۔ تب آپ کے اطمینان کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔ اول تو یہ روایت ضعیف ہے جیسا کہ ترمذی نے کہا ہے۔ مزی کہتے ہیں کہ یہ روایت غیر معروف ہے او قاسم جو کہتا ہے کہ ہم نے بنی امیہ کی سلطنت کے برس جو گنے تو پورے ہزار مہینے ہوتے ہیں نہ کم نہ زیادہ محض غلط ہے کس لئے کہ بنی امیہ کی سلطنت سن چالیسویں ہجری میں قایم ہوئی معاویہؓ سے اور سن اکسو بتیس میں مروان الحمار پر ختم ہوگئی جس کی مدت بانوے برس ہوتے ہیں اور ہزار مہینوں کے کچھ اوپر تراسی برس ہوتے ہیں۔ اس سے قطع نظر الف شہر سے خیر کہنے میں یہ اشارہ یا بیان کیونکر ہوگیا کہ بنی امیہ کی سلطنت ہزار برس رہے گی۔ ایسے ہی بے تک راویوں نے قرآن مجید کے مطالب میں ایسی گڑبڑ کردی ہے کہ اصل کلام کو اس کے اسلوب سے ہٹا کر محض پھیکا بنا دینے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔

اب اس رات کی دوسری فضیلت بیان فرماتا ہے تنزل الملائکۃ والروح فیہا باذن ربہم کہ اس رات فرشتے اور روح اپنے رب کے حکم سے نازل ہوتے ہیں

نزول ملائکہ کا بیان

ف کیا کل ملائکہ نازل ہوتے ہیں؟ بعض علماء فرماتے ہیں کل نازل ہوتے ہیں یکے بعد دیگرے ایمانداروں کے دیکھنے اور ملنے کے لئے آتے ہیں پھر بعض آسمان دنیا ہی تک اتر کر رہجاتے ہیں یہ اسلئے کہ ایک وقت فرشتوں نے انسان کی حالت ابتدائی دیکھکر یہ کہا تھا طنز سے اتجعل فیہا من یفسد فیہا الخ کہ یارب زمین پر آپ ایسی قوم پیدا کرتے ہیں جو وہاں فساد کرے اور اسکو اپنے گناہوں سے ناپاک بنادے۔ مگر حق سبحانہ نے اس انسان پر یہ انعام کئے اور اسکی بتدریج ایسی ترقی کی کہ اب اسکے کمالات کے مشتاق بنکر اوپر سے وہی فرشتے آتے ہیں اور ایک وقت یہ تھا کہ جب منی کا قطرہ اور خون کا لوتھڑا تھا تو اس کے ماں باپ کو بھی اس سے گھن آتی تھی پھر اسکو صورت جمیلہ عطا فرمائی اور ماں کے پیٹ سے باہر تشریف لائے تو ماں باپ اور خویش اقارب اسپر شیدا ہوئے اسکے بعد جو کمالات روحانیہ میں ترقی کی تو آج عالم بالا کے لوگ اپنی مناسبت سے اسکو دیکھنے آتے۔ بعض فرماتے ہیں کہ سب نہیں بلکہ ایک گروہ خاص جنکا جبرئیل علیہ السلام سے تعلق ہے۔ پھر جب یہ اوپر جاتے ہیں تو اوپر کے ملائک اور جنت کے کارکن انسے حال دریافت کرتے ہیں پھر وہ ایک ایک مرد اور عورت کا نام لے کر حال بیان کرتے ہیں۔ کہتے ہیں فلاں شخص کو اب کے سال عبادت میں پایا فلاں کو خراب وخستہ اول کے لئے دعا اور دوسرے کے لئے استغفار کرتے ہیں اور افسوس بھی۔

روح سے کیا مراد ہے

پھر روح سے کیا مراد ہے؟ جمہور مفسرین کہتے ہیں روح سے مراد جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ جو اس گروہ ملائکہ کے سردار ہیں اسی لئے خاصکر ان کا ذکر بھی کیا ورنہ ملائکہ میں یہ بھی داخل تھے۔ بعض کہتے ہیں روح ایک اور فرشتے کا نام ہے جسکو روح القدس کہتے ہیں اور اسکو انسانی ترقی میں جو کمالات روحانیہ میں ہو کمال دخل ہے گویا وہ معلم روحانی ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں پر تو روح القدس ایک بار نازل ہوا تھا جب وہ ایک گھر میں بیٹھے ہوئے تھے جسکی برکت سے مختلف زبانیں بولنے لگے تھے (کتاب اعمال) مگر امت محمدیہ کے صلحاء کے پاس ہر سال تشریف لاتے ہیں جس کا اثر اس کے اوپر کہ جس کے پاس آتے ہیں یہ ہوتا ہے کہ اس کے دلمیں رقت پیدا ہوتی ہے آنکھوں میں آنسو بھر آتے ہیں بدن کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور یہی سبب ہے کہ کرامات وبرکات کا کارخانہ حواریوں تک چلکر ختم ہوگیا برخلاف اس امت مکرمہ کے کہ اسپر روح القدس کی برکت وتاثیر سے قیامت تک جاری رہیگا اور جو چاہے اب بھی مشاہدہ کرلے کہ ہر زمانہ میں اسی امت میں ایسے اولیاء وصلحاء پائے جاتے ہیں کہ ان سے عجائب وغرائب کرامات وبرکات سرزد ہوتے ہیں جو اس دین کے برحق ہونے کی کھلی ہوئی نشانی ہے ہاں یہ ضرور ہے کہ کسی زمانہ اور کسی جگہ میں ایسے لوگ بہت تھے کہیں تھوڑے مگر زمانہ خالی نہیں رہتا۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ روح سے ایمانداروں کی روحیں مراد ہیں جو مفارقت بدن کے بعد ملائکہ میں مل گئی ہیں وہ بھی اپنے بھائیوں سے ملنے اور انکے حالات دیکھنے اور اس عالم سفلی کی کہ جہاں سے یہ گئی ہیں سیر کرنے آتی ہیں نیکی میں دیکھتی ہیں تو خوش ہوتی ہیں اور دعا کرتی ہیں اور جو برے کاموں میں مبتلا ہیں تو ناراض ہوتی ہیں اور دل میں فرشتوں سے شرماتی ہیں جنکی ناراضگی کا اس بدنصیب پر یہ برا اثر پڑتا ہے۔ خسارت مال وزوال اقبال دنیاوی مصائب تاکہ متنبہ ہوکر رجوع الی اللہ کرے وہ ایسی معمولی درود وفاتحہ اور خالی نام کی تعظیم اور انتساب نسبی اور سببی سلسلہ بیعت وغیرہ سے کبھی خوش نہیں ہوتیں بلکہ اپنی طرف نسبت کرنے سے شرم کرتی ہیں۔ بہرطور اس رات ایک عجیب بابرکت اجتماع عالم سفلی پر ہوتا ہے اور عالم بالا اور عالم عالم سفلی کے

اجتماع سے بطور تعاکس ایک عجیب ہیئت مرکبہ انوار کی پیدا ہوتی ہے جسکا سرور عالم سفلی والوں اور عالم علوی والوں دونوں کو ہوتا ہے جیساکہ اجزاء مختلفۃ المزاج کے ملنے سے معجون مرکب میں ایک کیفیت متشابہ پیدا ہوتی ہے جو جداگانہ ہر ہر جزو کی کیفیت سے ایک جدی چیز ہے اور یہی سر ہے کہ دنیا میں خاص عبادات کے لئے مجمع کرنا افضل ٹھہرایا گیا جیساکہ نماز جماعت اور جمعہ وعیدین وحج۔ تاکہ باہم ملنے سے انوار کا تعاکس ہو اور ناقصوں کو کاملوں کے فیض سے حصہ ملے اور اسی لئے جسقدر جماعت زیادہ ہو ثواب زیادہ ہے۔ الغرض یہ نزول ملائکہ وروح ایک طلسم الٰہی ہے کہ ناقصوں کو اس طریق سے کاملوں میں حساب کرلیا جاتا ہے۔ اور یہ نازل ہونا ان کا اختیاری نہیں بلکہ انکے رب کے اذن واجازت سے ہے گو عالم بالا کے ملائکہ اور ارواح طیبہ کو دنیا کے صلحا اور ابرار سے ملنے کا شوق ہو مگر وہ بے اجازت نہیں آسکتے۔ یہ خیال کرلینا کہ جب ہم چاہیں اور انکے بلانے کا کوئی سامان ..... کریں وہ فوراً آویں گے گویا کہ ہمارے حکم کے تابع ہیں جیساکہ جاہلوں کا خیال ہے غلط اور باطل خیال ہے اسی کے روکرنے کو باذن ربہم کا جملہ ساتھ لگا دیا ہے

اب تیسری صفت اس مبارک رات کی یہ بیان فرماتا ہے من کل امر سلام ہی کہ ہر چیز یعنے ہر آفت وبلا سے یہ رات سلامتی کی رات ہے۔ شیطانی آفات اور اسکے مکر وزور کے مصائب جو ابن آدم کے لئے تیار رہتے ہیں اس رات نیک ایمانداروں کے لئے ان سے سلامتی اور امن ہوتا ہے اور یہ ظاہر ہے کس لئے کہ ملکیت کا غلبہ ہوتا ہے پھر بہمیت کیونکر ضرر پہونچا سکتی ہے۔ بعض علماء من کل امر کو ایک جملہ اور سلام ہی کو دوسرا جملہ قرار دیتے ہیں۔ تب یہ ملائکہ اور روح کے متعلق ہوگا پھر اگر من کو بیان کے لئے کہیں گے تو یہ معنی ہونگے کہ ہر کام کے اور ہر قسم کے فرشتے اترتے ہیں کیونکہ ملائکہ اور روحانیات ایک خاص خاص کام میں مشغول ہیں کوئی رکوع میں تو کوئی سجود میں کوئی تجلی جمال کے مشاہدے میں کوئی ایمانداروں کے لئے دعا و استغفار میں کوئی خدا تعالےٰ کی طرف سے دنیاوی کارخانہ کے سرانجام دینے میں پھر یہ اس رات اپنے اپنے کاموں کو چھوڑکر دنیا پر ایمانداروں سے ملنے دیکھنے اپنا فیض پہونچانے آتے ہیں آج کی رات جشن شاہانہ اس دنیا پر ہوتا ہے ہر کارخانہ کے لوگوں کو اسمیں شریک ہونیکے لئے چھٹی ملجاتی ہے۔ اور جو من کو اجل یا واسطہ کے معنے میں لیں گے تو یہ معنی ہونگے کہ ہر کام کی تدبیر کرنے کو نازل ہوتے ہیں جو کچھ دنیا میں سال بھر تک ہوتا ہے اسکا حکم تو شعبان کی پندرہویں رات ہوتا ہے جسکو شب برات کہتے ہیں اور اس کے جائزہ لینے کے لئے لیلۃ القدر میں فرشتے دنیا پر نازل ہوتے ہیں پھر سال بھر تک اسکے مطابق کارروائی کرتے رہتے ہیں یہی مدبرات امور منجانب اللہ ہیں بعض قراء نے من کل امری پڑہا ہے جسکے یہ معنی ہیں کہ وہ ہر ایک آدمی یعنے مؤمن کے لئے نازل ہوتے ہیں اور یہ روایت بھی ہے کہ جب وہ کسی ایماندار مرد یا عورت سے ملتے ہیں تو سلام کہتے ہیں جس میں سلامتی کی دعا ہے۔ پھر سلام ہی کے یہ معنی کہ یہ رات سلامتی کی ہے جیساکہ اوپر مذکور ہوا۔ یا یہ کہ اسمیں ملائکہ باہم اور نیز مومنوں کو سلام کرتے ہیں۔ اور یہ ایک قرآن مجید کی کمال بلاغت ہے کہ ایک لفظ کو خواہ آخر سے کلام سے ملاؤ یا اول سے ہر حال میں معنی عجیب پیدا ہوتے ہیں۔ وللہ الحمد حمدا کثیرا۔ پھر یہ تجلی کب تک رہتی ہے آپ ہی فرماتا ہے حتیٰ مطلع الفجر کہ صبح صادق کے طلوع تک۔ پھر ملائکہ اوپر چلے جاتے ہیں۔

سورہ بینہ (لم یکن) مدینہ میں نازل ہوئی اسمیں آٹھ آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ

کافر اہل کتاب اور مشرکین تو بغیر اسکے ٹلنے والے تھے نہیں کہ ان پاس کھلی دلیل پہونچے (وہ کیا) کوئی خدا کی طرف سے رسول آوے

يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۝

اور پاک صحیفے سناوے جن میں مضبوط احکام ہوں

ترکیب

لم یکن الذین کفروا اسم کان من للبیان اہل الکتاب والمشرکین مجرور ان بمن منفکین خبر کان ای زائلین عما کانوا علیہ من دینہم ہذا حکایۃ عن قولہم قبل الاسلام (کانوا یقولون لا نترک ما نحن علیہ حتی یجیٔ النبی الموعود فی التوراۃ والانجیل فاذا جاء نتبعہ ونترک دیننا فلما جاء کفروا بہ) زجرا وتوبیخا لہم لاثبات کذبہم۔ البینۃ الحجۃ الواضحۃ وہو محمد صلے اللہ علیہ وسلم ولذالک سماہ سراجا منیرا۔ رسول مرفوع علے انہ بدل من البینۃ او خبر مبتدأ محذوف وقرا ابن مسعود وابی رسولا بالنصب حالا من البینۃ من اللہ صفۃ لرسول ای کائن من اللہ یتلوا صحفا مطہرۃ صفۃ اخری لرسول او حال والصحف جمع صحیفۃ ای قراطیس وانہ وان کان امیا لکنہ لما تلے ما فی الصحف کان کالتالی لہا فیہا کتب قیمۃ صفۃ للصحف او حال من ضمیر ہا والمراد الاحکام المکتوبۃ فیہا او الایات والسور الثابتۃ فیہا۔

تفسیر

اس سورہ میں علماء کا اختلاف ہے اکثر کہتے ہیں مدینہ میں نازل ہوئی اور یہی ابن عباس سے منقول ہے اور بعض اسکو مکیہ کہتے ہیں کہ مکہ میں نازل ہوئی حضرت عائشہ صدیقہ کا یہی قول ہے۔ اسمیں آٹھ آیت ہیں۔

اس سورہ کو بینہ اس لئے کہتے ہیں کہ ایام جاہلیت میں مشرکین عرب اور اہل کتاب اپنے قبائح مروجہ کو ترک نکرتے تھے اور اور بینہ آنے پر محول کرتے تھے اس سورہ میں بتلایا جاتا ہے کہ لو اب وہ بینہ بھی آگیا اب کیوں نہیں مانتے۔

مناسبت اسکی سورۂ قدر سے یہ ہے کہ وہاں بتا دیا گیا ہے کہ انسان کو وہ چیزیں جو وہ جانتا نہ تھا بتانے کے لئے اپنے قرآن کو لیلۃ القدر میں اتارا جو بڑی متبرک رات ہے اور اہل کتاب اور مشرکین ایسے رسول اور ایسی کتاب کے منتظر تھے اب بتایا جاتا ہے کہ لو وہ کتاب اور وہ رسول آگیا ہے۔ اب تو اپنا باطل مذہب چھوڑو اسلئے سب سے اول اسی بات کا ذکر فرماتا ہے فقال لم یکن الذین کفروا من اہل الکتاب والمشرکین منفکین حتی تاتیہم البینۃ کہ کافر لوگ یعنی اہل کتاب اور بت پرست اپنے باطل مذہب اور جہالت و بطالت سے دور ہونے والے نہیں تھے جب تک کہ انکے پاس بینہ نہ آجاوے۔ آگے بینہ کی تفسیر فرماتا ہے۔

اس آیت کے معنی میں علماء کا اختلاف ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ بینہ آنے کے بعد بھی وہ کافر اپنے کفر سے نہیں ٹلے۔ اور یہ قید کہ جب تک

ان کے پاس بینہ نہ آوے یہ بتاتی ہے کہ بینہ آنے کے بعد ٹلنا چاہیے اسلئے یہ قرار دیا جاویگا کہ یہ انہیں کافروں کا قول بطور تعریض کے خدا تعالیٰ نے نقل کیا ہے۔ جیسا کوئی کہے اور اصرار کرے کہ جب تک میرے پاس سواری نہ آیگی میں چلنے والا نہیں پھر سواری آنیکے بعد بھی نہ چلے اور حیلہ بہانہ کرے کوئی اسپر تعریض کرے اور یہ کہے کہ آپ تو سواری آئے بغیر چلنے والے نہ تھے یعنی اب سواری بھی آگئی اب کیوں نہیں چلتے۔

اسی طرح خدا تعالیٰ ان کافروں پر تعریض کرتا ہے کہ تم تو بینہ آئے بغیر اپنے مذہب باطل سے ٹلنے والے نہ تھے اب بینہ بھی آگیا اور پھر بھی تم اسی طرح اڑے ہوئے ہو۔

(۱) بعض علماء فرماتے ہیں کہ کفار کا قول نقل نہیں کیا بلکہ از خود فرماتا ہے کہ کافر اپنے کفر اور بطالت پر یہاں تک جمے رہے ٹلے نہیں کہ ان پاس بینہ بھی آگیا اور پھر بھی اسی جہالت میں پڑے ہوئے ہیں ایسی کھلی دلیل کو بھی نہیں مانتے۔

(۲) بعض فرماتے ہیں یہ معنی ہیں کہ کافر یعنے اہل کتاب اور مشرکین دنیا سے جدا ہونے والے نہیں تھے بینہ آئے بغیر یعنے خدا تعالیٰ اس پر آشوب زمانہ میں کہ دنیا پر کفر کی ظلمت طاری تھی اپنی برہان بھیجے بغیر کفار کو موت نہیں دینے والا تھا اب اس نے بینہ بھیجد یا بری اور بھلی راہ میں فرق کر دیا حجت تمام کر دی یہ اسکی رحمت کا تقاضا ہے۔

(۳) بعض فرماتے ہیں یہ معنی ہیں کہ بینہ آنے تک اہل کتاب اور مشرکین عرب محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے قائل اور انکے مبعوث ہونے کے منتظر تھے جب آپ آئے اور بینہ آگیا تو ٹل گئے یعنے منکر ہو گئے کقولہ تعالیٰ فلما جاءہم ما عرفوا کفروا بہ۔

اہل کتاب کی کتابوں میں ایک آنے والے پیغمبر کی خبر تھی توریت میں بھی اور انجیل میں بھی ایک ایسے عالیشان نبی برپا ہونے کی پیشین گوئی ابتک موجود ہے جسکا بیان ہم اپنی تفسیر میں کئی جگہ کر چکے ہیں بلکہ اہل کتاب کو حضرت کے تمام صفات بھی معلوم تھے اور اسی طرح مشرکین عرب میں بھی چرچا تھا کہ مکہ سے ایک ایسا شخص پیدا ہونے والا ہے جو عرب کی ابدی عزت و شوکت کا باعث ہوگا اور اسکے سبب سے گلہ بان بھی حکومت کرینگے اور یہ بات عرب میں ایسی مشہور تھی کہ ہر کہ و مہ جانتا تھا اور ایسے شخص کے مبعوث ہونے کا انتظار کرتا تھا۔ الغرض اہل کتاب اور عرب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے منفک یعنی جدا اور مخالف نہ تھے پھر جب مبعوث ہوئے تو بدبختی سوار ہو گئی آپ سے جدا ہو گئے دشمن بن گئے۔

(۴) ایک یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اہل کتاب اور مشرکین اپنی حالت سرداری اور ریاست سے ٹلنے والے نہ تھے یہانتک کہ ان کے پاس بینہ آگیا اور جب وہ بینہ پر ایمان نہ لائے تو وہ ریاست جاتی رہی۔ اس میں اس پیشین گوئی[۱] کی طرف اشارہ ہے کہ یہودسے حکومت کا عصا دور نہ ہوگا جب تک کہ انکے پاس شیلا نہ آوے شیلا سے مراد بینہ ہے۔

[۱] توریت سفر تکوین یعنی پیدایش انچاسواں باب ۱۰

اسمیں کچھ بھی شبہ نہیں کہ ہر عرب مشرکین کی حکومت تھی عام ہے کہ مشرکین عرب ہوں یا مشرکین مجوس ہوں کیسلئے کہ یمن میں مجوسی یعنی ایرانی بھی فرماں روا تھے اور باقی ممالک میں یہی بت پرست قبائل کے سردار حکمرانی کرتے تھے اور اہل کتاب بالخصوص نصاریٰ شام اور دیگر ممالک کے فرمانروا تھے اور ان ممالک پر قیصر روم کا جھنڈا لہرا رہا تھا یہود گو کہیں کے فرمانروا مستقل نہ تھے مگر خیبر وغیرہ مقامات میں آپ سردار تھے کسی کے زیر حکم نہ تھے اور دینی ریاست کا بھی بڑا دعویٰ تھا یہ سب کچھ رنگ بینہ آنے کے بعد مٹ گیا کسی کی بھی ریاست باقی نہ رہی عرب کے سرداروں کا تو کیا ذکر ہے اسلام نے قیصر اور کسریٰ کے بھی تاج سر سے اتار لئے۔ یہ ایک بڑا اعجاز ہے جس کا چرچا سیکڑوں برسوں سے ہو رہا تھا اور ہر قوم میں تھا اور یہ اخیر معنی سب سے زیادہ تر

چھپاں ہیں گویا اس آیت میں بطور پیشین گوئی کے آنحضرت صلعم کے مخاطبوں کو جو مشرکین اور اہل کتاب یہود و نصاریٰ تھے متنبہ کیا جاتا ہے کہ اب ہماری کھلی ہوئی دلیل آچکی ہے اب راہ پر آجاؤ اور کجی اور سرکشی چھوڑ دو ورنہ اسکا آنا اور تمہارا منفک ہونا یعنے زائل و برباد ہونا وابستہ ہے۔ اور ایسا ہی ہوا بھی۔

ف منفکین، انفکاک سے ہے جسکے معنی ہیں جدا ہونا ملنا زائل ہوجانا چھوڑنا۔ انفکاک کے معنی پر آیت کے معنی کا اختلاف مبنی ہے بتلایا جاتا ہے کہ وہ بینہ کیا ہو؟ آپ ہی بیان فرماتا ہے رسول من اللہ۔ اللہ کا فرستادہ۔ رسول۔ اور رسول بھی کیسا؟ یتلوا صحفا مطہرۃ کہ وہ پاک صحیفے پڑھکر سناتا ہے۔ صحیفہ۔ کاغذ۔ کتاب۔ رسالہ۔ قرآن مجید کی ہر ایک سورت ایک صحیفہ ہے جس طرح توریت کے ابواب یا حصص صحیفے ہیں اور صحیفے بھی کیسے ہیں پاک انہیں جھوٹ اور مبالغہ کی کوئی نجاست نہیں یہ نجاست کتاب کے حق میں ظاہری نجاست سے بڑھکر بیقدر کرنیوالی ہے اسی طرح تحریف و تبدیل بھی کتاب کے لئے نجاست ہے اسی طرح اسکے مضامین میں فحش اور خلاف تہذیب باتیں بھی نجاست ہے۔ الغرض ہر ایک عیب خواہ کسی قسم کا ہو ایک نجاست ہی۔ سو وہ صحیفے جنکو خدا کا برگزیدہ رسول سنا رہا ہے ان جملہ عیوب سے پاک ہیں اس لفظ میں ایک مہذبانہ تعریض بھی اہل کتاب پر ہے کہ جن صحیفوں کو وہ لئے پھرتے ہیں ان میں ان ناپاکوں نے نجاست تحریف لگا رکھی ہے کتاب آسمانی ہونے کے لئے یہ دو ہی معیار۔ کافی ہیں ایک تو یہی کہ ہر قسم کے عیوب سے وہ کتاب پاک ہو جس میں مذکورہ بالا عیوب ہونگے وہ آسمانی کتاب ہو نہیں سکتی دوسرے یہ کہ فیہا کتب قیمۃ ان صحیفوں میں مستحکم اور عمدہ مضامین بھی ہوں یہ ان صحیفوں کی جنکو خدا کا رسول سنا رہا ہے دوسری صفت ہے۔

کتب کتاب کی جمع ہے۔ اور کتاب بمعنی مکتوب اکثر مستعمل ہوتا ہے اور مکتوب مضمون ہوتا ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ مراد احکام و مطالب ہیں کس لئے کہ لکھے تو وہی جاتے ہیں اور قیمہ بمعنے مستقیمہ یعنے ان مطالب میں کوئی کجی نہو۔ عقل سلیم کے مطابق ہوں۔ سو یہ وصف بھی قرآن مجید کے مطالب میں پایا جاتا ہے جیسا کہ وصف اول پایا گیا۔

شبہ۔ صحف اور کتب کے تو ایک ہی معنی ہیں پھر یہ کیا فرمایا کہ صحیفوں میں کتابیں ہوں گویا یوں کہا کتابوں میں کتابیں اور یہ کلام غلط ہی جواب۔ اسکا یہ ہے کہ کتب سے مراد صحیفے نہیں بلکہ مطالب و احکام ہیں بمعنے مکتوب اور وہ کتاب ہی میں ہوا کرتے ہیں۔

بیّنہ

بان الشئی بیانا فہو بین پیدا صراح بین ظہور کے معنے میں ہے بینہ وہ شے جو بالکل ظاہر ہو یا ظاہر کردے اس لئے شہادت کو جو کسی دعوی کے اظہار کے لئے پیش کیجاتی ہے۔ بینہ کہتے ہیں۔ اس مقام پر اس سے مراد خدا کی طرف کی کھلی ہوئی دلیل اور برہان واضح ہے اور وہ کون ہے آنحضرت کی ذات بابرکات صلے اللہ تعالے علیہ وسلم۔ اور اسی لئے آپ کو سراج منیر یعنے روشن چراغ بھی کہا گیا ہے۔ اکثر مفسرین کا اسپر اتفاق ہے کہ بینہ سے مراد اس جگہ رسول کریم ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کس لئے کہ اسکے بعد کا جملہ رسول من اللہ خود اس بات کو بیان کر رہا ہے۔

رسول کریم خدا تعالیٰ کی دلیل واضح اس لئے تھے کہ آپ کی تھوڑی سی صحبت بھی گم کشتگان وادی ضلالت کو راہ رست دکھاتی تھی

اور آپ سے صد ہا معجزات و آیات بینات ایسے سرزد ہوتے تھے جو مافوق العادۃ زائد از قوت انسانیہ ہونیکے سبب آپکی سچائی کی روشن دلیلیں تھیں جنکے بعد کور ازلی محروم رہے تو رہے ورنہ فوراً ہدایت ہوتی تھی۔ آپ کے اخلاق کریمانہ اور آپکی سیرت و صورت بھی حق نمائی کا ایک صاف آئینہ تھا اور سب سے بڑھکر ارواح کے لئے آپ عجیب خاصیت رکھتے تھے۔ اور یہ بات خلاف قیاس نہیں اجسام میں ایک دوسرے کیلئے جاذب پایا جاتا ہے لوہے اور مقناطیس ہی کو دیکھو۔ پھر آپکی روحانیت میں جملہ ارواح کیلئے اگر ایسا بڑا جذب ہو کہ خود بخود نفوس انسانیہ اسطرف کھنچے چلے آتے تھے تو کیا تعجب ہے اور یہی قوت روحانیہ تو ہو جو ایک عالم کو بہت جلد اپنی طرف مائل کر لیتی ہے۔ وجوہ مذکورہ بالا کے لحاظ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کیطرف کی روشن دلیل باں اندھیرے کے زمانہ میں جو شب تار سے زیادہ عالم میں محیط تھا چودھویں رات کے چاند تھے۔ پھر ان جنم کے اندھوں کو اس بینہ کے بعد بھی کچھ سوجھائی ندے تو انہیں ورحل کچھ بھی ادراک روحانی باقی نہیں رہا۔ پھر ایسے حروف غلط اگر لوح دنیا سے مٹائے نہ جائیں تو کیا کیا جاوے

فوائد

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے آگے ہدایت کا چراغ بہت روشن ہونیکے بعد ٹمٹانے لگا تھا اور آخر کار گل ہو گیا تھا دنیا میں اندھیرا پھیل گیا تھا پر عرب جو آپ کا مولد و مسکن تھا اسکی تو عموماً یہ حالت تھی کہ بت پرستی رگ و ریشوں میں دوڑ گئی تھی خاص خانہ کعبہ میں بہت سے بت رکھ چھوڑے تھے کہیں جنون بھوتوں غیر مرئی اشیاء کی پرستش ہوتی تھی کہیں صلحاء و ابرار کی ارواح طیبات کو معبود مان رکھا تھا کہیں ستارے اور چاند اور سورج پوجا جاتا تھا۔ الغرض سیکڑوں معبود اور انکی پرستش کے سیکڑوں دستور مروج تھے اخلاقی حالت بھی بہت ہی خراب ہو گئی تھی قتل دغارت لوٹ و مار زنا چوری شراب خوری ایک عام پیشہ تھا۔

اب رہے اہل کتاب سو انکے دو فریق تھے ایک یہود انکی یہ حالت تھی کہ اصلی توریت و صحف انبیاء علیہم السلام کو ہی کھو بیٹھے تھے اور جو کچھ محرف باقی تھا اسپر بھی عمل نہ تھا اور انکے بھی متعدد فریق تھے جنمیں سے ایک فریق قیامت کا ہی منکر تھا حضرات انبیاء کا کوئی بھی دستور انکا رہبر نہ رہا تھا صرف رسوم باقی رہ گئے تھے انکے علماء اور درویشوں نے دین فروشی کا پیشہ بنا رکھا تھا جہلا انہیں کے کہنے پر چلتے تھے اخلاقی حالت بالکل تباہ و برباد ہو گئی تھی دوسرا فریق نصاریٰ کا تھا اسمیں سے بھی وہ مسیحی خوشبو نکل گئی تھی صرف پھوک باقی رہ گیا تھا۔ انہوں نے خود حضرت مسیح علیہ السلام اور انکی والدہ ماجدہ مریم کی پرستش شروع کر دی تھی۔ خدا ایک کونسل تھی جسکے دو ممبر حضرت مسیح اور روح القدس تھے بعض کے نزدیک حضرت مریم بھی ایک ممبر تھیں حلال و حرام کی اور پاک و ناپاک کی کوئی قید نہ رہی تھی انکے علماء نے مکر کا دام پھیلا رکھا تھا جہلا انکے بندے تھے پھر انکے بھی بہت سے فریق تھے اور آئے دن باہم جوتی پیزار ہوا کرتی تھی رومولش میں انکے اہل علم نے ایک سلطنت قایم کر لی تھی اور وہاں کا سجادہ نشین حضرت مسیح کا نائب کہلاتا تھا جسکو پوپ کہتے تھے پھر ان پوپوں نے لوگوں کو نچا مارا تھا۔ اور طرح طرح کی بدعات اور عجیب و غریب احکام جاری کر رکھے تھے۔ مردے کو یہ نجات کی چٹھی روح القدس کے نام سے دیا کرتے تھے یہ شادی تو نہیں کرتے تھے مگر ہزاروں کواریاں بے حجابانہ انکی خدمت کے لئے رات دن انکے پاس رہا کرتی تھیں پھر کیا کیا شرمناک واقعات پیش آتے تھے اسلئے ان سب کو خدا تعالیٰ نے کافر کہا اور بہت بجا فرمایا۔ ایمان کی کونسی بات باقی رہ گئی تھی ؟

ملک اٹلی کا پایہ تخت ۱۲ منہ

وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ

اور اہل کتاب نے جو اختلاف کیا تو بینہ آنے کے بعد۔ اور انکو حکم (بھی کوئی ایسا نہیں) دیا گیا تھا صرف یہی کہ اللہ کی عبادت کیا کریں خالص اسی کی

لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۝

اطاعت کی نیت سے یک رخے ہو کر اور نماز پڑھا کریں اور زکوٰۃ دیا کریں اور یہی وہ مستحکم دین ہے۔

ترکیب

وما تفرق الخ الجملۃ مستانفۃ لتوبیخ اہل الکتاب وتخصیص بذکرہم للدلالۃ علی ان المشرکین مع جہلہم اولی بالتفرق الا الاستثناء مفرغ من عم الاحوال والاوقات۔ وما امروا الجملۃ فی محل النصب علی انہا حال من اہل الکتاب والحال انہم ما امروا بالشئ یخالف اصول دینہم بل بالشئ یطابقہا مخلصین قرء الجمہور بکسر اللام وقرء الحسن بفتحہا۔ وہی حال من الضمیر فی یعبدوا حنفاء حال من الضمیر فی مخلصین فیکون من باب التداخل ویمکن ان یکون من یعبدوا جمع حنیف۔ والحنیف المائل عن الباطل الی الحق وقیل المتبع لطریقۃ سیدنا ابراہیم علیہ السلام ویقیموا ویوتوا معطوفان علی لیعبدوا وسقطت النون لتقدر ان ای ان لیعبدوا الخ دین القیمۃ قال الفراء ہذا من باب اضافۃ النعت الی المنعوت کقولہ ان ہذا لہو الحق الیقین والہاء للمبالغۃ کما فی قولہ کتب قیمۃ۔

تفسیر

اب یہ ظاہر فرماتا ہے کہ جس بینہ کے انتظار میں اہل کتاب اور مشرک بیٹھے ہوئے تھے اور اس کی آرزو کیا کرتے تھے اس کے آنے کے بعد کیا کیا؟ آپ ہی ارشاد فرماتا ہے وما تفرق الذین اوتوا الکتاب الا من بعد ما جاءتہم البینۃ کہ افسوس اہل کتاب جو علم اور فہم رکھتے تھے ہدایت انبیاء علیہم السلام سے واقف تھے وہی بینہ پہونچنے کے بعد اس سے مخالف ہوگئے اور مشرکین عرب کا تو کیا ذکر ہے وہ تو جاہل ہی تھے۔ یہ ان کی کمال بے نصیبی پر افسوس ظاہر کیا جاتا ہے کہ جسکا زمانہ دراز سے انتظار تھا اور شدید انتظار تھا مگر جب وہ وقت آیا تو جو ازلی بدنصیب تھے انکی آنکھوں پر پردے پڑ گئے اور عناد وضد کے نشہ نے انہیں بے خبر کر دیا ؎

آئے بھی لوگ بیٹھے بھی اٹھ بھی کھڑے ہوئے ۔۔۔ میں جا ہی ڈھونڈھتا تیری محفل میں رہ گیا

جس طرح لیلۃ القدر کی تجلی کے انتظار میں کوئی راتوں نہ سوئے پر جب وہ رات آئے تو سو جاوے یہی حال آنحضرت کی بعثت پر اہل کتاب کا ہوا اور یہ بھی ایک وجہ مناسبت اس سورۃ کی لیلۃ القدر سے ہے یہی حال حضرت مسیح کی بعثت پر یہود کا ہوا جسکا افسوس حضرت مسیح علیہ السلام عجیب عجیب تمثیلوں اور دل ہلانیوالے فقروں میں کرتے تھے

وما امروا اور وہ جو مخالف ہوئے اور بہت جلد اس رسول سے بگڑ بیٹھے ان کو کوئی حکم بھی تو ایسا سخت یا توریت و انجیل کے مخالف نہیں دیا گیا تھا الا لیعبدوا اللہ مگر یہی کہ اللہ کی عبادت کیا کریں مگر نہ شرک کی آمیزش کیساتھ بلکہ ان شرائط سے (۱) مخلصین لہ الدین اول یہ کہ خاص اسی کی اطاعت کی نیت سے اس میں تثلیث کی آمیزش نہ ہو نہ اور کسی معبود کی شرکت ہو اور دل سے پورا اخلاص بھی ہو ریاکاری اور نمود کی گرد بھی نہ لگی ہو۔

پہلا حکم

اب کہو یہ کونسی بری بات تھی جس سے وہ بینہ سے پھر گئے بلکہ یہ تو وہی بات ہے کہ جسکی توریت و انجیل میں بھی جابجا تاکید ہے۔ (۲) حنفاء یک طرفہ ہو کر کسی باطل اور غلط طریق کی طرف میلان نہ ہو جس کے اصول جہل اور خیالات فاسدہ پر مبنی ہوں اور حنیف حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اسی وجہ سے لقب بھی ہے جسمیں اسطرف بھی اشارہ ہے کہ حضرت ابراہیم جو رئیس الموحدین اور خداپرست فرقوں کے بزرگ بلکہ اکثر کے جد امجد ہیں اور تمام فریق یہود و نصاریٰ ابراہیمیت کا دعوےٰ بھی کرتے ہیں انکے طریق کی پابندی اس عبادت میں ملحوظ رہے۔ سو یہ بھی کوئی ایسی بات نہ تھی کہ جس سے وہ بھاگتے۔

دوسرا حکم

اس حکم عبادت کے بعد جو ہر قسم کی عبادت کو شامل تھا ایک خاص عبادت کیلئے دوسرا یہ حکم بھی دیا گیا تھا (۲) یقیموا الصلوٰۃ کہ نماز قایم کیا کریں۔ یہود و نصاریٰ نے وہ نماز بھی ترک کر دی تھی کہ جو انکے مذہب میں تھی سجدہ اور دعا یا رکوع سبت یعنی ہفتہ کے روز۔ یہ حکم بھی کوئی ایسی بات نہ تھی کہ جس سے وہ انکار کرتے بلکہ سچے مذہب کا عطر یہی ہے۔ تیسرا حکم یہ تھا (۳) ویؤتوا الزکوٰۃ اور زکوٰۃ بھی دیا کریں یعنی خیرات کیا کریں۔ خیرات کرنا بھی وہ بات ہے کہ جسکو تمام مذاہب بالاتفاق اچھا جانتے ہیں پھر وہ کونسی بات ایسی تھی کہ جسکے سبب اہل کتاب کو آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے انکار کا حیلہ ملا ہاں اسقدر تو ضرور ہوا کہ نماز اور زکوٰۃ کے طریقے میں اصلاح کی گئی جو عقل سلیم کے سر مو خلاف نہیں پھر ان سے خلاف و انحراف اگر شقاوت ازلی نہیں تو اور کیا ہے کوئی عیسائی۔ کوئی ہندو۔ کوئی یہودی۔ کوئی مجوسی انصاف سے کہہ تو دے کہ اس بینہ یعنی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کیلئے انکے پاس کوئی دلیل ہے اور جب آپ کے مذہب کے یہ اصول ہیں تو ذلک دین القیمۃ تو اس دین کے محکم اور مضبوط ہونے میں کیا شبہ ہے بیشک یہ دین قیم ہے اور یہی مذہب اس بات کا مستحق ہے کہ اسکو آسمانی مذہب قرار دیا جاتے اور یہ تمام بنی آدم میں شائع ہو اور سب ایک دین اور ایک مذہب ہو جاویں اختلاف کا نام باقی نہ رہے اور یہ ایک روز ہو کر رہیگا۔ خلاصہ یہ کہ بینہ آنے کے بعد اہل کتاب نے اختلاف کیا حالانکہ ان کو جو حکم دیا گیا تھا نہ بلحاظ مشقت عمل کے سخت تھا اور نہ توریت و انجیل کے برخلاف تھا مگر وہ اسپر بھی مخالف ہو گئے اور حکم جو انکو دئے تھے اور رسول نے انکو سنائے تھے صرف یہ تین حکم تھے۔

تیسرا حکم

---

(۱) خالص اللہ کی عبادت کرنا (۲) بالخصوص نماز پڑھنا (۳) مالی عبادت کرنا زکوٰۃ و خیرات دینا۔ اور دین قیم یہی ہے۔ تعظیم خدا جو دو پہلے حکموں میں ہے۔ اور ترحم بر خلق جو تیسرے حکم سے متعلق ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ أُولَٰئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۝

بیشک جنہوں نے انکار کیا یعنے اہل کتاب اور مشرک وہ جہنم کی آگ میں سدا رہا کریں گے وہی سب مخلوق سے بدتر ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝ جَزَاؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ

وہ جو ایمان لائے اور نیک کام کئے وہی سب خلق سے بہتر ہیں ان کا بدلہ انکے رب کے پاس باغ ہیں بسنے کے

تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ ۝

جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہا کریں گے اللہ ان سے راضی ہوا وہ اس سے راضی ہوئے یہ اسکو ملتا ہے جو اپنے رب سے ڈرا کرتا ہے۔

ع ۸ ۲۲

ترکیب

الذین موصول کفروا صلتہا من اہل الکتاب والمشرکین بیان لکفروا اسم ان فی نار جہنم خبرہا اے یصیرون الیہا بعد الموت خالدین فیہا حال من المستکن فی الخبر۔ اولئک مبتدا۔ ہم شر البریۃ الجملۃ خبر قرء الجمہور فی الموضعین البریۃ بغیر ہمزہ وقرئ بالہمزۃ وقیل الاصل بالہمزۃ لانہ یقال برء اللہ الخلق بالہمز اے ابتدعہ واخترعہ ومنہ قولہ من قبل ان نبرءہا ولکنہا خففت عند عامۃ العرب والبریۃ الخلیقۃ والباری الخالق الذین آمنوا الخ اسم ان ہم خیر البریۃ خبرہا جزاءہم مبتدا عند ربہم صفۃ جنات عدن خبر یقال عدن بالمکان یعدن عدنا اے اقام ومعدن الشئے مرکزہ ومستقرہ۔ تجری الخ الجملۃ صفۃ جنات خالدین حال العامل محذوف اے ادخلوہا خالدین ولا یجوز ان یکون حالا من الضمیر المجرور فی جزاؤہم لوقوع الفصل بین المصدر ومعمولہ بالخبر واجازہ قوم ابدا تاکید للخالدین رضی اللہ الخ الجملۃ خبر ثان ویجوز ان تکون فی محل نصب علی الحال باضمار قد۔ ذلک مبتدا لمن خشی ربہ الجملۃ خبر۔

تفسیر

اب ان اختلاف کرنیوالوں کا جو اپنے آپکو دنیا سے بہتر سمجھتے ہیں انجام کار بیان فرماتا ہے فقال ان الذین کفروا کہ وہ جو منکر ہو گئے ہیں بینہ کے خواہ اہل کتاب ہوں خواہ مشرکین ہوں وہ جہنم کی دہکتی آگ میں جلیں گے پھر جس طرح یہ انکا کفر کبھی ان سے دور نہیں ہوتا تھا بلکہ ہمیشہ انکے ساتھ رہتا تھا اسی طرح وہ بھی ہمیشہ اس آگ میں پڑے جلا کریں گے کبھی رستگاری نہ ہوگی جن عقائد و اعمال و رسوم کو وہ موجب نجات جانتے ہیں کچھ کام نہ آئیں گے کس لئے کہ وہ سب باطل کوششیں ہیں۔ اور وہ جو اپنے آپ کو دنیا سے بہتر جانتے ہیں یہ بھی غلط خیال ہے بلکہ اولئک ہم شر البریۃ وہ تمام مخلوق سے بدتر ہیں کس لئے کہ مخلوق میں مومن اور فرشتے تو بالاتفاق بہتر ہیں اب رہے حیوانات خواہ وہ کیسے ہی کریہ کیوں نہوں سور۔ کتا۔ یہ ان سے بھی بدتر ہیں کس لئے کہ وہ اپنے آقا کی ناشکری تو نہیں کرتے اور یہ بدنصیب باوجود عقل و ادراک ہوش و حواس کے ناشکری کرتے ہیں اسکے احکام اور اسکے رسول اور اسکی باتوں کو جھٹلاتے ہیں اور حیوانات کو مرنے کے بعد عذاب ثواب کچھ نہیں پر انکے گلے میں تو رنج و حزن دائمی کی مستحکم رسی پڑی ہوئی ہے۔

یہود و نصاریٰ کے تفاخر

یہود کو دعویٰ تھا کہ نحن ابناء اللہ واحباءہ کہ ہم خدا کے بیٹے اور اسکے دوست ہیں ہم ابراہیم و اسحاق و یعقوب علیہم السلام کے اجزاء بدن ہیں اور انکے لئے برکت و مغفرت کا وعدہ ہو چکا ہے پھر ہمکو کسی طرح بھی جہنم میں نہ ڈالے گا اور بڑے بڑے گناہوں کی بازپرس ہوئی بھی تو یہ ہوگی کہ دو چار روز جہنم کی طپش دکھا کر پھر ہمکو ہمارے باپ دادا کے مرتبہ میں پہونچا دیا جاوے گا۔ الغرض مغفرت و جنت ہمارا موروثی حصہ ہے۔ اس لئے ہم سب مخلوق سے بہتر اور اشرف ہیں ہماری برابر کوئی نہیں ہو سکتا عیسائی

کہتے ہیں کہ جب ہم حضرت مسیح پر ایمان لائے اور انکو خدا اور خدا کا بیٹا جان لیا تو وہ ہمارے لئے آپ کفارہ ہو گئے سولی چڑھے ملعون ہوئے اور تین روز جہنم میں رہے اب ہمکو کوئی گناہ مضرت نہیں پہونچا سکتا حوض میں غوطہ لگانے سے اگلے اور پچھلے تمام گناہ معاف ہو گئے بہرحال ہماری نجات ہے آسمانی بادشاہت ہمارے لئے حیات جاودانی کے ہم مالک ہم باپ کے برابر کرسی پر بیٹھیں گے ہم سے بہتر اور افضل کوئی قوم نہیں اوروں کے ہاں جسمانی عبادات ہمارے ہاں روحانی یعنے ناپاک اعتقاد ہنود کی بت پرست قومیں جو ہزاروں ہیں اخلاقی اور روحانی نجاستوں میں آلودہ ہیں اور تمام مذہب توہمات و خیالات فاسدہ پر مبنی ہے ہرچند انکے گروہ آریہ نے اسکی اصلاح کرنی چاہی ہے ویدکی تاویلات کرکے اسکو لوگوں سے مخفی رکھکر (تاکہ ظاہر ہو جانے پر قلعی نہ کھل جائے) اس میں اسلامی توحید و اخلاق ملانے کی کوشش کی ہے مگر پھر کہاں تک ؎ تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم پہ کا مضمون ہے اسپر وہ اپنے آپ کو پوتر[1] جانتے ہیں اوروں کو ملیچھ بتلاتے ہیں اور ان کے سایہ تک سے بچتے ہیں ہاتھ اور کپڑا چھو جانے سے تو دھرم برہشٹ ہو جاتا ہے سوائے پہردن چڑھے تک دھرماتما ہندو وغیر قوم کی صورت دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے۔ پھر سرگ یعنی جنت تو ان کا زرخرید ہے یا برہمن کا عطیہ اور انکے تمام کاروبار تو انکے بت چلاتے ہیں۔ پھر جو کوئی پاپ یعنی گناہ ہو جاتا ہے تو گنگاجی میں اشنان کرنے سے دھل جاتا ہے بالخصوص ان میں سے فرقہ برہمن تو نوری بندے ہیں وہ جو چاہیں کریں ان کو کوئی گناہ ہی نہیں کس لئے کہ برہماجی کے پوتر یعنی لب رہیں وہ کسی کو ماریں گالی دیں اس کے مقابلہ میں دھرماتما مہاراجوں کو سزا دینے کا اختیار نہیں نسل میں برکت حاصل کرنے کے لئے ان سے نطفہ حاصل کرنا قدماء ہنود کا قدیم دستور تھا۔ اور ہندو قومیں تو تناسخ کے میدان میں ٹھوکریں کھاکر اور کیا کیا جنم لیکر مکتی[2] حاصل کرتی ہیں۔ مگر برہمن جی مہاراج تو کھڑے سرگ میں چلے جاتے ہیں انکے سوا اور اقوام ہند کو دینی کتابوں کے پڑھنے کی اجازت تک نہیں (تاکہ راز نہ کھل جائے) جو کچھ خیرات کرنا ہو تو برہمن کو دو گرچہ وہ بڑا مالدار ہی کیوں نہو اس کا دیا مردوں کے پاس پہونچتا ہے پھر ہنود کی بیاہ شادی مرنے جینے کے رسوم بتوں کی عبادت کرانا برہمن ہی کے ہاتھ میں ہے پھر قانون بھی جو بنایا ہے جسکو دھرم شاستر کہتے ہیں وہ منوجی برہمن کا بنایا ہوا ہے کہ جو کسی طرح سے انکے پچھلے اوتاروں رشیوں سے اسکی ترمیم بھی نہو سکی الغرض یہ بھی اپنی فضیلت اور نجات کو موروثی حصہ جانتے ہیں اور اسی کے قریب قریب عرب اور دیگر بلاد کی بت پرست قوموں کا خیال تھا جسکا ابطال کر دیا گیا اور بتلا دیا گیا ان الذین امنوا وعملوا الصلحت اولئک ہم خیر البریۃ کہ انسان کی فضیلت کا دارومدار ایمان اور عمل نیک پر ہے یا ہنود کے سمجھانے کو یوں کہو گیان اور کرم پر ہے ؎ ذات بھانت پوچھے نا کوئے ❊ ہر کو بھجے سو ہر کا ہوئے۔ یا حکماء کے سمجھانے کو یوں کہو کہ کمال انسانی قوت نظریہ و عملیہ کی تکمیل پر موقوف ہے قوت نظریہ کی تکمیل ایمان سے ہے کس لئے کہ علوم الہیات کو واقعی طور پر جاننا ایمان شرعی میں داخل ہے اور عملیہ قوت کی تکمیل نیک کاموں کے بجالانے میں ہے اور نیک وہی کام ہیں جنکو طبائع سلیمہ نیک کہتی ہوں جیسا کہ خدا کی عبادت کرنا بندگان خدا سے بھلائی کرنا سو اول بات کو لفظ آمنوا ادا کر دیا ہے اور دوسری کو وعملوا الصالحات الغرض یہ کہ رب سب کا رب ہے تمام بندے اور کل نبی آدم اسکے نزدیک ایک ہی قطرہ کی پیدائش ہیں اگر کسی کو فضیلت ہے تو ایمان و اعمال صالحہ سے ہے اور یہی مضمون اس آیت میں ہے

[1] پاک ۱۲

[2] مکتی یعنی نجات ۱۲

سے پکتس یا چھیئے یعنی سمینہ ... ۱۲

ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم کہ اللہ کے نزدیک تم میں سے وہ افضل واشرف ہو جو پرہیز گار ہو اور پرہیز گاری ایمان و اعمال صالحہ سے حاصل ہوتی ہے۔ الغرض یہ لوگ مخلوق میں بہتر ہیں۔ اور درحقیقت وہی بہتر ہے جو ایمان و اعمال صالحہ کے لباس سے آراستہ ہو۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اسلئے آخرت کے درجات بیان فرماتا ہے جہاں سدا رہنا ہے اگر وہاں عزت ہو تو دراصل عزت ہے ورنہ دنیا کی چند روزہ عزت مال و زر حسن و جمال حسب و نسب کی عزت ایک خواب و خیال ہے فقال جزاءہم عند ربہم جنات عدن کہ انکا بدلہ انکے مہربان رب کے پاس رہنے کے باغ ہیں یعنی عالم قدس کے باغ ہیں جنہیں تمام راحت کے سامان مہیا ہیں جنکو کبھی خزاں نہیں چھو سکتی یہ انکے ایمان و اعمال صالحہ کا مظہر ہے تجری من تحتہا الانہار انکے نیچے نہریں بہتی ہونگی۔ یہ انکے اعمال صالحہ عرفان الٰہی کی نہریں ہیں جو دنیا میں انکے اندر رات دن بہا کرتی تہیں کبھی بند نہوتی تھیں۔ پھر جس طرح یہ ایمان و معارف و اعمال صالحہ ان کے ساتھ ہمیشہ رہا کرتے تھے اسی طرح یہ بھی اس عالم میں ان باغوں خالدین فیہا ابدا میں ہمیشہ ہمیشہ رہا کریں گے نہ انکو کبھی موت آوے گی نہ وہاں سے نکالے جاویں گے نہ انکی عمر میں فتور ہو گا یہ خلود اس نیت کا ثمرہ ہے جو ایماندار و نیک بختوں کے دل میں تھی وہ یہ کہ گو انکی عمریں تھوڑی تہیں مگر نیت اور قصد یہی تہا کہ ہمیشہ ہمیشہ اسی اطاعت و بندگی میں رہیں گے کبھی اس نیک رویہ کو نہ چھوڑیں گے ؎ خلاصہ حافظ ازان زلف تابدار مباد ٭ کہ بستگان کمند تو رستگار انند ٭ اور یہی قصد کفار کا تھا اس لئے وہ بھی خلود کے مستحق ہوئے مگر جہنم کے خلود کے۔

ان سب نعمتوں سے بڑھکر ایک بڑی نعمت ان کو یہ نصیب ہوگی رضی اللہ عنہم کہ اللہ ان سے راضی اور خوشنود ہوگا و رضوا عنہ اور یہ اس سے راضی اور خوشنود رہیں گے۔ پھر اب اور کسی نعمت کی کیا اصل ہے۔ محبوب کی رضامندی کی لذت عاشق صادق سے اور بادشاہ کی خوشنودی کی فرحت ملازم سے پوچھنی چاہئے۔ اور لفظ ماضی سے تعبیر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اب دنیا میں بھی انکا رب ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے کوئی حسرت و ارمان دل میں باقی نہیں رہا ایمانداروں نیک کام کرنے والوں کو یہ تمغہ پہنایا گیا جس کا اثر نیک مومن کے دل پر ایسا ہوتا ہے کہ وہ دنیا و مافیہا کو اسکے آگے ہیچ جانتا ہے تنگدستی بیماری کا ناکامی میں بھی اسکے دل میں ایک ایسی فرحت ہوتی ہے کہ جسکے سبب وہ تنگدستی بیماری کو کچھ بھی نہیں جانتا۔ یہ تمغہ صحابہ خصوصاً خلفاء اربعہ کو بخوبی حاصل ہو گیا تھا کس لئے کہ انکے ایمان لانے اور نیک کام کرنے کی بھی گواہی خدا تعالیٰ اور اسکے رسول کریم نے دیدی تھی اور کیوں نہو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کو یہ کچھ فضیلت حضرت مسیح علیہ السلام کی برکت سے عطا ہوئی تھی پھر کیا خاتم المرسلین صلعم کے حواریوں اور قدیم جان نثاروں کو یہ رتبہ نصیب نہوتا؟ اس لئے نیک مسلمانوں کا عام دستور ٹھہر گیا ہے کہ جب کبھی ان بزرگواروں کا نام لیا جاوے تو اس تمغہ رضی اللہ عنہ سے لیا جاوے اور یہ ایک ادب ہے اور جو لوگ انکی تنقیص کرتے جیسا کہ شیعہ و خوارج وہ گویا پیغمبر خدا صلعم کی تعلیم اور اثر کی تنقیص کرتے ہیں۔

پھر فرماتا ہے کہ یہ نعمت کسکو نصیب ہوتی ہے فقال لمن خشی ربہ یہ اسکو نصیب ہوتی ہے جو اپنے رب سے ڈرا کرتا ہے خواہش نفسانی اور پابندی رسم و رواج قوم کو اسکے احکام کے مقابلہ میں کچھ نہیں سمجھتا۔ یہ حصہ کسی شخص کو اسکے مال و جمال حسب و نسب سے نہیں ملتا بلکہ خدا کے ڈرنے سے سب کا اصل الاصول خوف خدا ہے یہ نہیں تو کچھ نہیں یہی بڑی دولت ہے۔

سورۂ زلزال مدنیہ مکیہ نازل ہوئی اسمیں آٹھ آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۝ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ۝ يَوْمَئِذٍ

جب زمین تھر تھر کانپے اور جب زمین اپنے بوجھے (دفائن) نکال پھینکے اور انسان کہنے لگے اسکو کیا ہو گیا اس دن

تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۝ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ۝ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۝ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ۝

یہ اپنی خبریں بتائے گی۔ اسلئے کہ آپ کا رب اسکو حکم دیگا۔ اس دن لوگ مختلف حالتوں میں پھر کر آویں گے تاکہ انکے اعمال انہیں دکھائے جاویں

ترکیب

اذا شرطیۃ کان والفرق بینہا ان اذا تستعمل فی المقطوع اے اذا اردت التعلیق بما یوجد قطعا تقول اذا بخلاف ان فانہا تستعمل فی المحتمل فلما کان لزلزال یقینیا قال اذا زلزلت فعل مجہول الارض مفعول مالم یسم فاعلہ زلزالہا زلزال مفعول مطلق مضاف الی الضمیر الراجع الی الارض۔ قال الفراء الزلزال بالکسر مصدر و بالفتح اسم و قال القرطبی بالفتح مصدر کالوسواس و القلقال وقیل ہما مصدران وقد قری بہا۔ فالمصدر مضاف الی فاعلہ والمعنی اے حرکت الارض حرکۃ شدیدۃ کما قال اذا رجت الارض رجا واخرجت الخ الجملۃ معطوفۃ علی زلزلت الارض والاثقال جمع ثقل والمراد بہ الدفائن وقال الخ ایضا معطوف ما مبتدا لہا خبر والجملۃ الاستفہامیۃ مفعول قال والمعنی یتعجب الانسان من افعال الارض۔ وہذہ الجمل کلہا شرط والجواب یومئذ تحدث الخ قال ابو السعود یومئذ بدل من اذا والعامل فیہا تحدث اخبارہا مفعول ثان والاول محذوف اے تحدث الناس اخبارہا امابلسان المقال وقیل یجوز ان یکون اذا منتصبا بمضمر اے اذکر اذا زلزلت الارض بان ربک الخ متعلق بتحدث فالباء سببیۃ اے تحدث بسبب ایحاء اللہ الیہا۔ وقیل زائدۃ فیکون ان ربک اوحی لہا بدلا من اخبارہا لہا بمعنے الیہا لان اوحی یتعدی تارۃ بالی وتارۃ باللام وانما اوثرت اللام ایماء الی انما فعلنا ذلک لاجلہا حتی تتوسل الارض بذلک الی الانتقام من العصاۃ یومئذ اما بدل من یومئذ قبلہ واما منصوب بمقدر اے اذکر واما منصوب بما بعدہ یصدر الناس اے یرجع والصدر الرجوع ضد الورود اے من موقف الحساب الے منازلہم اشتاتا جمع شت بمعنے متفرق وہو حال من فاعل یصدر اے یرجعون متفرقین بعضہم ببیض الوجوہ وبعضہم سود الوجوہ بحسب اعمالہم۔ لیروا اللام تتعلق بیصدر قرء الجمہور مبنیا للمفعول من رؤیۃ البصر اے لیریہم اللہ اعمالہم وقری مبنیا للفاعل والمعنی لیروا جزاء اعمالہم۔

تفسیر

یہ سورہ ابن عباس و قتادہ کے نزدیک مدنی ہے اور جمہور کا بھی یہی قول ہے مگر ابن مسعود و عطا و جابر کہتے ہیں مکہ میں نازل ہوئی اس سورہ کی آٹھ آیات ہیں بعض کہتے ہیں نو اسلئے کہ وہ ایک جملہ کو دو سمجھتے ہیں۔

مناسبت

مناسبت اسکی پہلی سورۃ سے یہ ہے کہ پہلی سورۃ میں تھا جزاءہم عند ربہم کہ ایمانداروں کی جزا انکے رب کے نزدیک جنات عدن ہیں

یہ سنکر ایمانداروں کا دل مشتاق تھا کہ یہ پوچھے کہ کب یہ جزا ملیگی اس لئے اسکا وقت بتلا دیا کہ اذا زلزلت الارض الخ کہ جب زمین ہلائی جاوے گی یعنے قیامت میں یا یوں کہو کہ مسئلہ معاد کا پہلی سورۃ میں اخیر میں ذکر تھا کہ مشرکین اور کافر جہنم کی آگ میں اور ایماندار ابرار جنات عدن میں ہمیشہ رہا کریں گے اس سورۃ میں مسئلہ معاد کی ابتدائی حالت بیان فرمائی کہ زمین ہلے گی اور اپنے دفائن و اموات اوگل دے گی۔ کافر تعجب کریں گے اور یہ عالم کہ جس پر یہ منکرین مبتلا ہیں زیر و زبر ہو جاوے گا۔ فقال اذا زلزلت الارض زلزالہا کہ جس وقت ہلائی جاوے زمین جیسا کہ اوسکو ہلانا چاہئے اور جتنی کہ ہل سکے یعنی بہت زیادہ۔ یہ شروع قیامت کا ہوگا کہ اسرافیل کے صور پھونکنے سے زمین میں سخت زلزلہ آوے گا جس سے کوئی پہاڑ اور عمارت باقی نہ رہے گی اور سمندر جوش مار کر ادہر ادہر پھیل پڑیں گے واذا البحار سجرت مجاہد کہتے ہیں۔ یہ اول بار صور پھونکنے میں ہوگا۔ بعض کہتے ہیں بار دوم صور پھنکنے کے وقت ہوگا۔

ف عرب کے کسی بڑے فصیح و بلیغ نے یہ فقرہ بنایا تھا۔ اذا زلزلت الارض زلزالا اور اسپر اسکو بڑا ناز تھا پھر جب یہ آیت نازل ہوئی اور اس میں زلزالا کی جگہ زلزالہا آیا مصدر کو مضاف کر دیا تو فقرہ میں جان پڑ گئی وہ عرب سنکر وجد میں آگیا اور بول اٹھا کہ میں اس کلام کی فصاحت پر ایمان لایا۔ اسکا لطف اٹھانا اہل زبان ہی کا حصہ ہے۔

اور اس زلزلہ سے کیا ہوگا؟ منجملہ انکے یہ ہوگا واخرجت الارض اثقالہا کہ زمین اپنے بوجھے نکال ڈالے گی۔ ثقل و بوجھ[1] جس سے مراد ہے زمین کے اندر کی چیزیں خزانے اور کانیں اور مردے گڑے ہوئے اور طرح طرح کے پتھر اور قدیم عمارات کی بنیادیں اور جو کچھ زمین کے طبقات میں زلزلہ عظیم سے باہر نکل پڑے گا۔ مسلم اور ترمذی نے ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن زمین اپنے جگر کے ٹکڑے قے کر دے گی چاندی سونے کے ستونوں جیسے ٹکڑے باہر پڑے ہونگے۔ قاتل دیکھکر کہے گا ہائے میں نے اس کے لئے قتل کیا تھا۔ اور قطع رحم کرنے والا کہے گا ہائے میں نے اسکے لئے عزیزوں کو چھوڑا تھا اور چور دیکھکر کہے گا ہائے اسکے لئے میرے ہاتھ کاٹے گئے پھر کہا جائیگا اٹھالو مگر وہ کچھ بھی نہ لیں گے۔ وقال الانسان مالہا اور کہے گا انسان اس زمین کو کیا ہوگیا؟ وہ اسکے باغ اور وہ اسکے عمدہ عمارات کیا ہوتے اسکی وہ رونق کیا ہوگئی جس پر بنی آدم فریفتہ تھے اور کٹے مرتے تھے۔ گز گز بھر زمین کے لئے تلواریں چلتی تھیں ہائے ہائے یہ زر بھی پڑا ہے اور یہ زمین بھی پڑی ہے آج کوئی نہیں پوچھتا۔ بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ زمین کا دفائن باہر پھینکنا اور انسان کا یہ کہنا دوسری بار صور پھونکنے کے بعد کا معاملہ ہے۔ جب مرنے کے بعد سب زندہ ہو جاوینگے اور زمین و زر کو یوں خراب و مبتذل دیکھیں گے۔ مگر یہ بھی ممکن ہے کہ قریب قیامت کا معاملہ ہو جبکہ ایک زلزلہ آوے اور دنیا کو درہم برہم کر دے پھر جو کچھ انسان اسوقت زندہ ہوں یہ کہیں اور پھر نفخ صور اول شروع ہو جاوے۔ یومئذ تحدث اخبارہا اس روز زمین اپنے اخبار و حالات بیان کرے گی۔ کہ فلاں نے مجھ پر زنا کیا اور فلاں نے قتل کیا تھا اور فلاں نے فلاں گناہ اور فلاں نے نماز پڑھی تھی۔ فلاں نے فلاں نیک کام کیا تھا سب حالات بتلاوے گی۔ اور یہ کیوں بان ربک اوحی لہا اس لئے کہ تیرے رب نے اسکو وحی کی ہوگی۔ یعنی وحی اور حکم رب سے بندوں پر نیکی بدی کی گواہی

[1] اور اس سے جن و انس کو ثقلین کہتے ہیں ۱۲ منہ

دے گی یہ معاملہ بالاتفاق نفخ صور ثانیہ کے بعد ہوگا

ف بعض علماء فرماتے ہیں کہ تحدث اخبارہا کے جملہ کا مطلب یہ ہے کہ زبان حال سے اپنی گزشتہ خبریں بتاویگی عبرت کرنیوالوں کیلئے

ف یہ شبہ کرنا کہ زمین جسم لایعقل کیونکر کلام کرسکتا ہے؟ اسکا **جواب** یہ ہے کہ مخلوق الٰہی میں سے ہر ایک چیز روح رکھتی ہے صرف اسقدر فرق ہے کہ حیوانات کی روح بدن کی تدبیر و تصرف اور حس و ادراک اختیاری کا شرف رکھتی ہے برخلاف اور اجسام کی روح کے کہ اس کا ادراک و حس محسوس نہیں مگر کبھی محسوس بھی ہو جایا کرتا ہے بطریق خرق عادات و معجزات کے اور اسی لئے بعض دفعہ پتھروں نے حضرات انبیاء علیہم السلام سے کلام کیا ہے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو شروع نبوت کے وقت پتھر سلام کیا کرتے تھے اور ستون حنانہ حضرت کی مفارقت میں رویا ہے اور اسی لئے ہر شئے خدا کی تسبیح و تقدیس کیا کرتی ہے کما قال وان من شئی الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقہون تسبیحہم اور نفوس ملکیہ کے حکما بھی قائل ہیں اور قیامت کے روز جب ظہور کلی ہوگا ان چیزوں کی گویائی بھی سب کے نزدیک محسوس ہو جاویگی اور اسی طرف اس آیت میں اشارہ ہے بیدہ ملکوت کل شئی زمین بھی گواہی دیگی انسان کے اعضا بھی گواہی دینگے۔ اور حدیث میں آیا ہے کہ جہانتک موذن کی آواز جاتی ہے وہاں کے حجر و شجر گواہی دینگے مگر سوائے حیوانات کے دیگر اجسام کی حیات فلسفہ جدید کی سمجھ سے باہر ہے اور اسی لئے وہ اسکو محال خیال کرتے ہیں مولانا روم اپنی مثنوی میں اس حیات کی کن دلکش الفاظ میں تصویر کھینچتے ہیں ۵

هستی کوه است مخفی از خرد هستی بیچوں خرد کے پے برد
بادرا بے چشم گر بینش نداد فرق چوں میکرد اندر قوم عاد
آتش نمرود را گر چشم نیست با خلیلش چوں ترحم کرد ہست
گر نبودے نیل را آں نور دید از چه کافر را ز مومن برگزید
گر نہ کوه و سنگ با دیدار شد پس چرا داؤد را او یار شد
ایں زمین را گر نبودی چشم جاں از چه قارون را فرا خورد آنچناں
گر نبودے چشم دل حنانہ را چوں بدیدی ہجر آں فرزانہ را
در قیامت ایں زمیں از نیک و بد کز ما دیده گواهی ها دهد

پھر اور کیا ہوگا؟ یومئذ یصدر الناس اشتاتا لیروا اعمالہم کہ اس روز دربار عدالت سے اپنے اپنے منازل پر مختلف حالات میں لوگ لوٹ کر آوینگے جو ایماندار و نیک ہیں انکے منہ چاند سے روشن ہونگے جنت کی طرف خوشی میں دوڑتے آوینگے اور کافر و مشرک اور بدکار جہنم کی قید کا حکم سنکر سیاہ رو غمگین جہنم کیطرف جائیں گے یہ اسلئے کہ ہر ایک کو اسکے اعمال کا بدلہ دکہایا جاوے نیکوں کو نیک بدوں کو بد۔

۵ل مگر یہ نہیں سمجھے کہ انسان کی زبان جو گویائی کا ایک آلہ ہے اور گوشت کا ٹکڑا اسمیں کون سے اسباب گویائی کے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں؟ کچھ نہیں صرف ایک قادر مطلق نے اسمیں قوت رکھدی ہے اگر وہ چاہے تو یہی قوت انسان کے کسی دوسرے عضو میں رکھدے وہ بھی اسی طرح بولنے لگے دیکھنے کی قوت آنکھ میں رکھدی ہے سونگھنے کی ناک میں ٹٹولنے کی تمام جسم میں اگر وہ چاہے تو ایک قوت کو دوسری جگہ رکھدے یا کل بدنکو جمیع قوتوں کا محل کردے ہر جگہ سے دیکھنے سننے بولنے سونگھنے ٹٹولنے لگے اور کبھی کبھی خاصان خدا پر یہ حالت دنیا میں بھی طاری ہو جاتی ہے جبکہ بہیمیت پست اور روحانیت غالب آجاتی ہے۔ اسی لئے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میں نماز میں پس پشت سے بھی دیکھتا ہوں ارکان صلوٰۃ میں فرق نہ کرو۔ ۱۲ منہ

ع ۸ / ۲۴

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝

پھر جس نے ذرہ بھر بھلائی کی ہے وہ اسکو دیکھ لیگا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہے وہ اسکو دیکھ لیگا

ترکیب

الفاء للتفسیر من موصولۃ مبتدء خبر منصوب علی انہ تمیز من مثقال ذرۃ یرہ خبرہ ویمکن ان تکون من شرطیۃ یرہ جواب الشرط وقیل خیرا بدل من من مثقال ذرۃ قرء الجمہور یرہ فی الموضعین بضم الہاء وصلاً وسکونہا وقفاً وقرء ہشام لبسکونہا وقفا ووصلا وقرء الجمہور یرہ فی الموضعین مبنیا للفاعل وقری مبنیا للمفعول اے یریہ اللہ ایاہ وقری یراہ علے توہم ان من موصولۃ او علے تقدیر الجزم بحذف الحرکۃ المقدرۃ فی الفعل۔ مثقال بالکسر سنگ زر و دینار صراح اے زنتہ ذرۃ۔ والذرۃ ہوان یضرب الرجل بیدہ علے الارض فما علق من التراب فہو ذرۃ وقیل ما یری فی شعاع الشمس من الہباء۔

تفسیر

اب اعمال دیکھنے کی تفصیل کرتا ہے فقال فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ اور جو ذرہ کے برابر بھی یعنی چھوٹی سے چھوٹی نیکی کریگا ضرور اسکو یعنی اسکے نیک بدلہ کو دیکھ لیگا وہ نیکی رائگاں نہ جاویگی ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ اور جو ذرہ بھر بدی کریگا وہ اسکے بدنتیجہ کو دیکھ لیگا۔

سوال — ف ۱ علماء کا اتفاق ہے کہ کافروں کی نیکیاں انکے کفر کے سبب سے ملیامیٹ ہوجاتی ہیں پھر وہ اپنی نیکی بڑی بھی نہ دیکھیں گے ذرہ بھر کا تو کیا ذکر۔ اسی طرح ایمانداروں کی بدیاں مٹا دیجاتی ہیں یا معاف کردیجاتی ہیں پھر انکو بھی ذرہ بھر بدی دیکھنے کا موقع نہیں ملتا پھر آیت کے معنی کیونکر صحیح ہونگے؟

جواب — دیکھنے کا موقع بیان نہیں فرمایا اس لئے عام ہے پس کافر کی نیکیوں کا نتیجہ اسکو دنیا میں ملجاتا ہے افزائش مال وکثرت اولاد تندرستی وغیرہ۔ ہاں آخرت میں کچھ ثواب نہ ہوگا پس یہ کہنا صحیح ہوگیا کہ کافر کی بھی کوئی نیکی خواہ ذرہ برابر ہو رائگاں نہ جاویگی آخرت میں نہ سہی دنیا میں تو ضرور اسکا بدلہ دیکھ لیگا۔ اسی طرح مومن کو اسکے گناہوں کے سبب دنیا میں بدنتیجہ کوئی مصیبت بیماری تنگدستی رنج وغم دیکھنا پڑتا ہے گو آخرت میں نہ سہی۔ بعض یہ جواب دیتے ہیں کہ دونوں جگہ من عام نہیں اول سے مراد ایماندار ہے کہ جو ایمان لاکر نیکی کریگا وہ ضرور اپنی نیکی کا بدلہ دیکھے گا اور نیکی کے لئے ایمان مقدم ہونا شرط ہے اور اسی طرح دوسرے من سے مراد کافر ہے کہ کافر کو ہر بدی کا بدلہ دکھایا جاویگا خواہ ذرہ بھر ہی کیوں نہ ہو۔ یہ بھی جواب ہے کہ جب کافر کی نیکیاں ہی نہ رہیں اسکے کفر نے ملیامیٹ کردیں اور اسی طرح مومن کے گناہ ہی نہ رہے تو یہ واستغفار سے معاف ہوگئے پھر انکا بدلہ کیا یہ تو موجود نیکی وبدی کے بدلہ کا ذکر ہے۔

ف ۲ بخاری ومسلم نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ آیت جامعہ اور یکتا ہے۔ کعب احبار کہتے ہیں کہ نبی کریم صلعم پر یہ دو آیت ایسی نازل ہوئی ہیں جو توریت وزبور وانجیل کا خلاصہ اور لب لباب ہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو آنحضرت صلعم نے ایک شخص کیلئے قرآن تعلیم کرنیکو فرمایا پھر جب اسکو یہ سورۃ تعلیم فرمائی اور ان آیتوں تک پہونچا تو اسنے کہا بس کیجئے مجھے یہی دو آیت عمل کرنیکے لئے کافی ہیں اسکی حضرت نبی کریم صلعم کو خبر پہنچی آپنے فرمایا وہ فہمیدہ شخص ہے جانے دو۔ کیونکہ ہر ایک گناہ سے بچنا چاہئے خواہ ذرہ بھر ہی کیوں نہوا اور ہر ایک نیکی پر مستعدی کرنی چاہئے خواہ چھوٹی سے چھوٹی ہی کیوں نہ ہو۔

ف ۳ نبی کریم صلعم نے فرمایا کہ جسنے یہ سورۃ پڑہی اسکو نصف قرآن پڑہنے کا ثواب ہوگا۔ اور جس نے قل ہو اللہ پڑہی اسکو تہائی قرآن کا اور جسنے قل یا ایہا الکافرون پڑہی اسکو چوتھائی قرآن کا ثواب ہے۔ رواہ الترمذی وابن مردویہ والبیہقی۔

سُورہ عادیات مکیہ ہے اسمیں گیارہ آیت ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالْعَادِيَاتِ ضَبْحًا ۙ فَالْمُورِيَاتِ قَدْحًا ۙ فَالْمُغِيرَاتِ صُبْحًا ۙ فَأَثَرْنَ بِهِ نَقْعًا ۙ فَوَسَطْنَ بِهِ جَمْعًا ۙ

قسم ہے ان (غازیوں کے) گھوڑوں کی جو دوڑتے ہیں ہانپتے جاتے ہیں پھر ٹاپوں سے چنگاریاں اڑاتے جاتے ہیں اور صبح ہوتے دھاوا کرتے ہیں اور اسوقت غبار اٹھاتے اور انبوہ میں جا گھستے ہیں

إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ ۚ وَإِنَّهُ عَلَىٰ ذَٰلِكَ لَشَهِيدٌ ۚ وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ ۚ أَفَلَا يَعْلَمُ

بے شک انسان اپنے رب کا بڑا ناشکر ہے اور وہ اس بات کو دیکھ بھی رہا ہے۔ اور وہ مال کی محبت کے لئے مضبوط ہے پھر کیا نہیں جانتا

إِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُورِ ۙ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُورِ ۙ إِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَخَبِيرٌ ۙ

جبکہ قبروں سے مردے نکالے جائیں گے اور جو دلوں میں ہے وہ ظاہر کیا جاویگا تو ان کا رب ان سے اس دن واقف ہوگا

ع ۱۱ / ۲۵

ترکیب

واللقسم العادیات جمع عادیۃ من العدو وہو المشی بسرعۃ فقلبت الواو یاء لکسرۃ ما قبلہا کالغازیات من الغزو۔ والمراد بہا الخیل الجہادیۃ وقیل بعیر الحاج ضبحا الضبح صوت اجواف الخیل اذا عدت وقیل السیر ونوع من العدو ویقال ضبح الفرس اذا عدا بشدۃ من الضبح بمعنی الدفع وکان الحار یدل من العین علی الاول منصوب علی الحال ای ضابحات وعلی الثانی مفعول مطلق موکد لاسم الفاعل ویجوز ان یکون مصدر الفعل محذوف ای یضبح ضبحا۔ فالموریات قدحا عطف العادیات من الایراء وہو اخراج النار جمع موریۃ والقدح الصک فجعل ضرب الخیل بحوافرہا کالقدح بالزناد والکلام فی نصب قدحا کالکلام ضبحا فالمغیرات ای التی تغیر علی العدو جمع مغیرۃ من الاغارۃ صبحا منصوب علی الظرفیۃ عطف علی السابق فاثرن بہ نقعا عطف علی الفعل الذی دل علیہ اسم الفاعل اذا المعنی واللاتی عدون فاثرن۔ او علی اسم الفاعل نفسہ لکونہ فی تاویل الفعل لوقوعہ صلۃ للموصول۔ لان الالف واللام فی الصفات اسماء موصولۃ فالتقدیر واللاتی عدون فاورین فاثرن۔ من الاثارۃ ای ہیجن۔ والضمیر فی اثرن ای المغیرات ہو فاعلہ بہ الضمیر یعود الی الضبح او الی مکان العدو والمدلول علیہ۔ نقعا مفعول بہ والنقع الغبار وقرء الجمہور فاثرن بتخفیف الثاء وقری بتشدیدہا ایضا۔ فوسطن ای المغیرات بہ النقع الباء زائدۃ ای وسطن ذلک الغبار جمعا مفعول بہ وقیل الباء للتعدیۃ او للظرفیۃ ای فی ذلک الوقت او بسبب اثارۃ الغبار جمعا حال وکل موضع صلح فیہ بین فہو وسط بالسکون وان لم یصلح فہو وسط بالتحریک یقال جلست وسط القوم بالتسکین لانہ ظرف وجلست وسط الدار بالتحریک لانہ اسم لما یحویہ غیرہ من جہاتہ۔ من باب وسط یسط کوعد یعد۔ والاسم الفاعل واسط۔ والفاءات الاربع للدلالۃ علی ترتیب ما بعد الواحد علی ما قبلہ ان الانسان الخ ہذا الجملۃ وما بعدہا جواب القسم افلا یعلم الاستفہام للانکار والفاء للعطف علی مقدر ای یفعل ما یفعل من القبائح فلا یعلم اذا العامل فیہا یعلم بعثر وحصل شرط ان ربہم الخ الجملۃ جواب الشرط والمجموع یدل علی مفعول یعلم یومئذ بہم متعلق بخبیر۔

تفسیر

یہ سورہ اکثر کے نزدیک مکہ میں نازل ہوئی۔ اور ابن مسعود و جابر و حسن و عکرمہ کا بھی یہی قول ہے۔ اور ابن عباس و انس بن مالک و قتادہ کہتے ہیں مدینہ میں نازل ہوئی۔ حسن سے روایت ہے کہ یہ سورہ نصف قرآن کی برابر ہے۔ نقل کیا اسکو ابو عبید نے فضائل میں۔ اور ابن عباس سے بھی یہی منقول ہے۔ نقل کیا اسکو محمد بن نصر نے بسند عطا بن ابی رباح۔

ربط) سورہ اذا زلزلت الارض میں نیکی اور بدی کا انجام اس خوبی کے ساتھ بیان فرمایا گیا تھا کہ سلیم الطبع کو سننے کے بعد پھر قبول کرنے میں کوئی تردد نہیں رہتا مگر کج طبع اور ہٹ دھرم کب مانتے ہیں انکے سمجھانے کے لئے تو آسمانی کوڑا درکار ہے۔ اس لئے اس سورہ میں لشکر جہاد اور اس کے گھوڑوں کے جوانمردانہ اوصاف کی قسم کھا کر بد انسان کا مقتضاء طبع بیان فرماتا ہے کہ بدنصیب بڑا ہی ناشکر اور احسان فراموش ہے اور اسپر بھی خدا کی طرف سے بہتری کی قوی امید رکھتا ہے اور مال کا لالچ اس کے دل میں راسخ ہے جس لئے ابواب سعادات کیطرف نہیں آتا چند روزہ زیست کیلئے مارا مارا پھرتا ہے الخ اسمیں اشارہ ہے کہ ایک دن وہ بھی آنے والا ہے کہ آسمانی سیاست ان کو ادب سکھا دیگی چنانچہ چند روز بعد ایسا ہی ہوا۔

یا یوں کہو کہ پہلی سورہ میں کفار و بدکردار لوگوں پر آخرت کی سرزنش بیان کی تھی جو ان تیرہ باطنوں کے دل پر موثر نہیں ہوتی وہ تو دنیا کے خسارہ سے ڈرتے ہیں اس لئے ان پر جو دنیا میں عذاب آنے والا ہے اسکی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ فقال

(۱) والعادیات ضبحا کہ ہمکو قسم ہے غازیوں کے ان گھوڑوں کی جو دشمن پر حملہ کرنیکے لئے دوڑتے ہیں اور دوڑتے میں اُخ اُخ کی انکے پیٹ سے آواز پیدا ہوتی ہے۔

(۲) فالموریات قدحا پھر انکی کہ جو رات میں اپنی ٹاپوں سے پتھروں میں سے چقماق کی طرح آگ جھاڑتے جاتے ہیں۔ یہ دوسرا وصف انہیں جہادی گھوڑوں کا ہے جو انکی قوت اور تیز روی ظاہر کرتا ہے قوی گھوڑوں کے نعل رات میں جب تیزی سے چلتے ہیں پتھروں پر کھٹا کھٹ پڑتے ہیں تو پتھروں میں سے آگ چمکا کرتی ہے یہ گھوڑے اعداء دین پر قہر الٰہی ہیں اور یہ آگ قہر الٰہی کی آگ ہے اور انکے سواروں کی اس حرارت و شجاعت دینی کا اثر ہے جو مبدء فیاض نے انکے دلوں میں رکھی ہے جو بدکاروں کے خرمن عیش کامرانی کے جلانے کو کافی ہے۔

(۳) تیسرا وصف اور بیان کرتا ہے فالمغیرات صبحا پھر انکی جو صبح ہوتے جبکہ اعداء دین خواب غفلت میں سرشار ہوتے ہیں دھاوا کرتے ہیں راتوں چلے اور چلتے میں ٹاپوں سے آگ کے شرارے جھڑتے تھے صبح ہوتے ہی بدکرداروں اور آسمانی مجرموں پر دھاوا کر دیا۔

(۴) اور چوتھا وصف یہ ہے فاثرن بہ نقعا پھر انکی قسم جو صبح میں دھاوے کے وقت بڑے زور سے دوڑنے میں گرد و غبار اٹھاتے ہیں اور دشمنوں کے مونہوں کو گرد آلود کرتے ہیں۔ یہ صبح کے وقت گرد اڑانا زیادہ قوت و زور پر دلالت کرتا ہے اسلئے کہ شبنم سے زمین تر ہوتی ہے برخلاف شام کے کہ خشکی ہوتی ہے ذرا سی حرکت میں بھی گرد اڑنے لگتی ہے۔ اور فاثرن اسم فاعل کی جگہ فعل اس لئے استعمال ہوا تاکہ معلوم ہو کہ یہ گرد اٹھانا اور انکے انبوہ میں گھس جانا جو آیندہ آتا ہے۔ تھوڑی دیر کا فعل ہوتا ہے برخلاف جہاد کی تیاری کی کہ وہ ہمیشہ رہتی ہے اس لئے وہاں اسم فاعل کا صیغہ استعمال ہوا تاکہ دوام و ثبوت پر دلالت کرے۔

(۵) پانچواں وصف فوسطن بہ جمعا پھر انکی قسم جو صبح کے وقت دھاوا کرنے اور غبار اٹھانے کے بعد مخالفوں کے انبوہ میں گھس جاتے ہیں یہ نہیں کہ دھمکی دے کر رہ جاتے ہیں اور وقت پر نامردی کرتے ہیں۔ یہ پانچ وصف جنگی گھوڑوں کے ہیں بالترتیب لیکن

بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ حج میں جانے والے اونٹوں کے اوصاف ہیں۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس بارہ میں ایک روایت بھی کرتے ہیں صوفیہ کرام فرماتے ہیں کہ عادیات سے نفوس انسانیہ کی طرف بھی اشارہ ہے جنکو ریاضت کے میدان میں دوڑنے سے دوڑنے والے گھوڑوں کے ساتھ تعبیر کیا ہے اور یہی اپنی ریاضت و مجاہدات کے نعلوں سے آگ چمکاتے ہیں جس سے اشتیاق و تجلی کے شرارے مراد ہیں اور یہی بوقت تجلی جو صبح سے مشابہ ہے اس میدان میں دھاوا کر کے جسمانی خواہشوں کی گرد اڑاتے اور مقام وصل و قرب میں جا گھستے ہیں یہ ظاہر الفاظ کے معنی نہیں مگر اشارہ ہو سکتا ہے۔ اور یہ قرآن کا کمال اعجاز ہے کہ اس کے ہر پہلو میں ایک معنی ہیں

پھر ان چیزوں کی قسم کھا کر فرماتا ہے ان الانسان لربہ لکنود کہ بے شک انسان اپنے رب کا ناشکرا اور احسان نہ ماننے والا ہے۔ اول تو اسکی نعمتوں کو اسباب یا خیالی معبودوں اور اپنی کوشش کی طرف منسوب کرتا ہے دوم یہ کہ ان نعمتوں کو بے موقع صرف کرتا ہے۔ سوم اپنے محسن و مربی کی طرف نہیں جھکتا۔ لذات و شہوات میں مستغرق رہتا ہے وانہ علے ذلک لشہید اور وہ اس بات پر گواہی دیتا ہے۔ اسکا حال اور اسکی بناوٹ اور رات دن کے تغیرات میں اس کے دست قدرت کی امیدواری کہہ رہی ہے کہ انسان بڑا ناشکر ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ ہر ایک دوسرے کو کہتا ہے کہ فلاں شخص فلاں نعمت کا شکر نہیں کرتا سو وہ اسکی نسبت بھی یہی کہتا ہے گویا دوسرے کو یہ کہنا اور آپ اسی حالت میں مبتلا ہونا اپنے لئے آپ اقرار کرنا اور گواہی دینا ہے کہ میں ناشکر ہوں یہ اسکی دوسری بات تھی اب تیسری یہ ہے کہ وانہ لحب الخیر لشدید وہ مال کا بڑا دوست اور سخت لالچی بھی ہے۔ یہ انسان کے تین افعال بد تھے جو اسکو ہاویہ کی طرف لیجاتے ہیں۔ اب ناسپاس کے مقابلہ میں ان حیوانات کو دیکھنا چاہیئے جو مالک کے مطیع ہیں جیسا کہ گھوڑا جس کے اوصاف کی قسم کھائی جس سے تعریض ہے کہ ایسا انسان حیوانوں سے بھی بدتر ہے جس میں مالک کی اطاعت کا مادہ نہیں اور نیز اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ایسے ناسپاس نافرمان شہوات و لذات کے بندے مال و زر کے عاشق ایک روز ایسے جہادی گھوڑوں کے پاؤں میں روندھے جاتے ہیں جنکی ٹاپوں سے آگ نکلتی ہے اور جو دشمنوں کے خرمن آرام کو جلاتی ہے۔ ان الفاظ میں اس بشارت کیطرف بھی اشارہ ہے جسکا انجیل متی کے تیسرے باب میں ذکر ہے کہ یوحنا یعنی یحیےٰ علیہ السلام پاس جب یہود کے لوگ فریسی اور صدوقی فرقے اصطباغ پانے آئے تو آپ نے فرمایا۔ قولہ۔ میں تو تمہیں توبہ کے لئے پانی سے بپتسمہ دیتا ہوں لیکن وہ میرے بعد آتا ہے (یعنی محمد صلے اللہ علیہ وسلم کس لئے کہ عیسےٰ تو انکے بعد نہیں آئے بلکہ روبرو آئے تھے اور نیز بعد کے اوصاف بھی انمیں نہیں پائے جاتے) مجھ سے زور آور ہے کہ میں اسکی جوتیاں اٹھانے کے لایق نہیں وہ تمہیں روح اور آگ سے بپتسمہ دیگا اس کا چھاج اسکے ہاتھ میں ہے وہ اپنی کھلیاں کو پھٹکے گا اور گیہوں کو کھتے میں جمع کرے گا اور بھوسی کو اس آگ میں جلائے گا جو کبھی نہیں بجھتی۔ وہ آگ جہاد کی آگ ہے جو گھوڑوں کی ٹاپوں سے نکلتی ہے اور جو قیامت تک نہ بجھے گی۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لن یبرح ہذا الدین قائما یقاتل علیہ عصابۃ من المسلمین حتے تقوم الساعۃ رواہ مسلم کہ یہ دین ہمیشہ قائم رہیگا قیامت تک مسلمانوں کی ایک نہ ایک جماعت اسپر لڑتی رہے گی۔

فتح مکہ کے روز آپ نے فرمایا کہ اب ہجرت نہیں رہی لیکن جہاد اور نیت باقی ہے اور جب تمکو لڑنے کیلئے حکم دیا جاوے تو نکلو متفق علیہ اور فرمایا کہ میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق پر جہاد کرتا رہیگا اپنے مخالف پر فتح پاوے گا۔ یہاں تک کہ آخر کے لوگ دجال سے

بشارت کی طرف اشارہ

لڑینگے (رواہ ابو داؤد) نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا البرکۃ فی نواصی الخیل (متفق علیہ) کہ برکت گھوڑوں کی پیشانی میں رکھی ہوئی ہے۔ اور یہ بھی فرمادیا کہ الخیل معقود بنواصیہا الخیر الے یوم القیامۃ الاجر والغنیمۃ (رواہ مسلم) کہ گھوڑوں کی پیشانی یا چوٹی میں قیامت تک بہتری باندی گئی ہے اور وہ بہتری کیا آخرت کا اجر اور دنیا کی غنیمت۔

اور یہ سچ ہے جس قوم میں ترفہ اور نزاکت اور عیش پسندی آجاتی ہے خواہ کتنی ہی ہنرمند صناع ہوشیار ہو ایک روز اس قوم کا مال ہو جاتی ہے جو گھوڑوں پر چڑھنے والے سپاہی اور موٹا پہننے والے اور موٹا کھانے والے اور بہادر اور جفاکش ہوتے ہیں مسلمانوں میں جب سلطنت اور دولت نے (جو انکے باپ دادا نے کہ جوانمرد اور جفاکش سپاہی تھے حاصل کی تھی) کئی صدیوں تک مقام کیا تو نزاکت اور عیش پسندی آگئی پھر تو امرا کی یہ حالت ہو گئی کہ دہوپ کی برداشت اور گھڑی بھر بھوک اور پیاس اور شہوت کی برداشت کا تو کیا ذکر ہے پاخانہ میں لوٹا بھی خادم ہی دہرے تو دھرے تو پائخانہ پھریں کپڑے بھی کوئی دوسرا پہناتے تو پہنیں۔ رات میں چار قدم باہر جاتے ڈر لگتا ہے ذرا چلیں اور اچھل کر گھوڑے پر چڑھیں تو ناف ٹلجائے کسی کام میں دل توڑ کر محنت کرنا کیسا رات دن داستان گو اور فواحش اور مسخروں کے جلسے کھانوں اور عمدہ مکانوں اور آرائش تن کے چرچے اور پھر گنجفہ اور شطرنج اور مرغبازی پتنگ بازی بٹیر بازی کبوتر بازی اور کون بازی اور شراب خواری اور عیاشی اور بستر راحت پر پہروں چڑھے تک سونا۔ اور جاگنا تو گھنٹوں جمائیاں اور انگڑائیاں لینا اور دو گھنٹے پنجانے میں بیٹھنا۔ پہر دن منہ دہونا سنگار کرنا مسی کی دھڑی جمانا۔ آئینہ سامنے رکھکے اپنے جمال کا جلوہ دیکھنا وغیرہ بدعادات آئیں جنکو انکے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے منع کیا تھا اسکے ساتھ علم بھی رخصت ہوا دانائی بھی گئی۔ دل کی جوانمردی بھی گئی۔ بندوق کی آواز سے دل دہڑکنے لگا۔ اور اسپر بیجا مصارف کار خیر سے ہاتھ بند قومی حمیت رخصت ہو گئی رہ گئی تو خود پسندی آبائی مفاخر پر لاف زنی کمینہ پروری رزالوں کمینوں سفلوں سے رغبت باہمی نفاق حسد و بغض کینہ تدبیریں پس سلطنت و دولت و عزت و شوکت بھی چلدی بھیک مانگنے کی نوبت آگئی اپنے آبائی خدمتگاروں کی چلمیں بھرنے کی نوکری رہ گئی عورتوں کے ننگ و ناموس بھی گئے۔ الغرض دین بھی گیا۔ دنیا بھی گئی۔ یہ اس لحب الخیر لشدید وانہ لکنود کی تفسیر ہے عبرت عبرت۔

خیر دنیا تو گئی تھی سو گئی تھی ابتو افلاس یا بقیہ گندہ دولت کے خمار میں حق سبحانہ سے لڑائی کی ٹھہرادی لگے کفر بکنے احکام ربانی کو ٹالنے اب دین اور عقبیٰ بھی چلے اسلئے فرماتا ہے افلا یعلم اذا بعثر ما فی القبور وحصل ما فی الصدور ان ربہم بہم یومئذ لخبیر کہ کیا یہ ناشکر انسان جو ایسے کام کرتا ہے یہ نہیں جانتا کہ جب قبروں میں سے مردے اٹھائے جاویں گے اور جو سینوں میں خیالات فاسدہ مخفی ہیں حب شہوات وغیرہا وہ ظاہر کئے جاویں گے بلکہ متشکل کرکے سامنے لائے جاویں گے تو اس دن کا رب انسے خبردار ہے بات دنیا میں جو کی تھی اسکو معلوم ہے پھر وہ وہاں کیا ان اعمال بد اور عقائد فاسدہ کی سزا نہ دے گا؟ ضرور دیگا۔ اگرچہ اب بھی خبیر ہے کوئی بات اس سے مخفی نہیں مگر یہ کہنا کہ اس روز جو سزا و جزا کا دن ہے خبردار ہے عقلمند کو پوری تہدید ہے جلد توبہ کرنا چاہئے۔ اللہم تبت الیک۔

سُورَۃُ الْقَارِعَۃِ مَکِّیَّۃٌ اسمیں گیارہ آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْقَارِعَۃُ ۙ مَا الْقَارِعَۃُ ۚ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَۃُ ۭ یَوْمَ یَکُوْنُ النَّاسُ کَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ۙ وَتَکُوْنُ

کھڑکھڑانے والی (قیامت) کیا ہو وہ کھڑکھڑا دینے والی اور (اے مخاطب) تو کیا جانے وہ کھڑکھڑا دینے والی چیز کیا ہے (وہ ایک ایسا وقت ہے) کہ لوگ اس دن بھنگوں کی طرح تتر بتر ہوگئے اور پہاڑ

الْجِبَالُ کَالْعِھْنِ الْمَنْفُوْشِ ۭ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُہٗ ۙ فَھُوَ فِیْ عِیْشَۃٍ رَّاضِیَۃٍ ۭ وَاَمَّا مَنْ

دھنکی ہوئی اون جیسے ہوجاویں گے۔ پھر تو جس کے اعمال تول میں بھاری ہونگے تو وہ من مانے عیش میں ہوگا۔ اور جس میں

خَفَّتْ مَوَازِیْنُہٗ ۙ فَاُمُّہٗ ھَاوِیَۃٌ ۭ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا ھِیَہْ ۭ نَارٌ حَامِیَۃٌ ۧ

تول ہلکی ہوگئی تو اس کا ٹھکانا گڑھا ہے۔ اور تو کیا جانے وہ کیا ہے۔ آگ ہے دہکتی

ع ۱ ۱۱ ۲۶

ترکیب

القارعۃ مبتدء ما القارعۃ خبر۔ قرء الجمہور بالرفع والقرع الصوت الشدید ومنہ قوارع الدہر والمراد بہا القیامۃ وانہا من اسماء القیامۃ کالحاقۃ وانما سمیت بہا لانہا تقرع قلوب الانسان وتقرع اعداء اللہ بالعذاب والعرب تقول قرعتہم القارعۃ اذا وقع بہم امر فظیع وما الاستفہامیۃ مبتداء ادراک خبر ما القارعۃ مبتدء وخبر والجملۃ مفعول ثانی لادراک اے وای شئی اعلمک ماشان القارعۃ۔ ثم ہو سبحانہ بین بعض شیونہا فقال یوم یکون والناصب فی یوم القارعۃ اے تقرعہم یوم یکون الخ وقیل اذکر وقیل خبر مبتداء محذوف وانما نصب لاضافتہ الی الفعل فالفتحۃ بناء لا نصب اعراب۔ والفراش جمع فراشۃ وہی الطیور التی تتساقط فی النار والسراج وبہا یضرب المثل فی الطیش والہوج یقال اطیش من فراشۃ المبثوث المتفرق المنتشر ویجوز مبثوث کما یجوز مبثوثۃ کما فی قولہ تعالیٰ کانہم جراد منتشر واعجاز نخل منقعر واعجاز نخل خاویۃ وتکون الجبال عطف الجملۃ علی الجملۃ والعہن الصوف المصبوغ بالالوان المختلفۃ المنفوش المندوف الذی نفش بالندف۔ فاما من شرط فہو فی الخ جوابہ موازینہ جمع موزون وہو العمل الذی لہ وزن وخطر عند اللہ وہذا قول الفراء وغیرہ وقیل جمع میزان وقیل المراد بہا الحجج والدلائل عیشۃ راضیۃ اسناد مجازی او استعارۃ مکنیۃ وتخییلیۃ فامہ اے مسکنہ وسماہ بالام لانہ یاوی الیہ کما یاوی الی امہ ہاویۃ من اسماء جہنم وسمیت بہا لانہ یہوی فیہا مع بعد قعرہا والمہواۃ ما بین الجبلین ماہیۃ اصلہ ماہی الضمیر یعود الی الہاویۃ وزیدت الہاء بعد الیاء للسکت۔

تفسیر

وجہ تسمیہ

یہ سورہ بلا خلاف مکہ میں نازل ہوئی ابن عباس بھی یہی کہتے ہیں۔ اس سورہ کا نام قارعہ ہے اور قرعہ لغت میں ٹھونکنے اور کھڑکھڑانے کو کہتے ہیں اور اسی لئے ایسے حوادث دہر کو جو عاقل کو دہلاتے اور دل کو ہلاتے ہیں قوارع الدہر کہتے ہیں اور قرآن مجید کی اس قسم کی آیات کو جو طبع بشری کو جنبش دینے والی ہیں قوارع القرآن کہتے ہیں۔ اور اس سورہ میں بھی وہ مضامین ہیں جو انسان کو خواب غفلت سے جگاتے اور اسکے دلکو ہلاتے ہیں یا اس میں اس حادثہ کا ذکر ہے جو دنیا کو زیر وزبر کردیگا یعنی قیامت اسلئے اسکا نام قارعہ ہوا

واضح ہو

کہ اجسام میں خدا تعالیٰ نے ایک قسم کا ثقل یعنی بوجھ یا بھاری پن رکھا ہے جیسا کہ روحانیات میں تجرد اور سبکائی اور یہ ایک قدرتی بات ہے اور یہی ثقل اسکو سکون و قرار پر مجبور کرتا ہے اور یہی اسکو اسکے حیز طبعی کیطرف جھکاتا ہے پھر ایک تو یہی ثقل جسمانی ہے جس سے علیٰ قدر مراتب کوئی جسم بھی خالی نہیں اور ایک معنوی ثقل بھی ہے جسکو وقار کہتے ہیں یہ ادراک وحواس والے اجسام کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ انکے لئے خوبی ہے بالخصوص انسان میں جو اسکے مردانہ پن اور تحمل و برداشت کا باعث ہے پھر جس میں یہ وصف نہیں اور ترپھر کرتا ہے بیٹھنے میں بھی کہیں ہاتھ ہلتے ہیں کہیں پاؤں کبھی آنکھیں پھڑکتی ہیں تو کبھی جلد جلد بات چیت کرتا ہے اسکو معیوب سمجھتے ہیں اور بندر اور اس قسم کے جانوروں سے تشبیہ دیتے ہیں جوانمردوں کو اپنے استقلال اور قایم مزاجی پر بڑا ناز ہوا کرتا ہے اور وہ کہتے ہیں ہم پہاڑ ہیں حوادث دہر ہمکو جنبش بھی نہیں دے سکتے کفار قریش اپنے اس وصف پر بڑے نازاں تھے اور یہاں تک دعوے تھا کہ اگر کوئی ہمارے جسم میں زخم بھی لگاوے تو ہم جس وضع پر بیٹھے ہوں اسمیں کچھ بھی فرق نہ آوے اور اس کی وہ مشاق بھی کیا کرتے تھے اور اسیکو میدان جنگ اور دشمنوں کے مقابلہ میں ثابت قدمی کا سبب جانتے تھے سو اول قسم کا ثقل زیادہ تر پہاڑوں میں ہے کہ جب سے انکو قدرت نے جہاں بٹھایا ہے وہیں بیٹھے ہیں ہلتے ہی نہیں اور اسی لئے اس امر میں ثابت قدموں کو پہاڑ سے تشبیہ دیجایا کرتی ہے اور دوسری قسم کا ثقل انسان میں ہے۔ مگر انسان کی اس ثقل سے عالم بالا کا مقصود اخلاق حمیدہ اور ملکات کاملہ میں ثابت قدم رہنا ہے جو حسنات حاصل کرنے کا سبب اور معاصی اور لذات و شہوات کے جھونکوں میں اڑنے سے بچنے کا باعث ہے اور دنیا میں اسکے آنے سے یہی مقصود ہے کہ وہ اس ثقل کو حاصل کر لیجاوے اور جس میں یہ ثقل جسقدر ہے اسیقدر وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک گرامی اور بھاری ہوا اور جس میں یہ ثقل نہیں وہ بے وقار اور ہلکا ہے اور اسکا ان نیک باتوں سے ہلکا ہونا بہیمیت اور جسمانیت کا بھاری پن ہے جسکا حیز طبعی ہاویہ یعنی مقام اسفل ہے ان باتوں کی طرف خدا پاک اس سورۃ میں ایما کر کے انسان کو ابواب خیرات کی رغبت دلاتا اور اس کے ثمرات و نتائج عیشۃ راضیۃ ظاہر فرماتا ہے اور بدونکو ہاویہ میں لیجانیوالے بوجھ سے سبکی حاصل کرنے اور ثقل مقصود حاصل کرنے کیطرف ابھارتا ہے اور نبوت کبریٰ کا یہی مقصد اصلی ہے اس لئے فرماتا ہے

القارعۃ ما القارعۃ وما ادراک ما القارعۃ کہ قارعہ کھڑکھڑانے والی کیا ہی ہے وہ کھڑکھڑانے والی۔ اور اے مخاطب تو کیا جانے کیا ہے کھڑکھڑانے والی چیز اس لئے کہ وہ اس عالم کی فنا اور فنا کے مقدمات ہیں جو بغیر دلیل سمعی کے سمجھ میں نہیں آتے کس لئے کہ انسان ہمیشہ سے آسمان و زمین پہاڑوں اور دریاؤں اور چاند و ستاروں کو دیکھتے دیکھتے یہ سمجھ گیا ہے کہ یہ ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے ان کو فنا نہیں صرف عناصر سے مرکب چیزوں کو فنا ہے وہ بھی کہ ایک وقت کے بعد اس ترکیب کی گرہ کھل جاتی ہے۔ پھر اپنے خیال کو مستحکم کرنے کے لئے اس نے سیکڑوں دلیلیں بنالی ہیں۔ اس لئے اس کوتاہ فہم کے حق میں یہ فرمایا کہ تو کیا جانے کیا ہے وہ کھڑکھڑانے والی چیز بہت درست ہے۔ پھر آپ ہی اسکی کسیقدر کیفیت بیان فرماتا ہے یوم یکون الناس کالفراش المبثوث جسدن کہ آدمی بکھرے ہوئے پتنگوں اور پروانوں جیسے ہو جاوینگے یعنی انکا وہ ثقل کہ جسپر ناز تھا اس روز کی ناقابل برداشت مصائب دیکھکر بالکل جاتا رہیگا اور ایسی بے قراری اور بیتابی ہوگی کہ ادھر ادھر اور ادھر کے ادھر مارے مارے پھریں گے فراش فراشۃ

کی جمع جسکے معنی پتنگا۔ پروانہ۔ بھنگا۔ جو رات میں روشنی یا آگ میں گرا کرتا ہے جبکہ صور پھونکے گا اور لوگ قبروں سے اٹھیں گے
اور ایک خدا کی طرف کا پکارنے والا عدالت کی طرف بلائے گا اور جلال کبریائی کی تجلی ہوگی تو دہشت کے مارے لوگ پتنگوں کی
طرح یا ٹڈیوں کی طرح بے قرار و مضطرب ہوکر دوڑے آویں گے۔ اور ممکن ہے کہ یہ نفخ صور اول کا واقعہ ہو کہ جب آواز تیز ہوگی
اور کڑک اور زلزلہ زیادہ ہوگا تو گھبراہٹ میں پتنگوں کی طرح ادہر اودہر مارے مارے پھرینگے اور بڑی بیقراری ہوگی سب
ثقل و ثبات جاتا رہیگا اس تشبیہ میں چار باتیں ہیں (۱) طیش و بیقراری اور ایک دوسرے پر بدحواسی میں گرنا (۲) کثرت
وضعف کہ انکی بھنگوں جیسی کثرت ہوگی اور آج کے بڑے قوی ہیکل ..... اور دلیر اس روز ملائکہ کے آگے بھنگے معلوم ہونگے
(۳) ہر جانب اور ہر سمت سے بلانے والے کی طرف ایسا آنا کہ جیسا پتنگے چراغ کی طرف آیا کرتے ہیں (۴) آگ میں
گرنا جیسا کہ پتنگے گرتے ہیں اس طرح وہ آتش جہنم میں گریں گے اور یہ اس لئے کہ وہ روز ظہور کلی ہے یعنی دنیا کا پردہ
الٹ کر ہر ایک چیز کی حقیقت اصلیہ دکھا دی جائے گی پھر جس طرح آج پتنگوں کی طرح شہوات و لذات کی آگ کی
طرف دوڑے چلے جاتے ہیں جہاں طبلہ پر تھاپ پڑی اور سارنگی کی آواز آئی لوگ دوڑ پڑے سو اس روز یہ خواہش آتش جہنم
کی صورت میں ظہور کرے گی اور یہ اسیطرح اس کی طرف مجبورانہ جائیں گے وہ رغبت اور اختیار جبر و اضطرار کی صورت
میں جلوہ گر ہوگا دنیا کے خواب کی یہ تعبیر ہوگی۔
اب دوسرے ثقل کی کیفیت بیان فرماتا ہے جو پہاڑوں میں رکھا ہوا ہے فقال وتکون الجبال کالعہن المنفوش اور پہاڑ دھنی ہوئی
اون جیسے ہوکر اڑتے پھرینگے۔ عہن رنگین پشم کو کہتے ہیں۔ اور رنگین پشم سے تشبیہ اس لئے دی کہ اب جو دنیا میں
مختلف رنگوں کے پہاڑ ہیں سنگ مرمر سنگ سرخ۔ سنگ سیاہ وغیرہ۔ زلزلہ پے درپے آنے سے چورا چورا ہو جاوینگے اور باہم
ملنے سے ایک رنگت پیدا ہو جاویگی منفوش۔ دھنی ہوئی نفش دھلنا پھر دھنیے کے دھننے سے اور بھی اسکے ٹکڑے ٹکڑے ہوکر
اڑا کرتے ہیں اسی طرح جب عالم بالا کے دھننے والے اس پہاڑوں کی اون کو دھنیں گے تو یہ اڑتے پھریں گے۔ اب اس سے
زیادہ کیا کھڑکھڑانے والا وقت ہوگا۔ یہ ہے القارعہ جسکی حقیقت سے یہ مست بادۂ غفلت بے خبر ہیں۔
یہاں تک تو ایک مصیبت تھی اب اور دوسری سنئے وہ یہ کہ اس روز جب یہ سب کچھ ہو چکے گا بار دیگر لوگ اصلی حیات
میں آویں گے اور میزان عدالت کھڑی ہوگی تو فاما من ثقلت موازینہ فھو فی عیشۃ راضیۃ اس روز جس نے اس چند روزہ حیات
دنیا میں اپنے اس ثقل خداداد کو اچھے کاموں میں صرف کیا اور ایمان و حسنات کا ثقل پیدا کر لیا تو پھر اسکی تولیں بھاری نکلیں گی
ایمان کی تول ہے تو ویسی ہی بھاری ہے۔ اور نماز کی ہے تو ویسی ہی گرانبار ہے اور روزے کی ہے تو ویسی ہے اور صدقات و خیرات
کی ہے تو ایسی ہے۔ شہوات و لذات سے صبر کی ہے تو ایسی ہے۔ اور محبت الٰہی کی ہے تو سب سے بڑھکر ہے تو وہ لوگ دل پسند
زندگانی میں ہونگے جسکو حیات جاودانی اور زندگانی باکامرانی کہنا چاہئے یہ لفظ عیشۃ راضیۃ بڑا وسیع المعنی لفظ ہے۔ آخرت
کی جسقدر خوبیاں ہیں جنت اور وہاں کے نعیم اور فرح و سرور اور دیدار الٰہی سب کو حاوی ہے۔
واما من خفت موازینہ فامہ ہاویہ اور جس کی تولیں ہلکی ہونگی۔ اعمال حسنہ و ایمان میں اس ثقل خداداد کو کام میں نہ لایا بلکہ شہوات
ولذات حب دنیا وغیرہ میں صرف کیا اور اپنی نالایق باتوں پر ثابت قدمی دکھائی۔ کفر پر اڑے رہے۔ ایمان لاتے شرم آئی بدوضعی

کو وضعداری سمجھے۔ دنیا پر فریفتہ رہے اور اس عشق میں بڑی ثابت قدمی دکھائی۔ رسم ورواج بد کے پابند رہے بڑے استقلال سے اسکو تھامے رہے۔ اور بڑا ثقل ان باتوں میں پیدا کیا۔ تو اب یہ بھاری لنگر انکو جہنم کے گڑھے کیطرف اس طرح کھینچے ہوئے لیجاوے گا کہ جیسا اجسام کا ثقل طبعی پستی کیطرف لئے جاتا ہے اور اسی رمز کیطرف اشارہ کرنے کے لئے لفظ ام کا استعمال کیا۔ کیونکہ ام کے اصلی معنی ہیں اصل اور رجوع ہونیکی جگہ کے اور اسی لئے ماں کو ام کہتے ہیں کہ وہ بچہ کی اصل ہے۔ اور اسکی طرف رجوع کرتا ہے مراد یہ کہ اس کا اصل ٹھکانا ہاویہ ہوگا۔ اور ہاویہ گڑھے کو کہتے ہیں اور یہ جہنم کا نام ہے۔ اس لئے اس کے بعد فرماتا ہے وما ادراک ماہیہ کہ اے مخاطب تو کیا جانے کیا ہے ہاویہ کوئی دنیا کا عمیق گڑھا یا کسی بلند پہاڑ کی کھو نہیں ہے کس لئے کہ اسکی اصل حقیقت بھی بغیر ملہم غیب کے سمجھائے سمجھ میں نہیں آتی پھر آپ ہی بتاتا ہے نار حامیۃ کہ وہ دہکتی آگ ہے یہ آگ حب شہوات ولذات کی اور غضب وحسد کی بغض وعداوت کی اور تعصب کفر وبدراہی کی آگ دنیا میں دل میں تھی آج وہ جہنم کی آگ بن کر سامنے آئی۔ اور آگ بھی کیسی آگ حامیۃ بہت گرم کہ جسکی گرمی کے مقابلے میں دنیا کی آگ گرم نہیں یہ آگ اس آگ کی بہ نسبت کچھ بھی نہیں اس لئے یہ لفظ استعمال ہوا ورنہ آگ کے لئے تو ہر وقت حرارت لازم ہے۔

ف فرقہ معتزلہ موازین کو دنیاوی ترازو سمجھکر اور اس میں اعمال وایمان کا وزن جو عوارض ہیں محال جان کر یہ تاویل کرتا ہے کہ تولیں بھاری ہونے سے مراد ہے حجت قوی ہونا اور خدا کے نزدیک گرامی اور بھاری ہونا اور کہتے ہیں یہ ایک عرب کا محاورہ ہے اور اسیطرح تولونکے ہلکے ہونے سے مراد ذلیل ہونا اور انکی حجتوں کا ضعیف ہونا ہے
مگر یہ ان کا قصور فہم ہے کس لئے کہ وہ ترازو دنیا کی ترازو نہیں بلکہ وہ ہے کہ جس سے اعمال وایمان کا وزن ہوتا ہے۔ حدیث صحیح میں میزان کا قیامت میں قایم ہونا ثابت ہے اہل سنت اسکے قائل ہیں۔

معتزلہ کا مذہب اور اس کا رد

ف دو فریق بیان ہوئے اول وہ کہ جنکے ایمان واعمال حسنہ کی تولیں بھاری ہونگی دوسرے وہ کہ جنکی تولیں ہلکی ہونگی اور دونوں کا انجام بھی بیان فرما دیا۔ مگر ایک تیسرا فریق اور بھی ہے یہ وہ کہ جنکی نیکی اور بدی کا وزن برابر ہوگا۔ ان کا کیا انجام ہوگا؟ منادی فرماتے ہیں کہ ان سے حساب آسان لیا جاوے گا اور آخر وہ بھی بخشے جاوینگے اور ان کا ذکر اسلئے نہیں کیا تاکہ معلوم ہو کہ قابل عذاب وہی ہیں جنکی نیکی کی تول ہلکی رہیگی گناہوں کا پلہ بھاری رہیگا۔ پھر اب اگر ایمان بھی نہیں تو ہمیشہ جہنم میں رہے گا ورنہ شفاعت یا اسکی مخصوص رحمت کے سبب وہ سزا پاکر یا ایمان کی برکت سے بغیر سزا پائے یوں ہی نجات پا جاوے گا مگر خطرہ میں ضرور ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص لایا جاویگا ننانوے (۹۹) دفتر بڑے بڑے گناہوں کے اس کے پیش ہونگے پھر حق سبحانہ پوچھے گا تجھے ان میں سے کسیکا انکار ہے کیا میرے فرشتوں کراماً کاتبین نے ناحق لکھ لئے ہیں کہیگا نہیں یا رب پھر پوچھے گا تجھے کوئی عذر ہے کہیگا نہیں یا رب تب حق سبحانہ فرماوے گا تیری ایک نیکی ہمارے ہاں ہے ہم کسی پر ظلم نہیں کرتے تب ایک ورقہ نکلے گا جسمیں کلمہ شہادت ہوگا تب وہ شخص کہیگا بھلا ان دفتروں کے مقابلہ میں اس ورقہ کا کیا وزن ہوگا تب وہ ورق ایک پلہ میں اور وہ دفتر دوسرے پلہ میں رکھے جاوینگے تب یہ ورق بھاری نکلے گا اور وہ دفتر ہلکے ہو جاویں گے اللہ کے نام سے کوئی چیز بھاری نہیں ہوگی۔ (رواہ الترمذی وابن ماجۃ)

سورۂ تکاثر مکیہ ہے اسمیں آٹھ آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ كَلَّا لَوْ

غافل کر دیا تمکو حرص نے یہانتک کہ قبریں جھانک لیں خبردار ابھی جان لوگے۔ پھر کہتے ہیں خبردار ابھی جان لوگے۔ نہیں نہیں اگر

تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۝ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۝ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۝ ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۝

تم یقینی طور پر جان جاؤ (تو غافل نہ ہو) ضرور تمکو دوزخ دیکھنا ہوگا۔ پھر اسکو بالیقین دیکھنا ہوگا۔ پھر اس دن تم سے نعمتوں کا حال پوچھا جائے گا۔

ترکیب

الہٰی فعل یقال الہاہ عن فلان اذا اشغله عنه وکم مفعوله التکاثر فاعله۔ والتکاثر التباہی والتفاخر بکثرۃ الاموال والاولاد والغفلۃ عن اللّٰہ تعالیٰ حتی غایۃ للالہاء زرتم المقابر جمع مقبرۃ۔ والمعنی انساکم حرص الدنیا والتفاخر بالاموال العشائر عن الدار الاخرۃ حتی ادرککم الموت وانتم علی تلک الحالۃ۔ کلا للردع لو شرطیۃ تعلمون شرط ومفعول تعلمون محذوف ای الامر الذی انتم صائرون الیه علما یقینا ونصب العلم علی المصدریۃ واضافته الی الیقین من اضافۃ الموصوف الی صفته وقیل العلم عام یکون یقینا وغیر یقین فاضافته الی الیقین اضافۃ العام الی الخاص وجواب لو محذوف قال الاخفش التقدیر لو تعلمون علم الیقین ما الہاکم ونحوہ۔ لترون الجحیم الجملۃ جواب قسم محذوف ای واللّٰہ لترون الجحیم فی الاخرۃ ولیس ہذا جواب لو۔ قرأ الجمہور بفتح التاء مبنیا للفاعل والرویۃ بصریۃ ولذا تعدت الی مفعول واحد۔

تفسیر

یہ سورہ جمہور کے نزدیک مکہ میں نازل ہوئی۔ ابن عباسؓ بھی یہی فرماتے ہیں۔ مگر بعض کہتے ہیں مدینہ میں نازل ہوئی۔ نبی کریم صلے اللّٰہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم ایک روز ہزار آیتیں پڑھ سکتے ہو لوگوں نے عرض کیا کہ بھلا ہر روز کون پڑھ سکتا ہے۔ آپنے فرمایا کیا تم الہٰکم التکاثر نہیں پڑھ سکتے۔ روایت کیا اسکو حاکم نے اور بیہقی نے شعب الایمان میں۔

ربط اس سورہ کا القارعہ سے یہ ہے کہ اُس سورہ میں انسان کو حوادث ہولناک سے خبر دیکر متنبہ کیا تہا کہ ہوشیار خبردار تجھپر ایک ایسا وقت آنیوالا ہے۔ اُسکے لیئے تیاری کر اور اِدہر اُدہر کے فضول جھگڑے جو کچھ بھی کارآمد نہیں چھوڑ دے مگر برخلاف اسکے انسان ایسی فضول باتوں میں غرق ہی کہ جو اسکو کچھ بھی مفید نہیں وہ کیا ہے کثرت مال و اولاد کی حرص اور اسی پر فریفتہ ہوکر تدابیر ضروریہ سے غافل ہو جانا اسلیئے اس سورہ میں اس بات کی بُرائی بیان فرمائی جاتی ہے کہ اے انسان تجھے اس تکاثر نے اصلی کام سے غافل کر دیا اور ایسا غافل کہ کبھی بھی اصلی کام کی فرصت نہیں دی موت تک اسی فضول دھندے میں پڑا رہا۔ اور دراصل یہی اسکا سبب نزول ہے۔ مگر قتادہ و مقاتل کہتے ہیں کہ اسکے نازل ہونیکا سبب یہ ہے کہ مدینہ میں یہود تفاخر کیا کرتے تھے کہ ہم فلاں فلاں قوم سے مال و قبائل میں زیادہ ہیں یہانتک کہ عمر بھر اسی تفاخر میں رہے اور جو کچھ کرنا تہا وہ نکیا اس لیئے اُنکا حال قابل افسوس بیان کرکے مسلمانوں کو متنبہ کیا جاتا ہے اس تقدیر پہ یہ بھی تسلیم کرنا پڑیگا کہ یہ سورہ مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔ اور کلبی کہتے ہیں اسکا سبب نزول یہ ہے کہ قریش کے دو قبیلے تھے ایک بنی عبد مناف

دوسری بنی سہم دونوں قبیلوں کے لوگ کسی مجلس میں اپنے اپنے مفاخر ذکر کرنے لگے ایک نے کہا ہمارا قبیلہ مالدار ہے اور آدمی بھی اُسمیں زیادہ ہیں سرداری اُسیکا حق ہے۔ دوسروں نے کہا ہم زیادہ ہیں ہمارے لوگ بہادر زیادہ ہیں اسلئے بیشتر جنگ میں مارے گئے اسی پر بات بڑھ گئی تو یہ ٹھہری کہ چلو قبریں گن ڈالیں چنانچہ قبرستان میں گئے اور قبریں گنیں اس بیہودہ اور فضول تفاخر کی برائی میں جو انسان کو دار آخرت کے اسباب پیدا کرنے سے روکتا ہے یہ سورہ نازل فرمائی۔ الہٰکم التکاثر حتی زرتم المقابر کہ تمکو تفاخر مال و قبائل نے غافل کر دیا یہانتک کہ قبریں جھانکیں۔ یعنی موت تک اور بڑھاپے میں بھی جو چلنے کا وقت ہے۔ اور ایسے وقت کی نسبت کہتے ہیں کہ قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہوا ہے۔ یعنی مرنے کو طیار بیٹھے ہو اسوقت تک بھی تو تمکو اُس تفاخر نے اصلی کام سے غافل اور بے خبر کر رکھا ہے۔ پھر یہ نہیں سوچتے کہ دار آخرت کی تدبیر کا کون سا وقت آویگا۔ تفاخر اور تکاثر ایک معنی میں ہیں اور حرص کرنا بھی اسکے معنی ہیں۔ اس موقع پر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے کیا ہی پُر درد اور پُر اثر الفاظ ارشاد فرمائے ہیں۔ مسلم و ترمذی وغیرہ نے عبداللہ بن شخیر سے روایت کی ہے کہ جب یہ سورہ نازل ہوئی تو آپ اسکو پڑھکر فرما رہے تھے کہ ابن آدم کہتا ہے میرا مال میرا مال اور تیرا تو وہی مال ہے جو تو نے کھا لیا یا پہن لیا یا دے دیا خیرات کر کے۔

واضح ہو کہ انسان کی دو سعادت ہیں ایک سعادت دنیا اور اُسکی تین قسم ہیں اوّل[1] خاص اُسکے جسم کی بناوٹ کے متعلق حسن و جمال۔ دوسری[2] جسم کے آرام و آسایش کے متعلق وہ کیا ہے تندرستی اور مال و اسباب و مکان کی فراہمی اور اُن میں کامیابی تیسری[3] اپنے بعد اپنے ذکر خیر کے بقا کے اسباب بہم پہونچنا اور زندگی میں عزت اور آپس کے لوگوں میں سربلندی حاصل کرنے کے اسباب مہیا ہونا وہ کیا ہے اولاد اور اقارب اور قوم کی سربلندی یا عمارت وغیرہا یادگار کا چھوڑ جانا۔ تمام دنیا کی خوبیاں جن پر انسان فریفتہ ہو انہیں میں منحصر ہیں۔ اس سعادت کو نعمت الٰہی سمجھا جاتا ہے اور بقدر ضرورت اسکے حاصل کرنے کی کوشش بھی بری بات نہیں مگر اس میں غرق ہو جانا اور آتش حرص کا ہر وقت شعلہ زن رہنا اور پھر آسایش تن سے زائد بیکار باتوں میں ہمہ تن مستغرق ہو جانا اور سعادت اخرویہ سے بالکل غافل رہنا محض حماقت ہے۔ ہزاروں شخص ایسے ہیں کہ بقدر ضرورت یہ سب سامان اُنکو میسر ہیں مگر حرص اور باطل تمناؤں نے بے چین کر رکھا ہے جمع کرتا ہے نہ کھاتا ہے نہ کھلاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ کسی وقت کام آئیگا حالانکہ موت کے پاس پہونچ گیا پھر بھی اُس سے تمتع حاصل نہیں کیا اب جانے وہ ضرورت کا وقت کب آویگا اسیطرح اولاد کی تربیت اور اُنکی بھلائی میں کوشش کرنا بھی ایک عمدہ بات ہے مگر اسطرح غرق ہو جانا کہ اپنا آرام کھو دینا اور عقبیٰ کے کاموں سے محروم رہنا رات دن اُنہیں کے دہندے میں پڑا رہنا یہ عبث فعل ہے حالانکہ وہ اولاد مرنے کے بعد کیا زندگی میں بھی اپنے مشاغل میں ایسی محو ہو جاتی ہے کہ اُس بوڑھے کو کوئی بھی نہیں پوچھتا۔ دوسری سعادت اخرویہ ہے وہ مرنے کے بعد ملک جاودانی میں کامیابی۔ پس جو اس چندروزہ سعادت میں ایسا محو ہو کہ اُس سعادت جاودانی سے بالکل غافل ہو جاوے اور موت کے وقت تک اُس میں غرق رہے وہ سخت ہی بدنصیب ہے اُس بدنصیبی کا ذکر اسی آیت میں اور آیندہ آیات میں کرتا ہے فرماتا ہے کلا سوف تعلمون ثم کلا سوف تعلمون کہ نہیں نہیں ابھی معلوم ہو جاویگا کہ یہ تکاثر و تفاخر مرنے کے بعد کیا کام آتا ہے؟ یعنی کچھ بھی کام نہ آویگا دست افسوس ملیگا کہ ہائے رے کس فضولی میں عمر گرانمایہ برباد کی جن چیزوں کی کثرت چاہتا اور اُس پر فخر کرتا تھا اولاد و مال وہ تو وہیں رہ گیا میرے کچھ بھی کام نہیں آیا اب تو یہاں موت بھی نہیں ہائے اس بے انتہا زندگانی کا کوئی توشہ ساتھ نہیں لایا۔ **حکایت** کسی شہر میں کوئی بزرگ [illegible]

اقسام سعادت

سعادت دنیا

سعادت آخرت

حکایت

سے علیحدہ ایک گوشہ میں یاد الٰہی میں مصروف تھا اور اسکا دوست قدیم ایک تاجر تھا جو رات دن حصول مال و زر میں غرق تہا
اور بڑے بڑے مکان بنائے تھے اور ہر قسم کے سامان عیش و نشاط اُسکو حاصل تہے۔ ایکبار اُس مالدار تاجر نے اُس
باخدا کو ملامت کرنی شروع کی اور کہا تو بڑا نادان ہے دیکھ میں نے اس عرصہ میں یہ کچھ پیدا کیا تو نے کیا کیا؟ اس باخدا نے
جواب دیا کہ اے نادان تو نے اس چند روزہ زیست کے لئے یہ کچھ کیا وہاں ہمیشہ رہنا ہے وہاں کے لئے کیا کیا؟ کیا یہ چیزیں
تیرے ساتھ چلیں گی؟ اور اگر نہ چلیں تو بتلاؤ تمکو انکے چھوٹ جانے پر کیا حسرت ہوگی اب بتا تو نادان ہے یا میں؟۔
وہ تاجر زار زار رونے لگا۔ بعض لوگ اسکے بعد یہ بھی کہدیا کرتے ہیں آخرت کا حال معلوم ہے اسلئے حق سبحانہ فرماتا ہے کلا ہرگز نہیں
خاک بھی معلوم نہیں لو تعلمون علم الیقین اگر تمکو یقیناً وہاں کا حال معلوم ہوجاوے تو یہ تفاخر و تکاثر چھوڑ کر اصلی کام میں مصروف ہوجاؤ۔ گویا
تمہارا علم آخرت کے بارہ میں علم یقینی نہیں **حکایت** کوئی بادشاہ کسی فقیر باخدا کا معتقد تھا اُن سے ایکبار کوئی دوا مقوی باہ بھی طلب کی

حکایت

جس سے بیحد قوت بادشاہ کو معلوم ہوئی مگر دلمیں یہ خیال پیدا ہوا کہ فقیر صاحب ضرور در پردہ کوئی عورت رکھتے ہونگے اپنی لونڈی
بنا سنوار کر بھیجی فقیر نے التفات بھی نکیا جس سے اور بھی تعجب معلوم ہوا اگلے روز بادشاہ کا خیال معلوم کر کے فقیر نے کہا ایک راز کی بات
ہے آپ کو مطلع کرتا ہوں وہ یہ کہ سات ہفتہ کے اندر اندر آپ مرجاوینگے یہ سنتے ہی بادشاہ کے ہوش و حواس جاتے رہے کس لئے
کہ فقیر کی بات کو یقینی جانتا تھا گھبرا کر تمام امور عیش و عشرت کے ترک کردئے اور رات دن رونے اور توبہ کرنے اور دعا و عبادت
میں مصروف ہوگیا۔ ایک ایک گھڑی کو غنیمت جانتا تھا تمام شہوانی خیالات اور باطل تمنائیں کافور ہوگئیں۔ گھڑیاں گنا کرتا تھا۔
اس ہفت روزہ شغل میں اُسکی روح پر نورانیت بھی پیدا ہوگئی اور کشود کار بھی ہوا ساتویں دن موت کے انتظار میں تہا۔ اور عزیز و
اقارب فرزند و زن کو رخصت کرچکا تھا جب وہ دن بھی بخیر گذر گیا اگلے روز فقیر کے پاس آیا اور پوچھا کہ موت تو نہیں آئی۔ شاہ صاحب
نے فرمایا دنیا کے سات ہی روز ہیں اب تک گزرے نہیں مگر یہ تو فرمایئے کہ اس عرصہ میں اُس دوا کا کیا اثر تھا۔ اور ارباب عیش و نشاط
سے کیسی گزرتی تہی عرض کیا کچھ بھی خبر نہ تہی۔ بادشاہ فقیر کی رمز کو سمجھ گیا اور راہ راست پر آگیا۔ حقیقت میں علم الیقین اُس جہاں کا ہوجاوے
......تو نیک پر اشتیاق میں۔ اور بد پر خوف میں یہ زندگانی وبال ہوجاوے۔ یہ اہل اللہ بالخصوص انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام کا
ہی حصہ ہے اور اسی لیئے انکے افعال اور عامہ خلائق کے افعال میں جو دنیا پہ فریفتہ ہیں اور ہمیشہ جینے کی امیدیں دل میں رکھتے
ہیں بڑا فرق ہے۔

ف کلا سوف تعلمون کو دوبار لانے میں کیا حکمت ہے؟ بعض علماء فرماتے ہیں تاکید کے لیئے۔ جیسا کہ کوئی ناصح کہتا ہے تو سمجھا تو سمجھا بعض
فرماتے ہیں کہ اول بار اہل شر کے لیئے اور بار دوم اہل خیر کے لیئے پس اول وعید اور دوم وعدہ ہے یہ ضحاک کا قول ہے۔
اب اسقدر فرمانا عاقل کے لیئے کافی تہا کہ اگر تمکو یقین ہوجاوے تو اصلی کام کرنے لگو اور اس حرص و فخر کو چھوڑ دو مگر مخاطبین کے دلوں پر
تو اس حرص و فخر اور غفلت کے بیشمار پردے پڑے ہوئے تہے اسلیئے اب اُنکو صاف صاف بتلایا جاتا ہے فقال لترون الجحیم کہ ضرور ضرور تم
دوزخ کو دیکھو گے۔ عام قرّاء لترون کو بفتح تاء پڑھتے ہیں فرّاء کہتے ہیں کہ یہی ٹھیک بھی ہے کیونکہ یہ تہدید ہے تو عام محاورہ عرب کے
موافق اُسکے الفاظ بھی ہونے چاہئیں بعض بضم تاء بھی پڑھتے ہیں۔ اور جحیم دوزخ کو کہتے ہیں پھر یہ دیکھنا عام ہے۔ ایماندار تو یوں ہی
دور سے دیکھکر دل میں ڈرینگے اور نعماء الٰہی اور نجات کا شکریہ کرینگے اور کفار و گناہگار اُسکا عذاب دیکھیں گے جو اُنکے کرتوت کی سزا ہے

اور تکاثر کا مآل کار ہے۔ ایک اور آیت میں بھی یہی مضمون ہے وان منکم الا واردہا پھر دوبارہ اس بات کی تاکید کیلئے اس کلام کو اعادہ کرتا ہے فقال ثم لترونہا عین الیقین کہ ضرور تم اُس دوزخ کو بالیقین معائنہ کروگے۔ اُسمیں داخل کئے جاؤگے اُسکا مزہ چکھوگے۔ بعض فرماتے ہیں کہ اول جملہ میں مرنیکے بعد عالم برزخ میں عذاب دیکھنے کا ذکر ہے اور دوسرے میں حشر کے روز دیکھنے کا ذکر ہے۔ یا یہ کہ اول بار کا دیکھنا کنارے کھڑے ہوکر بار دوم کا دیکھنا دوزخ میں جاکر بعض مفسرین ان آیات کے یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ اگر تمکو علم الیقین ہوجاوے تو تم دل کی آنکھ سے اب دنیا میں دوزخ کو دیکھ لو اور یقینًا دیکھ لو کوئی شبہ باقی نہ رہے مگر تمکو اس کا علم یقین نہیں

ف علم کے تین مرتبے ہیں اول علم الیقین کہ جیسا کسی نے دریا کو آنکھ سے دیکھ لیا دوسرا عین الیقین کہ اُسکے کنارہ پر پہونچکر پانی چلو میں لے لیا ہو۔ تیسرا حق الیقین کہ دریا میں گھس کر غوطہ لگا لیا ہو۔

پھر فرماتا ہے کہ آج جن نعمتوں پر پھولے ہوئے ہو اور اُنکے ازدیاد کی حرص میں لگے ہوئے آخرت سے غافل اور مالک کے ناشکر بنے ہوئے ہو قیامت کے روز اُنسے سوال ہوگا فقال ثم لتسئلن یومئذ عن النعیم کہ اُس روز دنیا کی نعمتوں سے سوال ہوگا تمسے پوچھا جائیگا کہ دنیا میں ہماری نعمتوں کا تمنے شکریہ ادا کیا اور جس لیئے تمکو دی گئی تھیں اُن کو حاصل کرکے وہ کام بھی کیا یا نہیں؟ یعنی عبادت۔

خدا کی بیشمار نعمتیں ہیں جو حد و شمار سے باہر ہیں کما قال وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوہا نعمائر ظاہریہ و باطنیہ تندرستی جسم کے اعضاء کی خوبی رزق در وزی گرمی میں ٹھنڈا پانی یا سایہ وغیرہ وغیرہ جن سے کوئی فرد بشر بھی خالی نہیں۔ اسلیئے علی اختلاف النعما مفسرین نے متعدد اقوال میں نعیم کی تفسیر کی ہے۔ کوئی کہتا ہے عافیت کوئی کہتا ہے تندرستی اور اولاد و مال کوئی کہتا ہے ٹھنڈا پانی اور خنک سایہ کسی نے کہا حس و ادراک کسی نے کہا پیٹ بھر کر کھانا اور آرام سے سونا اور بحسب دستور بول و براز خارج ہوجانا۔ وغیر ذلک یہ سب قول ٹھیک ہیں۔

مسلم وغیرہ اہل سنن نے روایت کی ہے کہ ایکبار نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر تشریف لائے تو باہر ابوبکر و عمر کو بھی پایا آپنے پوچھا تم کسلیئے گھر سے نکلے ہو کہا ہو کے نکلے ہیں آپنے فرمایا میں بھی اسی لیئے نکلا تب سب ایک انصاری کے باغ میں تشریف لیگئے جسکے ہاں کھانا تیار تھا اُسنے اور اُسکی بیوی نے دیکھکر کہا مبارک مہمان اور ہماری زہے عزت تب سب کو ٹھنڈی چھاؤں میں بٹھایا اور ایک بکری کا بچہ ذبح کرکے پکایا اور سامنے لایا اور چھوہارے بھی لایا سب نے شکم سیر ہوکر کھایا اور ٹھنڈا پانی پیا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر و عمر کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا بخدا آج کی اس نعمت سے بھی تم سے پوچھا جاویگا قیامت کے دن۔

حکایت

ف کوئی مفلس شخص افلاس سے تنگ آکر خدا تعالیٰ کا شاکی ہوا اور سفر کو گیا وہاں اُسکو اسقدر مال و زر حاصل ہوا کہ تین خچر لاد کر لایا رستہ میں پانی نہ ملا اور گرمی سے ہلاک کی نوبت پہونچی تب ایک شخص نمودار ہوا جسکے پاس سرد پانی تھا اُسنے سوال کیا اُسنے کہا ایک خچر مال کا دے تو دیتا ہوں آخر کار دینا ہی پڑا اور نہ موت سامنے دکھتی تھی پانی پیکر بھوک لگی اور سخت بیتابی ہوئی ہلاکت کی نوبت آگئی تب ایک شخص ملا جسکے پاس روٹی تھی اُس سے سوال کیا اُسنے کہا اگر ان دونوں خچروں میں سے ایک دے تو دیتا ہوں ورنہ تو مر جائیگا دونوں یہیں رہجائینگے ایک خچر دیکر روٹی لی اور پیٹ بھر کر کھایا تھوڑی دیر کے بعد پیٹ میں پاخانہ اور پیشاب بند ہوجانے سے اس شدت کا درد ہوا کہ ہلاکت کی نوبت آگئی ایک شخص حکیم نمودار ہوا جسنے کہا یہ خچر مجھے دے تو ابھی آرام ہوتا ہے آخر جان عزیز تھی وہ بھی دیدیا درد سے نجات ملی۔ تب ہاتف غیب نے کہا روٹی اور ٹھنڈا پانی اور درد سے سلامتی اسقدر مال کو آج لی ہے اس سے پہلے تجھے خدا ہمیشہ مفت دیتا رہا اسپر بھی تو اُسکا شاکی ہوا یہ کیا انصاف ہے؟ وہ شخص رویا اور تائب ہوا۔ اُسکی نعمتوں کا شکر یہ ہر حال میں واجب ہے۔ وللہ الحمد والمنۃ علی کل حال۔

سورہ عصر مکیہ ہی اس میں تین آیات ہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝

ع ۳/۲۸

قسم ہے عصر کی بیشک انسان خسارہ میں ہے مگر وہ جو ایمان لائے اور اُنہوں نے نیک کام کئے اور حق پر قائم رہنے کی اور صبر کرنے کی باہم ہدایت کرتے رہے۔

ترکیب

واللقسم العصر مقسم بہ والمراد بہ الدہر عموماً وقیل العشی وہو ما بین زوال الشمس وغروبہا وقیل صلوۃ العصر۔ قرء الجمہور بسکون الصاد وقری بکسرہا ایضاً ان الانسان اسم ان لفی خسر خبرہا والجملۃ جواب القسم۔ قرء الجمہور بضم الخاء وسکون السین وقری بضمہا ایضاً والمعنی فی نقصان وخسران وشر۔ الا استثناء متصل من الانسان وقیل منقطع علی ان المراد بالانسان الکافر وعملوا وما بعدہ عطف علی آمنوا والتواصی وصیۃ بعضہم لبعض

تفسیر

یہ سورہ بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی۔ اور ابن عباسؓ کا بھی یہی قول ہے۔ صرف قتادہؒ کہتے ہیں کہ مدینہ میں نازل ہوئی

ربط اس سورہ کا سورہ تکاثر سے یہ ہے کہ انسان تمام عمر کثرت مال و اولاد و فراہمی اسباب عیش و نشاط میں صرف کرنا اپنے اوقات گرانمایہ کا حاصل سمجھتا ہے اور نہ جانتا ہے کہ میرے اوقات خراب ہوئے اور عمر ضائع ہوئی اور اسیکو وہ مقصود اصلی جانتا ہے اور اسی لئے وہ اُسکی حرص کرتا ہے اور اُسپر فخر کرتا ہے اس خیال کے روکنے کو یہ سورہ نازل فرمائی کہ کوئی کیسا ہی مال و دولت میں کامیابی حاصل کرے مگر پھر بھی نقصان اور خسارہ ہی میں ہے اس خسارہ سے تو وہ بچے ہوئے ہیں جو ایمان لائے اور نیک کام کر گئے اور نیک کاموں کی بنیاد اپنے بعد ڈال گئے۔ عمر گرانمایہ کا اصلی نفع یہی ہے نہ وہ کہ جو عموماً طبائع انسانیہ سمجھی ہوئی ہیں۔

چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے انکے جاہلیت کے دوست ابوالاسد نے بطور طنز کے یہ کہا تھا کہ تم بڑے ہوشیار اور تجارت میں خبردار تھے کبھی نقصان نہیں اُٹھایا اب کیا نادانی چھا گئی جو تمام مال صرف کر کے ایک شخص کے معتقد ہو گئے اور قدیم دین کو چھوڑ بیٹھے یہ تمنے بڑا خسارہ اُٹھایا اُسکا خیال باطل بھی اس سورہ میں رد کر دیا گیا۔

فقال والعصر کہ قسم ہے زمانہ کی جس میں یہ انسان زندہ ہے اور یہ ایک نہایت قیمتی اور گرانمایہ سرمایہ ہے جو خداوند تعالیٰ نے انسان کو دیکر دنیا میں ایمان اور نیکوکاری کی تجارت کرنے بھیجا ہے اور یہ سرمایہ ایسا بے ثبات ہے کہ برف کیطرح آپ ہی آپ پگھلتا جاتا ہے اگر اُسنے بجائے ایمان اور عمل نیک کے برا سودا خریدا یا کچھ بھی نہیں خریدا تو بھی انسان خسارہ میں ہے اسلئے اس وقت عزیز کی قسم کھائی جسکو یہ ناقدر انسان برے کام میں صرف کرتا ہے یا یوں ہی ضائع کرتا ہے اور اس قسم کو اپنے مابعد کے مضمون سے نہایت ارتباط ہے گویا وہ دعویٰ ہے تو یہ اسکی دلیل مقدم ہے تاکہ مخاطب کو اس مضمون میں کہ انسان خسارہ میں ہے سوائے اُنکے جو ایمان لائے اور نیک کام کئے کوئی تردد نہ ہے اور یہ قرآن مجید کا کمال بلاغت ہے والحمد۔ مفسرین کے عصر کے معنی میں چند قول ہیں۔

(۱) بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ عصر سے مراد مطلقاً زمانہ ہے جسکو عربی میں دہر کہتے ہیں اور اُسکی قسم کھانے میں اپنی قدرت و حکمت کی باریکیوں کا اظہار کرنا مقصود ہے

اور یہ اس لئے کہ زمانہ کی تمام چیزوں پر زمانہ کا پورا احاطہ ہے کوئی بادشاہ کوئی مالدار کوئی شہ زور ایسا نہیں کہ زمانہ کی نیرنگیوں سے نکل جاوے۔ زمانہ کا پہلا اثر موسموں کا تبدل ہے جب سردی آتی ہے تمام لوگوں پر سردی کا اثر پھیل جاتا ہے اور جب گرمی کی سلطنت آتی ہے تو سب پر اُسکا اثر پڑتا ہے اور اسیطرح جب رات آتی ہے تو اندھیرا چھا جاتا ہے۔ اور جب دن کی سلطنت ہوتی ہے تو رات کا فور ہو جاتی ہے زمین پر نور پھیل جاتا ہے۔ اسکے بعد انسان کی عمر پر زمانہ کا وہ نمایاں سکہ چلتا ہے کہ کسیطرح ٹلتا ہی نہیں لڑکپن کے بعد جوانی اور جوانی کے بعد بڑھاپا بے اختیار آتا ہے اور پھر زمانہ نباتات کو فنا کرتا ہے اور پھر حیوانات جمادات اور حیوانات میں سے انسانوں کو مار کر ایسے فنا کے عمیق گڑھے میں ڈالدیتا ہے کہ جوں جوں زمانہ گزر جاتا ہے وہ فنا شدہ اُتنا ہی نیچے چلا جاتا ہے اب دیکھنا چاہیئے کہ زمانہ کی ڈوریاں کسکے ہاتھ میں ہیں؟ اُسی قادر مطلق کے لیکن جنکی نظر وہاں تک نہیں پہونچتی وہ ان سب حوادث کو زمانہ ہی کے مستقل افعال جانتے ہیں جیسا کہ فرقہ دہریہ اور جنکی نگاہیں دور جاتی ہیں اور وہ گہری نظروں سے دیکھتے ہیں وہ اس کل کے موجد اور اُسکے چلانیوالے کے ہاتھ کی کاریگری سمجھتے ہیں جو زمانہ سے باہر ہو کر زمانہ کی کل چلا رہا ہے۔ اس لئے زمانہ کی قسم کھائی کہ وہ اُسکی ایک عمدہ اور بڑی کل ہے جسمیں اشارہ ہے کہ زمانہ کے موافق ہو۔ زمانہ تمہارے موافق نہیں بنے گا اور جب کسی نے زمانہ سے لڑائی کی تو فوراً شکست کھائی اور اسی بات کیطرف نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اشارہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ابن آدم مجھے ایذا دیتا ہے جو دہر کو گالیاں دیا کرتا ہے دہر تو میں ہوں میرے ہاتھ میں سب کام ہے میں ہی رات اور دن کو بدلتا ہوں (متفق علیہ)

(۲) بعض فرماتے ہیں اخیر دن کا وقت مراد ہے جو زوال سے غروب تک کا وقت ہے جسکو عربی میں عشی کہتے ہیں یہ قتادہ اور حسن بصری کا قول ہے اور اُسکی قسم کھانیکی وجہ یہ ہے کہ دن بھر کے کاروبار کا نفع و نقصان اخیر دن میں ظاہر ہوتا ہے دن بھر بیچ کھوچ کر سوداگر دکان بڑھاتا ہے اور اپنے گھر کا رستہ لیتا ہے اور نیز زیادہ بیع و شرا کا بازار اسیوقت گرم ہوتا ہے اور نیز ایک انقلاب عظیم کی یہ تمہید ہے یعنی دن کا جانا رات کا آنا اور اسی لیے اس وقت کی نماز کی جسکو صلوٰۃ الوسطیٰ اور صلوٰۃ العصر کہتے ہیں بڑی تاکید ہے پس اس میں اشارہ ہے کہ انسان تیری زندگانی کا بہت سا حصہ گزر گیا اب اخیر وقت رہگیا تو اپنی تجارت میں جو آخرت میں کام آئے سرگرمی کر لے وقت بہت نہیں رہا ورنہ پھر خسارہ ہی خسارہ ہے۔

(۳) بعض فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا زمانہ مراد ہے جو بڑا متبرک زمانہ ہے اور جسمیں تجارت آخرت کا بازار بڑا گرم تھا جس نے سعادت کی طرف ذرا توجہ کی اُسنے سلطنت آسمانی حاصل کر لی اور جس نے بُرا سودا کیا عمر کھو کر کفر و بدکاری خریدی گھاٹا اُٹھایا اور بڑا گھاٹا۔ اسی لیئے آپنے ارشاد فرمایا تھا خیر القرون قرنی الحدیث کہ سب زمانوں سے بہتر میرا زمانہ ہے الخ جبکہ صبح سے لیکر تھوڑے دن رہے تک بنی آدم آخرت کے سودے میں پورے کامیاب نہوئے اور وقت رہگیا کم تو اُسنے اپنی رحمت سے ایسا نبی بھیجا کیا جو دنیا کو نافع تجارت سکھانے آیا ایسی تجارت کہ تھوڑے سے وا مول پر یعنے چند روزہ زندگی سے جو اُمم سابقہ کی بہ نسبت وقت عصر ہے اور تھوڑے سے اعمال سے بے بہا دولت حاصل ہوتی ہے یعنی دار آخرت اور اُسکے نعمائے باقیہ اسیلئے لفظ والعصر میں اسطرف اشارہ کر دیا کہ بس اب اور وقت نہیں رہا جو اور نبی آوے گا انہیں پر سلسلہ تمام ہے۔ پھر اب بھی جو کوئی ہدایت پر نہ آوے تو ازلی بدنصیب ہے۔ دنیا کی دوکان بڑھا چاہتی ہے اسی لئے آپنے فرما دیا کہ میں اور قیامت اسطرح ہیں دو انگلی سے انگلی ملا کر دکھائی یعنی ساتھ لگے ہوئے میرے بعد قیامت ہے۔

(۴) بعض فرماتے ہیں کہ خاص نماز عصر کی قسم مراد ہے یہ مقاتل کا قول ہے۔ اسلیئے اس نماز کی قسم کھائی کہ یہ اس دار آخرت کی تجارت کا ایک مخصوص وقت ہے اور نیز دنیاوی تجارت کا بھی وقت ہے اور کاروبار میں مصروف ہونے کا وقت ہے اور نیز دن کے اعمال کے دفتر بند ہونے کا وقت ہے اسکے بعد سے رات کے اعمال کا دفتر کھلتا ہے اور اسی لئے حدیث صحیح میں آیا ہے کہ جسکی نماز عصر قضا ہو گئی گویا اسکا گھر بار لٹ گیا۔ اور قرآن مجید میں صلوٰۃ وسطیٰ سے جسکی محافظت پر تاکید ہے یہی نماز مراد ہے۔

ف قرآن مجید میں بہت سی چیزوں کی خدا پاک نے قسم کھائی ہے۔ رات کی دن کی آفتاب کی آسمان کی زمین کی مکہ شہر کی انجیر کی زیتون کی آنحضرت صلعم کی عمر کی وغیرہ۔ حالانکہ حدیث شریف میں بندوں کے لیئے بجز خدا پاک کے نام کی قسم کھانے کی ممانعت آئی ہے اور اسکی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ قسم کھانے میں تعظیم بیحد ہے اور اسکا مستحق وہی حق سبحانہ ہے اور اہل توحید کا شیوۂ خاص ہے کہ اسکی تعظیم کی برابر کسیکی تعظیم نکریں پھر حق سبحانہ نے اپنی مخلوقات کی کیوں قسمیں کھائیں اپنی ذات و صفات کی قسم پر انحصار کیوں نہ فرمایا؟

جواب اس میں علماء کا اختلاف ہے جمہور معتزلہ اور بڑے بڑے علماء اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ ایسے مقامات پر لفظ رب محذوف ہے جیسا کہ والتین قسم ہے رب تین یعنی رب انجیر کی پھر ان اشیاء کے ذکر کرنے میں اور انکی ربوبیت کے اظہار میں بندوں کو ان چیزوں سے جو منافع اور فوائد ہیں انکا اظہار کرنا مقصود ہے تاکہ ان چیزوں میں اسکی قدرت کاملہ کا کرشمہ دیکھکر ایمان لائیں اور اپنے قدیم محسن اور آقا رولی النعمۃ کیطرف جھکیں یعنی ہر جگہ اپنی ہی قسم کھائی ہے نہ مخلوق کی۔ اکثر متکلمین کا بھی اسیطرف رجحان ہے اور بات بھی یہی قوی ہے۔ لیکن علماء کرام کی ایک جماعت ظاہر الفاظ پر خیال کرکے یہ بھی کہتی ہے کہ لفظ رب کے محذوف ماننے کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ انہیں چیزوں کی قسم کھائی ہے مگر ہر ایک قسم کھانے والے کی حالت اور شان کے مطابق اس چیز کی قسم کھانے سے جو مقصود ہوتا ہے وہی مراد لیا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص بادشاہ کے سر کی قسم کھائے یا تخت کی تو اسکا مقصود عزت وعظمت بادشاہ کی اور اس کے تخت کی ہو گی اور جو کوئی اپنی اولاد یا اپنے مال کی قسم کھائے تو مقصود محبت ہو گی علے ہذا القیاس پس حق سبحانہ جو اپنی مخلوق میں سے کسی چیز کی قسم کھاتا ہے تو مقصود اس چیز کے پیدا کرنے میں جو اس نے اسرار قدرت اور بندوں کے منافع رکھے ہیں ان کا اظہار ہو گا۔ قطع نظر اس سے کہ یہ شئے جملہ مخلوق میں بڑھکر ہے یا نہیں اور کبھی محض اس چیز کا شرف وعزت بندوں کی نگاہ میں ظاہر کرنا بھی مقصود ہوتا ہے جیسا کہ آنحضرت صلعم کی قسم یا مکہ معظمہ کی قسم۔ اب کوئی محل اعتراض باقی نہیں رہا اسپر بھی جو کوئی اس رمز سے ناواقف ہو کر عیب لگائے اور طعن کرے یہ اسکی بھونڈی سمجھ ہے۔

الحاصل عصر کی قسم کھاکر فرماتا ہے ان الانسان لفی خسر کہ بیشک ابن آدم نقصان میں ہے کس لیئے کہ اسکی عمر گرانمایہ جو بڑا مال ہے۔ اور جس سے دار آخرت کی کار آمد چیزیں خریدی جاتی ہیں وہ ہر آن گھٹتی جاتی ہے اور جو گھٹتی ہے اس کے پھر آنے کی امید منقطع ہے۔ کیا خوب کہا ہے حافظ مرحوم نے ؎ مرا در منزل جانان چہ امن وعیش چوں ہر دم جرس فریاد میدارد کہ بربندید محملہا ؛ اور اگر اس عمر گرانمایہ کو گناہوں اور شہوات ولذات فانیہ میں صرف کیا یا کھیل کود لہو ولعب میں گزار دیا تو اور بھی نقصان ہوا اور خسران سرمدی و حرمان ابدی نصیب ہوا۔

لیکن اس عمر چند روزہ میں اگر نفع حاصل کرنا چاہے اور نقصان سے محفوظ رہنا چاہے تو اُسکے لیئے یہ دو باتیں ضروری ہیں اول یہ کہ اپنی حیات میں کمال حاصل کرے اور دوم یہ کہ مرنے کے بعد بھی حسنات و باقیات کا سلسلہ باقی چھوڑ جائے تاکہ اُسکے بعد بھی اُسکے حسنات ہمیشہ اُسکو پہونچتے رہیں۔ اور اس سبب سے اُسکو اکتساب حسنات کے لیئے ایک وسیع زمانہ ملجائے ورنہ عمر تو بہت ہی تھوڑی ہوتی ہے خصوصاً جبکہ ایک اُسمیں سے لڑکپن اور بیماری اور بڑھاپے کا زمانہ کم کر دیا جاوے کیونکہ ایسے وقت انسان بیکار ہو جاتا ہے اور اعضا رجواب دیچکتے ہیں تو بہت ہی حصہ کم رہجاتا ہے اسلیئے اس خسارہ پانے والوں میں سے جنمیں یہ دو وصف ہوں اُنکو مستثنے کرتا ہے (۱) الا الذین امنوا وعملوا الصالحات مگر وہ کہ جو ایمان لائے اور ایمان لاکر نیک کام بھی کیئے۔ یہ وہ پہلی بات ہے جو اپنی حیات کی کمائی تھی۔ اِسکے دو مرتبہ ہیں۔ اوّل معرفت اور حقائق الاشیاء کا علم صحیح خصوصاً حق سبحانہ اور وسائل[1] ہدایت و ارشاد کی بابت اعتقاد صحیح جسکو شرع میں ایمان کہتے ہیں۔ یہ اعلی کمال ہے روح کے بدن سے جدا ہو جانے کے بعد یہ کمال ساتھ رہتا ہے اور اسیکو حکماء بھی سعادت کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور اہل ہند بھی اسکو گیان کہتے ہیں جو اُنکے نزدیک نجات کا وسیلہ ہے۔ مگر حکماء کے علم حقائق الاشیاء اور ہندو گیان اور شرعی ایمان میں بڑا فرق ہے شرعی ایمان وہ علم اور وہ گیان ہے جسمیں شکوک و خطرات یا توہمات و تخیلات کی بو بھی نہیں وہ اُن ظلماتی دھبوں سے پاک ہے نہ اُسکے حصول کے وہ ذرائع ہیں جن میں عقلی قیاسات اور وہمی تک بندیوں کو دخل ہو نہ تمام مخلوق کی حقیقت دریافت کرنے کی تکلیف مالایطاق نہ آسمانوں اور زمین کے قلابے ملانے کی حاجت۔ دوسرا مرتبہ ایمان کے بعد نیک کام کرنے کا ہے۔ یہ لفظ بڑا وسیع المعنی ہے ہر ایک نیک کام کو شامل ہے خواہ عبادت بدنی ہو خواہ مالی خواہ ذکر و مراقبہ و فکر و تسبیح و تہلیل ہو اور خواہ نماز و خیرات ہو خواہ صلہ رحمی مخلوق خدا پر ترحم اور نفع رسانی ہو۔ کس لئے کہ اگر ایمان ہے اور اعمال صالحہ نہیں تو ایمان ایک درخت بے ثمر ہے اور اگر دونوں باتیں حاصل ہیں تو دنیا سے نفع کمالایا (۲) وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر کہ اپنے بعد بھی سلسلۂ حسنات باقی چھوڑ گئے۔ اس لحاظ سے گویا وہ ہمیشہ زندہ ہیں اور ہمیشہ دنیا میں نیک کام کر رہے ہیں کس لیئے کہ جو اپنے بعد نیک کاموں کی بنیاد ڈال جاتے ہیں جب تک وہ نیک کام باقی رہیں گے اور لوگ اُن سے نفع حاصل کرینگے اُنکے بنیاد ڈالنے والوں کو بھی اُسیقدر ثواب ملتا رہیگا اور احادیث صحیحہ میں بھی یہی مضمون وارد ہے چنانچہ مسلم نے روایت کی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جسنے کسیکو ہدایت کیطرف بلایا تو اُسکو بھی اُتنا ہی اجر ہے کہ جتنا اُس ہدایت قبول کرنیوالیکو ہے اور جسنے کسیکو بُرے کام کی ترغیب دلائی تو اُسکو بھی اُسیقدر گناہ ہے کہ جسقدر اُس بُرے کام کرنے والے کو ہے کچھہ بھی کم نہو گا۔ اور ترمذی و ابن ماجہ وغیرہ نے بھی اس قسم کا مضمون نقل کیا ہے۔

اس نیک کام کی بابت دو لفظ ارشاد فرمائے کہ جنکا اوروں کو تقید کرکے دنیا سے چلے تھے۔ اول حق پر قائم رہنے کی تاکید۔ یہ لفظ بھی وسیع المعنی ہے دین حق پر قائم رہنے کو بھی شامل ہے۔ اور راستبازی اور نفع خلائق کو بھی شامل ہے پھر دین میں عبادات سے لیکر اعتقاد صحیح اور اخلاق کریمانہ خیرات و صدقات سب کو شامل ہے۔ بنائے مساجد و مدارس اور اسلام کے قیام و استحکام کی بابت تدابیر اور عمدہ تصانیف اور تعلیم علوم سب اسمیں آ گئے اسی لئے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اسلام میں اعلے درجات رکھتے ہیں کہ اپنے بعد مفید اسلام وہ وہ باتیں زندہ چھوڑ گئے جن سے اُجتک مسلمان نفع پا رہے ہیں۔ اور اُنکے بعد ائمہ دین مجتہدین و پیران طریقت علیہم ہیں۔

[1] وسائل ہدایت قرآن شریف اور انبیاء علیہم السلام [illegible]

اور دوسرا لفظ صبر ہے یہ بھی بڑا وسیع المعنیٰ لفظ ہے کس لئے کہ مخالفوں کی ایذا اور بدگوئی کی برداشت بھی صبر ہے ۔ اور یہ وصف ہر ایک عالی حوصلہ کو لازم ہے اگر یہ نہیں تو نہ ہم چشموں میں عزت ہے نہ عافیت ہے۔ بات بات پر لڑنا مقابلہ کرنا لوگوں سے انتقام لیکر دشمن بنانا زیست تلخ کر دیتا ہے **حکایت** سیدنا حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو ایک بدوی نے جبکہ آپ خلیفہ تھے مجمع عام میں سخت الفاظ کہے اور گالیاں بھی دیں لوگوں کو غصہ آیا فرمایا تمہیں تو کچھ نہیں کہا مجھے کہا ہے آپ نے حکم دیا کہ غریب بھوکا ہوگا کھانا کھلاؤ ۔ عمدہ کپڑے دو ۔ خرچ سے تنگ ہوگا روپئے دو ۔ چنانچہ حضرت کے حکم کی تعمیل کی گئی تیسرے دن اس شخص کو روبرو بلاکر پوچھا کہ بھائی اب بھی تم مجھ سے خفا ہو؟ وہ شخص رو پڑا اور کہا کہ میں نہ پہلے خفا تھا نہ اب ہوں ۔ صرف امتحان منظور تھا کہ دیکھوں رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا خون آپ میں کسقدر ہے انکے اوصاف حمیدہ سے کتنا حصہ ملا ہے؟ آپنے فرمایا بحمد اللہ ہم پہاڑ ہیں ایسے جھوکوں سے ہلنے والے نہیں ۔ صبر کی تاثیر ہے کہ مخالف برائی کرکے آپ شرمندہ ہو جاتا ہے ۔ قرآن مجید میں جا بجا اسکی تاکید ہے ادفع بالتی ہی احسن الخ کہ برائی کے مقابلہ میں بھلائی کر کوئی گالی دے تو تو دعا دے ۔

نفس بد کا مقابلہ اور پھر مقابلہ میں ثابت قدمی بھی صبر ہے نفس چاہتا ہے کہ رات کو گرم ہو کر سو رہو مگر یہ جوانمرد نہیں مانتا نماز پڑھتا ہے سردی گرمی کی برداشت کرتا ہے اسی طرح جملہ اخلاق میں نفسانی خواہش روکنے میں ثابت قدمی صبر ہے اسیطرح صف جنگ میں دشمنوں کا مقابلہ اور مقابلہ میں استقلال بھی صبر ہے ۔ خدا کی راہ میں مشقتوں کی برداشت بھی صبر ہے ۔ مصائب ارضی و سماوی پر استقلال بھی صبر ہے ۔ انسان کی سعادت کے دو بازو ہیں جن سے اوڑ سکتا ہے ۔ اول درستی اعتقاد یعنی تکمیل قوت نظریہ یہ دایاں بازو ہے اسکے لئے توصوا بالحق استعمال ہوا دوسرا بایاں بازو نیک کام کرنا بری باتوں سے پرہیز کرنا ہے یعنی قوت عملیہ کی تکمیل اسکے لئے تواصوا بالصبر استعمال ہوا تمام حکمت نظریہ و عملیہ کا انہیں دو لفظوں میں خاتمہ کر دیا ۔

اور یہ بھی ہے کہ اول انسان آپ کامل ہوے اسبات کی طرف امنوا وعملوا الصلحات میں اشارہ کیا تھا اور آپ کامل ہو کر اوروں کی تکمیل کی بھی فکر کرے اور حکیم روحانی بنکر مریضان بنی آدم کا علاج کرے یہ پورا کمال ہے اسلئے اسکے لئے تواصوا بالحق وتوصوا بالصبر میں اشارہ فرمایا ۔ حق پر قایم رہنے کی وصیت و تاکید گویا دوا پینے کا حکم ہے اور تواصوا بالصبر میں اشارہ ہے کیونکہ اگر مریض دوا پیکر مضر اشیاء سے پرہیز نہ کرے گا کبھی فائدہ نہ اٹھائیگا ۔

تواصوا وصیت سے ہے یہ لفظ عرف شرع میں تقید و تاکید کے معنی میں بھی مستعمل ہوا کرتا ہے جیسا کہ فرمایا ووصینا الانسان بوالدیہ احسانا اور عرف عام میں وصیت اس بات کو کہتے ہیں جسپر اسکے مرنیکے بعد عمل ہو یا کہو بوقت مرگ حکم دے اسلئے اس لفظ کے اختیار کرنے میں یہ رمز ہے کہ مرتبہ ارشاد و تکمیل کا نفس فنا کرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے ۔ گویا یہ لوگ نفس کو مار کر جیتی زندگی میں مر گئے یا قریب بمرگ ہیں اب جو کچھ کہتے ہیں گویا وصیت کرتے ہیں اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ابتدا سورہ میں لفظ عصر کی قسم کھائی تھی جو اخیر وقت ہے گویا ہر زندہ دل اپنی زندگانی پر بھروسہ نہ کرکے ہر وقت کو دم اخیر سمجھتا ہے پس وہ جو کچھ فرماتا ہے گویا بوقت مرگ فرماتا ہے جسکی پابندی پچھلوں پر بلحاظ محبت واجب ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اچھے لوگ بوقت مرگ دنیاوی جھگڑے چھوڑ کر اپنے مریدوں محبوں کے لئے حق پر قایم رہنے اور صبر کرنیکی وصیت کیا کرتے ہیں جیسا کہ سورہ بقر میں ہے ۔ ووصی بہا ابراہیم بنیہ ویعقوب یا بنی ان اللہ اصطفی لکم الدین فلا تموتن الا وانتم مسلمون ہ ام کنتم شہداء اذ حضر یعقوب الموت اذ قال لبنیہ الخ ۔

صبر کی تفسیر

حکایت

ع ۷ صبر کے ... انسان کو ... سلوک ... صبر کرنے کا حکم دیا

وصیت کے معنی

ع ابراہیم اور یعقوب نے اپنی اولاد کو وصیت کی تھی کہ دین حق خدا نے تمہارے لئے پسند کیا اب تم ایمان و اسلام ہی پر مرنا

سُورَۃُ ھُمَزَۃٍ مَکِّیَّۃٌ ھِیَ اِسْمِیْنْ نَوْ اٰیٰتْ ھَیْنْ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَیْلٌ لِّکُلِّ ھُمَزَۃٍ لُّمَزَۃِۨ ۝ الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَہٗ ۝ یَحْسَبُ اَنَّ مَالَہٗۤ اَخْلَدَہٗ ۝ کَلَّا لَیُنْۢبَذَنَّ فِی الْحُطَمَۃِ ۝

خرابی ہے ہر ایک طعنہ زن آواز کش کی — اس کی کہ جسنے مال جمع کیا اور اسکو گن گن رکھا — سمجھتا ہے کہ میرا مال مجھے سدا رکھیگا — یہ نہوگا البتہ وہ تو حطمہ میں پھینکا جاویگا

وَمَآ اَدْرٰىکَ مَا الْحُطَمَۃُ ۝ نَارُ اللّٰہِ الْمُوْقَدَۃُ ۝ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْـِٕدَۃِ ۝ اِنَّہَا عَلَیْہِمْ مُّؤْصَدَۃٌ ۝ فِیْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَۃٍ ۝

اور تو کیا جانے کیا ہے وہ حطمہ — اور وہ اللہ کی دہکائی ہوئی آگ ہے — جو دلوں تک جا پہونچتی ہے — وہ اسمیں بند کئے جاوینگے بڑے بڑے ستونوں سے باندھ کر

ع ۱ ۲۹

ترکیب

ویل مبتدء وجاز الابتداء بالنکرۃ لکونہ دعاء علیہم لکل ہمزۃ لمزۃ خبرہ ۔ قرء الجمہور بضم اولہما وفتح المیم وقری بسکون المیم فیہما واصل الہمز الکسر والضرب وکذا اللمز یقال ہمزہ یہمزہ ہمزًا ولمزہ یلمزہ لمزًا ۔ قال الرازی الہمزہ الکسر قال تعالیٰ ہماز مشاء واللمز الطعن ولا تلمزوا انفسکم والمراد الکسر من اعراض الناس والغض منہم والطعن فیہم ۔ ہمزۃ لمزۃ علی وزن فعلۃ وبناء فعلۃ لمبالغۃ الفاعل کالضحکۃ واللعنۃ ای کثیر الضحک وکثیر اللعن ۔ واذا اسکنت العین یکون لمبالغۃ المفعول یقال رجل لعنۃ بسکون العین اذا کان ملعونا للناس یکثرون اللعن علیہ ۔ الذی الخ بدل من کل او فی محل نصب علی الذم او تعلیل لما قبلہ عددہ قرء الجمہور بالتشدید وقری بالتخفیف ومعناہ حصاہ فہو ماخوذ من العد وقال الزجاج عددہ لنوائب الدہر یقال اعددت الشئ وعددتہ اذا امسکتہ یحسب الخ مستانفۃ لتقریر ماقبلہا وقیل فی محل النصب علے الحال من فاعل جمع اخلد ماض معناہ المضارع ای یخلدہ والخلد بالضم البقاء کلا ردع لینبذن الخ اللام جواب قسم محذوف حطمۃ علی وزن ہمزۃ مبالغۃ فی الحطم بمعنی الکسر تحطم وتکسر من القی فیہا والحطمۃ من اسماء النار فی عمدۃ ممددۃ فی محل نصب علی الحال من الضمیر فی علیہم ای کائنین فی عمدۃ ممددۃ موثقین فیہا وقیل خبر مبتدء محذوف ای ہم او صفۃ لموصدۃ قرء الجمہور عمد بفتح العین والمیم جمع عمود کادیم وادم وقال ابو عبیدہ جمع عماد وقیل اسم جمع لعمود قال فی الصحاح العمود عمود البیت وجمع القلۃ اعمدۃ وجمع الکثرۃ عمد

تفسیر

یہ سورہ بلاخلاف مکہ میں نازل ہوئی ۔ ابن عباسؓ بھی یہی فرماتے ہیں اور جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے ۔ اسکی نو آیت ہیں ۔

وجہ ربط اسکی سورہ عصر سے یہ ہے کہ سورہ عصر میں بیان تہا کہ انسان خسارہ میں ہے اب اس سورہ میں انسان کے خسارہ میں پڑنے کے چند اسباب بیان فرمائے جاتے ہیں ۔ واضح ہو کہ گناہ دو قسم کے ہیں ۔ اول حقوق اللہ میں کوتاہی یا تجاوز کرنا ۔ عبادت نہ کرنا زنا کرنا وغیرہ ۔ دوم وہ جو حقوق العباد سے متعلق ہیں جیسا کہ کسی کا حق ادا نکرنا یا تکلیف و ایذا بلا وجہ پہونچانا آبرو ریزی کرنا دلکو رنج پہونچانا خصوصا خاصان خدا کی دل آزاری کرنا ۔ اور انکی جو بندگان خدا کی صلاح و تعلیم کے لئے اپنی جان اپنا مال اپنا آرام نذر کر چکے ہوں ۔ یہ قسم دوم کے گناہ ایسے برے ہیں کہ بغیر اسکے کہ جسکو ایذا دی گئی ہے وہ معاف نہ کرے تو توبہ و استغفار سے

وجہ ربط

بھی معاف نہیں ہوتے اور نیز ان افعال قبیحہ سے جماعت میں تفرقہ پڑتا ہے فساد کا دروازہ کھلتا ہے تمدن میں خلل واقع ہوتا ہے
اور اسلیئے قرآن مجید میں غیبت کو اپنے بھائی کے گوشت کھانے سے تشبیہ دی ہے۔ اور اسکو زنا سے سخت بیان فرمایا ہے اسی
طرح لوگوں پر طعن کرنا منہ چڑانا انپر ٹھٹھا کرنا مضحکہ اڑانا آواز اور انکی صورت کی نقلیں کرنا یہ کمینہ اخلاق بڑے خسارہ کے
باعث ہیں انسے دنیا میں بھی خسارہ ہے عداوت پیدا ہوتی ہے اور ایسے شخص کی عزت لوگوں کی نگاہوں میں نہیں رہتی خود اسیکو
بیہودہ اور مسخرہ کہنے لگتے ہیں اور آخرت میں تو اس دل آزاری کی وجہ سے وہ آگ ہے جو تطلع علے الافئدۃ جو انکے دلونکو جلائیگی نعوذ باللہ
منہا۔ اور یہ عیب جاہلوں بدبختوں میں زیادہ مروج ہوتا ہے اور لطف یہ کہ اسکو عیب نہیں بلکہ ہنر جانتے ہیں مکہ کے قریش کا فراس
بلا میں سخت مبتلا تھے۔ بالخصوص ولید بن مغیرہ و اخنس بن شریق و امیۃ بن خلف یہ بدنصیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
بدگوئی کیا کرتے تھے اور غریب ایمانداروں کی نماز و عبادت کی نقلیں کر کے لوگوں کو ہنسایا کرتے اور نفرت دلایا کرتے تھے اور اسی
سبب سے بعض مفسرین نے انہیں کے ان افعال قبیحہ کو سبب نزول قرار دیا ہے مگر اصل سبب نزول وہی ہے جو ہم بیان کر آئے ہیں
پس اس سورۂ مبارک میں بڑے پر اثر الفاظ میں ان اخلاق رذیلہ کی برائی بیان فرمائی جاتی ہے جو باعث خسران ہیں فقال ویل لکل ہمزۃ
لمزۃ کہ خرابی ہے ہر ایک بدگوئی کرنے والے عیب چین کی۔ اور وہ خرابی کیا ہے اسکو آخر میں بیان فرماتا ہے لینبذن فی الحطمۃ الخ کہ وہ آگ میں
ڈالا جاویگا الخ۔ ان دونوں لفظوں کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں (۱) ابو عبیدہ کہتے ہیں دونوں لفظوں کے ایک ہی معنی ہیں غیبت و بدگوئی
کرنیوالا (۲) ابو العالیہ و حسن و مجاہد و عطاء ابن ابی رباح کہتے ہیں کہ ہمزہ اسکو کہتے ہیں جو روبرو بدگوئی کرے اور لمزہ اسکو جو پیٹھ پیچھے برا
کہے (۳) قتادہ اسکے برعکس معنی بیان کرتے ہیں (۴) قتادہ و مجاہد سے یہ بھی منقول ہے کہ ہمزہ وہ ہے جو کسی کے نسب میں طعن کرے
فلاں کمینہ ہے اسکی ماں ایسی تھی باپ ایسا تھا اسکی قوم ایسی ہے وہ شریف نہیں۔ اور لمزہ وہ ہے کہ ہاتھ پاؤں آنکھ وغیرہ
اعضاء کے اشاروں سے کسی کی آبروریزی کرے جیسا کہ سفلوں کی عادت ہوتی ہے کہ آنکھ بھوؤں یا منہ بنانے سے کسیکی بے
عزتی کرنیکے لیئے اشارے کیا کرتے ہیں (۵) ابن کثیر کہتے ہیں کہ ہمزۃ وہ ہے جو زبان سے برائی کرے اور لمزہ وہ جو افعال
سے یعنی اعضاء کے اشاروں سے اور سب اقوال کا مطلب ایک ہی ہے یعنی طعن اور اظہار عیب کسیکی دل آزاری اور
بے عزتی کرنا۔ چغل خوری اور دو میں لڑائی کرا دینا اور ایک کی بات دوسرے سے کہکر رنج پیدا کر دینا اور نقلیں کرنا اور آوازہ کھینچنا اور قہقہے
اوڑانا اور آوازیں نکالنا سب اسمیں آگئے۔ افسوس آج کل یہ کفار کی عادت مسلمانوں میں رواج پاگئی ایسی کوئی مجلس نہ دیکھوگے
کہ جس میں دوسرے پر طعن و تشنیع نہو اور امیروں کے ہنسانے اور خوش کرنے کیلیئے لچوں شہدوں نے اپنا وطیرہ کر لیا ہے بلکہ وعظ و
سپیچ میں بھی ایک دوسرے پر آوازہ کھینچتا ہے الا ماشاء اللہ اسی لئے صلحاء نے مخالطت و مجالست عامہ کو ترک کر دیا اور اب تو یہ خرافات
لکھی بھی جاتی ہے ایسے ایسے رسائل شائع ہوتے ہیں کہ جنہیں ایک دوسرے پر لعن و طعن کرتا ہے کوئی لفظ سخیف اٹھا نہیں رکھتا اور
اخباروں میں تو روزمرہ یہی دیکھنے میں آتا ہے اور پنج اخبار تو اسکا بیڑہ اٹھائے ہوئے ہیں اور اسپر فخر کرتے ہیں ہائے ہائے اہل اسلام
کے عادات و خصائل حمیدہ کہاں چلے گئے۔ بزرگان دین نے عمر بھر بھی کسیکی غیبت نہیں کی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرمایا
کرتے تھے کہ قیامت میں مجھ سے غیبت کی بابت مواخذہ نہوگا میں نے کسی کی غیبت عمر بھر نہیں کی۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا ہے کہ خرابی ہے اسکی کہ جو لوگوں کے ہنسانے کو جھوٹی باتیں بیان کرتا ہے خرابی ہے اس کی خرابی ہے اس کی رواہ احمد

والترمذی وابوداؤد والدارمی) عقبہ بن عامر کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ملا اور پوچھا کہ حضرت نجات کا رستہ بتائیے
آپ نے فرمایا کہ اپنی زبان کو بند کر اور گھر میں بیٹھ اور اپنے گناہوں پر رویا کر (رواہ احمد والترمذی) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کہ مومن نہ طعنہ باز ہے نہ لعنت کرنے والا ہے نہ فحش بکنے والا ہے نہ بے حیائی کرنے والا ہے (رواہ الترمذی)
یعنے ایمان کی شان نہیں کہ وہ لوگوں کو برا کہا کرے فحش بکے گالیاں دیا کرے رنگا لچا بنجائے جو منہ میں آوے
بک دیا کرے اور اسکو آزادگی سمجھے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جانتے ہو کیا ہو غیبت (بدگوئی)
لوگوں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی خوب جانتا ہے۔ فرمایا اپنے بھائی کی ایسی بات ذکر کرنی جو اسکو بری معلوم
ہو کسی نے عرض کیا کہ اگر درحقیقت اس میں وہ عیب ہو تو بھی غیبت ہے؟ فرمایا اگر عیب ہے اور تو نے بیان کیا تب ہی تو
غیبت ہے ورنہ وہ تو بہتان ہے (رواہ مسلم) نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے بھائی کو اسکے عیب پر طعنہ زنی نہ کر
خدا اسپر رحم کرے گا تجھے اسی بلا میں مبتلا کرے گا (رواہ الترمذی) یہ ہے تہذیب اخلاق جس سے لوگ آج بالکل بیخبر
ہو رہے ہیں اور انگریزی روش کو تہذیب اخلاق سمجھ رہے ہیں۔

ہمزہ اور لمزہ فعلہ کے وزن پر ایک صیغہ ہے جو مبالغہ کے لیے عرب کی زبان میں مستعمل ہوتا ہے جیسا کہ ضحکۃ اسکو کہتے
ہیں جو بہت ہنسا کرے اس صیغہ کے لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس بدبخت کی یہ عادت ہوگئی اور اکثر
ایسی بیماری میں مبتلا ہوا کرتا ہے۔

غالباً اس خبیث عادت کا سبب کبر و تعلی ہوتا ہے جو اپنے آپ کو اس سے کہ جسکی بدگوئی کرتا ہے اچھا اور برتر سمجھتا ہے اور اس
غرور تعلی کے چند اسباب ہوتے ہیں حسن و جمال فخر آفت نسب و حسب علم و ہنر اور سب سے بڑھکر مال ہو یہ وہ نشہ ہے کہ انسان کو اندھا ہی
کر دیتا ہے اور افلاس میں تو سارے غرور خاک میں ملجایا کرتے ہیں اسلئے اب اسکے اس مایہ ناز کی حقیقت کھولتا ہے فقال الذی جمع
.... مالاً وعددہ کہ وہ جو مال جمع کرتا ہے۔ اور اسکو گن گن کر رکھتا ہے۔ اس گن گن کے رکھنے میں اشارہ ہے کہ وہ مال اسباب
خیر اور نیکی کی راہوں میں خرچ کرنے کیلئے جمع نہیں کرتا بلکہ دھر رکھنے کے لئے اور حوادث میں کام آنے کے لئے اس سے معلوم ہوا کہ
حرص اور حب مال اسکے دل پر غالب ہے اور یہی تمام گناہوں کی جڑ ہے۔ یوں مال فی نفسہ برا نہیں نہ اسکا جمع کرنا بشرطیکہ جائز طریق
سے حقوق بھی ادا کئے جاویں۔ زکوٰۃ غربا کے ساتھ صلہ رحمی دینی کاموں میں تائید کیجاوے برائی اسی قسم کے مال جمع کرنے
کی ہے کہ جسکا ذکر ہوا۔ اور جس بخیل مالدار سے پوچھئے گا کہ یہ کس لئے جمع کیا ہے تو یہی کہے گا کہ وقت پر کام آئیگا اس بات
کو رد کرتا ہے فقال یحسب ان مالہ اخلدہ کہ کیا وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال اسکو ہمیشہ رکھے گا موت سے بچالے گا۔ آسمانی مصائب
کو ٹالدیگا تغیرات جسم کو روک دے گا۔ اگر یہ نہیں سمجھتا تو پھر یہ بخل یہ تکبر کس لئے۔ آخر ایک روز خاک میں ملجانا ہوگا سب سامان یہیں رہجاویگا اسلئے
فرمادیا کلا کہ ہرگز ایسا نہیں جو تم نے سمجھ رکھا ہے کس لئے کہ کسی مالدار نے اپنی موت کو نہیں ٹالدیا ہے کوئی بڑھاپے کی مصیبت سے
نہیں بچا ہے۔ پھر جب دنیا میں ایسے موقعوں پر کام نہیں آیا تو کیا آخرت میں آوے گا؟ اسکا بھی جواب دیتا ہے لینبذن فی الحطمۃ کہ
آخرت میں آگ میں پھینکا جاویگا جو چورا چورا کر دینے والی ہے۔ یہ جملہ درحقیقت ویل کی تفسیر ہے حطمہ بھی فعلہ کے وزن پر ہے
حطم توڑنا حطمہ بہت توڑنے والی یہ جہنم کی آگ کی صفت بیان ہوئی جو اسکے اعمال بد کا نتیجہ ہے یہ بھی دنیا میں اپنی بداخلاقیوں سے

لوگوں کے دل توڑا کرتا تھا۔ آگ کا تسلط اولاً صورت پر ہوتا ہے کہ جلنے کے بعد صورت بگڑ جاتی ہے پھر گوشت و پوست پر نوبت پہونچتی ہے پھر ہڈیوں کو توڑتی ہے جہاں یہ مال کچھ بھی فائدہ نہیں دیتا اسقدر اوصاف میں دنیاوی آگ بھی شریک تھی لیکن آتش الٰہی ان سے تاثیر میں بالاتر ہے اس لئے کسیقدر اسکے حالات ظاہر کرنے کے لئے بطریق سوال و جواب کے ذکر کرتا ہے تاکہ اس عالم کی آتش کی حقیقت معلوم ہو جاوے۔ فقال وما ادرٰک ما الحطمۃ کہ تو اے مخاطب کیا جانے کیا ہے وہ حطمہ ؟ یعنی اسکی شناخت حکماء و عقلاء کے فہم سے بالاتر ہے کس لئے کہ انکے نزدیک تو یہی چند اقسام آتش کے ہیں ایک تو یہی معمولی آگ عنصری یا کوکبی جیساکہ آفتاب اور بعض ستاروں کی حرارت یا بجلی کی حرارت یا اجسام کی باہم مصادمت اور حرکت کی حرارت یا مزاجی حرارت جیساکہ حیوانات میں زیادہ محسوس ہے اور خصوصاً انسان میں بخار کے وقت زیادہ محسوس ہوتی ہے لیکن یہ آتش ان سب قسموں سے ایک جداگانہ حرارت ہے پھر وہ کسی کی سمجھ میں کیونکر آسکتی ہے ؟ آپ ہی بیان فرماتا ہے، نار اللہ کہ وہ غضب الٰہی اور اس کے قہر کی آگ ہے الموقدۃ روشن کی گئی اور دہکائی گئی ہے بندوں کے گناہوں کے ایندھن سے اب اسکی ایک اور صفت بھی سنو التی تطلع علی الافئدۃ وہ یہ ہے کہ جو دلوں کو جھانکتی یا دلوں تک پہونچتی ہے یعنی اسکا ایک مخصوص صدمہ دل پر پہونچتا ہے کس لئے کہ دنیا میں لوگوں کے دلوں کو جلایا تھا دنیاوی آگ اول جسم پر اثر کرتی ہے اسکے بعد جو جسم میں ہے وہاں تک پہونچتی ہے برخلاف اس آتش قہر الٰہی کے کہ یہ اولاً دل پر پہونچتی ہے پھر جسم پر اثر کرتی ہے اس میں عذاب روحانی کیطرف اشارہ ہے جو جسمانی عذاب سے بدرجہا سخت تر ہے اور حکماء مرنے کے بعد اسی غم و الم کو جو افعال ناشائستہ پر ہوگا روحانی عذاب کہتے ہیں۔

دنیا میں اس آتش کے مشابہ بخار کی آتش ہے یا غم کی آتش ہے لیکن وہ دو وجہ سے کبھی ہلکی بھی ہو جاتی ہے اول سانس لینے سے کہ ٹھنڈی سانس باہر سے اندر جاوے اور گرم باہر آوے سو وہاں یہ بھی نہیں کس لئے کہ انہا علیہم موصدۃ وہ انپر سرپوش کی طرح بند کیجاوے گی ہر طرف سے احاطہ کئے ہوگی نہ اندر کی گرم سانس باہر نکلنے دیگی نہ باہر سے سرد سانس اندر آنے دیگی یعنی گھونٹ دیئے جاویں گے اور کبھی تڑپنے یا باہر پھرنے سے بخارات گرم پسینے میں نکل کر کسیقدر کمی ہو جاتی ہے باہر پھرنے سے کسیقدر غم غلط ہو جاتا ہے اور اسی لئے غمگین اور عشاق کو جنگلوں اور دریاؤں اور باغوں کی سیر مفید ہوا کرتی ہے سو وہاں یہ بھی نہ ہوگا کس لئے کہ فی عمد ممددۃ کہ وہ لوگ بڑے بڑے آتشیں ستونوں سے جکڑے ہوئے ہونگے ہل بھی نہ سکیں گے نہ ان ستونوں کو اکھیڑ سکیں گے۔

لینبذن فی الحطمۃ کے الفاظ سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ایسے خصائل بد کے سبب انسان انجام کار طبیعۃ عالیہ کی آگ میں ڈالا جاتا ہے جو روحانی آگ ہے غموم و ہموم دائمی میں جلا کرتا ہے۔ اور موصدۃ میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ ہر طرف سے محیط ہوتی ہے ابواب سرور ابدی بند کر دیئے جاتے ہیں اور بہیمیۃ و سبعیۃ اور شیطانیۃ اسپر غالب آجاتی ہے اور عمد ممددۃ سے طبائع عنصریہ کیطرف اشارہ ہے کہ جو آسمان تک بلند ہیں اور یہ ان کے سلاسل میں جکڑا ہوتا ہے

واللہ اعلم باسرار کلامہ

سورہ فیل مکیہ ہے اس میں پانچ آیت ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ ۝ أَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِي تَضْلِيلٍ ۝ وَأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيلَ ۝

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں سے کیا کیا کیا ان کا داؤ غلط نہیں کر دیا اور ان پر پرندوں کے غول بھیجدیئے

تَرْمِيهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّن سِجِّيلٍ ۝ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ ۝

جو ان پر کنکر یلی پتھریاں پھینک رہے تھے پھر تو ان کو آخور کی مانند بنا دیا

ع ۵ ب ۳

ترکیب

آ الہمزة للاستفہام التقریری لم تر اصلہ ترای حذفت الالف بالجازم والرویۃ قلبیۃ وانما عبر العلم بالرؤیۃ ایماءً الی ہذہ الواقعۃ بمنزلۃ المشاہد المحسوس وان مضت قبل ولادتہ صلعم نحو شہرین ولکنہا التواتر ہا کانت کالمحسوس المبصر کیف فعل ربک الخ ہذہ الجملۃ سدت مسد مفعولی ترای وکیف منصوب علی المصدریۃ او الحالیۃ واختار الاول ابن ہشام فی المغنی والمعنی ای فعل فعل الم یجعل الاستفہام للتقریر کانہ قال قد جعل کیدہم فی تضلیل والکید ارادۃ المضرۃ بالغیر بالخفیۃ وارسل عطف علی الم یجعل طیرا اسم جنس یذکر ویونث مفعول ارسل ابابیل نعت لطیر قیل جمع ابول بکسر الہمزۃ مثل عجول وقیل جمع ابیل کسکین وقیل جمع ابالۃ وقال الفراء لا واحد لہ من لفظہ مثل الشماطیط والعبادید واصلہ من الأبل قال ابو عبیدہ ابابیل جماعۃ فی تفرقۃ یقال جاءت الخیل ابابیل من ہہنا وہہنا ای اقاطیع یتبع بعضہا بعضا کالابل المؤبلۃ ترمیہم قرء الجمہور بالفوقیۃ وقرء بالتحتیۃ والضمیر فی الحالین الی الطیر لانہ اسم جنس یذکر ویونث وقیل الضمیر فی القراءۃ الثانیہ لربک عز وجل والجملۃ فی محل نصب صفۃ اخری لطیر سجیل قال الزجاج مشتق من السجل ای مما کتب علیہم العذاب وقیل معرب من سنگ گل وہی حجارۃ من طین طبخت بالنار وقیل السجیل الشدید وقال عبدالرحمٰن بن ابزی من السماء وقیل من سجین ثم ابدلت النون کعصف عصف برگ کشت قولہ تعالیٰ کعصف ماکول صراح۔ وعصیفہ وعصافہ بمعناہ۔

تفسیر

یہ سورہ بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی ابن عباسؓ کا بھی یہی قول ہے اسکی پانچ آیت ہیں اور اسمیں فیل کا اول ذکر ہے اسلئے اسکو سورۂ فیل کہتے ہیں ربط اس کا سورہ ہمزہ سے یہ ہے کہ اس سورۃ میں انسان کے چند اخلاق رذیلہ بیان فرما کر ان کی سزا اخروی بھی بیان فرمادی تھی اس سورہ میں دنیاوی سزا کا ذکر ہے۔ بیشتر قریش مکہ میں اخلاق رذیلہ تھے جن سے آنحضرت صلعم اور مسلمانوں کو ایذا پہونچتی تھی اور ان منکرین قیامت کو عذاب آخرت کی تو کچھ پروا نہ تھی اسلئے اب اس سورہ میں انکو ایک ایسے واقعہ ہولناک کو یاد دلا کر جو انکے سامنے گزرا ہے تنبیہ کیا جاتا ہے کہ جب ہمنے خانہ کعبہ کے ڈہانے والے کی دنیا میں یہ سرکوبی کی حالانکہ وہ بڑا لشکر لیکر آیا تھا تو جو اس گھر کو شکستہ کرنا چاہیگا جو اللہ کا گھر ہے یعنی اہل اللہ کا دل تو وہ کیونکر ہمارے عذاب سے محفوظ رہ سکتا ہے دنیا ہی میں اسکی سرکوبی ہوگی جو یاد کریگا چنانچہ چند مدت کے بعد ان بدبختوں پر طرح طرح کے مصائب

[illegible]

کی برکت سے قریش اس آفت سے بچے جو ابرہہ اشرم انپر لانیوالا تھا تو پھر مکہ میں رہکر اسکے ساتھ یہ بدسلوکی اور یہ ظلم و ستم وحشیانہ کہ جس کی برکت سے مکہ محفوظ رہا بڑی سزا کا مستوجب ہے۔

اصحاب فیل کا واقعہ

اور یہ واقعہ جس سال گزرا ہو اسی سال میں ایک مہینہ پچیس روز کے بعد آنحضرت صلعم پیدا ہوئے یہ بھی آنحضرت صلعم کا ایک معجزہ ہے جسکو ارہاص کہتے ہیں فرماتا ہے الم تر کیف فعل ربک باصحاب الفیل کہ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں سے کیا کیا۔ وہ کون لوگ تھے؟ ابرہہ اشرم یمن کا بادشاہ حبشی جو نجاشی شاہ حبش کا نائب تھا اور اس کے لشکر والے حبش والے حبش میں بھی ہندوستان کی طرح ہاتھی پیدا ہوتے ہیں۔ اس بادشاہ کے پاس بہت سے ہاتھی تھے۔ اور مختصراً اس واقعہ کی کیفیت یہ ہے کہ یمن کے ملک میں جب وہاں کا بادشاہ ذونواس قوم حمیر کا اخیر بادشاہ تھا یہودی ہوگیا اور بہت کو یہودی کرڈالا اور اس نے اسی تعصب میں آکر نجران کے عیسائیوں کو جو اس وقت ٹھیک مذہب عیسوی پر تھے ناحق ظلم سے مارا۔ خندق کہدوا کر ان میں آگ جلائی اور ان مسکینوں کو پکڑ پکڑ کر اس میں ڈالا جس کا ذکر سورۂ والسماء ذات البروج میں ہے تو ان عیسائیوں میں سے کچھ لوگ جلی ہوئی انجیل لیکر قیصر روم پاس فریادی پہونچے کیونکہ وہ بھی عیسائی تھا اس نے نجاشی حبش کے بادشاہ کو جو اسکا تابع اور عیسائی تھا مدد کرنے کو لکھا نجاشی نے ابرہہ کو ایک لشکر دیکر یمن کو بہیجا اس نے ذونواس اور اس کی سلطنت کو برباد کیا اور آپ یمن کا بادشاہ بن گیا یہ بڑا بدذات اور شہوت پرست اور کمینہ خصلت شخص تھا اس نے کعبہ کی رونق گھٹانے کے لئے اپنے پایۂ سلطنت شہر صنعا میں ایک کنیسہ بنایا اور اس کی بڑی تیاری کی اور عرب کے لوگوں کو حج کعبہ سے جو ان میں حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کے عہد سے ایک عبادت کا دستور چلا آتا تھا روکا اور طرح طرح کا تشدد کرنا شروع کیا اور حکم دیا کہ میرے کنیسہ کا حج کیا کریں مگر لوگوں کے دل تو خدا کے ہاتھ میں ہیں مقبولیت اسی کی طرف سے عطا ہوتی ہے کون مانتا تھا اس وجہ سے اسکو خانہ کعبہ اور شہر مکہ اور وہاں کے لوگوں سے عداوت قلبی پیدا ہوگئی مگر اس دبی ہوئی آگ کے ابھارنے کا یہ سبب ہوگیا کہ اس کنیسہ کے جاروب کش نے اس میں رات کو پاخانہ پھر کر اس کو جابجا سے گندہ کر دیا اور بھاگ گیا۔ معلوم ہوا کہ یہ مکہ کا رہنے والا تھا اس نے عداوت سے یہ کام کیا ہے۔ پھر چند روز کے بعد اس کنیسہ میں کسی سبب سے آگ لگ گئی اور جلکر خراب ہوگیا جس سے لوگوں کی نظروں میں اور بھی اسکی بے وقعتی ہوگئی۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ آگ بھی مکہ کے لوگوں کے لگائی ہے اب تو اسکو غصہ آگیا اور ایک لشکر جرار لیا جس میں ہاتھی بھی تھے اور بڑے ہاتھی کا نام محمود تھا مکہ کی طرف کعبہ ڈہانے کے لئے چلا اور دل میں یہ داؤ بھی تھا کہ صرف کعبہ کا ڈہانا مشہور کروں تاکہ لوگ نہ بھاگیں انکو امن کا اشتہار دیدیا تھا اور جب وہ اسکو ملیں تو زن و فرزند صغیر و کبیر سب کو قتل کروں جب وہ مکہ کے پانچ چار کوس قریب آگیا۔ اور مکہ کے لوگ ڈرکر بھاگ گئے صرف عبدالمطلب آنحضرت صلعم کے دادا رہ گئے تھے اور وادی محسر میں یا بقول ابن عباس صفاح میں ڈیرا کر دیا تو اسکے پاس عبدالمطلب آئے تعظیم سے بٹھایا اور پوچھا کیا چاہتا ہے کہا میرے اونٹ تیرے لشکریوں نے پکڑ لئے ہیں وہ دلا دو اسنے تعجب سے کہا کہ اونٹوں کی فکر کی کعبہ کے لئے تو نے کچھ نہ کہا۔ عبدالمطلب نے کہا اونٹ میرے تھے

گرجا ۱۲

مجھے انکی فکر ہے۔ اور یہ تو اللہ کا گھر ہے جو سب پر غالب ہے اسکی وہ آپ تدبیر کرے گا۔ اور رستہ میں بھی بہت کچھ عربوں نے منت وزاری کی تھی کہ تو یہ نہ کر مگر وہ کب مانتا تھا آخر دہا دے کا حکم دیا اور ہاتھیوں کو ڈہانے کے لئے آگے کیا ہرچند فیل بان مارتے تھے وہ آگے قدم نہ بڑہاتے تھے۔ اسی میں تھے کہ جدہ شہر کی طرف سے جو سمندر کے کنارہ پر ہے بڑے بڑے سبز جانور بعض کہتے ہیں سیاہ تھے جو کبھی پہلے دیکھے نہ گئے نہ بعد میں بڑی چونچ اور پنجوں والے پرے کے پرے نمودار ہوئے ایک ٹکڑی کے بعد دوسری ٹکڑی آتی تھی دو کنکریاں انکے پنجوں میں اور ایک چونچ میں تھی پھر اس لشکر میں سے جسپر پڑتی تھی خواہ انسان خواہ حیوان سر سے نیچے تک نکل جاتی تھی سبکو غارت کر دیا اور قریش مکہ ادہر اودہر پہاڑوں میں چھپے ہوئے یہ واقعہ آنکھ سے دیکھ رہے تھے چنانچہ بہت لوگ اس سورۃ کے نازل ہونے کے وقت اس واقعہ کے دیکھنے والے مکہ میں موجود تھے اور ان کنکریوں میں سے بعض کنکریاں بعض صحابہ کے پاس بھی تھیں۔

یہ بات کہ ابرہہ کے بعد یمن کا کون حاکم ہوا ہم تاریخ عرب میں بتلا دینگے اور یمن عرب میں کس حصہ کا نام ہے اسکو جغرافیہ عرب میں ذکر کرینگے اس واقعہ کا جو قریش پر نعمت[له] اور عبرت خیز تھا خدا پاک اس سورہ میں ذکر فرماتا ہے فقال الم یجعل کیدہم فی تضلیل کہ کیا اسنے انکے داؤ کو غلط نہیں کر دیا؟ ضرور کر دیا جو انہوں نے چاہا تھا اور جو انکے دلوں میں تھا وہ حسرتیں ساتھ لیکر جہنم کو گئے یہ جملہ کیف فعل کی تفسیر ہے پھر اور تفسیر کرتا ہے وارسل علیہم طیرا ابابیل اور انپر پرندے بہیجے جوق جوق۔ لفظ ابابیل جمع ہے جسکے مفرد میں اختلاف کوئی ابابیل کوئی ابول کوئی ابالہ کہتا ہے۔ بعض کہتے ہیں اسکا مفرد اس لفظ سے نہیں آیا اور اسکے معنے ہیں جوق جوق یا پرے کے پرے مگر لفظ ابابیل سے یہ چھوٹا جانور جسکو عرب میں ابابیل کہتے ہیں سمجھ لینا بڑی غلطی ہے یہ جانور سمندر میں سے اٹھے تھے اور عجب جانور تھے پھر ان پرندوں نے جو کچھ کیا اسکو بیان فرماتا ہے ترمیہم بحجارۃ من سجیل انپر پتھریاں پھینکتے تھے اور پتھریاں کاہے کی تھیں؟ پختہ ف لفظ سجیل میں جو اسجگہ وارد ہے مفسرین کے متعدد اقوال ہیں (۱) بعض کہتے ہیں یہ سنگ گل کا معرب ہے اور سنگ گل وہ ہے جو پزاوے میں مٹی پک کر پتھر بنجاوے جسکو کھنگر یا جھانوہ کہتے ہیں (۲) بعض کہتے ہیں اصل میں سجین تھا یہاں لام سے بدل گیا جسمیں اشارہ ہے کہ وہ پتھریاں اور کنکر کچھ معمولی کنکر نہ تھی بلکہ عالم غیب میں سو اس طبقہ کے کہ جہاں ارواح کفار کو عذاب دیا جاتا ہے ان کنکریوں کی یہ تاثیر تھی کہ جسپر پڑتی تھیں پار نکل جاتی تھیں پھر وہاں کی اور چیزوں میں کیا کچھ تاثیر نہوگی معاذ اللہ (۳) بعض کہتے ہیں سجل سے مشتق ہے جسکے معنی لکھنے کے ہیں یا لکھی ہوئی چیز یا دفتر کے جس میں اشارہ ہے کہ وہ کنکریاں ازل میں ان بدبختوں کیلئے لکھی ہوئی تھی۔ اور یہ انکے لئے غیب کے پروانے یا وارنٹ تھے ہر کنکری پر بخط غیب جسکو اس جہان کے لوگ پڑھ نہیں سکتے لکھا ہوا تھا کہ یہ فلاں بن فلاں کے لئے ہے پھر جب سیسہ کی گولی بارود کے زور سے انسان اور حیوان میں سے پار نکل جاتی ہو تو کیا عالم غیب کی گرمی جو قہر الہی کی بارود تھی اسکے زور سے ان کنکریوں کا اصحاب فیل میں سے پار نکل جانا کوئی محال بات ہے؟ اس سے بڑھ بڑھ کر ہزاروں اسکی قدرت اور کمال کے کرشمے دیکھے جاتے ہیں اور پہلے دیکھے گئے اور آیندہ دیکھے جاوینگے اور پر کوئی تو ایسی گرم بہٹی قدرت کی ہے کہ جسکی چنگاریاں کبھی کبھی زمین پر گرا کرتی ہیں۔

مورخین حال نے بارہا ایسے واقعات نقل کئے ہیں کہ فلاں موضع میں اوپر سے ایک آتشیں گولہ پڑا جسکی ہیبت ناک آواز تھی اور گز دو گز زمین میں گھس گیا اور بہت کو جلا دیا پھر ٹھنڈا ہونے کے بعد جو نکالا گیا تو ایسا سخت لوہا تھا کہ بمشکل گرم ہوتا تھا وغیر ذلک۔

[له] اسلئے کہ قریش کی جان ومال و آبرو محفوظ رہی اور ان مردوں کے مال ہاتھ لگے جس سے اہل مکہ مالدار ہوگئے اور اس مال سے تجارت کیا کرتے تھے جس کا ذکر سورہ قریش میں آتا ہے ۱۲ منہ

اگر ہم ایسے ایسے واقعات یا ان سے بھی بڑھکر حیرت ناک ان واقعات کی تفصیل لکھیں جو حال کے جرائد اور اخبارات میں درج ہیں تو ایک مجلد کتاب تیار ہو جاوے اور جو ہمسے پہلے گزرے ہیں اور مورخوں نے چشمدید لکھے ہیں وہ بھی ملائے جائیں تو کئی جلدیں تیار ہو جاویں پھر ان سب کو غلط بتانا اور اسی دہریت سڑے بسے تراشیدہ نیچر کے اصول پر واقعات کا انکار کرنا خلاف بداہت ہے سب سے بڑی بات یہ ہے کہ قریش مکہ آنحضرت صلعم کی تکذیب کے لئے ادنے ادنے باتوں کی تلاش میں تھے پھر اگر یہ واقعہ غلط ہوتا تو آپ اسکو انہیں اہل مکہ کے روبرو کہ جس شہر کا یہ واقعہ ہے اور جس واقعہ کے دیکھنے والے بھی موجود ہیں۔ بیان کرتے ؟ ہرگز نہیں اور بیان کرنے سے آپ پر کیا کیا دروغگوئی اور ابطال نبوت کے الزام قایم ہوتے پھر جب ابوجہل اور اور ولید بن المغیرہ اور امیۃ بن خلف جیسے معاندین نے بھی بجز تسلیم کے چارہ نہ دیکھا تو اب انسے کوئی بڑھکر منکر پیدا ہو گیا ہے جو انکار کرتا ہے اور انکار بھی محض بے دلیل اور دلیل بھی ہے تو یہ کہ نیچر کے خلاف ہے یا ہماری سمجھ میں نہیں آتا اور پھر اس وجہ سے اسکی تاویل کرے اور چیچک نکلنا بتلا دے ۔عقلمند کی شان سے بعید ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ ان کا انجام کار ان پرندوں کے سبب سے خدائے قہار و جبار نے کیا کیا؟ اسکو آپ ہی بیان فرماتا ہے فقال فجعلھم کعصف ماکول کہ انکو بھس یا آخور جیسا چورا چورا کر دیا۔ عصف گھاس یا اناج کے پیڑوں کے پتے اور پتے جوار باجرا گیہوں وغیرہ کے جب انکو جانور کھاتا ہے تو پیچھے بچا ہوا آخور چورا چورا ہو جاتا ہے یا ماکول باعتبار مایؤل کے فرمایا کہ کھایا جاویگا کھانے کے لئے تیار ہے جسکو بھس کہتے ہیں یا حقیقت پر محمول ہے پھر اسکے دو معنی یا تو جو کھانے سے بچا ہوا آخور یا جو کھا کر لید کر دیتے ہیں اور گدھے گھوڑے کی لید میں چورا چورا ہو کر نکلتا ہے اسکو بھی عصف ماکول کہہ سکتے ہیں ہر ایک سے تشبیہ درست ہو سکتی ہے۔

غرض اس تشبیہ سے یہ ہے کہ ان کنکریوں میں سمیت بھی ایسی تھی کہ لگتے ہی جسم میں جا بجا آبلے پڑ جاتے تھے اور ورم کر آتا تھا اور شکل بھی بدل جاتی تھی اور چورا چورا ہو جاتا تھا۔ شاید اس بات سے اس مادل نے اس واقعہ کو چیچک نکلنے پر محمول کیا ہے یہ اسکی غلط فہمی ہے واقعہ ٹھیک یوں ہے کہ جس طرح ہمنے بیان کیا اور جو قرآن مجید کے ظاہر الفاظ سے سمجھا جاتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ان کنکریوں میں جو زہر اور قہر کی بجھی ہوئی تھیں یہ تاثیر تھی کہ جسپر پڑتی تھیں اسکے بدن پر آبلے پڑ جاتے تھے اور ورم ہو کر صورت بھی بگڑ جاتی تھی چنانچہ اسی بات کو امام رازی نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں روی عن عکرمۃ عن ابن عباس قال لما ارسل اللہ الحجارۃ علی اصحاب الفیل لم یقع حجر علی احد منھم الا نفط جلدہ وثار بہ الجدری وھو قول سعید بن جبیر انتہی۔ خوش فہم مادل نے اسی بات کو اصحاب الفیل کی مصیبت سمجھ لیا کہ بس چیچک نکلی تھی اور پرندوں نے کنکریاں کچھ نہ پھینکی تھیں چیچک نکلنے کو استعارہ کے طور پر بیان کیا ہے۔

فوائد

(فوائد)

ف اصحاب الفیل کہا ارباب الفیل نفرمایا یہمیں نکتہ ہے وہ یہ کہ چیز کو اعلے کیطرف لفظ اصحاب سے منسوب کرتے ہیں اسلئے حضرت کے دوستوںکو اصحاب محمد صلعم کہتے ہیں نہ آپکو انکا۔ یہمیں اشارہ ہے کہ ان احمقوں پر بہیمیت غالب تھی اور ہاتھی کیطرح سیاہ باطن و سیاہ ظاہر تھے ہاتھی سے بھی کمتر عقل رکھتے تھے۔

ف ۲ فیل ہاتھی اسکی جمع افیال وفیلۃ ہے جمع کا صیغہ اسلئے نہیں آیا کہ گو اسوقت انکے پاس تیرہ ہاتھی تھے مگر بڑا ہاتھی محمود تھا جو کعبہ کیطرف نہیں جاتا تھا اسلئے اسیکا اعتبار کر کے مفرد لفظ آیا۔ اور نیز یہ اسم جنس بھی ہے سبکو شامل ہے اور یہمیں آیات کے فواصل کی بھی رعایت ہے۔ وللہ الحمد حمدًا کثیرًا۔

سُورَةُ قُرَيْشٍ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اَرْبَعُ اٰيَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ۝ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ۝ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۝ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ

قریش کے شوق کے لئے۔ انکو جو سردی و گرمی کے سفر کا شوق ہے پھر تو اسی گھر کے رب کی عبادت کیا کریں۔ جس نے ان کو بھوک میں کھانا

جُوْعٍ ۝ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝

کھلایا اور ان کو خوف میں امن دیا

ترکیب

لایلاف قریش بما یتعلق اللام فیہ وجوہ (۱) انہا تتعلق بما قبلہا (۲) متعلقۃ بما بعدہا (۳) لا یتعلق بشئ ہی لام التعجب کما فی قولہم لزید وما صنعنا بہ اے اعجبوا من شان زید ومعنی الآیۃ اعجبوا لایلاف قریش وہذا قول الاخفش والکسائی۔ علی الاول ہی تتعلق بجعل والتقدیر جعلہم کعصف ماکول لایلف قریش لبقاءہم ورحلتہم فی الاسفار۔ وہو قول الزجاج وابی عبیدۃ۔ او متعلقۃ بفعل اے فعل ربک باصحاب الفیل لایلاف قریش اے کل ما فعلنا باصحاب الفیل فقد فعلناہ بخاطر القریش او ہی بمعنی الی ویتعلق بفعل کانہ قال فعلنا کل ما فعلنا فی السورۃ المتقدمۃ الی نعمۃ اخری علیہم وہی ایلافہم رحلۃ الشتاء والصیف تقول نعمۃ الی نعمۃ ہذا قول الفراء۔ وعلی القول الثانی ہی تتعلق بقولہ فلیعبدوا وہو قول الخلیل وسیبویہ والتقدیر فلیعبد وارب ہذا البیت لایلاف قریش اے لیجعلوا عبادتہم شکرا لہذہ النعمۃ ودخول فاء فی فلیعبدوا لا یمنع ذلک وفی الایلاف ثلثۃ اوجہ احدہا ان الایلاف بمعنی الالف یقال الفت الشئ والفتہ الفا الافا۔ ایلافا بمعنی واحد وقرء ابو جعفر لالف قریش بغیر الیاء۔ والآخرون لایلاف بیاء۔ وقرء عکرمۃ لیلاف قریش۔ والثانی یکون بمعنی اثبات الالفۃ بالتدبیر الذی فیہ لطف والمعنی ان ہذہ الالفۃ فی قریش انما حصلت بتدبیر اللہ تعالی وہو انہ اہلک اصحاب الفیل فحصل المسرۃ وعند المسرۃ یقع الاتفاق والموانسۃ فالمصدر مضاف الی المفعول والثالث ان یکون الایلاف بمعنی التہیۃ والتجہیز وہو قول الفراء وابن الاعرابی والمعنی لتجہیز قریش رحلتہا فالمصدر مضاف الی الفاعل وقریش ہم بنو النضر بن کنانۃ بن خزیمۃ بن مدرکۃ بن الیاس بن مضر۔ وقیل ان قریشا بنو فہر بن مالک بن النضر۔ وقریش منصرف ان ارید بہ الحی وغیر منصرف ان ارید بہ القبیلۃ۔ وہو تصغیر القرش۔ وفی القرش اقوال قیل دابۃ فی البحر تعبث بالسفن ولا تتطلق الا بالنار وسمیت قریش بہا لشجاعتہم۔ وقیل انہ ماخوذ من القرش وہو الکسب لانہم کانوا کاسبین بتجاراتہم وضربہم فی البلاد وقیل کانوا متفرقین فجمعہم قصی بن کلاب فی الحرم حتے اتخذوہا سکنا فسموا قریشا۔ لان التقرش ہو التجمع۔ من الکبیر۔

الافہم تاکید لفظی وقیل بدل رحلۃ الشتاء منصوبۃ علی المفعولیۃ وقیل علی الظرفیۃ۔

تفسیر

یہ سورہ بھی جمہور کے نزدیک مکہ معظمہ میں نازل ہوئی ہے۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے مگر ضحاک و کلبی یہ کہتے ہیں کہ

الذی طہ میں نازل ہوئی۔ یہ وہم ہے قول اول صحیح ہے اس میں قریش کا ذکر ہے اسلئے اس کو سورہ قریش کہتے ہیں اور اس
اسمیں چار آیت ہیں۔
ربط اس کا سورہ فیل سے یہ ہے کہ سورہ فیل میں قریش پر اپنی نعمت کا اظہار کیا تھا کہ ہمنے اصحاب الفیل کو جو اس گھر کو
ڈھانے آئے تھے۔ انکو اس گھر کی برکت سے غارت کر دیا اور تمکو ان سے بچا لیا اور انکے مال سے مالا مال کر دیا جو تمہاری گرمی اور
سردی میں سرد اور گرم ملکوں میں تجارت کی طرف رغبت کا باعث ہوا اب اس سورہ میں بتلاتا ہے کہ تم پر ہمارا یہ انعام ہوا اب تمکو
چاہئے کہ اس گھر کے رب کی عبادت کرو نہ چھوٹے معبودوں کی اور منجملہ عبادت کے یہ بھی ہے کہ جس کو اس گھر کے ربنے تمہاری
اور تمام عالم کی صلاح کے لئے بھیجا ہے اسکے کہنے پر عمل کرو اور اسکے یار و مددگار بنکر جس طرح دنیا کمانے کے لئے سفر
کیا کرتے ہو دین پھیلانے کے لئے سفر کرو اب یہ دوسری تجارت تمہیں بتلائی جاتی ہے۔

واضح ہو

کہ قریش عرب کے اس قبیلہ کا نام ہے جو نضر بن کنانہ کی اولاد ہے اسی قبیلہ میں سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی ہیں کیونکہ نضر
بن کنانہ کی تیرہویں پشت میں ہیں۔ آپ کا نسب نامہ یہ ہے۔ محمد صلے اللہ علیہ وسلم بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم
بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ۔ پھر آگے چلکر یہ نسب نامہ
حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام میں جا ملتا ہے۔ یہ قبیلہ قریش مکہ میں رہا کرتا تھا۔ اور خانہ کعبہ کی خدمت اور زمزم
کی حفاظت انہیں کے سپرد تھی اس لئے تمام قبائل عرب ان کی عزت و حرمت کرتے تھے اور جب یہ لوگ باہر جاتے تو خادم کعبہ
سمجھکر لوگ انکے ساتھ سلوک کیا کرتے تھے۔ پہلے یہ ملت ابراہیمیہ پر تھے مگر عرصہ سے ان میں بھی بت پرستی آگئی تھی اور جو تاریکی
تمام عرب بلکہ اس وقت دنیا پر چھائی ہوئی تھی انپر بھی چھا گئی تھی اور جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا اور آپنے
بت پرستی کی برائی بیان کرنی شروع کی تو یہی لوگ دشمن ہو گئے۔ ابو جہل۔ امیہ بن خلف ولید بن مغیرہ وغیرہ۔ قریش کے سردار
سخت دشمنی کرنے لگے مگر بعد میں بہت ایمان لائے اور قریش میں سے بڑے بڑے نامور صحابہ ہوئے۔ چاروں خلفا قریش
ہی تھے اور اسلام کے شائع کرنے میں قریش کی عادت سفر بڑی کارگر ہوئی اس لئے چند روز میں اندلس سے چین تک
اسلام پھیل گیا۔ قریش تصغیر ہے قرش کی جسکی معنے میں متعدد اقوال ہیں (۱) یہ کہ قرش ایک سمندر کا سخت اور بہادر جانور ہے
چونکہ قریش کا قبیلہ بھی بہادر تھا اس لئے انکو قریش کہنے لگے (۲) تقرش کے معنی ہیں جمع کرنے کے چونکہ قصی بن کلاب نے ان
متفرق قوم کو مکہ میں جمع کیا تھا اس لئے ان کو قریش کہتے تھے۔ اور جمعیت و اتفاق بھی ان میں بہ نسبت اور قوموں کے زیادہ
تھا (۳) یہ کہ قرش کے معنے کسب کے بھی ہیں چونکہ یہ لوگ تجارت سے کسب کرتے اور کما کر کھاتے تھے لوٹ مار کم کرتے
تھے اس لئے ان کو قریش کہنے لگے۔ اسلام میں اس قبیلہ کی بسبب ان کے مساعی جمیلہ کے اور بسبب قرابت نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کے فضیلت ہے۔

قریش کی تحقیق

فرماتا ہے

لایلاف قریش کہ ہمنے[1] یہ جو کچھ اصحاب فیل سے کیا قریش کے الفت دلانے کے لئے کیا کہ انکو اس گھر کے رب کی الفت
تاکہ وہ اسکا یہ انعام وافضال خیال کرکے اس گھر کے رب کی عبادت کریں۔ یا یہ معنی کہ عجب ہے کہ قریش کی الفت جو سردی اور
گرمی کے سفر کے لئے تجارت یمن اور شام کے واسطے ہے۔ یعنی انکو اسکی عجب الفت ہے حالانکہ یہ سردی میں یمن کو
جانا جو گرم ملک ہے اور گرمی میں شام کو جانا جو سرد ملک ہے محض اسی گھر کی بدولت ہے جو اصحاب الفیل کے صدمہ
سے بچائے گئے اور انکا مال بھی ان کو ملا پھر تو الفت ہے مگر جس کا یہ طفیل ہے یعنی کعبہ کا جسکی وجہ سے لوگ باہر تعظیم بھی کرتے
ہیں اور دیتے بھی ہیں اس کی عبادت نہیں کرتے نہ اسکے رسول کو مانتے ہیں۔ پھر اس الفت قریش کی توضیح کرتا ہے فقال
ایلافہم رحلۃ الشتاء والصیف انکی رغبت جو سردی اور گرمی کے سفر کے لئے ہے سردی میں گرم ملکوں اور گرمی میں سرد ملکوں
میں تجارت کے لئے اور بادشاہوں اور امراء سے تحائف لینے جاتے ہیں۔ خداتعالیٰ نے اسلام سے پہلے ہی قریش
میں باہر ملکوں میں جانے اور سفر کرنے کا مادہ تیار کر رکھا تھا جو اسلام لانے کے بعد وہ اشاعت اسلام اور فتوحات
ملک میں بہت کام آیا۔

اور یہ تجربہ کی بات ہے کہ جو قومیں دور دراز سفر کرنے کی عادی ہوتی ہیں ان میں حوصلہ اور لیاقت بھی آجاتی ہے اور مالی ترقی بھی
ہوتی ہے ہر ایک قوم کے ملنے جلنے سے تبدل خیالات ہوتا ہے۔ اولوالعزمی پیدا ہوجاتی ہے خصوصاً تجارت کے ذریعہ سے آجکل
وہ قومیں جو پہلے خوار وذلیل تھیں علوم وفنون کی مالک ہوگئیں۔ سلطنت ہاتھ آگئی۔ صحابہ میں بھی اولوالعزمی تو تھی کہ لق ودق بیابانوں
اور خشک ریگستانوں اور پہاڑوں اور جنگلوں اور دریاؤں کو عبور کرتے ہوئے اُدہر مغرب میں بربر تک پہونچے افریقہ کے بیابان
کھنڈل ڈالے اُدہر مشرق میں عراق وایران وخراسان وترکستان کو طے کرتے ہوئے چین تک بلند اقبالی کے پھریرے
اوڑاتے ہوئے جا پہونچے۔ اس لایلاف قریش میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔ گو قریش کے ساتھ اور قومیں بھی
شریک تھیں مگر اور قومیں قریش کے تابع تھیں کس لئے کہ نبی علیہ السلام تھے۔ تو اسی قوم کے اور پھر خلفاء تھے تو اسی قوم
کے۔ جنکے حکم سے وہ یہ فتوحات حاصل کر رہے تھے اور اسلام نے قریش کے گھر میں جنم لیا تھا اس لئے غیرت وحمیت اسلامی اسلام
لانے کے بعد انہیں کوٹ کوٹ کر بھر دی گئی تھی اور قریش خون میں یہ اثر دیا تھا کہ اسلام کی ہتک اور قومی ذلت دیکھکر اسکو حرکت ہوتی
تھی اس لئے ائمہ بھی اسی قوم میں سے بنائے گئے اور قانون ہوگیا کہ اسی قوم کے ائمہ ہوں اور قرب قیامت جو مخالفوں کے جھنڈے
گرا دینے والا اور انکی جمعیت کو زیر و زبر کر دینے والا امام مہدی ظہور کرے گا وہ بھی قریش ہی ہوگا

اب ان مکہ کے جاہل اور مخالفین اسلام قریش کو اپنی نعمت جتلا کر فرماتا ہے فلیعبدوا رب ہذا البیت کہ اور کچھ نہیں تو اسی
گھر کے رب کی عبادت کریں اسی بات کو ملحوظ رکھیں۔ بت پرستی چھوڑ دیں۔ پھر اسکو بھی توضیح کرتا ہے فقال

سفر اور تجارت کے فوائد

[1] لایلاف کے تعلق میں دو قول ہیں اول یہ کہ لام جملہ گذشتہ کے کسی فعل فجعلنا وغیرہ سے متعلق ہے یعنی اصحاب فیل سے ہمنے جو کچھ کیا قریش کی الفت سفر کے لئے کیا جو گرمی
وسردی میں سفر کا شوق رکھتے ہیں یعنی اصحاب فیل کی ہلاکت قریش کی آزادی سفر کا باعث ہے یہ اسکی نعمت ہے دوسرا قول یہ کہ لام لیعبدوا سے متعلق ہو کہ قریش اپنے اس گرمی
جاڑے کے شوق سفر ہی کے سبب جو خدا نے اصحاب فیل کو غارت کر کے قائم رکھا اپنے اسی گھر کے مالک کو پوجا کریں تیسرا قول ایک اور بھی ہے وہ یہ کہ لام تعجب کا ہے جسکا باعتبار
ترجمہ یہ ہے قریش کے شوق سفر کو تو دیکھو کیسا ہے اور یہ اس گھر کی برکت ہے جو امن سے سفر کرتے ہیں الخ ۱۲ منہ

الذی اطعمہم من جوع و آمنہم من خوف کہ انکی بندگی کریں کہ جس نے ان کو بھوک میں کھانا کھلایا اور کھلاتا ہے اور خوف میں امن دیا مکہ کی سرزمین کھیتی کے قابل نہیں خشک پہاڑ یا ریگستان ہے جہاں کوئی سبز درخت بھی نظر نہیں آتا۔ نہ پانی کے چشمے نہ کوئی پیداوار ہے۔ پھر انکے لئے روزی کے کیا کیا سامان کئے۔ خانہ کعبہ کی عزت و حرمت سے دور دراز کے لوگ حج کو آتے ہیں اور پہلے بھی ہمیشہ سے آیا کرتے اور غلہ وغیرہ ہر قسم کی چیزیں لایا کرتے تھے اور نیز خود قریش کو بھی گرمی اور سردی میں سفر کرنے کا اور تجارت کے لئے جانے کا حوصلہ دیا جسکو ایلاف قریش میں بیان فرمایا پھر یہی تو بھوک میں کھانا دینا ہے۔ اور خوف میں امن دینا یہ ہے کہ عرب میں ہر جگہ مار دھاڑ تھی۔ قبائل آپس میں لڑا کرتے تھے برخلاف قریش کے کہ انکو کوئی نہیں چھیڑتا تھا محض کعبہ کی حرمت سے خصوصاً مکہ دارالامن تھا۔ اور قیامت تک رہیگا حرم مکہ میں جو اسکے ارد گرد کوسوں کی سرزمین ہے اگر اس جگہ کوئی اپنے باپ کے قاتل کو بھی پاتا تھا تو ہاتھ نہ اٹھاتا تھا اور نیز اصحاب الفیل کی طرح جو کوئی یہاں چڑھکر آیا غارت ہوا اور یہی وجہ ہے کہ آجتک کبھی کوئی دشمن کعبہ پر آکر فتحیاب نہیں ہوا نہ کسی جبار بادشاہ کا آج تک وہاں تسلط ہوا برخلاف اور معابد کے بیت المقدس ہی کو دیکھئے کہ کے بار اسکے مخالف اسپر چڑھکر آئے اور شہر کو منہدم کر گئے اور گلی کوچوں میں خون کی ندیاں بہا گئے۔ بخت نصر اور سیسق اور انٹیوکس اور رومی بادشاہوں نے کیا کیا آفتیں ڈھائیں مسجد کو جلایا اس کی گستاخی کی۔ تاریخ بیت المقدس کے دیکھنے سے ہمارے بیان کی تصدیق ہو سکتی ہے۔

سوال خود رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے روز مدینہ سے لشکر لے کر اس شہر پر چڑھکر آئے اور فتح پائی اور امن عام زائل کر دیا اور اسی طرح حجاج بن یوسف نے آگھیرا اور عبداللہ بن زبیر کو قتل کیا۔ اور کئی بار ایسے واقعات پیش آئے

اس کا **جواب** یہ ہے کہ یہ لوگ شہر مکہ اور خانہ کعبہ کی بے حرمتی کیلئے نہیں آئے تھے نہ ان کا مقصود یہ تھا بلکہ مجرموں کو سزا دینے آئے تھے۔ یہ اور بات ہے کہ وہ درحقیقت مجرم تھے جیسا کہ فتح مکہ کے وقت کفار تھے یا جیسا کہ بعد کے واقعات کے وقت۔ اور یوں تو اب بھی مکہ معظمہ میں مجرم سزا سے نہیں بچ سکتے مکہ کو دارالامن اسی معنی سے کہتے ہیں جو ہمنے بیان کئے اور نیز آیت پر تو یہ شبہ وارد ہی نہیں ہو سکتا کس لئے کہ آیت میں قریش معاصرین رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کیطرف خطاب ہے کہ ہمکو بھوک میں کھانا کھلایا جسکی صداقت کیلئے یہ بھی کافی ہے کہ قحط تھا بھوکے مرتے تھے ارزانی کی اور اصحاب الفیل کیوقت خوف تھا امن دیا۔

اس آیت میں کس لطف کے ساتھ مشرکوں کے جھوٹے معبودوں کی خدائی باطل کی ہے کس لئے کہ کم سے کم انسان کی دو حاجت ہیں بھوک میں کھانا اور امن سے رہنا پھر جس معبود سے ان دونوں کا کچھ بھی انصرام نہیں ہوتا وہ کیا خدائی کر سکتا ہے مگر مشرکین اسکو بھی نہیں سمجھتے۔ یوں ہی تقلیداً غیر اللہ کی عبادت کئے چلے جاتے ہیں انکے ناموں کی دہائی دیا کرتے ہیں۔ مصائب میں انہیں پکارا کرتے ہیں +

سُورَةُ مَاعُوْنَ مَكِّيَّةٌ هِيَ سَبْعُ اٰيَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَرَاَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۝ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۝ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝

تو نے اسکو بھی دیکھا جو جزا کا انکار کر رہا ہے۔ پھر وہ وہی تو ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور فقیر کو کھانا دینے کی ترغیب نہیں دلاتا

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝

پھر خرابی ہے ان نمازیوں کی جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں وہ جو ریا کاری کرتے ہیں۔ اور برتنے کی چیزیں نہیں دیتے۔

ترکیب

ا الہمزۃ للاستفہام لقصد التعجب رایت والرؤیۃ بمعنے المعرفۃ فتعدی الی مفعول واحد وہو الذی الخ وقیل بمعنی اخبرنی فتعدی الی مفعولین والثانی محذوف اے من ہو فذلک الخ الفاء جواب الشرط والتقدیر ان تاملتہ فذالک ویجوزان تکون عاطفۃ علی الذی یکذب اما عطف ذات علی ذات اوصفۃ علی صفۃ فعلے الاول ذلک مبتدء الذین یدع الخ خبرہ ولا یحض الخ عطف علی یدع وعلی الثانی فی محل النصب عطفاً علی الموصول الذی ہو فی محل نصب یدع یدفع یعنف ومنہ قولہ یدعون اے نار جہنم دعا فویل مبتدء للمصلین خبرہ والفاء لترتیب الدعاء علیہم بالویل الذین ہم بیان للمصلین وکذا ما بعدہ ویمنعون معطوف علی یراؤن و الماعون فاعول من المعن وہو الشئی القلیل یقال مال معن اے قلیل قالہ قطرب وقیل مفعول من عانہ یعینہ والاصل معوون محذفت احدی الواوین کمقول۔ والماعون اسم لما یتعاورہ الناس بینہم من الدلو والفاس والقدر

تفسیر

یہ سورہ بھی جمہور کے نزدیک مکہ میں نازل ہوئی۔ عطاء و جابر و ابن عباس کا بھی یہی قول ہے۔ اور قتادہ کہتے ہیں کہ مدینہ میں نازل ہوئی بعض کہتے ہیں نصف اول مکی ہے جو عاص بن وائل کی شان میں اور نصف مدنی ہے جو عبدالرحمن بن ابی منافق مدینہ کی شان میں نازل ہوئی قول اول قوی تر ہے۔ اور ماعون برتنے کی چیزوں کو کہتے ہیں اسمیں ماعون کے منع کرنیوالوں کی برائی ہے جو ادنیٰ مرتبہ احسان کا ہے اسلئے اسکو سورہ ماعون کہتے ہیں اس میں سات آیت ہیں۔

ربط اسکا سورۂ قریش سے یہ ہے کہ سورہ قریش میں خدا تعالیٰ نے اپنے انعام یاد دلا کر قریش کو اپنی عبادت اور رستی کیطرف رغبت دلائی تھی اس سورہ میں قریش کے وہ امراض روحانیہ بتلائے جاتے ہیں کہ جو مہلک ہیں اور خدا سے ملنے میں سد راہ ہیں

واضح ہو کہ

یہ سورہ تمام حکمت نظریہ اور عملیہ میں سے تہذیب اخلاق سیاست مدن تدبیر المنزل کا لب لباب ہے کس لئے کہ سب سے اول بات حکمت نظریہ کی اعتقاد درست کرنا ہے خصوصاً اس بات کا یقین کر لینا کہ انسان کے نیک و بد اعمال کی جزا و سزا ملتی ہے

ع ۳۲

لے یعنی سمجھتا ... جزا کا قائل نہیں ... یتیم پر رحم ... مسکین کو ... کھانا ... خدا کی ذات ... اسکو بھی نہیں ... اور خدا کی ... نماز ... ریاکاری ... برتنے کی چیزیں بھی ... نہیں دیتا ۱۲ منہ

مرنیکے بعد روح ایک دوسرے عالم میں جاتی ہے جہاں اسکو اپنے نیک و بد اعمال کا ثواب و عذاب دیکھنا پڑتا ہے۔ خدائے عادل انسان سے ضرور باز پرس کرتا ہے اس کے مساعی جمیلہ کا نیک بدلہ دیتا ہے یہی اعتقاد تمام حکمت کی جڑ ہے۔ اگر یہ اعتقاد نہیں ہر قسم کی بدکاری دل کھولکر کرنے میں کوئی مانع نہیں اور اعمال خیر کی مشقت اٹھانے اور مال صرف کرنے کا بھی کوئی محرک نہیں اسلئے سب سے اول دین یعنے جزا و سزا کی تصدیق ضرور ہے اور یہ سعادت کی سیڑھی کا اول درجہ ہے۔ اور جزا و سزا کا اعتقاد مع درستی اعمال دین اسلام کا جز ہے اس لئے اگر دین سے مراد دین اسلام کی تصدیق لیجائے تو بھی ٹھیک ہے۔ اسلئے سب سے اول دین کے منکر کی تعجب کے صیغوں میں برائی بیان فرماتا ہے۔ فقال ارأیت الذی یکذب بالدین کہ اے پیغمبر علیک السلام یا اے مخاطب تونے اسکو بھی دیکھا جو دین یعنی اعمال کی جزا و سزا کو یا دین اسلام کو جھٹلا رہا ہے ایسے بھی لوگ ہیں۔ یہ تکذیب سے روکنے میں نہایت پر اثر الفاظ ہیں یعنی ایسا کرنا نہ چاہئے بلکہ تصدیق کرنی چاہئے حکمت نظریہ کے اصل الاصول سے فارغ ہوکر حکمت عملیہ کے اصول کیطرف توجہ کرتا ہے حکمت عملیہ میں سب سے پہلی بات تہذیب اخلاق ہے اور تہذیب اخلاق میں دو ہی جز ہیں اول دفع شر بالخصوص یتیم یعنی نابالغ بچے سے برائی نکرنا کہ جسکا سرتاج اور سر کا سایہ مشفق باپ اُٹھ گیا ہے۔ اگر خیر اور بھلائی نہ پہنچا سکے تو سختی اور کوئی دل آزاری بھی تو نکرے چونکہ دفع شر طلب منفعت سے مقدم ہے اس لئے اسکو مقدم کیا اور فرمایا فذالک الذی یدع الیتیم کہ جزا کا جھٹلانے والا ہی سنگدل یتیم کو دھکے دیتا اور جھڑکتا ہے کس لئے کہ جانتا ہے کہ مرکر کسی فعل کی سزا اور کسی عمدہ کام کی جزا تو ملتی نہیں اس شنیع فعل کو تکذیب دین کی علامت کر دیا جسمیں ایسی ناپاک خصلت ہے گویا اسکو دین کی تصدیق نہیں کس لئے کہ تصدیق و تکذیب ایک ذہنی چیز ہے بظاہر معلوم نہیں ہوتی اب اسکی علامت بیان فرمادی کہ وہ مکذب ہے جو ایسے افعال کرتا ہے درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے۔ دوسرا مرتبہ تہذیب اخلاق کا یہ ہو کہ بندگان خدا پر رحم کرے اور جو خود سلوک کرنے کی قدرت نہو تو ادنے مرتبہ یہ ہے کہ زبان سے اوروں کو ہی ترغیب دلائے پھر جس میں یہ ادنے مرتبہ بھی نہیں وہ تہذیب اخلاق سے محروم ہے اسلئے اسکے بعد اسکو بیان فرماتا ہے ولا یحض علی طعام المسکین کہ فقیروں محتاجوں کو خود کھانا دینا تو درکنار اوروں کو بھی رغبت نہیں دلاتا یعنی اسکی ذات سے کسی کو بھی فائدہ نہیں یہ تکذیب دین کی دوسری علامت ہے کس لئے کہ جب سزا کا معتقد نہوا تو برے کاموں سے کیوں باز آنے لگا اور جب جزا خیر ملنے کا معتقد نہیں تو نیک کام کیوں کرنے لگا۔

یہ تہذیب اخلاق وہ تھی کہ جسکا تعلق لوگوں سے تھا اسلئے اسکو تدبیر المنزل کا بھی مسئلہ کہا جاتا ہو اور سیاست مدن کا بھی کسلئے کہ جب لوگو نپر ظلم سے باز نہ آیا اور درماندونکے ساتھ نیک سلوک نکیا تو اس سے معاشرت اور تمدن میں بڑا خلل واقع ہوتا ہو اور اگر بغور دیکھئے تو تمدن اور معاشرت میں جو کچھ رنجشیں اور باہمی عداوت پیدا ہوتی ہے انہیں دو باتوں سے ہوتی ہے جس جھگڑے اور قضئے کی اصل دریافت کروگے تو یہی دو باتیں نکلیں گی یا تو تعدی اور زیادتی ہوگی خواہ زبان سے سخت کلامی بدخلقی غیبت گالی گلوج ہجو و توہین یا ہاتھ پاؤں سے دوسرے کے مال یا آبرو پر حملہ ہوگا خواہ سرقہ کے طور پر یا علانیہ غضب ہوگا اور کوئی چالاکی الغرض کوئی نہ کوئی تعدی و ظلم مخاصمت کی بنیاد ہوگی۔ یا اپنی خوبی و منافع کا بند کرنا ہوگا۔ حقداروں کو نہ دینا۔ بیوی بچوں کو ترسانا ہمسائیوں دوستوں کو محروم رکھنا خواہ مال سے خواہ کلمۃ الخیر سے خواہ کسی اور مفید کوشش سے پھر یہی اسباب باہمی رنج اور حسد و

بغض و کینہ و عداوت کے باعث ہوجاتے ہیں اور جہاں یہ دونوں نہیں یہ فساد بھی نہونگے۔
دوسری قسم کی تہذیب اخلاق اور بھی ہے جو اس قسم اول کے بعد ضروری ہے وہ کیا اپنے مالک و خالق کیساتھ رابطہ اور اخلاص و نیاز پیدا کرنا یہ تہذیب نفس ہے یہ اعلیٰ درجہ کی حکمت ہے۔ یہ خاص حصہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کا ہے اور اس لئے اسکو حکمت لوامیسہ کہتے ہیں۔ یہ وہ فن ہے کہ جس سے روح میں نور و سرور پیدا ہوتا ہے اور رہنے کے بعد اسکی روح عالم قدس کیطرف اس طرح دوڑتی اور اڑ کر جاتی ہے کہ جس طرح اوپر سے ڈھیلا نیچے اپنے حیز طبعی کیطرف میل کرتا ہے اور اس فن کی طرف فقراء اہل کمال کو بڑی رغبت ہوتی ہے اور جبکو اسکی لذت نصیب ہوجاتی ہے پھر وہ دوسرے شغلوں میں مشغول ہونا ایک جبر سمجھتا ہے۔ اسی کے لئے مرتاضین جنگلوں پہاڑوں میں گوشہ نشینی کرتے ہیں اور کیا کیا محنتیں اٹھاتے ہیں مگر بغیر مرشد کامل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے منزل مقصود کو نہیں پہونچتے اسکو تزکیہ نفس بھی کہتے ہیں اب اس کے دو اصول ارشاد فرماتا ہے۔ اول فویل للمصلین الذین ہم عن صلوٰتہم ساہون کہ خرابی ہے ان نمازیوں کی جو اپنی نماز سے بیخبر ہیں۔ نماز ایک ایسی عبادت ہے کہ جسمیں جسم اور روح دونوں شریک ہیں اور یہ ایک ایسی عبادت ہے کہ اگر بحضور قلب اور مع شرائط ہو تو روح کو ایسا جلد روشن کرتی ہے کہ پھر بندہ کو خود بخود معاصی اور ہر قسم کی بدکاری سے نفرت ہوجاتی ہے اسی لئے قرآن مجید میں آیا ہے۔ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ پھر ایسے بدبخت جو نماز سے بے خبر ہیں افعال ذمیمہ مذکورہ بالا سے کس طرح باز آسکتے ہیں کس لئے کہ ان میں ملکیت کا تقاضا جاکر بہیمیت و شیطانیت کا تقاضا غالب آجاتا ہے اس جملہ میں نہ صرف نماز ادا کرنے کی تاکید ہے بلکہ ہمہ تن متوجہ ہونیکا بھی حکم ہے کس لئے کہ دکھلاوے اور غفلت کی اور رسمی نماز نہیں ایسا نمازی درصل نماز سے بے خبر ہے۔ یہ تزکیہ نفس کا اول رکن ہے جو اسلام میں پنجگانہ فرض ہے۔

ف نماز سے سہو جیسا کہ آیت میں ہے اور نماز میں سہو فرق رکھتا ہے۔ اول کے معنے ہیں نماز میں سستی کرنا یا بالکل ترک کرنا۔ اور شرائط سے وقت پر پڑھنا حضور دل سے ادا کرنا جیسا کہ مدینہ کے منافق کیا کرتے تھے جیسا کہ انکے حق میں فرمایا واذا قاموا الی الصلوٰۃ قاموا کسالیٰ یراؤن الناس کہ جب نماز کیلئے اٹھتے ہیں تو سستی سے اٹھتے ہیں لوگوں کو دکھانے کو اور اللہ کو یاد نہیں کرتے نماز میں سہو اسکی کسی چیز کو بھول جانا پھر یہ کبھی استغراق کلی سے ہوتا ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز میں بھول گئے اور دو رکعت کے بعد بجائے تیسری رکعت کے کھڑے ہوگئے اور پھر آخر میں سجدہ سہو کیا اور اکثر اولیاء کرام کو بھی پیش آیا ہے اور کبھی کسی اور وجہ سے بھی پیش آتا ہے مگر اسکا تدارک شرع میں سجدہ سہو سے کردیا گیا ہے پھر طور نماز میں سہو منافقین کی نشانی نہیں ہوا کرتا اور یوں انسان کو بھول چوک لگی ہوتی ہے مگر نماز سے سہو سخت بات ہے۔

ف مکہ معظمہ میں جبکہ یہ سورہ نازل ہوئی تھی مسلمانوں میں نماز شروع ہوگئی تھی پھر کفار قریش مسلمانوں سے تمسخر کیا کرتے تھے اور یہی انکا نماز سے اور اسکی حقیقت سے بیخبر ہونا تھا پھر اس لئے کہ نماز سے غفلت مدینہ کے منافق کرتے تھے اس سورہ کے نصف کا نزول مدینہ میں قرار دینا بیکار تاویل ہے۔

اب تزکیہ نفس کا دوسرا اصل الاصول بیان فرماتا ہے الذین ہم یراؤن کہ خرابی ہے انکی جو کوئی نیکی بھی کرتے ہیں دکھلانے کے لئے

خلوص سے نفع تیں

اور نمود کے لئے کرتے ہیں۔ اس میں تعلیم ہے کہ خلوص نیت اور توجہ الی اللہ ہر کام کے لئے ہونی چاہئے ہر ایک نیک کام جس کی بنیاد خلوص پر ہو گی اسکا نیک ثمرہ دنیا و آخرت میں ہو گا ورنہ برباد ہو جاویگا۔ خلوص عجیب چیز ہے تمام حسنات کی بنیاد یہی ہے اور جو کام خلوص سے ہوتا ہے روح میں اس سے نورانیت حاصل ہوتی ہے مرنیکے بعد رفع درجات کا باعث ہوتا ہے یہ ریاکاری کہ جسکی مذمت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی یہود کے فقیہوں کے سامنے بیان فرمائی ایک روحانی مرض ہے اور برا ہی مرض ہے اگر کوئی ذرا بھی عقل سلیم رکھتا ہو تو فوراً کہہ سکتا ہے کہ رات بھر پیر و مرشد اور ولی اور بزرگ کہلانے کیلئے جاگنا روزے رکھنا مال خرچ کرنا دنیا کی آسایش جائز چھوڑ کر زاہد بننا زاہدونکا لباس پہننا اور طرح طرح کی مشققین اٹھانا مال نمود کے لئے صرف کرنا ایک لغو حرکت ہے آخرت میں تو کچھ ثواب نہیں اس بات پر تو اس ریاکار کا دل بھی جو خلوص سے خالی ہے فتویٰ دیتا ہے اب رہی دنیا کی نیک نامی سو ایسا کون ہے جسکو سب نے مان لیا ہو پھر بھی ہزاروں برا کہنے والے ہوتے ہی ہیں اور جو کسی نے دھوکہ کھا کر اچھا بھی جانا تو اسکو کیا ملا صرف یہی بات کہ نفس خبیث خوش ہو گیا مگر اسکے ساتھ ہی جبکہ یہ جھوٹا ملمع اتر جاتا ہے تو اتنا ہی رنج بھی ہوتا ہے اور سنت اللہ جاری ہے کہ وہ جھوٹے ملمع کو زائل ہی کر دیتا ہے بہت سے ریاکاروں کی چند روز چمک ظاہر ہوئی مگر تھوڑے ہی دنوں بعد نیست و نابود بھی ہو گئے نام رہا نہ نشان قبروں پر گدھے کھڑے ہگتے ہیں۔ اور جو خلوص قلبی سے حسنات کرتے ہیں نہ ان کو کسی کے اچھا کہنے کی پروا نہ برا کہنے کی پروا اور وہ سات پردوں میں بھی اپنے آپ کو چھپاتے ہیں۔

خدا پاک انکو دنیا میں قبولیت عامہ عطا کرتا ہے۔ بنی آدم کے دلوں میں میلان و محبت پھونکدیتا ہے وہ دنیا میں عرصہ دراز تک نیک نامی سے یاد کئے جاتے ہیں بات یہ ہے کہ ؎ نگنجد اندر خدائی خودی + جو خدائے جبار و جلیل بقاء و کبریائی کا حصہ لینا چاہتا ہے تو غیرت الٰہی اسکو مٹا ڈالتی ہے جنکی بقاء اپنی ہستی مٹانے کے بعد ہوئی ہے وہ اسی کی بقاء سے ہمیشہ باقی رہا کرتے ہیں۔ ریاکار نماز میں خدا کو سجدہ نہیں کرتے بلکہ انہیں کو کرتے ہیں جنکو یہ سجدہ دکھانا چاہتے ہیں۔ ہائے ہائے ان کا معبود اصلی اہل دنیا اور دنیا ہوتی ہے اور اسی طرح جو لوگ شہرت حاصل کرنے کے لئے کوئی دنیاوی کام کرتے ہیں اور فضول خرچی میں برباد ہو جاتے ہیں آخر ان کی شہرت بھی خاک میں ملجاتی ہے۔ دو دن کے بعد اس کی فضول خرچی کا تذکرہ بھی نہیں ہوتا۔

الغرض شہرت اور نمود نہایت بیکار چیز ہے جس سے کوئی فائدہ دینی و دنیاوی نہیں اور اسکی طلب امراض نفسانیہ میں سے بڑا سخت اور مہلک مرض ہے۔ اس مرض اور جملہ امراض روحانیہ سے رسول پاک نے لوگوں کو شفا بخشی تھی اور اس نجاست سے پاک کر دیا تھا جسکا ذکر اس آیت میں ہے ویزکیہم۔

اب ایک تیسرا اصل الاصول اور بیان فرماتا ہے فقال ویمنعون الماعون کہ وہ جو ماعون کو منع کرتے ہیں انکی خرابی ہے یہ وہ بات ہے جو نظر توحیدی سے محجوب ہونیکے سبب پیدا ہوتی ہے۔ تفصیل اسکی یہ ہے۔ ماعون کے معنی میں علماء کے متعدد اقوال ہیں۔

(۱) ابوبکر و علی و ابن عباس و ابن الحنفیۃ و ابن عمر و حسن و سعید بن جبیر و عکرمہ و قتادہ و ضحاک کا قول یہ ہے کہ اس سے مراد زکوٰۃ ہے کیلئے کہ بندگی جو تہذیب نفس اور تنویر روح کا سبب ہے اسکی دو قسم ہیں اول جانی سو وہ نماز ہے۔ دوم مالی وہ زکوٰۃ ہے اسلئے نماز کے بعد زکوٰۃ کا ذکر آیا

(۲) اکثر مفسرین کا قول یہ ہے کہ ماعون وہ چیز ہے کہ جسکو عادتاً مانگنے پر روکا نہیں جاتا۔ اور جسکو امیر و فقیر دونوں بوقت ضرورت مانگ لیا کرتے ہیں اور جو اسکو نہ دے وہ بدخلق اور لئیم الطبع اور دون ہمت سمجھا جاتا ہے جیسا کہ کدال پھاوڑا ڈول رسی چھلنی نمک آگ پانی ہانڈی وغیرہ استعمال کی چیزیں۔ اور ماعون فاعول کے وزن پر معن سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں تھوڑی حقیر چیز جیسا کہ برتنے کی چیزیں۔ اور زکوٰۃ کو بھی اسی لئے ماعون کہا جاسکتا ہے کہ وہ کل مال کا چالیسواں حصہ ہے جو کل کی نسبت بہت ہی تھوڑا ہے بخل اور دنائت کی ممانعت کرنا مقصود ہے جو بندے اور خالق میں حجاب اکبر ہے اور اسی لئے علماء نے فرمایا ہے کہ انسان کے فضائل میں سے یہ بھی ہے کہ اسکے گھر میں ایسی چیزیں رہیں جو ہمسایہ کے کام آویں۔ اور سراس کا یہ ہے کہ ایک دل میں دو محبت جمع نہیں ہوسکتیں پھر جنپر تجلی انوار الٰہی ہے وہ اسیکو سب سے زیادہ محبوب جانتے ہیں کما قال والذین آمنوا اشد حبا للہ پھر یہ محبت یہانتک بڑھ جاتی ہے کہ اپنے محبوب کی مخلوق کو بھی نظر رحمت سے دیکھتا ہے اور اپنے آقا کے گھر کے آدمی یعنی غلام سمجھا کرتا ہے خواہ کوئی کیسا ہی حرام اور نافرمان ہی غلام کیوں نہو مگر اسکی حاجت روائی اور کاربراری بھی یہ اسی محبت سے عمدہ جانتا ہے اسلئے اپنی جان سے مال سے دریغ نہیں کرتا حاجتمندوں کے لئے یہ وقف ہوتا ہوا اور جسکو اسکی محبت نہیں تو اسکے دلمیں دنیا کی محبت بھر جاتی ہے دنیا کے اسباب معاش اسکے دلمین جگہ پائے ہوتے ہیں اسلئے وہ اپنی محبوب چیز کو کسی کو دینا اور اپنے پاس سے جدا کرنا گوارا نہیں کرتا اور اسی کو بخل کہتے ہیں اور یہ حالت بندے اور خدا تعالیٰ میں ایک بڑا پردہ ہے۔

یہ حالت سخت ظلمت ہے مرنیکے بعد جہنم کی صورت میں ظہور کریگی اور مرتے وقت ہر ہر شے کی محبت اسکی جان کو عذاب الیم ہوگی اور اسلئے بخیل مرنے سے بہت ڈرتا ہے اسکی روح اس عالم کیطرف جانے کا نام سنکر لرزتی ہے کس لئے کہ وہ تو اسی خسیس جہاں پر فریفتہ ہے اول تو دوسرے جہان کا یقین نہیں کس لئے کہ آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے کان بہرے ہیں دیوار حائل ہو اور جو یقین بھی ہو تو وہاں کا چور ہوجاتے ڈرتا ہے۔۔۔۔ اس جملہ ویمنعون الماعون میں بخل کی برائی بیان ہے جو تزکیہ نفس کے لئے ضروری بات ہو اسی لئے بخیل کو کبھی خدا تعالیٰ کا قرب میسر نہیں آتا ؎ بخیل ار بود زاہد بحر و بر + بہشتی بنا شد بحکم خبر۔

سبحان اللہ کس عمدہ پیرایہ میں مکارم اخلاق کی تعلیم کی گئی ہے اور حکمت کے فنون سکھائے گئے ہیں اسقدر مختصر کلام میں یہ مضامین اور پھر الفاظ کی فصاحت کلام کی بلاغت بڑا اعجاز ہے۔

ف۔ سورۃ کے الفاظ میں کسی شخص کا ذکر نہیں بلکہ عموماً طبائع انسانیہ کے رذائل بتلائے گئے ہیں جو اسکو خسارہ میں ڈالنے والے ہیں خواہ وہ ابوجہل میں ہوں خواہ ابولہب میں خواہ امیہ بن خلف میں یا عاص بن وائل میں یا مدینہ کے منافق عبداللہ بن ابی میں اور درحقیقت ان لوگوں میں یہ رذائل موجود تھے یتیم کے جھڑکنے کی بابت ابوجہل کا ایک قصہ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ فریبی جب کوئی دولتمند مکہ میں مرنے کو ہوتا تو اسکے پاس جاکر کہتا کہ اپنا مال مجھے سپرد کردے ورنہ تیرے بال بچے بعد میں اور وارثوں کے سبب تباہ ہوجاویں گے اسلئے وہ اسکو دیدیا کرتا تھا پھر یہ اسکے یتیم بچوں کو صاف جواب دیدیتا اور جھڑک کر نکال دیتا تھا۔ چنانچہ ایک یتیم آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا کہ آپ میری طرف سے چلکر فرمائیے۔ آپ تشریف لے گئے اس پر وہ اور بھی افروختہ ہوگیا اور یتیم کو مارنے اٹھا۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہا اسکے بعد یہ سورۃ نازل ہوئی جس میں ان قبائح کی برائی ہے۔

سورہ کوثر مکہ میں نازل ہوئی اسکی تین آیتیں ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ ۝ اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ ۝

ع ۲۳

اے پیغمبر ہمنے تمہیں بہت کچھ دیا ہے پھر اسی کی نماز پڑھو اور قربانی کرو تمہارا بدخواہ ہی پس بریدہ ہے۔

ترکیب

(العاریۃ فی لغۃ العرب ۱۲ منہ — ای معنی تقبیناک الطیناک بالمون والس دانی قیص وقرأ طلحۃ والاعرابی)

انا مبتدء اعطیناک خبر والکاف مفعول اول لاعطینا الکوثر مفعول ثان۔ والکوثر علے وزن فوعل من الکثرۃ وصف بہ للمبالغۃ فی الکثرۃ مثل النوفل من النفل والجوہر من الجہر والعرب تسمی کل شئی کثیر فی القدر او العدد او البرکات کوثرا فصل الفاء للترتیب مابعدہا علے ماقبلہا او للتفریع صل امر لربک متعلق بصل وانحر عطف علی صل ان اسمہا شانئک اسم الفاعل من الشنان لامن الشین فان اسم الفاعل منہ شائن لاشان والشانئ لمبغض العدو ہو فصل او تاکید الابتر خبر ان وقیل ہو مبتدء والابتر خبرہ والجملۃ خبر ان الابتر افعل من البتر بمعنی القطع من الاصل۔ یقال بترۃ ابترہ بترا والابتر من الرجال من لاعقب لہ من النسل وذکر الخیر ومن الدواب مالاذنب لہ

تفسیر

یہ سورہ اکثر کے نزدیک مکہ میں نازل ہوئی ابن عباس وابن الزبیر وعائشہ رضؓ کا بھی یہی قول ہے۔ مقاتل اور کلبی اسی کو ترجیح دیتے ہیں مگر قتادہ اور مجاہد وعکرمہ وحسن بصری کہتے ہیں کہ مدینہ میں نازل ہوئی اول قول جمہور کا ہے اور قوی تر ہے اسمیں تین آیت ہیں۔

ربط۔ اس سورہ مبارکہ کو سورہ ماعون سے یہ ہے کہ سورہ ماعون میں حکمت کے جمیع اقسام بیان ہوئے تھے اور یہ بھی ضمنا بتلایا گیا تھا کہ ایسے بھی محروم اور بدبخت بنی آدم ہیں کہ جنکو اس حکمت میں سے کچھ بھی نصیب نہیں یا بعض اقسام نصیب نہیں وہ دنیا میں آئے اور خالی ہاتھ چلے گئے نہ وہاں کے لئے کچھ خیر لے گئے نہ دنیا میں زندہ نام اور یادگار چھوڑ گئے یہ لوگ دراصل ابتر یعنی بے نسل اور دم بریدہ ہیں جس سے کفار مکہ کی طرف بھی اشارہ تھا کہ جنپر ازلی بدبختی سوار تھی ابوجہل وغیرہ۔ اب اس سورۃ میں یہ بتلایا جاتا ہے کہ ایسے بھی خوش نصیب ہیں کہ جنکو جمیع اقسام کی حکمت عطا ہوئی اور انکے سینوں سے اور وں کے لئے حکمت کی نہریں نکلی ہوئیں تاقیامت یادگار باقی رہیں گی اور ان کا دل حکمت کا حوض یا دریا بے پایاں ہے اور دراصل حکمت ہی خیر کثیر ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا اس میں بتلایا جاتا ہے کہ وہ بانصیب اے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اپنے زمانہ میں آپ اور آپ کے جانشین اور متبعین ہیں اسلئے اس سورۃ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ان جملہ فنون حکمت سے فیضیاب ہونا بیان فرماتا ہے اور یہ بھی کہ یہ آپ کا فیض تاقیامت جاری رہیگا جس سے بنی آدم کے نیک لوگ آپکو ہمیشہ نیکی سے یاد کیا کرینگے واعظین اپنے ممبروں پر اور مصنفین اپنی کتابوں میں ابد تک آپکی ثنا و صفت کرینگے اور آپ کی ذریت دنیا میں پھیل گئی اور کبھی منقطع نہوگی اور ان احمقوں کے نزدیک جو سلسلہ جاری رہنے کا باعث خاص صلبی بیٹوں پر منحصر ہے اور تیرے دو صلبی بیٹوں کے فوت ہوجانیسے جو خدیجۃ الکبریٰ کے پیٹ سے تھے اور مکہ میں فوت ہو گئے تھے انکا خوش ہو کر یہ کہنا کہ چلو سلسلہ منقطع ہوا انکی بعد

(حاشیہ: ۵۷ قاسم ... عبداللہ ...)

کوئی نام لینے والا باقی نہیں رہیگا اب یہ ابتر ہو گئے محض بیہودہ خیال ہے درحقیقت یہی ابتر یعنی مقطوع السلسلہ ہیں انکے پیشاب کے بیٹے انکا نام زندہ رہنے کا باعث نہیں ہوسکتے بعض مفسرین نے خاص اسی بات کو کہ آپکے فرزند کے مرنیکے بعد کفار قریش نے آپ کو ابتر کہنا شروع کر دیا تھا اور یہ آپ کے رنج و ملال کا باعث تھا جس کے دور کرنے کو سورۂ کوثر نازل ہوئی سبب نزول قرار دیا ہے۔ لیکن سبب نزول وہی ہے جو ابھی ہمنے بیان کیا۔

اس سورہ مبارک کی تین آیت ہیں اور ہر ایک میں اسرار و لطائف ودیعت رکھے ہیں فرماتا ہے انا اعطیناک الکوثر کہ ہمنے نہ کسی اور نے تجھے جو تیری ہمیشہ سے تربیت کرتے رہے ہیں کوثر عطا کیا ہے۔

کوثر کی تحقیق

کوثر فوعل کے وزن پر ہے جس کے لغت میں معنے ہیں بہت زیادہ کے۔ جس سے مراد خیر کثیر یعنے ہر قسم کی بھلائی اور بہتری اور نعمت اور برتری ہے۔ اور یہی معنی لغوی کے لحاظ سے ابن عباسؓ نے جو حبر الامۃ ہیں اس لفظ کوثر کی تفسیر کی ہے جیساکہ بخاری وابن جریر و حاکم نے۔ اور اسیطرح ترمذی و امام احمد و ابن ماجہ نے بروایت سعید بن جبیر نقل کیا ہے۔

اور وہ خیر کثیر حکمت ہے جیساکہ ہمنے بیان کیا۔ اور پھر یہ لفظ کوثر جسکے معنی خیر کثیر کے ہیں بڑا وسیع المعنی ہے ہر ایک قسم کی خیر کثیر کو شامل ہے مفسرین نے ہر ایک خیر کو جدا جدا بھی مراد لیا ہے اسیلئے اس بارہ میں انکے پندرہ قول ہیں جنکو امام رازی نے اپنی تفسیر کبیر میں شرح و بسط سے نقل کیا ہے لیکن خلاصہ انکا یہ ہے (۱) وہ حوض کوثر ہے جسکی بابت بے شمار احادیث صحیحہ وارد ہیں کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ جہاں پیاس اور گرمی ہوگی اور کسیکو پانی نہ ملیگا العطش العطش پکاریں گے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو ایک حوض عطا کرے گا جس کی درازی اور چوڑان سیکڑوں کوس کا ہوگا اوسکا پانی برف سے زیادہ ٹھنڈا دودھ سے زیادہ سفید شہد سے زیادہ میٹھا ہوگا جو ایک بار پیئے گا پھر عرصات میں اسکو پیاس نہ لگے گی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ و اہلبیت لوگونکو پلائیں گے تمام اولین و آخرین پیاس کے مارے ادہر ہی دوڑتے چلے آویں گے جو سعید ہیں اس سے فیضیاب ہونگے اور شقی محروم کیئے جاویں گے۔

یہ اس حکمت الٓہیہ کا مظہر ہے جو آپ کے دل فیض منزل میں بھر دی گئی تھی اور حوض دل کا مظہر حوض کوثر ہوگا جسکی وسعت کی کچھ انتہا نہ تھی پلانے والے وہی لوگ ہیں کہ جو دنیا میں اس حکمت کے جام پلاتے تھے پھر جس نے دنیا میں آپ کے حوض حکمت کا جام پیا وہ وہاں بھی پیئے گا اور جو بدبخت یہاں محروم رہا وہاں بھی رہے گا اللھم اسقنا من حوضہ یہ ہے وہ حوض کوثر کا سر جو کج فہموں کی سمجھ میں نہیں آتا۔

(۲) کوثر وہ جنت کی نہر ہے جو آپ کو شب معراج میں دکھائی گئی تھی جسکے کنارے موتیونکے خیمے تھے آپ نے اس کے پانی کو جو دیکھا تو مشک سے زیادہ خوشبودار تھا۔ پھر آپ نے جبریلؑ سے پوچھا کہ یہ کیا ہے جواب دیا کہ یہ وہی کوثر ہے جو اللہ نے تمکو دیا ہے (رواہ البخاری و مسلم وغیرہما)

یہ بھی اسی نہر غیبی کا مظہرہ ہے جو آپ کے حوض قلب میں رات دن پڑا کرتی تھی اور وہ حوض دل ہمیشہ لبریز رہا کرتا تھا (۳) اولاد کی کثرت۔ سو اولاد دو قسم کی ہوتی ہے جسمانی اور روحانی۔ بحمد اللہ جسمانی نسل بھی آپ کی بکثرت ہے اور روحانی تو تمام امت ہے جو تعداد میں صحیح جغرافیہ کے لحاظ سے ہر قوم سے زائد ہے حالانکہ اسقدر تھوڑے عرصہ میں الہی مذہب کسی کی بھی نہیں پھیلی اور نہ

بدن ترقی ہے اور ایک وقت آنے والا ہے کہ تمام دنیا یا اکثر حصہ میں آپ ہی کی ذریت ہوگی قومیں اسلام لے آویں گی وللہ الحمد۔ (۴) علماء و اولیاء سو یہ بھی ایک خیر کثیر ہے اور بحمد اللہ اس امت میں جسقدر اہل کمال گزرے ہیں۔ اور اب بھی ہیں اور آیندہ ہونگے جو بمنزلہ انبیاء بنی اسرائیل کے ہیں وہ کسیکو نصیب نہیں ہوئے حضرت علیے علیہ السلام کی امت میں یہ سلسلہ حواریوں پر ختم ہوگیا انکے بعد پھر نہیں دیکھا گیا کہ کوئی صاحب نفس قدسی پیدا ہوا ہو جسکی کرامات و کمالات انہیں کے اعجاز شمار ہوتے ہوں اور درصل کمالات کی نسل یہی لوگ ہیں مثلاً کوئی خوشنویس ہے اسکی خوشنویسی کی اولاد وہ صلبی فرزند نہیں جو اس کمال سے بے بہرہ ہے وہ صرف اس کے جسم کی اولاد ہے جو اسکا کمال نہ تھا بلکہ شاگرد رشید فرزند کمال ہے اسیطرح نبوت کی پاک نسل اور روحانی فرزند وہی ہیں جن میں کمالات نبوت اور اس کے برکات ہوں اور یہی سر ہے کہ حضرت موسے علیہ السلام کے جانشین یوشع بن نون ہوئے علیہ السلام جو انکے فیض نبوت کے فرزند رشید تھے حالانکہ صلبی اولاد بھی موجود تھی اور یہی سبب ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے روحانی فرزند اکبر ابوبکر صدیق جانشین قرار پائے جنکی نسبت... آپ نے یہ فرمایا تھا ما صبہ اللہ فی صدری صببتہ فی صدر ابی بکر کہ خدا تعالے نے جو کچھ میرے سینہ میں ڈالا تھا وہ میں نے ابوبکر کے سینہ میں ڈالدیا۔ یہ نسل بھی آپ کی تا قیامت باقی رہیگی (۵) نبوت عظمٰی سو یہ اعلیٰ درجہ کی خیر کثیر ہے یہ بجز آپ کے کسیکو نصیب نہیں ہوئی کوئی بھی تمام دنیا کے لیے نبی بناکر نہیں بھیجا گیا نہ اس قدر برکات و انوار غیبیہ کسی کے ظاہر ہوئے نہ کسی پر سلسلہ نبوت بجز آپکے تمام ہوا (۶) قرآن مجید سو یہ بھی خیر کثیر ہے جسکے برکات کا کچھ شمار نہیں (۷) کوثر دین اسلام ہے اور اس میں کوئی بھی شبہ نہیں کہ دارین کے حسنات و برکات اسی پر موقوف ہیں (۸) وہ فضائل روحانیہ جو آپ کو حاصل ہوئے (۹) آپ کی رفعت ذکر کہ ہر جگہ آپ کا نام تعظیم سے یاد کیا جاتا ہے یہ بھی بڑی خیر کثیر ہے ہر ایک کے نصیب نہیں ہوتی ہزاروں اسکی تمنا میں مر گئے (۱۰) آپ کے علوم جنکی نسبت فرماتے ہیں کہ مجھے اولین و آخرین کے علوم دئے گئے (۱۱) کوثر آپ کا خلق عظیم ہے اور درحقیقت اخلاق حمیدہ بھی ایک بڑی نعمت ہے (۱۲) کوثر مقام محمود ہے جو قیامت کے دن آپ کو دیا جاویگا جسکو دیکھکر تمام انبیاء علیہم السلام حسرت کرینگے (۱۳) کوثر یہ سورہ مبارکہ ہے کل تین آیت ہیں اور بے شمار مطالب کو حاوی ہے اور جس کا مقابلہ کسی عرب کے شاعر و بلیغ سے نہو سکا مشہور ہے کہ جاہلیت میں فصحاء بلغاء اپنے اس کلام کو جو انکے نزدیک بے مثل ہوتا تھا تفاخر سے لکھکر کعبہ کے پردے پر لگا دیتے تھے جب یہ سورہ نازل ہوئی تو دیکھکر حیرت میں رہ گئے اور سب نے اپنے کلام اتار لئے پھر کسیکو بھی اس کے اوپر لکھنے کا حوصلہ نہوا۔ ایک بڑے فصیح و بلیغ نے اسکے اوپر یہ لکھدیا ما ہذا کلام البشر کہ یہ بشر کا کلام نہیں کیونکہ قوت بشریہ کے احاطہ سے باہر ہے اور یہ اعجاز ہے۔ اور یہ خیر کثیر ہے۔ (۱۴) کوثر سے مراد وہ تمام نعمتیں ہیں جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوئیں۔ (۱۵) کوثر وہ اعلے مقام قرب ہے جس سے اوپر اور مقام بندہ کو مل نہیں سکتا درصل یہ سب اقوال اسی پہلے معنی خیر کثیر کی تفسیرات ہیں۔

سر خلافت ابوبکر رض

ف انا اول لایا گیا تاکہ معلوم ہو کہ یہ جو کچھ عطا ہے ہماری عطا ہے۔ اور نیز عاشق صادق کو جو کچھ فرحت معشوق کی ذات سے ہوتی ہے وہ اسکے عطیات سے نہیں ہوتی اسلئے انا فرما کر اول اپنی ذات کی طرف متوجہ کیا پھر صفات کیطرف اور یہ اعلیٰ مقام ہے اور جسکو کوثر عطا ہوا اسکے مناسب ہے۔ اعطینا فرمایا آتینا نہ فرمایا کس لئے کہ دینا عام ہے خواہ کسی خدمت کے معاوضہ میں ہو خواہ مفت برخلاف اعطا کے کہ وہ مفت ہوتی ہے اور کرم ہی کرم ہوتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ جو کچھ عطا ہوا ہے ہمارے فضل و عنایت سے ہی جسکا شکریہ لازم ہے۔ پھر اعطینا ماضی کا صیغہ استعمال میں آیا نہ نعطی مضارع کا تاکہ معلوم ہو کہ آپکو دیدیا گیا نہ صرف وعدہ ہی وعدہ ہے اور یہ بھی سمجھا جاوے کہ جن چیزوں کا آیندہ ملنا ہے وہ بھی یقیناً ملیں گی گویا ایسے کریم کا وعدہ بمنزلہ دیدینے کے ہے پھر ک خطاب میں لفظ مفرد استعمال ہوا کم نہ فرمایا تاکہ یہ سمجھا جاوے کہ یہ عطیہ خاص آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کیلئے ہے اس میں اور کسیکا حصہ نہیں اور جو کسیکو حصہ ملتا ہے تو آپ ہی کے طفیل سے ملتا ہو بالاستقلال کچھ نہیں ملتا اور اس لئے کوئی کیسی ہی عبادت کرے ریاضت کرے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا دامن نہ پکڑے وہ درگاہ حق سبحانہ سے محروم رہتا ہے کبھی کشود کار نہیں ہوتا اسی لئے صدہا جوگی۔ فقیر جنہوں نے عمر بھر ریاضات شاقہ کی تھیں اور فتوح غیب کا دروازہ انپر نہ کھلا تو اسلام لائے۔ پھر یہ فرمایا کہ ہمنے تجھے کوثر عطا کیا یہ بتلانا ہے کہ برخلاف ان بدنصیبوں کے کہ جنکا ذکر سورۂ ماعون میں ہوا آپ کو حکمت و انوار غیبیہ سے مالا مال کر دیا گیا اور آپ اس دولت کو اپنی فیاضانہ طبیعت سے لوگوں کو دیتے ہیں اور وہ نہیں لیتے بجائے شکر کرنے کے لڑتے مارتے ہیں ان کو بخل و دنارت کا وصف حاصل تھا یتیم کو جھڑکتے اور کھانے کی رغبت نہیں دلاتے اور آپ کی یہ فیاضی ہے۔ یہ نعمت کوثر انکے اس وصف بد کے مقابلہ میں ہے۔

پھر جسطرح تکذیب دین کا ناپاک مادہ انمیں تھا اور انکو ویسے ہی بد افعال پر ابھارتا تھا بخل و دنارت اور ناشکری انسے سرزد ہوتی تھی اسی طرح آپ کو کوثر عطا ہے آپ کو اسکے موافق کام کرنا چاہیے اسی لئے فرماتا ہے (۱) فصل لربک کہ خاص اپنے رب کے لئے نہ کسی غیر کے لئے نماز پڑھیں شکریہ میں اور نماز کو کوثر سے کمال مشابہت بھی ہے کس لئے کہ اسمیں اپنے خالق سے مناجات و عجز و نیاز شہد سے زیادہ شیریں ہے اور جو اسمیں انوار غیبیہ چمکا کرتے ہیں وہ دودھ سے زیادہ سفید اور روشن ہیں اور دلکو جو یقین و سرور اسمیں حاصل ہوتا ہو وہ برف سے زیادہ سرد ہے اور آداب و سنن نماز کے ان سرسبز درختوں اور جواہر کی پٹریوں سے مشابہ ہیں جو حوض کوثر کے اردگرد ہونگے اور اذکار و تسبیحات جو نماز کے ہر رکن میں مقرر ہیں ان جواہرات کے آبخوردن اور پیاسوں سے مشابہ ہیں کس لئے کہ انسے بھر بھر کر شراب محبت الٰہی پی جاتی ہے اور شوق کی پیاس کو بجھایا جاتا ہے۔

اور نیز یہ ان بدبختوں کے اس فعل کے مقابلہ میں ہے الذین ہم عن صلاتہم ساہون کہ وہ اپنی نماز سے بیخبر ہیں اور لربک کا لفظ یراءون کے مقابلے میں ہے کہ وہ دکھاوے کو کرتے ہیں آپ نماز اور ہر کار نیک اپنے رب کے لئے کیجئے۔ اور یہ بھی ہے کہ شکرانہ نعمت جان سے بھی کرنا چاہیے جو نماز پڑھنا ہے اور مال سے بھی اسلئے اسکے بعد فرمایا وانحر کہ اسکے لئے قربانی بھی کیجئے جو جان کی قربانی کے قائمقام ہے اور اس سے فقراء کو نفع بھی پہونچتا ہے یہ انکے اس بخل کے مقابلہ میں ہے ویمنعون الماعون کہ وہ لوگوں کو برتنے کی چیزوں سے بھی منع کرتے ہیں جسمیں کوئی حرج ان کا نہیں تھا۔

ف انحر سے مراد جمہور کے نزدیک قربانی کرنا ہی پھر عام ہے کہ حج میں ہو یا عید الضحیٰ کے روز یا عقیقہ میں جیسا کہ صل سے نماز پڑھنا عموماً مراد تھا

نماز فرض اور نفل اور نماز عید و نوافل سبکو شامل تھا۔ یہ اسلئے کہ مکہ میں اسوقت نماز بھی فرض ہو چکی تھی اور نوافل بھی آپ بکثرت پڑھتے تھے اور قربانی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد سے چلی آتی تھی مگر فرق یہ تھا کہ کفار قریش نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ میں تحریف کر دی تھی نماز میں صرف تالیاں بجانا اور کودنا ہی رہ گیا تھا اور وہ بھی بتوں کے آگے اور اسی طرح قربانی بھی بتوں کے لئے کرنے لگے تھے اسلئے اس آیت میں انہیں دونوں اصول عبادت کی اصلاح کے لئے فرمادیا اپنے رب کے لئے نماز پڑھ ان قواعد سے جو تجھے بتائے گئے اور قربانی بھی اپنے رب کے لئے کر نہ غیر اللہ کے لئے۔ اور اس قربانی میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ نفس کو ذبح کرو اپنی ذات کو اسکی ذات میں فنا اور محو کر دو اور یہ روحانی قربانی ہے جو خاص حضرت انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام کا حصہ ہے۔ اور اسی طرح انکی نماز بھی رب کے لئے ہے نہ ثواب کیلئے نہ عذاب سے بچنے کے لئے محض اسکی ذات پاک کے لئے۔

بعض علماء انحر سے مراد نماز کے متعلق افعال لیتے ہیں جیسا کہ صلّ سے شکر گزاری کرنا مراد لیتے تھے۔ پھر انکے متعدد اقوال ہیں۔ (۱) تکبیر اولے کے وقت ہاتھ اٹھانا (۲) بعض کہتے ہیں ہر تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھانا (۳) بعض کہتے ہیں کہ دعا کے وقت سینہ تک ہاتھ اٹھانا (۴) جلسہ استراحت کرنا کہ سینہ سیدھا ہو جاوے۔ واحدی فرماتے ہیں کہ ان سب اقوال کی اصل یہ ہے کہ نحر سینے کو کہتے ہیں انحر شتر کشتن و بریدن سینہ و بر سینہ زدن و در سینہ شدن نحر و منحر بالفتح پیش سینہ (صراح) اونٹ کی قربانی بھی سینہ کے پاس سے یعنی اسکے حلقوم کی جڑ سے ہوتی ہے جو سینہ سے ملا ہوتا ہے اور رفع الیدین میں بھی سینہ تک ہاتھ اٹھانا ہوتا ہے۔ مگر قربانی کرنے کے معنی اس جگہ مراد ہیں اور یہی قول قوی ہے کس لئے کہ نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا اکثر جگہ قرآن مجید میں ذکر ہے۔ اور قربانی بھی ایک قسم کی زکوٰۃ ہے۔ دوئم مشرکین بتوں کے لئے نماز پڑھتے تھے سجدہ و رکوع کرتے تھے اور انہیں کے لئے جانوروں کی قربانی کرتے تھے جیسا کہ اب مشرکین ہند بتوں کو بکرا چڑھاتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس امر میں تاکید کر کے مشرکوں کو سنا دیا گیا کہ یہ فعل بد ہے۔ ہر عبادت کا مستحق حق سبحانہ ہے اور اہل توحید کا یہی دستور رہے۔ اور رفع الیدین وغیرہ آداب صلوٰۃ تو فصلّ میں آگئے پھر انکے بالخصوص ذکر کرنے سے کیا فائدہ تھا؟ (سوم) عبودیت کی دو ہی باتیں ہیں اول تعلیم امر اللہ دوئم شفقت بر خلق خدا پس فصلّ میں پہلی بات کیطرف اور وانحر میں دوسری طرف ایماء ہے (چہارم) انحر کا لفظ عرب کے محاورہ میں قربانی کے معنے میں مستعمل ہے اور معنی پیدا کرنا لغت تراشی ہے۔

سعادت کے طریقے بیان فرما کر یہ بات بھی بتلاتا ہے کہ یہ سعادت آپ ہی کے اتباع میں حاصل ہو کسلئے کہ آپ اللہ کی طرف سے مامور ہیں اور جو آپ سے محبت نہ رکھے بغض و عداوت رکھے وہ دین و دنیا میں نامراد ہے اسلئے فرماتا ہے ان شانئک ھو الابتر کہ اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم آپ سے عداوت رکھنے والا جو درحقیقت اللہ تعالیٰ سے عداوت و بغض رکھتا ہے وہی پس بریدہ ہے جسکا بعد میں کوئی عمل صالح دنیا میں باقی نہیں نہ اسکا کوئی نام لینے والا نہ اسکے بعد میں اسکا سلسلہ جاری ہے یعنی جمیع اقسام حسنات سے محروم ہے۔ اور بحمد اللہ آج تک کہ تیرہ سو چودہ برس ہوتے یہ پیشینگوئی آفتاب کی طرف روشن چلی آتی ہے آنحضرت صلعم کے دشمن اور توہین کرنے والے جو آپ کے عہد میں تھے کیا کیا مصیبت دیکھ کر مرے اور پیچھے نام رہا نہ نشان۔ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دو فرزندوں کا انتقال ہو گیا تو عاص بن وائل سہمی وغیرہ کفار مکہ نے آپس میں یہ کہا تھا کہ یہ ابتر یعنی اوت نپوت ہے حق سبحانہ اپنے حبیب کیطرف سے آپ جواب دیتا ہے کہ درحقیقت وہی اوت نپوت ہیں۔

سورہ کافرون مکہ میں نازل ہوئی اسکی چھ آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۙ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۙ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۚ وَلَآ اَنَا

اے پیغمبر کہدو اے کافرو نہ تو میں تمہارے معبودوں کی عبادت کرتا ہوں اور نہ تمہیں میرے معبود کو پوجتے ہو اور نہ میں

عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۙ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۭ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝ۧ

تمہارے معبودوں کی عبادت کرونگا۔ اور نہ تم میرے معبودوں کی عبادت کروگے تمکو تمہاری راہ اور مجھکو میری راہ

ع ۲۲

ترکیب

یاایہا حرف الندا الکافرون المنادی لا اعبد الخ نداء والجملۃ مقولۃ قولہ قل وفی تکریر قولہ لا اعبد الخ ولا انا عابد الخ قولان الاول التکریر للتاکید والمقام مقام التاکید لان الکفار یطلبون منہ صلی اللہ علیہ وسلم عبادۃ اصنامہم بالاصرار والثانی ان الاول للمستقبل والثانی للحال لان لا لاتدخل الا علی المضارع بمعنے المستقبل فقولہ لا اعبد الخ معناہ لا اعبد فے المستقبل ما تطلبونہ منی من عبادۃ اصنامکم ولا انتم فاعلون فی المستقبل ما اریدہ منکم من عبادۃ ربی وقیل علی العکس وفی ماسوآل لانہا لغیر ذی العقول فکیف یصح قولہ ما اعبد فانہ صلے اللہ علیہ وسلم یعبد اللہ تعالیٰ وہو اعلم العالمین والجواب منہ علی وجہین الاول ان ما مصدریۃ فی الجملتین کانہ قال لا اعبد عبادتکم ولا تعبدون عبادتی لا فی الحال ولا فے الاستقبال والثانی ما بمعنے الذی والعائد محذوف وقیل الاولیان بمعنے الذی والاخریان مصدریتان ودینکم مبتدا موخر لکم خبر مقدم ودین صلہ دینی حذفت النون لتوافق رؤس الآیات وبقیت الکسرۃ علامۃ علیہا۔

تفسیر

یہ سورہ بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی۔ ابن مسعود حسن وعکرمہ کا بھی یہی قول ہے مگر قتادہ اور ابن زبیر وضحاک کہتے ہیں کہ مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔ اسکی چھ آیت ہیں۔

ربط۔ اس سورہ کا کوثر سے یہ ہے کہ سورہ کوثر میں آپ کو بشارت دی تھی کہ آپ ہر طرح دین و دنیا میں کامیاب ہیں آپ کے اتباع کی کثرت وشوکت عالم غیب میں ٹھہر چکی ہے اس سے آپکو اطمینان کلی اور ہمت ولائی تھی تاکہ دنیا بھر کے مخالفوں کی کثرت وشوکت کا کچھ بھی دل میں اثر نہو اسلئے آپ کا دل قوی کرکے اس سورہ میں اسوقت کے تمام دنیا کے لوگوں کو جو کفر وبت پرستی کی اندہیریوں میں سرگرداں تھے اور اپنے دین وملت پر نازاں تھے اعلان عام کھلے کھلے الفاظ میں دلایا جاتا ہے کہ تم کافر ہو۔ اور میں تمھارے معبودوں کی عبادت نہ کروں گا اور نہ تم میرے معبود برحق کی بلا شائبہ شرکت عبادت کرنے والے ہو۔

اور شان نزول بھی اسی مضمون کی تصدیق کر رہا ہے اور وہ شان نزول یہ ہے کہ کفار قریش کی ایک جماعت نے جنمیں ابوجہل وعاص بن وائل وولید بن المغیرۃ واسود بن عبدیغوث واسود بن عبدالمطلب بھی تھے عباسؓ کی معرفت یہ کہلا کر بھیجا۔ کہ آپ ہمارے

معبودونکی اور ان کی پرستش کی برائی کرنی چھوڑ دیں۔ اگر آپ کو سلطنت کا شوق ہے تو ہم آپ کو اپنا سردار بنائیں اور اگر مال مقصود ہے تو مال چندہ کر کے دیں اگر عورت سے شوق ہو تو عورت جو تمام قبائل قریش میں حسین ہو وہ آپ کو دیں آپنے فرمایا مجھے ان چیزوں میں سے کسی کی بھی حاجت نہیں میں یہی چاہتا ہوں کہ تم ہلاکت سے بچو اور راہ راست اختیار کر لو۔ اسکے بعد پھر یہ پیغام بھیجا کہ آپ ہمارے معبودونکی پرستش کریں ہم آپکے معبود کی کرینگے اس وجہ سے باہم تفرقہ نہو گا نہ کوئی رنجش پیش آویگی ورنہ آپکو ہمارے معبودوں سے الگ ہوکر برا کہنے اور توحید جاری کرنے میں بڑی بڑی مصیبتیں دیکھنی پڑیں گی۔ اسکے جواب میں یہ سورہ مبارکہ نازل ہوئی جسمیں صاف صاف کہدیا کہ تم کافر ہو مجھ سے یہ امید ہرگز نہ رکھو۔

فرماتا ہے قل کہ اے محمد کہدے۔ ہرچند آپ مامور من اللہ تھے جو کچھ فرماتے تھے اپنی طرف سے نہیں بلکہ اللہ کیطرف سے اور اسی کے فرمانے سے مگر اس جگہ اور اس کے بعد اور تین اخیر کی سورتوں میں اس لفظ قل کا ابتدا میں لانا ایک خاص رمز ہے اسی جگہ یہ ہے کہ میں اپنی طرف سے تمکو کافر نہیں کہتا نہ از خود تمہارے بتوں کی پرستش کو برا کہتا ہوں بلکہ مامور ہوں اور اس کہنے میں بے اختیار ہوں۔ پھر میرا کہا نہ ماننا بلکہ مجھے ستانا تمہاری زیادتی اور صریح ظلم ہے ورنہ پہلے بھی تو میں تمہیں میں رہا کرتا تھا پہلے نہ کچھ کہدیا اسبات کو سوچ لو کہ تم مریض ہو اور میں تمہارے علاج کے لئے تمہارے رب کی طرف سے بھیجا گیا ہوں جس نے اپنی رحمت سے مجھے بھیجا ہے اور حکیم کا فرض ہے کہ جو کچھ مریض میں مرض ہو اسکو بیان کردے بیمار کے برا ماننے کی پروا نہ کرے تاکہ بیمار متوجہ ہوکر علاج کرائے اس لئے اسکے بعد یا ایہا القوم نہ فرمایا بلکہ یا ایہا الکافرون کے خطاب سے مخاطب کیا کہ تم کفر کے مرض مہلک میں گرفتار ہو اور بجائے ازالہ مرض کے خود حکیم کو اپنے مرض میں شریک کرنا چاہتے ہو لو سنو لا اعبد ما تعبدون میں ان جھوٹے معبودوں کی عبادت نہیں کرتا ہوں جنکی تم کرتے ہو۔ میں خاص خالق کی عبادت کرتا ہوں اور وہی عبادت کرنے کے لایق ہے اور تم مخلوق کی عبادت کرتے ہو۔ کہیں ستاروں کی کہیں ارواح غیر مرتبہ جن اور بھوت اور ملائکہ اور ارواح حضرات انبیاء و اولیاء کی۔ کہیں اجسام علوم کے نفوس کی اور کہیں اجسام و صنام کی کہیں عناصر کی کہیں بنی آدم کے محترم لوگوں کی۔ کہیں ہوا۔ پانی خاک۔ آگ کی کہیں نباتات کی۔ کہیں حیوانات کی۔ اور لطف یہ کہ ان چیزوں کی عبادت کو حق سبحانہ کی عبادت اور خوشنودی کا ذریعہ سمجھتے ہو۔ اور مخلوق کو خالق جانتے ہو اس لئے ان سے حاجات طلب کرتے ہو۔ دہائی دیتے ہو۔ مدد مانگتے ہو نذر و نیاز کرتے ہو۔ یہ بت پرستی ہے نہ خالق پرستی۔ اور بلا شرکت خاص خالق کی عبادت کو تم بیکار جانتے ہو۔ یہ بلا نہ صرف عرب میں تھی بلکہ اسوقت دنیا بھر میں پھیلی ہوئی تھی۔ ایران ہند۔ یورپ۔ افریقہ سب ممالیک اور سب قومیں عیسائی یہودی پارسی ہنود اس بلا میں گرفتار تھے۔ اس لئے آپ نے باواز بلند کہدیا کہ میں ان چیزوں کی عبادت نہیں کرتا ہوں۔

مگر اے سیاہ باطنوں تم بھی تو میرے معبود برحق کی عبادت نہیں کرتے ہو فقال ولا انتم عابدون ما اعبد کہ تم بھی میرے معبود کی عبادت نہیں کرتے ہو کس لئے کہ تمہارا یہ سمجھنا کہ ہم ان اشیاء کو جہت قبلہ اور وسیلہ سمجھتے ہیں اور درصل عبادت اللہ ہی کی کرتے ہیں غلط خیال ہے کس لئے کہ درصل یہ عبادت انہیں معبودوں کی ہے نہ میرے معبود برحق کی۔ وہ اس قسم کی عبادت سے بری ہے

اور آیندہ بھی مجھ سے یہ توقع نہ رکھنا اس لئے فرمایا ولا انا عابد ما عبدتم اور نہ میں آیندہ تمہارے معبودوں کی عبادت کروں گا اور مجھے تو تم سے یہ توقع نہیں ولا انتم عابدون ما اعبد کہ تم اس کی عبادت کرو جسکی میں کرتا ہوں۔ اس میں ان کفار کی طرف اشارہ ہے کہ جن کی تقدیر میں کفر پر مرنا مقرر ہوچکا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کردیا گیا تھا ان کو سمجھانا صرف حجت کا تمام کردینا تھا یہ وہی لوگ ہیں کہ جنکی نسبت یہ ارشاد الٰہی ہوچکا ہے ختم اللہ علیٰ قلوبھم کہ انکے دلوں پر مہر خدا نے لگادی ہے اور وہ لوگ جو بالفعل کافر ہیں اور آیندہ ایمان لاتے والے ہیں وہ درصل ازلی کافر نہیں وہ تو ہزاروں ایمان لائے اور خالص اللہ کی عبادت کرنے لگے سو اس جملہ میں وہ مراد نہیں نہ اس سے پہلے جملہ میں۔

ف مفسرین فرماتے ہیں کہ دوبار اسی جملہ کا لانا محض تاکید کے لئے ہے کیونکہ وہ حضرت سے اس بات کی تمنا کرتے تھے کہ ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں آپ ہمارے معبودوں کی کیجئے تاکہ نفع ونقصان میں برابر ہوجاویں اور بار بار اسپر اصرار کرتے تھے اسلئے دوبار فرمایا گیا اور یہ بلاغت کا صول ہے کہ مخاطب کے حال کے موافق کلام کیا جاوے۔ جس طرح ہماری زبان میں تاکید کے لئے کہدیتے ہیں میں نہیں کرونگا میں نہیں کرونگا لیکن بعض علماء فرماتے ہیں کہ اول جملہ لا اعبد ما تعبدون ولا انتم عابدون ما اعبد میں حال کی نفی تھی کہ بالفعل نہ میں تمہارے معبودوں کی عبادت کرتا ہوں نہ تم میرے معبود کی عبادت کرتے ہو اور دوسرے جملہ ولا انا عابد ما عبدتم ولا انتم عابدون ما اعبد میں استقبال کی نفی ہے کہ نہ آیندہ میں تمہارے معبودوں کی عبادت کرونگا نہ تم میرے معبود کی عبادت کروگے۔ بعض کہتے ہیں اول جملہ استقبال کے لئے تھا اور یہ حال کے لئے ہے۔

جب یہ اتحاد یک لخت منقطع کردیا گیا تو صاف صاف علیحدگی کی بھی خبر دیدی فقال لکم دینکم تمہارے لئے تمہارا طریقہ پسند ہے کہ اسی پر چلتے ہو ولی دین اور مجھے اپنا طریقہ پسند ہے اسی پر چلونگا اور چلتا ہوں۔

ف اس زمانہ میں کہ تمام دنیا کفر و بت پرستی کی نجاستوں سے بھری ہوئی تھی اور انسانی بدی کی گھنگور گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں روشنی کا نام ونشان بھی باقی نہ رہا تھا اصول ملت بیضاء ارکان طریقت حنفیہ مٹ چکے تھے اور اہل کتاب کے مذہب میں جو کسیقدر چمک تھی اس پر بھی دنیا پرست احبار اور راہبوں نے گرد وغبار ڈال رکھا تھا ایسا دعوی کردینا اور برملا اشتہار کفر جاری کردینا نہ اسوقت کوئی ظاہری سامان نہ یار وانصار بلکہ اپنا شہر اور خاندان ہی دشمن نہ کسی بادشاہ وقت کی مدد نہ کسی حکومت کا سہارا۔ اگر اس تائید غیبی اور عطائے کوثر کا اثر نہیں کہ جسکا ذکر پہلا علیہ السلام نے بطریق پیشین گوئی کے فرمایا ہے تو اور کیا ہے۔ دنیا طلب کبھی ایسا نہیں کرسکتا وہ اگر ایک قوم کو مخالف کرتا تو دوسری کو موافق بھی بنا لیتا ہے۔ اور پھر اخیر تک آپ اس دعوے پر ایسے قایم رہے کہ دنیا کی مصائب اور قبائل کی مار دھاڑ قتل وضرب نے کچھ بھی جنبش نہ دی یہ دلیل ہے کہ آپ مویّد من اللہ تھے۔

ف۲۔ بعض علماء اس سورہ یا اس آیت لکم دینکم ولی دین کو منسوخ بتلایا کرتے ہیں بلکہ منسوخ الحکم کی مثال میں پیش کیا کرتے ہیں۔ اور وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ اس سورہ میں جہاد ترک کرکے بیٹھ رہنے کا حکم ہے اور آیت قتال

وجاہد الکفار الآیہ میں ان سے جہاد کا حکم ہے کہ انکو انکے دین سے مجبور کرکے اسلام کیطرف لاؤ اور نہ مانیں تو قتل کر ڈالو۔ اس لئے یہ سورہ منسوخ اور آیت قتال ناسخ ہے
مگر یہ قول ضعیف ہے کس لئے کہ اس سورہ میں کہیں نہیں کہ کفار کو ان کے مذہب پر قایم رہنے کی اجازت ہے اور لکم دینکم کے یہ معنی نہیں کہ تم اپنے دین پر قایم رہو۔ دوئم اس سورہ میں حکم نہیں بلکہ خبر ہے اور خبر منسوخ نہیں ہوا کرتی اور اب بھی یہی بات ہے کہ اہل اسلام کفار کے معبودوں کی عبادت نہیں کرتے نہ کرینگے وہ اللہ جل وعلا کی خالص توحید محمدی سے عبادت کرتے ہیں کفار کو اپنا دین پسند ہے۔ مسلمانوں کو اپنا دین پسند ہے بلکہ بوقت جنگ بھی یہی بات ہے پس محققین کے نزدیک یہ سورہ محکمہ ہے نسخ کا اس میں دخل بھی نہیں ہے۔
ف۳۔ احادیث صحیحہ میں اس سورہ کے بہت سے فضائل آئے ہیں از انجملہ وہ حدیث ہے کہ جسکو ترمذی نے نقل کیا ہے عن ابن عباس وانس بن مالک قالا قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اذا زلزلت تعدل نصف القرآن وقل ہو اللہ تعدل ثلث القرآن وقل یا ایہا الکافرون تعدل ربع القران رواہ الترمذی۔ کہ ابن عباس وانس بن مالک سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اذا زلزلت نصف قرآن کی برابر ہے اور قل ہو اللہ ثلث قرآن کے برابر ہے اور قل یا ایہا الکافرون ربع قرآن کے برابر ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ کل قرآن میں یا نیک باتوں کا حکم ہے یا بری باتوں سے ممانعت ہے اور ہر ایک کی دو دو قسم ہیں کیونکہ یا تو ان باتوں کا حکم ہے جو دل سے متعلق ہیں یا انکا جو اعضا سے متعلق ہیں اور اسی طرح ممانعت یا تو افعال قلبیہ سے ہے یا افعال جوارح سے یہ چار قسم ہوئیں اور اس سورہ میں صرف ان باتوں سے ممانعت ہے جو قلوب سے متعلق ہیں اور وہ شرک ہے اور گو بظاہر عبادت غیر اللہ اعضاء سے بھی متعلق ہے مگر محرک در اصل دل ہے اسوجہ سے اس سورہ کو چوتھائی قرآن کے برابر فرمایا۔
احمد و ابوداؤد و ترمذی ونسائی وغیرہ نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے نوفل بن معاویہ اشجعی نے پوچھا تھا کہ یا حضرت میں سوتے وقت کیا پڑھا کروں ؟ آپنے فرمایا قل یا ایہا الکافرون پڑھکر سویا کر کس لئے کہ یہ شرک سے برات ہے یعنی دل سے پڑھنے والا شرک سے بری ہو جاتا ہے اگر مرگیا تو توحید پر مریگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہو تو میں تمہیں ایسا کلمہ بتلاؤں جو شرک سے بری کر دے لوگوں نے عرض کیا کہ ہاں یا رسول اللہ فرمایا سوتے وقت قل یا ایہا الکافرون پڑھ لیا کرو۔ اخرجہ ابو یعلی والطبرانی۔
بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نماز وتر میں پہلی رکعت میں سبح اسم ربک پڑھتے تھے اور دوسری میں قل یا ایہا الکافرون اور تیسری میں قل ہو اللہ احد۔ یہ سورہ توحید کا اقرار اور شرک سے بیزاری کا اعلان ہے اور یہی جمیع عبادات کا اصل الاصول ہے۔

سورۂ نصر مدینہ میں نازل ہوئی اور اسکی تین آیت ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ

جبکہ اللہ کی مدد اور فتح آچکی اور آپ نے لوگوں کو اللہ کے دین میں جوق جوق داخل ہوتے دیکھ لیا تو اپنے

بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ۝

رب کی تسبیح کرو ستایش کے ساتھ اور اس سے معافی مانگو بیشک وہ توبہ قبول کرنیوالا ہے

ع ۳۵

ترکیب

اذا منصوبۃ بجاء وقیل بسبح نصر اللہ مصدر مضاف الی الفاعل والمفعول محذوف ای نصرہ ایاک او المومنین وھذا فاعل جاء ومعناہ حصل وانما عبر بہ بالمجئ تجوزاً للاشعار بان نصرہ یقینی وقد قرب حصولہ والفتح عطف علی نصر اللہ ورایت عطف علی جاء ورایت ان کان بمعنی العلم فمفعولہ الاول الناس والثانی یدخلون وان کان بمعنی البصرت فیدخلون حال ۔ وعلی التقدیرین افواجا حال فاعل یدخلون ای فوجا بعد فوج فسبح الخ جواب الشرط بحمد ربک فی محل النصب علی الحال ای سبح اللہ حامداً لہ او متلبساً بحمدہ ای قل سبحان اللہ بحمدہ واستغفرہ عطف علی سبح انہ کان الخ تعلیل لقولہ استغفرہ ای لان من شانہ قبول التوبۃ ۔

تفسیر

یہ سورہ جمہور کے نزدیک مدینہ میں نازل ہوئی ہے مگر ابو یعلی و بزار و بیہقی نے ابن عمر سے نقل کیا ہے کہ یہ سورہ ایام التشریق میں بمقام منیٰ حجۃ الوداع میں نازل ہوئی جس کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جان لیا کہ یہ میرے لئے ادہر کا پیغام ہے یعنے آپ جس کام کے لئے بھیجے گئے تھے اب وہ پورا ہو چکا یا ہو چکنے کو ہے دنیائے دنی آپ کے ٹھہرنے کی جگہ نہیں اب ہماری طرف توجہ کیجئے تسبیح کہئے اور حمد بیان کریئے اور امت کے لئے استغفار کیجئے ۔ ابن عباسؓ کو عمرؓ بدری لوگوں کے ساتھ بلایا کرتے تھے بعض صحابہ کو برا معلوم ہوا کہ یہ بچہ ہے ہمارے ساتھ اسکو کیوں بلایا کرتے ہیں ۔ عمرؓ نے فرمایا اسلئے کہ اسکی فضیلت تمہیں معلوم نہیں پھر ایک بار مجلس میں بلایا اور لوگ بھی موجود تھے ان سے سوال کیا کہ اس آیت کے تم کیا معنی بیان کرتے ہو ۔ اذا جاء نصر اللہ والفتح لوگوں نے کہا یہ کہ جب ہمکو فتح و نصرت نصیب ہو تو اسکی تسبیح کریں اور معافی مانگیں عمر نے ابن عباس سے کہا کہ تم کیا کہتے ہو ابن عباس نے کہا یہ مطلب نہیں بلکہ علامت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجل کی جو آپ کو بتلائی گئی ۔ عمرؓ نے فرمایا میں بھی یہی سمجھتا ہوں رواہ البخاری ۔ اس پر اہل علم کا اتفاق ہے کہ یہ سورہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات سے کئی مہینے پہلے نازل ہوئی ہے اسمیں تین آیت ہیں ۔

اس سورہ کو قل یا ایہا الکافرون سے یہ ربط ہے کہ سورہ کافرون میں بے دغدغہ اعلان تھا کہ میں تمہارے معبودوں سے

بیزار ہوں اور تم بت پرست کافر ہو۔ اور اس سے پہلے سورہ کوثر میں یہ مژدہ عطا ہو چکا تھا کہ آپ کو کوثر عطا ہوا ہے آپ کی ذریت اور اتباع کی کثرت ہو گی۔ اب اس سورہ میں تسلی دیجاتی ہے کہ آپ اس اعلان کے بعد کفار کے غلبہ سے خوف نہ کریں گو ہر طرف وہی محیط ہیں قریش مکہ اور جمیع قبائل عرب سے یہود و نصاریٰ و مجوس تک سب آپکے بدخواہ ہیں مگر آپ کچھ بھی پروا نکریں آپکے لیئے اللہ کی مدد اور فتح طیار ہے ایک دن آنے والا ہے گویا آہی چکا ہے کہ آپ کا دین غالب آجائیگا کفر کو شکست ہو جاویگی بت پرستی منہ موڑ کر بھاگے گی اور اس کفر و بت پرستی کے حمایتی مغلوب ہو جاوینگے اور گروہ کے گروہ لوگ آپکے دین میں داخل ہونگے اور وہ آپکے کام کا اخیر ہو گا تب ہماری طرف آنے کی تیاری کیجیو تسبیح و تحمید اور امت کیلئے استغفار کی کثرت کیجیو چنانچہ اس بشارت کے موافق واقع ہوا جیسا کہ ہم ابھی بیان کرینگے۔ اس مناسبت سے یہ سورہ قل یا ایہا الکافرون کے بعد رکھی گئی۔

فقال اذا جاء نصر اللہ والفتح و رایت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا کہ جب اللہ کی مدد اور فتح آچکی اور تونے اے نبی علیک السلام لوگوں کو خدا کے دین میں جوق جوق داخل ہوتے دیکھ لیا کہ آج ایک جماعت اسلام لائی کل دوسری قوم اسلام لائی۔ آیت میں چار باتیں بیان فرمائیں (اوّل) اللہ کی نصر کا آنا (دوم) فتح کا حاصل ہونا (سوم) لوگوں کا دین الٰہی میں داخل ہونا (چہارم) ایک ایک دو دو کا نہیں بلکہ جماعتوں کا اور قوموں کا دین میں داخل ہونا۔

اب ہم ان چاروں باتوں کی تشریح کرتے ہیں تاکہ کلام الٰہی کے معنی خوب طرح ذہن نشین ہو جاویں۔ (نصر) تحصیل مطلوب میں اعانت (فتح) تحصیل مطلوب یعنے مقصود کا حاصل کر دینا۔ اور نصر فتح کا سبب ہوتا ہے اس لیئے نصر کے بعد فتح کا ذکر عطف کے طور پر کیا گیا۔ پھر اعانت عام ہے کبھی اسباب ظاہری کے پیدا کر دینے سے ہوتی ہے جیسا کہ مخالفوں پر فتح پانے میں لشکر و اعوان و انصار کا موجود کر دینا یا جو لشکر کو کارآمد چیزیں ہوتی ہیں اُن کا موجود کر دینا ہتھیار اور خوراک وغیرہ یا مخالفوں کی مدافعت کے اسباب پیدا کر دینا اُن میں بزدلی اور ہیبت اور سوء تدبیری پیدا کر دینا اسی لحاظ سے بدر کے معاملہ میں فرمایا ہے وما النصر الا من عند اللہ العزیز الحکیم۔ اور یہی حال ہے انسانی خدمات کے مقابلہ میں۔ انسان جب تہذیب نفس حاصل کرنا چاہتا ہے تو اُسکو اس ملک کے فتح کرنے کے لیئے قوی بہیمیہ و سبعیہ و شیطانیہ کے لشکروں سے لڑنا پڑتا ہے اس موقع پر جو تائید غیبی ہے وہ اللہ کیطرف کی نصرت ہے اور اسکے بعد مقصود کا حاصل ہونا فتح ہے اسیطرح بدراہ قوموں کی اصلاح اور انکے نفوس کی تہذیب حضرات انبیاء علیہم السلام کا بڑا مقصد ہوتا ہے اور یہ حاصل ہونا کچھ آسان بات نہیں اس میں مدد غیبی درکار ہے وہ کیا لوگوں کے دلوں میں اُس شخص کی قبولیت اور اُسکی بات کا اثر پیدا کر دینا یہ نصر اللہ ہے جسکے بعد فتح ہی فتح ہے یعنی پھر جوق جوق اور گروہ کے گروہ دین اللہ میں ایک کشش باطنی سے خود بخود داخل ہونے لگتے ہیں اور اسکو فتح مبین بھی کہتے ہیں سو یہ اسی کوثر کے عطا کرنے کا ظہور ہے۔ اور اخیر عمر میں جبکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آرہے تھے۔ یہ بات حاصل ہونے لگی تھی اور یوماً فیوماً ترقی پر تھی خصوصاً فتح مکہ کے بعد سے روزمرہ قبائل کے قبائل اور کبھی انکے ایلچی آتے اور تلقین پاکر چلے جاتے اور سب مسلمان ہو جاتے تھے آپنے خود جماعتوں کی جماعتوں کو دین الٰہی میں داخل ہوتے دیکھ لیا۔

اور خدائے پاک نے اپنا وعدہ پورا کر دیا اور پھر آپکے بعد بھی سلسلہ جاری رہا۔

فتح مکہ

مفسرین نے لفظ نصر اور فتح کے وسیع معنوں کو ایک ایک بات میں محدود کیا ہے حالانکہ وہ سب کو شامل ہیں اور سب ہی مراد ہیں پس جسطرح نصرت الٰہی کے متعدد طریقے معلوم ہوئے اُسیطرح فتح کے بھی ہیں۔ اوّل فتح مکہ اسکی مختصر کیفیت یہ ہے۔ کہ عرب کے اکثر قبائل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے تھے مگر مکہ کے لوگ ابھی تک اسی بُت پرستی اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مقابلے پر تلے ہوئے تھے اور کئی بار لڑائیاں میدان میں آکر لڑ چکے تھے یہ شہر مقدس کفار کا مرکز ہو رہا تھا ہجرت کے آٹھویں سال جیسا کہ بخاری میں معمر سے روایت ہے دسہزار لشکر کے ساتھ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مکہ کا قصد کیا جسکی بابت کتاب یسعیاہ علیہ السلام کے ۴۲ باب میں پیشین گوئی ہے جسکے جملے یہ ہیں دیکھو میرا بندہ جسے میں سنبھالتا میرا برگزیدہ جس سے میرا جی راضی ہے میں نے اپنی روح اُسپر رکھی وہ قوموں کے درمیان عدالت جاری کرائے گا الخ اُسکا زوال نہوگا اور مسلا نہ جائیگا جب تک راستی کو زمین پر قائم نکرے الخ اسمیں اذا جاء نصر اللہ والفتح الخ کے مضمون کی پوری تائید ہے خداوند ایک بہادر کی مانند نکلے گا وہ جنگی مرد کی مانند اپنی غیرت کو اُسکائیگا وہ چلائیگا ہاں وہ جنگ کے لئے بلائیگا وہ اپنے دشمنوں پر بہادری کریگا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عرب کی قوموں کو بلایا اور قبائل جمع ہوئے دسہزار لشکر ساتھ ہوا مکہ کے لوگ امان کے طالب ہوئے آپنے امان دی اور سب نے ایک لخت اسلام اختیار کر لیا کفر کا جھنڈا اُکھڑ گیا۔ اب عرب میں کوئی مذہبی مخالف باقی نہیں رہا۔

یہ فتح یسعیاہ کی پیشگوئی کے ساتواں سال ہجری میں ہوا تھا ۱۲ منہ

(۲) بعض کہتے ہیں فتح سے مراد خیبر کی فتح ہے جو سال حدیبیہ کے بعد جبکہ مسلمانوں کو رنج و ملال تھا واقع ہوئی اور جسکے بعد مسلمانوں کو فراغدستی میسر آئی (۳) جمیع فتوحات مراد ہیں جو غزوات میں پے درپے نصیب ہوئیں اور اسلامی شوکت زور پکڑتی گئی۔ فتح مکہ۔ خیبر۔ طائف۔ حنین وغیرہ۔ (۴) فتوحات غیبیہ علوم و اسرار ملکوتیہ جو رفتہ رفتہ آپ پر منکشف ہوتے تھے اور آخر اُس کا حضرت احدیتہ کا دروازہ کھل جانا اور کشف ذاتی ہے کہ پھر یہ کثرت وحدت کے ملاحظہ کے لئے کسیطرح بھی حاجب نہوتی تھی۔ اور عرفا رو کملا ترقی کرتے کرتے اس مقام پر پہونچ جاتے ہیں کہ اُنپر عالم غیب کے دروازے کھل جاتے ہیں تب وہاں کی چیزیں عیاناً نظر آنے لگتی ہیں اور اُسی عالم کے لوگوں سے موانست زیادہ ہونے لگتی ہے اس عالم سے بے اعتنائی ہو جاتی ہے۔ پھر جسطرح اس عالم کے لوگوں کا شغل خداپاک کی تسبیح و تقدیس ہے اور یہی باعث راحت اور سرور روح ہے ان لوگوں کا بھی ہو جاتا ہے اسلئے فرمایا ہے فسبح کہ خداپاک کی تسبیح کیا کرو اور تسبیح بھی کیسی بحمد ربک جملہ سے ملا کر سبحان اللہ وبحمدہ۔

لطائف حقیقت

واضح ہو کہ حق سبحانہ کو صفات مذمومہ سے مبرا سمجھنا عین عبودیت ہے کہ وہ فانی نہیں حادث نہیں کسی کام میں کسیکا محتاج نہیں الواث بشریہ و کدورات امکانیہ سے پاک ہے نہ وہ سوتا ہے نہ بیمار ہوتا ہے وغیرذلک پس اس قسم کے اوصاف بد سے مبرا سمجھنا تسبیح ہے اور اسکے لیئے شرع میں الفاظ مقرر ہیں سبحان اللہ وغیرہ کہنا۔

پھر یہ زبان سے بھی ہوتی ہے اور دل سے بھی اور کبھی انسان یا ممکنات کی حالت سے بھی کہ خود بخود اُسکی بناوٹ کہہ رہی ہیکہ خالق جمیع عیوب اور نقصانوں سے پاک ہے اور اس آیت میں اسیطرف اشارہ ہو وان من شیء الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقھون تسبیحھم

کہ ہر چیز اُسکی تسبیح کرتی ہے مگر تم نہیں سمجھتے ؁ بذکرش ہر چہ بینی درخروش ست ٭ ولے داند درین معنے کہ گوش است ٭
نہ بلبل بر گلش تسبیح خوانے ست ٭ کہ ہر خارے بہ تسبیحش زبانے ست ٭ پھر اُس تسبیح کے مراتب متفاوت ہیں۔ ادنےٰ مرتبہ
زبان سے کہنا۔ اور اعلےٰ یہ کہ زبان اور قلب دونوں سے تسبیح کرنا۔ اور جن جن نقصانوں سے اُسکی پاکی بیان کیجاتی ہو انکے
برخلاف اوصاف کمال کا اُسکی ذات میں مشاہدہ کرنا اور اُس مشاہدہ سے انوار کا اُسکی ذات پر انعکاس پڑنا اور اُسکا بھی ان
نقائص سے پاکیزہ ہوجانا گو حدوث کے خصائص سے چھٹکارا مشکل ہے مگر تسبیح سے اُسپر ایک ایسی تجلی پڑتی ہے کہ جس سے
روح کو نورانیت حاصل ہوتی ہے اور آخر کار اسکے خصائص بشریہ مٹتے مٹتے یہانتک نوبت پہونچ جاتی ہے کہ یہ مجردات
و ملائکہ میں ملجاتا ہے اور پھر اُنسے بھی بڑہکر بارگاہ قدس میں جگہ پاتا ہے جیسا کہ فرمایا فی مقعد صدق عند ملیکٍ مقتدر
تسبیح عارف کی حالت ابتدائی ہے کس لیئے کہ پہلے آئینے یا کسی لوح کی جسپر کوئی نیا رنگ جمانا ہوتا ہے تو صفائی کر لیجاتی ہے
پھر رنگ یا نقش قایم کرتے ہیں۔ اور یہ اس لیئے کہ بندہ حادث ہے حدوث و جسمانیت کے ہزاروں خصائص میں آلودہ ہے
بہمیت کی تاریکی اسپر محیط ہے مجردات اور عالم ملکوت سے بون بعید ہے حتی کہ اُسکے ادراکات میں بھی صفائی نہیں قوت
وہمیہ اپنا دخل دیئے بغیر نہیں چھوڑتی جب کوئی معانی مجردہ اُسکے لوح قلب پر ڈالے جاتے ہیں تو قوت وہمیہ ضرور اُنکو
بھی کسی نہ کسی جسمانی قالب میں ڈھال ہی لیتی ہے اسی لیئے حق سبحانہ اور ملائکہ جو جسمانیت سے پاک ہیں جب اُن کا تصور کرتے
ہیں تو کسی خوبصورت آدمی کی شکل میں یا اور کسی جسمانی چیز میں اور اسی لیئے خواب میں جب روح دوسرے عالم کیطرف متوجہ
ہوتی ہے اور وہاں کے علوم اُسپر فائض ہوتے ہیں تو قوت وہمانیہ اُنکو بھی اُنکے مناسب صورمیں ڈھال لیتی ہے جن سے
جدا کرکے بتانا تعبیر دینا ہے۔ اور اسی لیئے اگلی قوموں میں چونکہ بہمیت غالب تہی وہ حق سبحانہ کی عبادت بغیر کسی مجسم صورت پر
دہیان دہرے کرہی نہیں سکتے تھے اور اب بھی جنکی بہمیت غالب ہے اُنپر جو کبھی تجلی ہوتی ہے تو کسی محبوب اور دلکش صورت
میں۔ اور اسی لیئے اُن لوگوں نے بت آگے رکہکر عبادت کا طریقہ نکالا تہا جیسا کہ خام کار اور لڑکے خاکا آگے رکہے بغیر کوئی کام
ہی نہیں کرسکتے۔ مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں نورانیت و ملکیت کا غلبہ ہوا اور یہ ابتدائی مشق
اُٹھوا کے بغیر شائبہ حدوث و امکان بلا کیف اُس خالق قادر کی عبادت قائم کی گئی اور عبادت میں بھی اوّل تسبیح قائم ہوئی
کہ ان کدورات و الواث بشریہ سے اُسکی ذات مقدس کو پاک اور مبرا سمجہا جاوے۔
اسکے بعد صفات حمیدہ سے موصوف سمجہانا۔ یعنی جو جو اُسکے صفات کاملہ ہیں اُنکا اُسکی ذات پاک میں ثابت کرنا جیسا کہ
وہ حی ہے۔ کریم ہے۔ باقی ہے۔ ازلی ہے۔ ابدی ہے۔ ظاہر ہے۔ باطن ہے سمیع ہے۔ بصیر ہے عادل ہے
رحیم ہے۔ وغیر ذلک اسکو تحمید کہتے ہیں یعنے اُسکے اوصاف حمیدہ کے ساتھہ اُسکو یاد کرنا عام ہے کہ اُن نعماء کا
کا بھی ذکر ہو کہ جو اُسنے بندے کو عطا فرمائیں یا نہیں۔ یہ دوسرا مرتبہ ہے رنگ یا نقش جمانے کا ہر ایک صفت باری
تعالےٰ کا جب بار بار مراقبہ کیا جاتا ہے اور تصور صحیح جمایا جاتا ہے تو ضرور روح پر اُسکا پرتو پڑتا ہے اور پھر
مشق کرتے کرتے نوبت دور تک پہونچ جاتی ہے لیکن روح کی استعداد و قابلیت میں فرق بھی ضرور ہے
بعض قابل اور مستعد ارواح کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ تسبیح سے فنا طاری ہوجاتی ہے اور تحمید سے بقا کا پرتوا

پڑجاتا ہے پھر اُس میں بھی مراتب متفاوت ہیں۔ اس رمز کے لیئے قرآن مجید میں اور بالخصوص اس سورہ میں تسبیح کے ساتھ تحمید کا حکم دیا اور اسی لیئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سبحان اللہ بحمدہٖ سبحان اللہ العلی العظیم اکثر کہا کرتے تھے اور لوگوں کو ترغیب بھی دلاتے تھے۔

اور بندہ گو ہزار کوشش اُسکی عبادت میں کرے مگر جیسا حق ہے ویسا ادا ہونا مشکل ہے اسی لیئے اعتراف قصور بھی ایک شانِ عبودیت ہے اور نیز بارگاہ اعلےٰ میں بندے کی عاجزی بہت ہی پسند ہے اسلیئے اسکے بعد یہ بھی جملہ ارشاد فرمایا واستغفرہ کہ اپنے رب سے بخشش اور معافی مانگ باوجود اس تسبیح و تحمید کے پھر بندہ کا عجز و انکسار کرنا اور اپنے آپ کو خطاوار سمجھ کر معافی مانگنا نہایت عبادت ہے۔ اس لیئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں دن بھر میں ستر بار خدا سے استغفار کرتا ہوں اور یہ بھی ہے کہ یہ استغفار اُمت کے لیئے ہے کس لیئے کہ یہ آپ کا اخیر وقت ہے اور آپ کی تکمیل انتہا کو پہونچگئی ہے اور آپ نے اقوام کو دین الٰہی کی طرف بلایا ہے اب اسوقت اُنکے لیئے آپ کا شفیع بنکر استغفار کرنا اکسیر کا حکم رکھتا ہے اسلیئے آپ اُمت کے لیئے استغفار کیا کرتے تھے۔ اور یہ اُمت کی بڑی خوش نصیبی ہے کہ جنکا رسول اُن سے خوش ہو جاوے اور استغفار کرے۔

اس سورہ کے نازل ہونیکے وقت اکثر رموز شناس صحابہ سمجھ گئے تھے کہ عنقریب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہم میں سے اُٹھ جانے والے اور ہمکو داغ مفارقت دینے والے ہیں چنانچہ صدیق اکبر اس سورہ کو سنکر زار زار رونے لگے لوگوں نے کہا یہ تو خوشی کا مقام ہے کہ اللہ نے نصرت و فتح کا مژدہ دیا۔ اور قوموں کے جوق جوق اسلام میں آنے کی خوشخبری سنائی پھر یہ بوڑھا کیوں روتا ہے بعض نے کہا یہ حضرت کا قدیم رازدار ہے کوئی تو رمز ہے جو یہ سمجھ گیا ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی ابوبکرؓ کے آنسوؤں کا سلسلہ ڈاڑھی پر بہتے دیکھا اور سمجھ گئے کہ یہ اس رمز کو سمجھ گئے آپنے فرمایا سب لوگوں نے مجھپر خدمت گذاری میں اور مالی مدد میں ابوبکر کا بڑا احسان ہے اور اگر میں خدا تعالےٰ کے سوا اور کسیکو خلیل بناتا تو ابوبکر کو مگر خلت اسلامی کافی ہے اور یہ بھی فرمایا کہ مسجد میں جو آنے کے لیئے کھڑکیاں ہیں سب بند کر دیجائیں مگر ابوبکر کی کھڑکی کھلی رہے یہ اسلیئے کہ اسکو نہایت عشق ہے اور رازدار ہیں تاکہ ہر وقت صحبت اُٹھانیکا موقع ملے۔ پھر جو اور لوگوں کو بھی یہ راز معلوم ہوا اور لوگوں نے اپنا اظہار غم و رنج کیا تو آپ نے فرمایا کیوں غم کرتے ہو خوش نصیب ہے وہ اُمت جسکا رسول اُنسے خوش ہو جاوے اور جا کر اُنکے لیئے تیاری کرے اور بدنصیب ہے وہ قوم کہ جنکا رسول اُن میں زندہ رہے اور قہر الٰہی سے ہلاک ہوں چنانچہ اس سورہ کے نزول سے کئی مہینے بعد رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے رحلت فرمائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون بخاری میں ہے کہ اس سورہ کے نازل ہونیکے بعد ہر نماز کے رکوع و سجود میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم یہ کہا کرتے تھے سبحانک اللھم ربنا وبحمدک اللھم اغفر لی کہ اے اللہ تو پاک ہے اور تیری ستائش کرتا ہوں اے رب بخشدے۔

اس سورہ پر عمل کرتے تھے اور بخشش اُس سے اس لیئے مانگ کیونکہ انہ کان توابا وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے اسکو بندے کے رجوع ہونے سے بڑی خوشی ہوتی ہے توبہ کرتا ہے تو وہ درگزر کرتا ہے بڑا ہی حلیم ہے اُسکے آگے سر رکھدینا چاہیئے پھر اُسکی مہربانی اور عنایت کی کیا کمی ہے۔ اللھم اتوب الیک اغفر لی ولوالدی ولجمیع المسلمین۔

سورہ لہب مکیہ ہی اسمین پانچ آیت ہین

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَہَبٍ وَّتَبَّ ۝ مَآ اَغْنٰی عَنْہُ مَالُہٗ وَمَا کَسَبَ ۝ سَیَصْلٰی نَارًا ذَاتَ لَہَبٍ ۝

ٹوٹ جائیں ابی لہب کے دونوں ہاتہہ اور وہ ٹوٹ بہی گیا۔ نہ تو اُسکا مال اُسکے کام آیا اور نہ اولاد وہ اب دہکتی آگ میں گرتا ہے۔

وَّامْرَاَتُہٗ حَمَّالَۃَ الْحَطَبِ ۝ فِیْ جِیْدِہَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝

اور اُسکی جورو بہی۔ جو لکڑیوں کا پشتارہ اُٹھائے گلے میں مونجھ کی رسی ڈالے پہرتی ہو

ترکیب

تبت فعل یدا اصلہا یدان سقطت النون بالاضافۃ الی لہب مضاف الیہ والمضاف مع ما اضیف الیہ فاعل تبت والید مؤنث عند العرب وابو لہب کنیۃ عبد العزی بن عبد المطلب بن ہاشم والعزی اسم صنم وہو عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکان مشہورا بالکنیۃ وانما اشتہر بہذا لانہ کان جمیلا وان وجہہ کان یتلہب لمزید حسنہ کما یتلہب بالنار۔ وتب فعل والضمیر فاعلہ یرجع الی ابی لہب عطف الجملۃ علی الجملۃ والتباب الخسران والحرمان من کل خیر وقیل الہلاک والتردی۔ والجملتان دعاء علیہ وقیل الاولی دعاء والثانیۃ اخبار۔ ما نافیۃ اغنی فعل عنہ متعلق بہ مالہ فاعلہ معطوف علیہ وما موصولۃ کسب صلتہ والعائد محذوف فاعل الکل معطوف وقیل ما مصدریۃ فما کسب بتاویل المصدر فاعل اغنی والجملۃ بیان للتباب سیصلی الفعل والضمیر الراجع الی ابی لہب فاعلہ نارا مفعول بہ موصوف ذات لہب صفۃ وامراتہ معطوف علی الضمیر المتصل وجاز ذلک للفصل حمالۃ الحطب قرا الجمہور حمالۃ بالرفع علی الخبریۃ او النعتیۃ وقرء عاصم بالنصب علی الذم او علی انہ حال من امراتہ حبل موصوف من مسد صفۃ مبتدا مؤخر فی جیدہا خبر مقدم والجملۃ فی محل النصب علی انہا حال من الضمیر فی حمالۃ وقیل فی محل الرفع علی انہا خبر آخر لقولہ وامراتہ الجید العنق والمسد الحبل الذی تفتل منہ الحبال وقیل المسد بسکون السین مصدر بمعنی الفتل وبفتحہا المحور من حدید او حبل من لیف او کل حبل محکم الفتل والجمع مساد وامساد کذا فی القاموس وقیل امراتہ مبتدا حمالۃ الحطب خبرہ فی جیدہا الخ حال من الضمیر فی حمالۃ۔ کذا قال ابن الصائغ۔

تفسیر

یہ سورہ بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ ابن الزبیر وابن العباس کا بہی یہی قول ہے۔ اور اسمیں کسیکا بہی خلاف نہیں اسکی پانچ آیتیں ہیں اس کا ربط سورہ نصر سے یہ ہے کہ اُس سورہ میں بتلایا گیا ہے کہ آخرت تو آخرت دنیا میں بہی آسمانی حکم قبول کرنے والونکے لئے فتح ونصرت ہے دین اور دنیا کی کامیابی نصیب ہوتی ہے اسیطرح اس آسمانی حکم سے سرتابی کرنیوالوں اور مقابلہ اور عداوت سے پیش آنیوالوں کے لیئے بہی دنیا وآخرت کا خسارہ اور بربادی اور ہلاکی ہے۔ اس پہلی بشارت کا اول مستحق رسول کریم کو بناکر مژدہ سنایا تہا اذا جاء نصر اللہ والفتح کہ لو آئی مدد اور فتح اللہ کی گویا آ ہی گئی اس سورہ میں اس خسران و بربادی کا طوق ابی لہب حضرت کے حقیقی چچا کے گلے میں ڈال کر جملہ مخالفوں کو دکہایا جاتا ہے کہ مخالفت وعداوت کا یہ نتیجہ ہے جس کیطرف سورہ کوثر میں اشارہ تہا کہ اپ کو اے محمد کو ثر عطا کیا اور آپکے دشمن کو ابتر کیا اسیلئے اس سورہ لہب میں اُس بدبختی کا بہی حال بیان فرمانا ضرور تہا جو دین الٰہی کے مقابلہ اور عداوت میں ظاہر ہوتی ہے۔

شانِ نزول اس سورۃ کا بخاری و مسلم وغیرہ محدثین نے یوں نقل کیا ہے کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت اتری وانذر عشیرتک الاقربین تو آپ کوہ صفا پر چڑھے اور چڑھکر اول سے لیکر اخیر تک کے قبائل قریش کے نام لے لیکر پکارا اے بنی فلاں آخر اے بنی ہاشم اے بنی عبد المطلب سب جمع ہوگئے تو آپنے فرمایا کہ بھلا اگر میں تمکو خبر دوں کہ دشمن کا لشکر تمہارے لیئے تیار ہے شبخون ماریگا کیا تم مجھے سچا جانوگے۔ سب نے کہا بیشک۔ تو اب میں تمہیں کہتا ہوں کہ عذاب الٰہی تمپر آنے والا ہے نجات کا رستہ اختیار کرلو اور اپنے بچنے کی تدبیر نکالو میں کھلم کھلا خبردار کرنے والا ہوں۔ پھر خاص اپنے خاندان کیطرف جو بہت قریب تھے خطاب کیا کہ اے عباس و اے فلاں اور اے صفیہ میری پھوپھی اور اے فاطمہ میری بیٹی اسپر بھروسہ نکرو کہ ہم پیغمبر کے رشتہ دار ہیں ہیں خدا کے ملزم کو نہیں بچا سکتا۔ یہ گفتگو اور وعظ سنکر ابولہب نے جو آپ کا چچا تھا خفا ہوکر یہ کہا کہ تیرے ہاتھ ٹوٹ جائیں تبا لک (کیا تو نے اسی بات کے لیئے ہمیں بلایا تھا) اور یہ کہکر ایک پتھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پھینکا اور بہت کچھ گالی گلوج بکیں جسپر یہ سورہ نازل ہوئی۔ یہ واقعہ اسکے نزول کا محرک ہوا جس میں مخالفین دین کا دنیاوی اور دینی انجام ہد بیان فرمایا جاتا ہے۔

ابولہب عبد المطلب کا بیٹا حضرت کا حقیقی چچا تھا اور نام اسکا عبد العزیٰ تھا۔ سرخ رنگ خوبصورت آدمی تھا اور اسکے چہرے کی چمک دمک کی وجہ سے اسکی کنیت ابولہب ہوگئی تھی۔ کیونکہ لہب آگ کے شعلے کو کہتے ہیں اور کسی وصف کے بتانے کے لیئے عرب میں ابو اور ابن اور اخ کے ساتھ منسوب کرنا ایک عام محاورہ ہے۔ مسافر کو ابن السبیل۔ چاند کو ابن اللیل عربی کو اخا العرب مٹی لگے ہوئے کو ابو تراب کہتے ہیں۔ یہ بات نہیں کہ لہب اسکا کوئی بیٹا تھا یہ اسکا باپ تھا۔ اور اسکی بیوی کا نام ام جمیل تھا حرب کی بیٹی اور ابوسفیان کی بہن معاویہؓ کی پھوپھی یزید بدبخت کی رشتہ کی دادی۔ ان دونوں کو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے از حد عداوت تھی۔ ابولہب کے دو بیٹے عتبہ اور عتیبہ جن سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں منسوب تھیں وہ بھی سخت دشمن تھے۔ ام جمیل رات کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے رستہ میں کانٹے ڈالدیا کرتی تھی کہ اندھیرے میں چبھیں اور آپ کو تکلیف ہو پھر اس سورۃ کے نازل ہونے کے بعد تو قوم میں ابولہب اور اسکی جورو کا خاکا اڑگیا اور بھی عداوت بڑھ گئی اور اپنے بیٹوں کو مجبور کیا کہ محمدؐ کی بیٹیوں کو طلاق دیدو اور منہ پر جاکر سخت کلمات کہکر چھوڑ دو۔ چنانچہ عتیبہ ناہنجار نے آکر حضرت کے روئے مبارک پر تھوکا اور برے الفاظ سے طلاق دی۔

فرماتا ہے تبت یدا ابی لہب وتب کہ ابی لہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گیئے اور وہ خود بھی ٹوٹ گیا۔ یہ لفظی ترجمہ ہے۔ مگر یہ اور اس قسم کے کلمات عرب کے محاورہ میں بددعا کے لیئے مستعمل ہوتے ہیں حق سبحانہ کسی کو دعا نہیں کرتا ہے بلکہ اس محاورہ میں اسپر بربادی آنے کی خبر دیتا ہے جو دنیا و آخرت میں اسپر آنے والی تھی۔ تب محاورہ کے موافق یہ ترجمہ ہوگا کہ ابی لہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ خود بھی خراب ہوجاوے یا یہ کہ ہوگیا محاورہ ہے بددعا کے بعد ایسا کلمہ مستعمل ہوتا ہے جو قبولیت پر دلالت کرے جیسا کہ اس شعر میں ہے ؎

جزی ربہ عنی عدی ابن حاتم ٭ جزاء الکلاب العادیات وقد فعل ٭ ہمارے محاورے میں کہتے ہیں خدا اسکو غارت کرے اور کر دیا۔

ف دونوں ہاتھ ٹوٹنے سے کیا مراد ہے؟ ظاہری دونوں ہاتھوں کا ٹوٹنا مراد نہیں بلکہ ہاتھ یا گردن یا سر سے انسان کو تعبیر کیا کرتے ہیں مراد یہ کہ وہ خراب ہوجاوے۔ انسان کے اندر خدا پاک نے دو قوت رکھی ہیں ایک قوت نظریہ جسکے سبب چیزوں کا علم آتا ہے ہر ایک چیز کو

تاہے امور غیب کی تصدیق کرتا ہے بڑے پہلے کاموں کا انجام سوچتا ہے نفع و نقصان کو جانتا ہے دوسری قوت عملیہ کہ
لے سبب نیک و بد کام کرتا ہے۔ یہی دونوں قوتیں انسان کے حسنات اور سعادت دارین حاصل کرنے کے دو ہاتھ
ں پھر جسنے ان دونوں کو برباد کردیا اور بڑے بڑے علم حاصل کئے عقائد فاسدہ کو دل میں جگہ دی کہ مرنے کے بعد حساب
تاب سزا و جزا کچھ نہیں خدا تعالےٰ کے کاروبار قدرت و صفات میں اور بھی شریک ہیں جو نفع و نقصان دیسکتے ہیں۔ نبی
ئی شخص نہیں نہ نبوت کی ضرورت ہے وغیرہ۔ اور اسیطرح قوت عملیہ کو بڑے کاموں میں صرف کیا مخلوق کے ساتھ بھلائی
ر رحمدلی کیجگہ ظلم کیا عفت کی جگہ بدکاری کی جنکی اطاعت کرنی چاہیئے تھی اُنسے سرکشی کی مقابلہ کیا عبادت الٰہی کی جگہ
ہوت پرستی اور تن پروری کی خیرات کی جگہ بخیلی اور کنجوسی کی وغیرہ اُسنے اپنی کمائی کے دونوں ہاتھ توڑ دیئے یہ بات ابولہب کو حاصل تھی
سلئے اُسکے حال کی اُس مغرور و بےخبر کو خبر دیجاتی اور مطلع فرمایا جاتا ہے اور اس رمز کے لیئے اُسکی ذات کے برباد و خراب ہونے کو
نوں ہاتھوں کے ٹوٹ جانے سے تعبیر کیا جاتا ہے (۲) یہ کہ انسان کی دو حالت ہوتی ہیں ایک موجودہ دوسری آیندہ۔ چونکہ ابولہب
ی دونوں حالتیں خراب تھیں اور پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی عداوت سے خراب ہوچکنے کو تھیں اسیلئے بطور پیشینگوئی کے دونوں
تھونکے ٹوٹ جانے سے تعبیر کرکے بتادیا کہ تجھپر دنیا میں بھی آفت آنے والی ہے اور آخرت میں بھی۔
نیا میں چندروز کے بعد اُسپر افلاس شدید آیا وہ بیٹا کہ جسپر ناز تھا اور جسنے آنحضرت صلعم کے روئے مبارک پر تھوکا تھا اور گالیاں
لی صاحبزادی کو چھوڑا تھا اور جسکے لیئے آپنے بددعا کی تھی کہ الٰہی اُسپر تو اپنا کُتّا مسلط کر اور وہ اس بددعا سے اندیشہ بھی کرتا تھا شام
ملک میں جارہا تھا یا وہاں سے آرہا تھا اور درندوں سے اپنی حفاظت بھی کرتا تھا رات کو شیر آیا اور آکر اُس نے چبا کر چورا چورا کردیا
ر پھر اُس بیماری میں کہ جسکو عرب عدسہ کہتے ہیں خود ابولہب مبتلا ہوا وہ مرض متعدی ہے اسیلئے کوئی پاس نہیں جاتا تھا بڑی
لیف دیکھکر مرا چہرہ بگڑگیا تھا دیکھنے والوں کو ہیبت آتی تھی۔ کتّوں جیسی آوازیں نکالا کرتا تھا۔ اور پھر اُسکی وہ جورو بھی مصیبت
یکھکر مری افلاس یہانتک غالب آیا تھا کہ لکڑیوں کا گٹھہ باہر سے خود لاتی۔ ایک گٹھہ سر سے گر پڑا کس لئے کہ غمزدہ ہوچکی تھی مصائب
نے کمر توڑ دی تھی اور رسّی کا پھندا جو گلے میں پڑا ہوا تھا وہ کھنچا گلا ایسا گھٹا کہ تڑپ تڑپ کر مرگئی۔ غرض ستیاناس ہوگیا مگر اللہ
للہ رحمت للعالمین کا دل اُنکی اس مصیبت پر بھی رنج کھاتا تھا اور رحم آتا تھا مگر کیا ہوتا ہے قضاء کا تیر چھوٹ چکا تھا۔ خدا
ک کو اپنی بے نیازی کی شان دکھانی تھی کہ بھتیجے کو کوثر عطا کرے اور اُسی گھر میں چچا ابتر بنے جسکا کوئی نام لیوا بھی نہ رہا۔
ف ۲ آیت میں اُسکا نام عبدالعزیٰ نہیں لیا کنیت سے یاد کیا۔ اسکی کئی وجہ ہیں (۱) یہ کہ عزیٰ بت کا نام تھا جسکا یہ بندہ بنا تھا
یسے مکروہ اور ناپسند نام کہ جن میں شرک کی بدبو آتی ہو عالم بالا کے نزدیک ذکر کرنے کے بھی قابل نہیں (۲) ابی لہب
لفظ جسمیں لہب یعنی شعلۂ آتش پڑا ہوا تھا گویا ابتدا ہی سے اُسکے جہنمی ہونے کی خبر دے رہا تھا اسیلئے اس منحوس لقب کیساتھ
د کیا گیا اور اسمیں اہل بلاغت کے نزدیک ایک عجیب لطیفہ ہے (۳) وہ ابی لہب سے مشہور تھا۔ اگر نام عبدالعزیٰ لیا جاتا تو جلد نہ سمجھا جاتا
سیلئے یہ نام لیا گیا اب اسکی خرابی کی تشریح فرماتا ہے ما اغنیٰ عنہ مالہ وما کسب کہ نہ اُسکا مال کام آیا نہ کمائی عزت و شہرت جو قوم
یں حاصل کی تھی۔
عائشہ صدیقہ و ابن عباس و مجاہد فرماتے ہیں کمائی سے مراد اولاد ہے عرب کے محاورے میں۔ اور اسی کے مطابق ہوا بھی کیسلئے

کہ جب انتقام الٰہی کا وقت آیا تو دنیا میں مال کام آیا نہ اولاد کوئی بھی اُس آفت کو ٹال نہ سکا۔ اور اسیطرح مرنے کے بعد جو عذاب دوزخ کا پیش آیا اور قیامت میں آویگا وہاں بھی نہ مال کام آویگا نہ اولاد نہ دنیاوی عزت و وجاہت حسب و نسب۔ پھر جب یہ ایسی بے بنیاد چیزیں ہیں تو انپر فریفتہ ہونا اور آخرت کو بھول جانا اگر تباب و خسران ازلی نہیں تو اور کیا ہے ؟ اب آخرت کا حال بیان فرماتا ہے سیصلٰی نارًا ذات لہب کہ عنقریب وہ ایک ایسی آگ میں پڑے گا جو شعلہ مارتی ہوگی۔ یہ وہی آتش عداوت و عناد ہے جو دنیا میں شعلہ زن تھی اور صرف اسی پر بس نہیں بلکہ وامراتہ اُسکی جورو بھی اُس آگ میں گرے گی کیونکہ اُسکے دل میں بھی آتش عداوت شعلہ زن تھی۔ شعلہ مارنے والی آگ میں مرنیکے بعد تو وہ دونوں گرے ہی ہیں مگر پیغمبر خدا صلعم کی روز افزوں ترقی اور اپنا تنزل دیکھنا بھی آگ میں گرنا تھا اور پیشینگوئی کے مطابق وہ بہت جلد اسمیں گرے جو رات دن جلا کرتے تھے۔

اب اُسکی جورو کا حال بیان فرماتا ہے حمالۃ الحطب جو لکڑیوں کا گٹھہ اُٹھانے والی ہے۔ (۲) فی جیدہا حبل من مسد اُسکی گردن میں مونج کی مضبوط رسی پڑی ہوئی ہے۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ اُسکی بیوی کے وہ اوصاف ہیں جو دنیا میں اُسکو حاصل تھے پھر اس تقدیر پر یا تو حقیقی معنی مراد ہیں کہ خسیس و ذلیل تھی آپ لکڑیاں لایا کرتی تھی اور جسطرح لکڑہارونکے گلے میں رسی بندھی ہوتی ہے جبکہ وہ لکڑیوں کو جاتے ہیں اسیطرح اُسکے بندھی رہتی تھی پھر ایسی خسیس و دنی الطبع کا خیرات و صدقات میں صرف کرنا کیسا ؟ یا اُسکے مجازی معنی مراد ہیں۔ حمالۃ الحطب عرب کے محاورہ میں اُس عورت کو کہتے ہیں جو لگائی بجھائی کرے اور چغل خوری کرکے لڑائی کرائے چغل خور کو عرب کہتے ہیں فلان یحطب علٰے فلاں یہ استعارہ ہے اور فارسی میں بھی سخن چین کو ہیزم کش کہتے ہیں اس بدنصیب کی یہی عادت تھی کہ لوگوں کو لڑا مارتی تھی اور عورتوں میں یہ عیب زیادہ ہوتا ہے اِدہر کی بات اُدہر اور اُدہر کی اِدہر لیجایا کرتی ہیں۔ یہ قتادہ و مجاہد و سدی کا قول ہے اور حقیقی معنی مراد لینے کا ابن زید و ضحاک و ربیع بن انس و مرہ ہمدانی کا قول تھا۔ بعض فرماتے ہیں کہ یہ اُسکی آخرت کی حالت ہے کہ جسطرح دنیا میں حضرت کے راستے میں ڈالنے کو کانٹے باندہکر لاتی تھی اور اپنے گلے کے گلوبند پر جو بڑا قیمتی تھا ناز کرتی تھی اور کہتی تھی کہ محمد صلعم کے ہلاک کرنے میں اسکو صرف کرونگی اسیطرح جہنم میں اُسکے سر پر لکڑیوں کا گٹھا ہوگا اور وہ گلوبند ایک مستحکم رسہ بنکر گلے میں پڑا ہوگا جس سے فرشتے اُسکو گھسیٹیں گے۔

گلے میں مضبوط رسی سے اسطرف بھی اشارہ ہے کہ بہیمیت و شیطانیت کی مضبوط رسی اُسکے گلے میں پڑی ہوئی تھی جسکو پکڑ کر اُس کا نفس خبیث راہ حق سے کھینچتا تھا۔ ہر کافر و مشرک کے گلے میں اس قسم کی رسی پڑی ہوئی ہے۔ بدکاروں کے گلے میں شہوات کی رسی پڑی ہوئی ہے۔ محبان خدا کے گلے میں محبت کی رسی ہے ؎ رشتۂ در گردنم افگندہ دوست ٭ میبرد ہرجا کہ خاطر خواہ اوست ٭

ف حمالۃ الحطب میں اسطرف بھی اشارہ ہے کہ اُسکے گناہوں کا گٹھہ اُسکی پشت پر تھا اور خواہش دنیا کی رسی گلے میں پڑی ہوئی تھی۔

اور حمالۃ الحطب میں اُسکے خاوند کی نالائقی کی طرف بھی اشارہ ہے کیونکہ عورت بوقت مخصوص خاوند کو اوپر لادتی ہے اسکا خاوند ایک لکڑی کا پشتارہ ہو جو جلانے کے قابل ہو اور فی جیدہا الخ میں خاص اسکی طرف اشارہ ہو کہ اپنے نفس بد کی یا اُس نالائق خاوند کی بڑی مطیع ہو گویا اطاعت کی گلے میں رسی پڑی ہوئی ہو اور رسی بھی بڑی مضبوط کھجور کے پٹھوں کی ۱۲ منہ

سورۂ اخلاص مکہ میں نازل ہوئی اسمیں چار آیت ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝

اے نبی! کہدو یہ کہ اللہ یگانہ ہے اللہ بے نیاز ہے نہ کوئی اس سے پیدا ہوا نہ وہ کسی سے اور نہ کوئی اسکا ہمسر ہے

ع ۲۷

ترکیب

ہو الضمیر للشان اللہ مبتدء احد خبرہ والجملۃ تفسیر للضمیر وہو مرجعہ۔ ویمکن ان یرجع الضمیر الی المذکور وہو الرب وعلے ہذا التقدیر ہو مبتدء اللہ احد الجملۃ خبرہ ویمکن ان یکون اللہ خبر اول احد خبر ثان ویجوز ان یکون اللہ بدلا من ہو او یجوز ان یکون احد خبر مبتدء محذوف۔ والفرق بین احد و واحد مشہور۔ اللہ مبتدء الصمد خبرہ لم یلد ہذہ الجملۃ وکذا ما بعدہا تفسیر للصمد۔ ولم یکن اسمہ احد وفی الخبر وجہان احدہما کفوا ولہ اما متعلق بکان او حال من کفوا والثانی الخبر لہ وکفوا حال من احد اے ولم یکن لہ احد کفوا فلما قدم النکرۃ قدم نصبہا علی الحال۔

تفسیر

یہ سورہ جمہور کے نزدیک مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ اور عطا و عکرمہ و جابر و ابن مسعود کا بھی یہی قول ہے اور قتادہ وضحاک و سدی کہتے ہیں کہ یہ مدینہ میں نازل ہوئی۔ اور ابن عباس سے بھی ایک روایت کرتے ہیں۔ مگر قوت جمہور کے قول کو ہے۔

اس سورہ کی چار آیتیں ہیں۔ اور ربط اس سورہ کا سورہ لہب سے یہ ہے کہ ابو لہب اور دیگر عمائد قریش جس بلا میں پڑے تھے وہ خدائے واحد لاشریک کو جیسا جاننا چاہیے اسکے مطابق نہ جاننے سے پڑے تھے اب اس سورہ میں بتلایا جاتا ہے کہ وہ حق سبحانہ کیسا ہے اور اسکو کیسا سمجھنا چاہیے اور نیز سورہ کافروں میں جس کی عبادت کا اقرار تھا اسکے کامل اوصاف بیان کر دینا مقتضائے رحمت اور حجت کا اتمام ہے اگر اسکو سنکر بھی یقین نہ لائے اور اس کی ذات مبارک میں باطل خیالات پیدا کرے جو محض توہمات پر مبنی ہیں تو اپنا سر کھائے اور ابتر بنے کوثر سے محروم رہے اور ابو لہب والی بلا میں گرفتار ہووے اس لئے اسکے بعد سورہ کو ذکر کیا گیا۔

اور **شان نزول** اسکا مجملا یہ ہے کہ کفار قریش نے یا کسی اعرابی نے یا یہود کے علماء کعب بن اشرف وحی بن اخطب وغیرہ نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا کہ تو اپنے رب کے ہمسے اوصاف بیان کر تا کہ معلوم ہو کہ وہ کیسا ہے اسپر یہ سورہ مبارکہ نازل ہوئی پھر اس بات کو محدثین نے مختلف الفاظ سے اور قدرے اختلاف مضامین سے اپنی اپنی کتابوں میں روایت کیا ہے چنانچہ امام احمد نے اور بخاری نے اپنی تاریخ میں اور حاکم نے مستدرک میں اور ابن خزیمہ نے ابی بن کعب سے روایت کی ہے کہ مشرکین نے حضرت سے پوچھا تھا کہ اپنے رب کو بیان فرمایئے تو یہ سورہ نازل ہوئی الخ اور اسی طرح ترمذی نے ابو العالیہ سے روایت کی ہے اور طبرانی و بیہقی و ابو نعیم نے جابر سے روایت کی ہے کہ کسی اعرابی نے عرض کیا تھا کہ رب کے اوصاف بیان فرمایئے تب یہ سورہ نازل ہوئی اور

بیہقی وغیرہ نے علماء یہود کے سوال پر نازل ہونا بیان کیا ہے ۔
اور یہ ممکن ہو کہ اول مکہ کے قریش نے سوال کیا ہو اور سورۃ نازل ہوئی ہو اور پھر مدینہ میں آکر یہود نے یا اعرابی نے بھی یہی سوال کیا ہو اور
آپنے اس سورۂ مبارکہ کو پڑھ سنایا ہو اور مفسرین کے نزدیک ایک سوال کے جواب میں کسی آیت یا سورۃ کا پڑھ دینا بھی نازل ہونے
سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسا کہ ہم مقدمہ تفسیر میں بیان کر آئے ہیں اس تقدیر پر روایت مذکورہ بالا میں کچھ بھی اختلاف نہیں

فضائل

اس سورہ مبارکہ کے بہت کچھ ہیں یہ توحید وعقائد اسلامیہ جو ذات پاک حق سبحانہ کی بابت ہیں اور جنکو ایمان سمجھا جاتا ہے
بنیاد ہے وہ سب اس سورۃ میں مذکور ہیں اور گویا اس پارہ میں قرآن مجید کا خاتمہ اسی پر ہے اور باقی پچھلی دو سورتیں قل اعوذ برب الفلق
اور قل اعوذ برب الناس تتمہ کے طور پر ہیں جنمیں ہر ایک قسم کے شر سے جو آسمانی ہو یا اسکے اسباب ظاہری بندے ہوں جو توحید و اعتقاد
میں فرق ڈالنے والے شر ہیں حق سبحانہ سے پناہ مانگنے کا حکم ہے جسمیں اشارہ ہو کہ ان شرور سے بچتے رہو اور ان خطرات و وسواس کو
دل میں جگہ نہ دو اور اپنے اسی اعتقاد پر دم اخیر تک قائم رہو۔
امام بخاری واحمد وغیرہ نے روایت کی ہو کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اسکی قسم کہ جسکے قبضہ میں میری جان ہے یہ سورہ
تہائی قرآن کے برابر ہے ۔ امام احمد ونسائی وغیرہ نے روایت کی ہے کہ جس نے یہ سورہ پڑھی گویا اس نے تہائی قرآن مجید پڑھا تہائی
کے برابر ہونے کی یہ وجہ ہے کہ مضامین قرآن مجید تین قسم کے ہیں ۔ توحید وصفات باری تعالیٰ کیفیت افعال عباد قیامت اور
وہاں کے حالات ۔ سو اس سورہ مبارکہ میں توحید وصفات پورے ہیں ۔
بخاری ومسلم نے روایت کی ہے کہ آپنے چند شخصوں کو جہاد میں بھیجا انکا امام نماز میں جب قرأت تمام کرتا تو قل ہو اللہ پڑھتا لوگوں
نے واپس آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا آپنے فرمایا کہ اس سے پوچھو وہ ایسا کیوں کرتا تھا اسنے جواب دیا کہ اس میں
حق سبحانہ کی صفات ہیں اس لئے میں اسکو دوست رکھتا ہوں آپنے فرمایا کہ اسکو خبر کر دو کہ خدا تجھکو دوست رکھتا ہے اور بھی احادیث
اس کے فضائل میں وارد ہیں ۔

فقال

قل کہ اے نبی کہدو ۔ اس میں اشارہ ہو کہ آپ از خود نہیں فرماتے یہ اسرار کہ جن تک حکماء کے عقول کو بھی برسوں کی ریاضت اور غور و فکر
کے بعد بھی پوری رسائی نہیں ملہم غیب کیطرف سے ہیں ۔ اس لفظ کے سننے کے بعد مخاطب کو شوق اور انتظار بھی پیدا ہوتا ہو کہ دیکھئے
عالم غیب سے اسکے بعد کیا ارشاد ہوتا ہے ۔ قل ہو اللہ احد کہ وہ رب کہ جسکی صفت تم بیان کرتے ہو اللہ ہے جو یکتا ہو اسکی ذات اور صفات
میں یکتائی ہے ۔ ذات میں اس طرح سے کہ نہ اور کوئی شریک الوہیت ہے نہ اسکی ذات کے لئے اجزاء ہیں نہ تحقیقی نہ تقدیری نہ ترکیبی نہ تحلیلی
اور صفات میں یکتائی یہ ہے کہ وہی ازلی ہے اور کوئی نہیں وہی ابدی ہو اور کوئی نہیں وہی قادر مطلق ہو اور کوئی نہیں وہی علیم مطلق
ہے کہ جسکے علم سے کوئی چیز باہر نہیں اور غیب کے علوم اور اسرار اسکے سامنے حاضر ہیں اور کوئی ایسا نہیں وہی رحمن ورحیم حقیقی ہے اور
کوئی نہیں وہی موجود اصلی ہے اور کوئی نہیں اور جو موجودات ہیں تو انکا وجود ذاتی نہیں بلکہ مستعار ہے اسیکے وجود کا پرتو ہے وہی مستغنی
ہو اور کوئی نہیں الغرض وصف احدیت اسیکا حصہ ہو اسلئے لفظ احد آیا جسکے معنی ہیں یکتا نہ واحد جسکے معنی ہیں ایک احد اور واحد میں

ف احد اور واحد کا فرق

فرق ہے جمہور کے نزدیک۔ ازہری فرماتے ہیں کہ احدیت کے ساتھ بجز حق سبحانہ کے اور کوئی متصف نہیں ہو سکتا رجل احد درہم احد نہیں کہتے بلکہ رجل واحد درہم واحد کہتے ہیں اور واحد احد میں داخل ہے نہ احد واحد میں کس لئے کہ ایک اور یکتا میں فرق ہے اور اگر کوئی یوں کہے کہ ایک شخص اسکا مقابلہ نہیں کر سکتا تو سمجھ جائے گا کہ دو کر سکتے ہیں برخلاف احد کے اور اسی طرح عربی میں کہیں گے لایقاومہ احد تو اسکے یہ معنی ہونگے کہ کوئی بھی مقابلہ نہیں کر سکتا اور اسی لئے واحد اثبات کے موقع میں اور احد نفی کے موقع میں مستعمل ہوتا ہے اور یہ بھی ہے کہ واحد۔ کے اوپر اثنین ہے احد پر نہیں بعض فرماتے ہیں کہ احد وہ ذات ہے من حیث ہی ہی نہ جسمیں کثرت کا لحاظ ہے نہ قلت کا نہ کسی شرط کے وجود کا نہ عدم کا یعنی حقیقت محضہ جو منبع ہے جمیع صفات اور جمیع شیون کا اور واحد ذات مع صفت ہے بالخصوص یکتائی کی صفت معتبر ہے اور اسی لئے اول ہو فرمایا جو ذات بحت ہے اور پھر اسکے نام کو ذکر کیا جو اللہ ہے اور اسی لئے اسکو اسم ذات کہتے ہیں اور چونکہ جمیع صفات کمالیہ بھی اس میں معتبر ہیں تو اس کے بعد لفظ احد لایا گیا تاکہ معلوم ہو کہ اسکی صفات اسمیں کثرت نہیں پیدا کرتیں اور جو کثرت بھی ہے تو محض اعتباری جو در حقیقت کثرت نہیں اسی لئے اسکی احدیت میں کوئی بھی فرق نہیں آیا۔ اور اسی لئے صوفیہ کرام کے نزدیک مقام احدیت اور مقام واحدیت میں فرق ہے خلیل کہتے ہیں کہ دونوں لفظوں کے ایک ہی معنی زبان عرب میں ہیں صرف تخفیف کے لئے واحد کے و کو ہمزہ سے بدل لیا کرتے ہیں۔

واضح ہو

کہ اس سورۃ میں بندوں کے مراتب کا بھی ایما ہے اور دنیا پر جسقدر مذاہب باطلہ تھے یا ہیں ان کا بھی رد ہے اور اپنے صفات کا بھی اظہار ہے۔ یہ تین باتیں ہوئیں۔ اوّل بات کی طرف اس ایک آیت میں اشارہ ہے اور تفصیل اسکی یہ ہے کہ بندوں کی تین قسم ہیں **اول** مقربین کہ جن کی بہیمت پر ملکیت بالکل غلبہ کر گئی اور اسی لئے بہیمت کے ظلمانی پردے انکی آنکھوں سے اٹھ گئے اب انکو عالم میں کسی کی ہستی نہیں دکھائی دیتی اس آفتاب حقیقی کے سامنے تمام وجودات کے ستارے مخفی ہوگئے یا یوں کہو کہ اشیاء کے تعینات پر نظر نہیں رہی پھر تو تمام اسیکی ہستی اور اسی کے وجود کا دریا رواں دیکھتے ہیں ؎

چو سلطان عزت علم برکشد ✤ جہاں سر بجیب عدم درکشد ✤ اور اسی معنی میں عارف جامیؒ نے فرمایا ؎

بخدا غیر خدا در دو جہاں چیزے نیست ✤ بے نشاں ہست کزو نام و نشاں چیزے نیست ✤ اور بندہ کی ایسی حالت ہو جانی عقلاً ممکن ہے اور اسکی تمثیل یہ ہے کہ جب کوئی سبز یا سرخ آئینہ آنکھوں پر رکھکر دیکھتا ہے تو باوجودیکہ اشیاء باہم متمیز ہیں مگر سب اسکو سرخ یا سبز ہی نظر آتی ہیں۔ یہ مقربین حضرات انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام ہیں جنمیں صدیقین و شہداء بھی داخل ہیں انکو بجز اسکے اور کی حقیقی ہستی ہی معلوم نہیں ہوتی اس لئے انکے لئے لفظ ہو فرمایا گویہ اشارہ مطلق ہے کوئی قید نہیں مگر جب مشار الیہ معین ہے تو بجز اسکے اور کون مراد ہو سکتا ہے

دوم اصحاب یمین جو صلحاء و ابرار ہیں انکی بہیمت کا و ملکیت کا وزن برابر ہے اسلئے انکی آنکھوں میں مخلوق کا بھی وجود ہے انپر وہ حالت طاری نہیں جو مقربین پر تھی اسلئے لفظ ہو انکے لئے کافی نہ تھا بلکہ ایک ایسا لفظ درکار تھا جو خالق و مخلوق میں امتیاز کردے اسی لئے اس کے بعد لفظ اللہ آیا اسکے سننے سے انپر انکشاف ہوگیا کہ مستجمع جمیع صفات کمال اور الوہیت کا مستحق

وہی ہے اور کوئی نہیں۔

سوم ۔ اصحاب الشمال یعنے اشرار جنکی ملکیت پر بہیمیت غالب آگئی اور آنکھوں پر بھاری پردے پڑ گئے عقل خداداد کا نور زائل ہوگیا۔ قلب کے آئینہ پر زنگ لگ گیا روح کا جوہر بگڑ گیا یہ کفار و مشرکین ہیں ان عقل کے اندہوں کے نزدیک جہاں کوئی بڑی چیز سامنے آگئی اور اسکا کرشمہ ان کے دل پر نقش ہوگیا اسی کو الوہیت میں شریک کر لیا پھر کسی نے اسکو مستقل دوسرا خدا مان لیا کسی نے خدائی کا حصہ دار ٹھہرالیا۔ آفتاب۔ ستارے عناصر۔ احجار و اشجار و ملائکہ و بنی آدم کے ابرار و مقربین اور جن و خبیث سب کو خدائی میں شریک کر لیا۔ ان کی مثال گدھے کے نادان بچے کی سی ہے گائے دیکھی اسکو ماں سمجھ کر پیچھے ہو لیا۔ بیل دیکھا اسکو ماں سمجھ کر اسکے پیچھے دوڑ پڑا۔ پھر کسی نے ذات حق سبحانہ کا شریک ٹھہرایا تو کسی نے صفات کا۔ انکے لئے لفظ احد ارشاد فرمایا تاکہ اس لفظ کو سنکر ہی سمجھیں۔

دوسری بات یوں تو بہت سے باطل مذہب ہیں اور اس وقت بھی تھے مگر انکی تقسیم یوں کر کے ضبط کر سکتے ہیں کہ یا تو وہ لوگ ہیں جو سرے سے اس کائنات کے بانی کا مستقل وجود ہی نہیں مانتے عناصر و کرات کو کہتے ہیں قدیم ہیں اور ہمیشہ رہیں گے زمین۔ پانی۔ ہوا۔ آتش۔ افلاک و سیارات اور پھر ان کی ترکیب سے حیوانات و جمادات و نباتات موالید ثلثہ پیدا ہو جاتے ہیں اور جب تک وہ قوت جو مرکب ہونے سے انمیں آئی ہے باقی ہے اور محافظ قوت انکی صورت ہے یہ باقی ہے تو قوی بھی رہتے ہیں نہیں تو ترکیب کی گرہ کہل جاتی ہے اور ہر جزو اپنی اپنی جگہ جدا ہو کر چلا جاتا ہے اور اسیکا نام فنا ہے نہ کوئی خدا ہے نہ ملائکہ نہ غیر محسوس چیزوں کا وجود ہے نہ مرنیکے بعد حساب ہے نہ ثواب و عذاب انبیاء و دیگر اچھے لوگ بندوں کی تعلیم کرنے کیلئے اور ترغیب و ترہیب کے لئے جنت و دوزخ سے ڈراتے ہیں۔ یہ ایک مذہب ہے پھر اسکی بہت سی شاخیں ہیں دہریہ اور طبعیہ اور یورپ میں آجکل اپنی ملکی زبانوں کے ناموں سے مختلف القاب سے موسوم ہیں حکماء یونان میں بھی ایسے بہت لوگ تھے اور دیگر ممالک میں بھی اور ہنود میں بھی ایسے بہت گروہ ہیں یہ بلا پہلے بھی بہت پھیلی تھی اور آجکل نئی تعلیم کا زور اسی پر ہے اور ان کو شرع میں ملحد بھی کہتے ہیں۔ ملحدوں کی بڑی بڑی تصانیف ہیں۔

یا دوسرے وہ اس کائنات کے بانی کا وجود مستقل مانتے ہیں اور اس کی ہستی کائنات کی ہستی سے جدا تسلیم کرتے ہیں پھر اسکے ہر زبان میں جدا جدا نام ہیں۔ خدا۔ اللہ۔ گاڈ۔ پرمیشر تنگری وغیرہ۔ اور یہ فرقہ بہت ہے۔ اور اکثر دنیا کی آبادی میں یہی لوگ پائے جاتے ہیں۔ پھر ان کی دو قسم ہیں یا تو وہ کسی آسمانی کتاب اور نبی کے قائل ہیں یا نہیں اور جو قائل ہیں انکو متدین کہتے ہیں اور جو قائل نہیں وہ غیر متدین ہیں۔ غیر متدین لوگوں کے پھر بہت سے فریق ہیں جیسا کہ افریقہ اور ہند کے جنگلی لوگ۔ پھر جو ان میں شائستہ ہیں انہوں نے از خود یا انکے پیشواؤں اور علماء نے انکے لئے قوانین بھی بنائے ہیں اور کتابیں بھی لکھی ہیں۔ میرے نزدیک اکثر ہنود کے مذاہب اور اسی طرح اہل چین و تاتار کے مذاہب اور اسی طرح مجوسیوں کا مذہب اسی قسم میں داخل ہے۔ اس فریق کے آگے بہت سے فریق ہیں مگر سب نے بانی کائنات حق سبحانہ کی ذات پاک اور اسکے صفات مقدسہ میں کائنات میں سے بڑی بڑی چیزوں کو حصہ دار ٹھہرایا ہے۔ عناصر کواکب و احجار و اشجار اور ارواح غیر مرئیہ کو ان اشیاء کو سمجھتے ہیں کہ یہ مستقل خدا تو نہیں مگر خدا تعالیٰ ان بغیر کوئی کام بھی نہیں

کرسکتا اس لئے انکی خوشامد کرنا بھی انہیں ضرور ہوا اور پھر ان چیزوں کی پرستش اور نذر و نیاز کے عجائب عجائب دستورات قانون بنائے کسی نے انکے نفوس کی پرستش کی کسی نے انکے اجسام کی مورتیں بنائیں پھر کسی نے صرف علویات کی پرستش پر قناعت کی ستاروں اور کواکب کو پوجنا اختیار کیا فرقہ صابئیہ جو کئی جگہ مذکور ہوا اسکا یہی طریق تھا قدیم یونانی اور اہل مصر اور اہل شام و عراق کا بھی یہی مذہب تھا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد میں عرب کے بھی اسیطرح صدہا معبود تھے کہ جس طرح ابتک ہنود کے ہیں اور مجوس بھی اسیطرح عناصر پرستی کرتے تھے جیساکہ اب تک کرتے ہیں اب رہا فرقہ متدین جو دنیا پر تعداد میں سب سے زیادہ ہے پھر انکے بھی اقسام ہیں یہود جو حضرت عیلے علیہ السلام سے اوپر تک کے اکثر نبیوں کو مانتے ہیں حضرت موسٰے علیہ السلام کی توریت اور دیگر صحف انبیاء علیہم السلام کی جو انکے پاس محرف موجود ہیں تعظیم کرتے ہیں۔ سامریہ جو صرف حضرت موسٰے علیہ السلام کی توریت کو مانتے ہیں وہ بھی یہود میں سے ایک شاخ نکلی ہوئی ہے۔ نصاریٰ جو حضرت عیسٰی علیہ السلام کو اور ان سے پہلے سب انبیاء علیہم السلام کو مانتے ہیں اور توریت کو بھی انجیل کی طرح مقدس سمجھتے ہیں یہ متدین فریق حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا پھر ہر نبیؑ اس طریقہ کی تقویت کرنے کو آیا مگر حضرت ابراہیم خلیل اللہ صلوۃ اللہ علیہ وسلامہ نے اس طریقہ کو نہایت رونق دی اور اس کی بنیاد کے مستحکم پتھر رکھے اس لئے اس بزرگ باخدا کی طرف ہر فریق متدین منسوب ہوتا ہے اور اسکو حنیفہ کہتے ہیں طریقہ حنیفیہ میں خدا تعالیٰ کی توحید اور قیامت کا اعتقاد اور مرنے کے بعد جزا و سزا اقرار شرط ہے۔ خالص عبادت کی تاکید اگلے نبیوں اور انکی کتابوں اور فرشتوں پر ایمان لانے کی تاکید ہے ناجائز افعال کے ارتکاب سے ممانعت ہے عرب میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل میں اس طریقہ کی پابندی کا دعویٰ تھا۔

مگر حنیفیت میں غیر مذاہب کے اختلاط سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد تک بہت نقصان آگیا تھا یہ محل بوسیدہ ہو کر گرنے کے قریب ہوگیا تھا یہود میں بہت سے فرقے پیدا ہو گئے تھے بہت سے قیامت کے ہی منکر ہو گئے تھے اور بہت میں بت پرستی رواج پاگئی تھی اور اسیطرح رومیوں اور یونانیوں اور دیگر بت پرست قوموں کے اختلاط سے عیسائیوں میں صدہا فریق ہو گئے تھے اور ابتک ہیں اور حضرت عیسے علیہ السلام کو خدائے پاک کا بیٹا اور خدائی کا تیسرا جزء سمجھنے لگے اور بعض تو حضرت مریم کو بھی پوجنے لگے تھے اور عرب میں بھی حنیفیت کے نشان مٹ چکے تھے عموماً بت پرستی رواج پاگئی تھی۔

اخیر زمانہ میں خدا تعالےٰ نے عرب میں ایک ایسا نبی برپا کیا جس نے اپنی روحانی طاقت سے اس ملت حنیفیہ میں پھر جان پھونک دی اور جو کچھ اس فرقہ میں نقص پیدا ہو گئے ہیں انکو دور کر دیا۔ اور اس نبی پر یہ سورہ نازل فرمائی جس میں جمیع مذاہب باطلہ خصوصاً یہود و نصاریٰ کے قبائح پر تنبیہ کی گئی ہے۔

اب دنیا میں اصل فرقہ حنیفیہ جو ہے وہ اسی نبی کے متبعین ہیں اور درصل یہی لوگ حضرت ابراہیم و موسٰے و عیسٰے علیہم السلام وغیرہ بزرگوں کے ماننے والے ہیں

اب میں فرقوں کے ابطال کی اس سورۃ کے الفاظ سے تشریح کرتا ہوں۔

ہوئے ان ملحدوں اور خدا کے منکروں کو تنبیہ ہے جو کسیقدر عقل و ادراک سے بھی بہرہ ور ہیں کس لئے کہ موجودات میں سے جب وہ ایک چیز کو بھی غور کرینگے تو آخر یہی بول اٹھیں گے کہ وہی ہے وہی۔ اب آفتاب ہی کو دیکھو اور اپنے علم کے گھوڑے دوڑاؤ اور اسکو ساکن بھی مان لو اور زمین کو اسکے ارد گرد حرکت کرتے ہوئے سمجھ لو تو اب یہ بتاؤ کہ اگر یہ خود بخود بنگیا ہے تو گول کس نے کر دیا اور پھر اور ستاروں سے یہ کیوں بڑا بن گیا ان میں نور کیوں نہیں کس لئے کہ جس طرح از خود یہ بنا ہے وہ بھی بنے ہیں پھر اسکے نور میں گرمی کی کیا وجہ ہے اور ونکے نور میں سردی کا کون سبب ہے پھر انکے باہم یہ ابعاد اس مقدار پر کیوں ہیں؟ اور جب یہ کسی کے مسخر نہیں تو پھر اس فاصلہ میں تفاوت کیوں پیدا نہیں ہوتا اگر کہو مادہ علیت ہے تو مادہ تمہارے قول کے بموجب غیر محسوس چیز ہے اسکے قائل ہونے کا کون سبب۔ پھر مادہ کو اس طرح کس نے تقسیم کیا اور مادہ تو سب کا ایک ہے پھر تفاوت کیوں ہے؟ پھر اگر کہو صورت کے سبب سے تفاوت ہے تو اس صورت کو کس نے پیدا کیا اور کیوں مختلف صورتیں پیدا ہوئیں؟ پھر اگر وہی مادہ سبب اور علت ہے تو ترجیح بلا مرجح ہے اور اگر اور کوئی مرجح ہے تو وہی ہے آخر کار پھر کر اسی طرف آنا پڑتا ہے مادی اور طبعی لوگوں کو بجز سکوت اور حیرت کے کوئی چارہ نہیں ہوتا اس بحث کو ہم اسیقدر پر تمام کرتے ہیں اور مادی اور طبعی آج کل حکماء یورپ ہیں اور جو بطی الفہم ہیں انکے لئے لفظ اللہ خواب غفلت سے بیدار کرتا ہے۔

اب رہے وہ فرقے کہ جو خدا تعالے کے وجود مستقل کے قائل ہیں اور اسکو قادر بھی مانتے ہیں مگر ساتھ ہی اور موجودات کو بھی خدائی میں شریک کرتے ہیں چنانچہ مجوس کہتے ہیں کہ ایک نوری خالق ہے جسکو یزدان کہتے ہیں اور ایک ظلمانی جسکو اہرمن کہتے ہیں یزدان نیک اشیاء اور نیک کام پیدا کرتا ہے اور اہرمن مضر چیزیں اور برے کام کراتا ہے اور دونوں کا باہم مقابلہ بھی ہوا کرتا ہے کبھی وہ غالب یہ مغلوب اور کبھی یہ غالب وہ مغلوب اور دیگر مشرکین اور اشیاء کو اسکی صفات میں شریک کرتے ہیں۔ عرب فرشتوں کو اور جنوں کو خدا کے رشتہ دار اور بیٹیاں سمجھ کر کارخانہ قضاء و قدر کا مختار کل جانتے تھے اسی طرح عناصر اور کواکب کو مظہر تجلی سمجھکر ان کو قاضی الحاجات دافع البلیات خیال کرتے تھے بلکہ ہنود اور مجوس ابتک ایسا ہی سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت بغیر انکی عبادت کے ہو نہیں سکتی نہ اس تک انکے وسیلہ بغیر فریاد پہونچ سکتی ہے نہ نذر و نیاز اور ہنود نے حیوانات نباتات کو بھی اس مرتبہ میں سمجھ رکھا ہے اور عرب کے مشرکوں اور دیگر اقوام کا بھی اسی کے قریب قریب حال تھا پھر کہیں کسی دیوتا کو پانی کا کسیکو صحت و تندرستی کا کسی کو ارزانی کا اور کسیکو گرانی کا اور کسیکو اولاد و مال کا اور کسی کو فتح و شکست کا اور کسیکو موت و حیات کا مختار سمجھ رکھا ہے اور عرب نے بھی سمجھ رکھا تھا۔ پھر ان دیوتاؤں کی مورتیں پیتل تانبے سونے چاندی پتھر کی بنا رکھی تھیں اور مکانات میں رکھ چھوڑی تھیں جیسا کہ ہنود کے مندر یا بتخانے پھر ان کے آگے سجدہ کرتے تھے۔ قربانیاں کرتے تھے نذر و نیاز پیش کرتے تھے ناچ دکھاتے گانے سناتے تھے بخور جلاتے تھے باجے بجاتے تھے اور ان مندروں کے پجاری مقرر تھے اور اسی طرح زہرہ۔ مشتری۔ آفتاب۔ ماہتاب وغیرہ ستاروں کے مندر بنے ہوئے تھے اور اب جسکو ان اگلے لوگوں کے حالات دریافت کرنے ہوں تو ہندوستان میں آکر ہنود کے معابد دیکھ لے کہیں ہنومان جی کھڑے ہیں تو کہیں مہادیو کی مورت ہے اور کہیں بشن کی اور کہیں بھیروں کی اور کہیں کالی دیوی کی تو کہیں لاٹوں والی کی تو کہیں اور کسی کی خصوصاً شہر بنارس میں یہ تماشہ خوب موجود ہے۔ ہر چند مسلمانوں کے آنے سے بہت کم ہو گیا مگر پھر بھی بہت ہے

پھر کہیں مرد کے اعضائے تناسل کی صورت جسکو مہادیو کا لنگ کہتے ہیں ایک کھرل میں کھڑا ہے جسکو پاربتی زوجہ مہادیو کا اندام نہانی سمجھا جاتا ہے۔ سانپوں کا مالک و مختار گوگا پیر سمجھا جاتا ہے جو ایک مارواڑی راجپوت تھا اسیطرح اور صدہا مکروہات ہیں۔ ہنود کا فرقہ محدثہ جس کا آریہ نام ہے۔ ہر چند تاویلات رکیکہ کے ذریعہ سے اس داغ بدنامی کو اپنی کتب سے مٹانا چاہتا ہے اور جن کتابوں سے مٹ ہی نہیں سکتا جیساکہ اٹھارہ پوران ان کا منکر ہوگیا ہے مگر سناتن دہرم کے پنڈت ان کی اس تدبیر کو کب چلنے دیتے ہیں وہ کہتے ہیں ان چیزوں کی پرستش جیساکہ ہزارہا سال سے مروج ہے ہمارے چاروں ویدوں اور چھوٹوں شاستروں اور اٹھارہ پرانوں کی صریح عبارات سے ثابت ہے کوئی ایک آدھ جملہ نہیں جو اسکی تاویل کی جاوے بلکہ بڑے لمبے چوڑے مضامین ہیں اور ہمارے تمام پنڈت جو سنسکرت زبان کے ماہر تھے یہی مطلب سمجھتے آئے ہیں اور قدیم شراح نے یہی مطالب بیان کئے ہیں پھر یہ دیانند جو درصل سنسکرت کا ماہر بھی نتھا نہ اس کے پورے قواعد جانتا تھا ہزاروں برسوں کے بعد کہاں کا پنڈت پیدا ہوگیا جو ہیر پھیر کے خلاف محاورے زبان کے معنے بیان کرنے لگا۔ یہ کتابیں نہ آسمانی ہیں نہ ایک شخص کی تصنیف ہیں چاروں ویدوں میں سے رگوید اول کتاب ہی کو دیکھو کہ متعدد اشخاص کے کلام متعدد مذاق کے موافق ہیں جنکے نام بھی شراح نے ہر کتی کے سرے پر لکھدئے ہیں۔ نہ ہم اس بات کے مدعی ہیں کہ ان کتابوں میں کبھی تغیر نہیں ہوا کس لئے کہ کئی بار یہ کتابیں دنیا سے معدوم ہوچکی ہیں جنکو اوتاروں نے موجود کیا ہے اگر آریہ فرقہ کو جو دیانند جیسے بے علم معتقد ہے۔ نئی تعلیم اور مسلمانوں کی توحید سے یہ بت پرستی ناپسند ہے اور مذہب قدیم ان کے نزدیک سراسر جاہلانہ خیالات کا مجموعہ ہے کہ جسکو کوئی روشن دماغ قبول ہی نہیں کرسکتا اور اسی لئے وہ ہمیشہ ہندوستان ظلمت نشان کے باہر بھی نہیں نکلا تو وہ ان کتابوں اور اس مذہب کی کہانتک مرمت کرے گا حق پسندی یہی ہے کہ صاف صاف اقرار کرے کہ باطل ہے اور مذہب اسلام کو قبول کرلے اگر اس بارہ میں قوم سے ڈرتے ہیں اور اپنی پرانی گدڑی کو گانٹھ کر تعصب سے دوشالہ کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں اور حب الوطن کا حق ادا کرتے ہیں تو ایمانداری نہیں پوری خیانت ہے (میں پنڈتوں کی اس گفتگو سے اتفاق کرتا ہوں)

الغرض سیکڑوں معبود ہیں ایک دو نہیں اسیطرح بعض قوموں نے اوسا ور آلے بنائے تھے۔ ان سب کے رد کے لئے لفظ احد آیا کس لئے کہ حق سبحانہ اپنی ذات وصفات میں یکتا ہے کوئی اسکا کسی وصف میں شریک نہیں اب اسکی توحید کے دلائل اگر میں مفصلاً بیان کروں تو اور ایک مبسوط کتاب بنجائے خصوصاً ان قوموں کے لئے (جو خدا تعالیٰ کو بھی قادر جانتے ہیں مگر مخلوق کو مظاہر یا اسکے کارخانوں کا مالک و مختار جان کر پوجتی ہیں) تو لفظ احد اس غلط خیال کے مٹانے کو سیف قاطع ہے کس لئے کہ مقام احدیت میں اسکے سوائے اورکسیکا وجود بھی نہیں پھر صفات میں شرکت کیسی وہ خود جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

مگر بلید الفہم لوگوں کو اسکے بعد بھی تسلی نہیں ہوتی اسلیئے اسکے بعد یہ جملہ ارشاد ہوا اللہ الصمد کہ اللہ بے نیاز ہے اسکو اپنے کسی کام میں کسی کی حاجت نہیں اور وہ حاجت روا اور قاضی الحاجات بھی ہے پھر کون ہے جو بندوں کی حاجت برآری کرے اور کسی کی مجال ہے جو اسکے آگے دم مارے۔ اس کی شان صمدیت نہیں چاہتی کہ اور کی عبادت کیجائے۔

اب فریق متدین کی خام خیالیوں کا بطلان کرتا ہے فقال لم یلد اس نے کبھی کسیکو نہیں جنا۔ توالد وتناسل اسکی
احدیت وصمدیت کے برخلاف ہے کس لئے کہ بیٹا باپ کے ہمجنس ہوا کرتا ہے پھر جب دوسرا اس جیسا ہوا تو
نہ احدیت رہی نہ بلحاظ صفات کے صمدیت باقی رہی کس لئے کہ صمد وہی ہے کہ جسکو کسی کی طرف حاجت نہ ہو۔
اور سب کو اس کی طرف حاجت ہو۔ پھر بیٹا باپ کا ہمجنس جب ہی ہوگا کہ وہ بھی اسکے مانند اوصاف رکھکر حاجت
براری کرے۔ پس نہ فرشتے اس کی بیٹیاں ہیں نہ جن نہ حضرت مسیح علیہ السلام بیٹے ہیں نہ حضرت
عزیر علیہ السلام جیسا کہ عیسائیوں اور یہود کا خیال ہے نہ خود یہود یا اور کوئی قوم اس کی اولاد ہے جیسا کہ وہ کہتے
تھے نحن ابناء اللہ واحباءہ ولم یولد اور نہ اسکو کسی نے جنا ہے اس کا کوئی باپ نہیں کس لئے کہ اگر باپ
ہو تو حادث ہو جاوے اور حادث خدا نہیں ہوسکتا اگرچہ کسی مشہور فریق کا یہ اعتقاد نہیں ہے کہ خدا تعالےٰ کا
باپ ہے مگر یہ جملہ اس لئے ارشاد ہوا تاکہ معلوم ہو جاوے کہ جو کسی سے جنا گیا وہ خدا نہیں ہوسکتا اس قاعدہ
پر وہ جو حضرت مسیح علیہ السلام کو عیسائی خدا کا بیٹا اور خدا بھی کہتے ہیں اور اب تک الوہیت مسیح علیہ السلام
کے قائل ہیں اور اسی فاسد اعتقاد کو ایمان اور موجب نجات جانتے ہیں اسکا بھی کامل رد ہوگیا عیسائیوں کا ایک اور
فاسد عقیدہ ہے وہ کیا؟ تثلیث کہ باپ خدا۔ یعنے حق سبحانہ اور بیٹا خدا یعنے حضرت عیسےٰ علیہ السلام اور روح
القدس جبرئیل علیہ السلام یا دوسرا فرشتہ یا روح اعظم خدا۔ پھر سب ایک خدا نہ تین۔ ہر چند مذکورہ بالا دلائل
سے یہ عقیدہ بھی باطل ہوگیا مگر اسکی زیادہ تر تصریح کرنے کے لئے فرمادیا ولم یکن لہ کفوا احد کہ اس کا کوئی کفو یعنی
مثل بھی نہیں۔ جب اس کا کوئی ہمسر نہیں اور احدیت وصمدیت اور کسیکو نہ جننا نہ کسی سے جنا جانا اسیکا مقتضےٰ
بھی ہے تو پھر عیسےٰ علیہ السلام اور روح القدس پر خدا کا اطلاق کرنا ہمسر اور کفو ثابت کرنا ہے جو بدیہی البطلان بات
ہے اور عیسائی تینوں کو برابر خدا کہتے ہیں پھر اس سے بڑھکر اور کیا ہمسری اور کفویت ہوگی؟

الوہیت کا رد

تثلیث کا رد

جمیع مذاہب باطلہ کے عقائد فاسدہ کا کن مختصر الفاظ میں اور کس شائستہ اسلوب میں رد کیا گیا ہے۔؟

تیسری بات اسکے صفات کا ثبوت اور توضیح وتشریح اسکی کہ جس کے سننے کے مشرکین یا یہود مشتاق تھے اس طرح
سے ہے کہ خدا تعالیٰ کے صفات یا ثبوتیہ ہیں یا سلبیہ پھر ثبوتیہ یا اضافیہ ہیں یا غیر اضافیہ **صفات ثبوتیہ** غیر اضافیہ
جیسا کہ اسکا حی یعنے زندہ ہونا ازلی ہونا ابدی ہونا اور **صفات اضافیہ** کہ جنکا تعلق یا تعقل دوسری چیز سے ہو جیسا کہ اسکا
قادر ہونا عالم ہونا سمیع وبصیر ہونا۔ صاحب ارادہ ہونا۔ خالق ورازق ہونا اور **صفات سلبیہ** جیسا کہ نہ جوہر ہونا نہ جسم
ہونا نہ کسی مکان وزمان میں ہونا۔ حدوث اور امکان کے خصائص سے مبرا ہونا نہ کسیکا باپ ہونا نہ کسیکا بیٹا ہونا پس
ہو اللہ میں صفات ثبوتیہ آگئے کس لئے کہ اللہ اس ذات کا نام ہے جسمیں تمام کامل صفات پائے جائیں اور وہ مستحق عبادت
ہو۔ ہو اسکے وجود اصلی پر دلالت کرتا ہے اور لفظ اللہ اسکے حی وقیوم سمیع وبصیر علیم وخبیر قادر ومالک ہونے پر اور دیگر
اوصاف کمال پر دال ہے احد صفات سلبیہ پر دلالت کرتا ہے کس لئے کہ احدیت سے مراد اسکی ذات کا منفرد
اور تمام قسم کی ترکیبات سے منزہ ہونا ہے اور جب احدیت ہے تو وہ مکان اور جسم سے بھی پاک ہے کس لئے

صفات باری تعالیٰ

کہ مکان یعنی جگہ مجسم شے کے لئے ہوتا ہے اور جو چیز مجسم ہے ضرور مرکب ہے اسکے اجزاء لایتجزی ہوں یا ہیولی وصورت ہوں اور ترکیب منافی احدیت ہے اور جب وہ نہ جسمانی ہے نہ مکانی تو جمیع عوارض مکان وجسم بلکہ زمانہ سے بھی پاک ہے نہ اسکو موٹا کہہ سکتے ہیں نہ دبلا نہ لمبا نہ پستہ قد نہ گورا نہ کالا نہ بوڈھا نہ جوان نہ وہ کسی میں حلول کئے ہوئے ہے نہ کوئی اسمیں کس لئے کہ حلول بھی مستلزم ترکیب ہے پھر یہ کہنا کہ خدا تعالیٰ فلاں شخص میں گھس آیا فلاں شخص خدا کی ذات میں داخل ہو گیا محض لغو ہوا اور جب وہ مجسم نہیں تو شکل وصورت سے بھی پاک ہے۔ اور محسوس بھی نہیں اور لفظ احد اسکی یکتائی و استقلال صفات پر بھی دلالت کر رہا ہے۔

اسکے بعد پھر صفات کی تشریح فرماتا ہے اللہ الصمد صمد کے لغت میں دو معنی ہیں۔ اول قصد وارادہ کرنے کے اس تقدیر پر صمد بمعنے مصمود ہو گا کس لئے کہ فعل بمعنی مفعول زبان عرب میں بکثرت مستعمل ہے اس صورت میں یہ معنی ہونگے کہ وہ ہر ایک کا مقصود ہے ہر کوئی اسکی طرف قصد کرتا ہے۔ دوئم صمد کے معنے ہیں ٹھوس کے کہ اسپر کوئی تغیر نہیں آتا وہ قوی اور مستقل ہے۔ اس تقدیر پر یہ لفظ واجب الوجود کے معنی میں ہے۔

یہ لغوی معنی کی تحقیق تھی مگر عرف عرب میں یہ لفظ بہت سے معانی میں مستعمل ہے اس لئے مفسرین میں سے ہر ایک نے ایک ایک معنی اختیار کئے ہیں (۱) یہ کہ وہ جمیع اشیاء کا جاننے والا ہے کس لئے کہ حاجت روائی کرنا بغیر اس کے ممکن نہیں (۲) ابن مسعود کا قول یہ ہے کہ اسکے معنی ہیں سردار کے جو سب سے اعلیٰ سردار ہو (۳) اصم کہتے ہیں کہ صمد جمیع اشیاء کے خالق کو کہتے ہیں (۴) سدی کہتے ہیں کہ صمد اسکو کہتے ہیں کہ جو ہر کام میں مقصود اصلی ہو اور اسکی طرف فریاد لیجاتے ہوں (۵) حسین بن فضل کہتے ہیں کہ صمد وہ ہے۔ کہ جو چاہے کرے (۶) صمد فرد کامل اور بزرگ کو کہتے ہیں۔ یہ سب قول اول لغوی معنی کی تائید کرتے ہیں اور سب صفات ثبوتیہ پر دلالت کرتے ہیں۔ چند اقوال اور بھی ہیں جو دوسرے لغوی معنی کی تائید کرتے ہیں اور وہ سب صفات سلبیہ پر دلالت کرتے ہیں (۱) صمد بے نیاز کہ جسکو کسی کی کسی بات میں حاجت نہو (۲) صمد وہ کہ جسکے اوپر اور کوئی بالادست نہو (۳) قتادہ کہتے ہیں صمد وہ جو نہ کہاوے نہ پیوے (۴) صمد وہ جو خلق کے فنا ہونے کے بعد بھی باقی رہے، فنا نہو جائے۔ (۵) حسن بصری کہتے ہیں صمد وہ کہ جسکو زوال نہو جیسا تھا ہمیشہ ویسا ہی رہے (۶) ابی بن کعب کہتے ہیں صمد وہ جو نہ کبھی مرے نہ کوئی اسکا وارث بنے (۷) یمان اور ابو مالک کہتے ہیں صمد وہ جو نہ کبھی سوتے نہ بھولے (۸) ابن کیسان کہتے ہیں صمد وہ جو اور کوئی اسکے صفات سے موصوف نہو (۹) مقاتل بن حیان کہتے ہیں کہ صمد بے عیب کو کہتے ہیں (۱۰) ربیع بن انس کہتے ہیں صمد وہ کہ جسپر کوئی آفت نہ آوے (۱۱) سعید بن جبیر کہتے ہیں صمد وہ جو اپنے جمیع صفات اور افعال میں کامل ہو (۱۲)

جعفر صادق فرماتے ہیں صمد وہ جو غالب رہے مغلوب نہو (۱۳) ابو ہریرہ کہتے ہیں صمد کے معنی ہیں بے نیاز اور سب سے بے پروا (۱۴) ابوبکر وراق کہتے ہیں صمد وہ جسکی کیفیت دریافت کرنے سے مخلوق ناامید ہوگئی ہو (۱۵) صمد وہ کہ جو کسیکو نظر نہ آسکے (۱۶) ابوالعالیہ کہتے ہیں صمد وہ جو نہ کسیکو جنے نہ کسی نے اسکو جنا ہو (۱۷) ابن عباس فرماتے ہیں کہ صمد بڑا کہ جسکے اوپر کوئی بڑا نہو (۱۸) صمد وہ ہے جو زیادتی اور نقصان سے پاک ہو۔

الغرض لفظ صمد دونوں قسم کے صفات کا مجمع ہے۔ اسکے بعد بالخصوص چند اور صفات سلبیہ بیان فرماتا ہے لم یلد کہ اس نے کسیکو نہیں جنا یعنے وہ کسیکا باپ نہیں کیونکہ بیٹا باپ کے مثل ہوتا ہے وہ اپنا مثل بنانے سے پاک ہے اور نہ وہ جورو رکھتا ہے جس سے کسیکو جنائے اور وہ خواہش نفسانی سے پاک ہے ولم یولد اور وہ کسی سے پیدا بھی نہیں ہوا کوئی اسکا باپ نہیں یعنے حادث نہیں قدیم ہے وہ اس سے پاک ہے کہ اسپر کوئی وقت نیست کا گزرا ہو۔ ولم یکن لہ کفوا احد وہ اس سے بھی پاک ہے کہ اسکا کوئی مثل اور ہمسر اور کنبہ و قبیلہ ہو۔

اسکی کسی بات میں کوئی مساوی نہیں نہ ذات میں نہ وجود میں کس لئے کہ اسکا وجود ذاتی ہے برخلاف مخلوق کے کہ ان کا وجود اسکی طرف سے آیا ہے نہ اسکے علم میں کسیکو ہمسری ہے کس لئے کہ اسکا علم بھی ذاتی ہے اس کی ذات منشاء علم ہے نہ اسکی قدرت میں کسیکو مساوات ہے کس لئے کہ اسکی قدرت ذاتی ہے اور کسیکو جو قدرت آئی ہے اول تو وہ محدود ہے دوم اسکی طرف سے ہے۔

ف یہ سورہ حق تعالیٰ کے محامد میں ہے جیسا کہ سورہ کوثر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے مناقب میں تھی مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر کفار نے بیٹا نہونے سے عیب لگایا اور ابتر کہا تھا برخلاف اسکے حق سبحانہ پر بیٹا ثابت کرنے سے نصاریٰ نے عیب لگایا تھا۔ پھر جس طرح وہاں آپ حق سبحانہ نے اپنے نبی کریم کی طرف سے جواب دیا اور فرمایا کہ تیرا دشمن ہی ابتر ہے اسی لئے اس سورہ میں لفظ قل نہیں فرمایا اس سورہ میں اپنی طرف سے اپنے نبی کو مخالفوں کو جواب دینے پر مامور کیا اور اسی لئے ابتدا میں لفظ قل استعمال ہوا۔ اس میں اشارہ ہے کہ مشرکین عرب اپنی جہالت سے آپ کے دشمن ہیں مگر یہ اہل کتاب باوجود علم و کتاب کے میرے دشمن ہیں جو مجھپر ایسا عیب لگاتے ہیں۔

(سُبۡحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوۡنَ)

سورۂ فلق مدینہ میں نازل ہوئی اس میں پانچ آیات ہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ ۝ وَمِنْ شَرِّ

(اے نبی یوں) دعا مانگا کرو کہ میں تمام مخلوق کے شر سے صبح کے رب کی پناہ مانگتا ہوں اور اندھیرے کے شر سے کہ جب پھیل پڑے اور گرہوں پر

النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ۝ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ ۝

پھونکنے والیوں کے شر سے اور حاسد کے شر سے جبکہ وہ حسد کرے

ع ۵

ترکیب

برب الفلق الجار متعلق باعوذ الفلق بالتحریک الصبح وصلہ الشق یقال فلقت الشئ فلقاً شققتہ والتفلیق مثلہ یقال فلقتہ فانفلق وہو عام تینا دل فلق الصبح من ظلام اللیل والحبوب والنباتات من الارض والماء من الجبال قال اللہ تعالیٰ فالق الاصباح وقال فالق الحب والنویٰ وقال فانفلق فکان کل فرق کالطود العظیم من شر ما خلق متعلق باعوذ ما بمعنے الذی والعائد محذوف ویجوزان تکون مصدریۃ ویکون الخلق بمعنے المخلوق وقرئ الجمہور باضافۃ شر الی ما وقری ابو حنیفہ رحمۃ اللہ بتنوین شر وما علی ہذا مع الفعل بتادیل المصدر فی موضع الجر بدل من شر اے شر خلقہ۔ وقال بعضہم ما نافیۃ والمعنی من شر لم یخلقہ وہذا فاسد لان النافیۃ لایتقدم علیہا مافی حیزہا۔ وہذا عام وما بعدہ من الشرور الثلاثۃ تخصیص بعد التعمیم۔ الغاسق اللیل والغسق الظلمۃ وہذا قول الفراء وابی عبیدۃ وقال الزجاج الغاسق البارد وانما سمی اللیل بہ لانہ ابرد من النہار وقب من الوقوب وہو دخول ظلامہ یقال وقبت الشمس اذا غابت النفاثات ہذا قراءۃ الجمہور وہی جمع نفاثۃ علی المبالغۃ وقری النافثات جمع نافثۃ والنفث النفخ والعقد جمع عقدۃ (گرہ)

تفسیر

حسن بصری و عکرمہ و عطاء و جابر کہتے ہیں کہ یہ سورہ بھی مکہ میں نازل ہوئی اور ابن عباس وغیرہ جمہور یہ کہتے ہیں کہ مدینہ میں نازل ہوئی ہے اور یہی قول قوی تر ہے اور اس میں پانچ آیت ہیں۔

عبداللہ بن مسعودؓ کا ایک اختلاف مشہور ہے وہ یہ کہ انکے نزدیک یہ دونوں اخیر کی سورتیں کلام الٰہی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر منزل تو ہیں مگر قرآن مجید کا جز نہیں بلکہ قرآن مجید قل ہو اللہ پر تمام ہوگیا اور یہ دونوں سورتیں بطور تعویذ وحفاظت کے نازل ہوئی ہیں اور اسی لئے وہ انکو اپنے قرآن میں نہیں لکھتے تھے۔ یہ ہرگز نہیں کہ وہ ان کو کلام الٰہی اور منزل من اللہ نہیں جانتے تھے اور جس نے انکی نسبت یہ خیال کیا ہے یہ اسکی سخت غلط فہمی ہے

مگر جمہور صحابہ انکے مخالف ہیں سب نے عبداللہ بن مسعودؓ کے اس قول کو غلط ٹھہرا دیا تھا اور جمہور کے دلائل بہت سے ہیں از انجملہ وہ حدیث ہے

کہ جسکو بخاری و احمد و نسائی وغیرہ معتبر محدثین نے بسند صحیح نقل کیا ہے کہ زر بن حبیش کہتے ہیں کہ میں نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے ان دونوں سورتوں کی بابت سوال کیا ابی بن کعب نے فرمایا کہ میں نے بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا آپ نے فرمایا تھا کہ مجھے جیسا جبرئیل علیہ السلام نے کہا ویسا ہی میں نے کہا یعنی انکو بھی جبرئیل لائے ہیں اور یہ بھی قرآن کا جزء ہیں ابی کہتے ہیں کہ ہم بھی وہی کہتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اور دوسری حدیث صحیح اور ہے کہ جسکو مسلم و ترمذی و نسائی وغیرہ محدثین نے بسند صحیح نقل کیا ہے۔ عقبہ بن عامر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ آجکی رات مجھپر ایسی آئتیں نازل ہوئی ہیں کہ جنکی مثل اتبک میں نے نہیں دیکھی تھیں قل اعوذ برب الفلق و قل اعوذ برب الناس۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود بھی جزء قرآن سمجھتے تھے مگر الحمد کی طرح ان کو بھی اکثر پڑھا کرتے تھے اسلئے انکے لکھنے کی ضرورت نہ سمجھی تھی اس نہ لکھنے کیوجہ سے لوگوں نے خیال کر لیا کہ وہ انکو جزء قرآن نہیں سمجھتے تھے۔ اور بات بھی اصل یہی معلوم ہوتی ہے مگر اس بحث سے قرآن مجید میں تحریف کا شبہ پیش کرنا اور اپنے اوپر سے الزام تحریف اٹھانے کیلئے اس بحث کو دکھانا محض بے فہمی ہے اور کیونکر تحریف کا الزام قایم ہو سکتا ہے جبکہ یہ سورتیں مصحف میں لکھی ہوئی تھیں اور سب صحابہ ان کو یاد رکھتے تھے نمازوں میں پڑھتے تھے اگر کسی وجہ خاص سے اپنی کتاب میں کسی نے نہیں لکھا تو کیا قرآن مجید سے خارج سمجھی جاوینگی یا تردد سمجھا جاوے گا؟ ہرگز نہیں۔

(ربط)

اس سورۃ کا سورہ قل ہو اللہ سے یہ ہے کہ انسان کی نجات کا مدار اعتقاد کی درستی پر ہے اور مرنے کے بعد یہی نور روح کیساتھ باقی رہ جاتا ہے جو اس عالم میں اسکے لئے سرور ابدی کا باعث ہوتا ہے اور وہ اعتقاد کامل سورہ قل ہو اللہ میں تمام و کمال بیان کر دیا گیا ہے۔ مگر یہ اعتقاد مراتب رکھتا ہے اصحاب الیمین کا اعتقاد راسخ ہے جو حق الیقین کے مرتبہ کو پہونچ گیا ہے وہ کسی کے شبہ اور دنیاوی کشمکش اور اسکی مزخرفات سے زائل نہیں ہوتا مگر اوساط اور نیچے کے طبقے کے یہی لوگ ہیں جنکو یہ اعتقاد تقلید سے پیدا ہوا ہے جیسا کہ لفظ قل اسپر دلالت کرتا ہے۔

عقیدہ میں خلل انداز یہ چند چیزیں ہیں۔ اول وہ امور جو انکی ہمت کی تاریکی سے پیدا ہوتے ہیں اور ان کے نور عقل کو ڈھانک لیتے ہیں پھر اس موقع میں وہی رب الفلق جو ظلمات کو دور کر کے صبح کی روشنی پھیلاتا ہے اگر دستگیری نہ کرے تو تو ہمات کے گرداب سے بچ نہیں سکتا اسلئے ان امور سے پناہ مانگنے کا من شر ما خلق و من شر غاسق اذا وقب میں ذکر فرمایا (۲) دنیا کے تجملات اور اسکے شہوات ہیں جو انسان کے مدارک و مشاعر کی گرہوں میں ایسا منتر پھونکتے ہیں کہ اسکو دیوانہ اور احمق ہی کر ڈلتے ہیں اس کے علاوہ خیالات اور صحیح اعتقاد میں تغیر پیدا کر دیتے ہیں ان سے پناہ مانگنے کا ذکر اس جملہ میں ہے و من شر النفاثات فی العقد (۳) مصائب اور دنیا کے مکروہات اور اعدا کا جبر اور ایذا رسانی ہے اس سے پناہ مانگنے کا ذکر و من شر حاسد اذا حسد میں کیا اب رہے اوساط و نیچے درجہ کے

لوگ انکے ایمان ویقین ہیں جو چیزیں خلل انداز ہیں ان کا اور ان سے پناہ مانگنے کا ذکر سورۂ قل اعوذ برب الناس میں ہے جنکا ذکر ہم اس کی تفسیر میں کرینگے۔

ف اسمیں کوئی شبہ نہیں کہ جب بندہ دل سے اسکی پناہ چاہتا ہے تو غیب سے اسکی حمایت ہوتی ہو اور نیز اسمیں اشارہ ہے کہ اپنے کسی کمال پر نازاں نہ ہونا چاہئے دل کی حالت بدلتے کوئی دیر نہیں لگتی ہی لئے اہل کمال ہر وقت لرزاں ہی رہا کرتے اور اس سے پناہ مانگتے تھے اور نیز پناہ مانگنا بھی ایک عجز اور عمدہ عبادت ہے جو بندہ کے دل پر نورانی کیفیت طاری کر دینے میں عجب اثر رکھتی ہو۔

اب ہم آیات کی تفسیر بیان کرتے ہیں۔ قل کہدو اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم۔ اس لفظ کے شروع میں لانے سے اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح وہ عقائد صحیحہ جو سورۂ قل ہو اللہ میں بیان ہوئے میری طرف سے نتھے بلکہ منجانب اللہ جو آپ اسنے اپنے اوصاف بیان فرمائے کسی دلیل و برہان منطقی اور کسی کے انکشاف سے ثابت نہ تھے جنمیں غلطی کا احتمال باقی رہتا اسی طرح ان اشیاء کے شر سے اللہ کی پناہ مانگنا بھی اسیکا حکم ہے جو اسنے اپنے بندوں کی اندرونہ حالت پر نظر کر کے ارشاد فرمایا ہے اور خلق کے جملہ حالات اور انکے تغیرات خصوصًا جزر و مد انسانی کو جسقدر خالق جانتا ہے اور کوئی نہیں جان سکتا۔

اعوذ برب الفلق کہ میں پناہ مانگتا ہوں صبح کے پروردگار کی جو رات کی ظلمت دور کرتا ہو اور روشنی پھیلاتا ہو۔

ف فلق کے لغوی معنی پھاڑ چیر کر نکالنے کے ہیں زمین سے دانہ نکالنے میں بھی حق سبحانہ کو خالق الحب والنوی کہا گیا ہو اور رات میں سے صبح کی روشنی نکالنے پر بھی یہ لفظ اسکی نسبت بولا گیا ہے۔ فالق الاصباح اسمیں اسکی قدرت وجبروت کا اظہار ہے اور ایسا ہی شخص پناہ دینے کے قابل بھی ہے اور اسیکا مرتبہ پناہ دینا اور شر سے بچانا ہے یہ تھے لغوی معنی۔ پھر مفسرین کے اس میں متعدد اقوال ہیں جمہور کا قول یہ ہے کہ اسجگہ فلق سے مراد صبح ہے۔ ہر چند وہ سب چیزوں کا رب ہے مگر صبح کے ذکر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ ہر قسم کی تاریکی کو دور کر کے وہی نور نکالنے والا ہے۔ تاریکی کے چند اقسام ہیں اول عدم کی تاریکی جو بڑی تاریکی ہے جسمیں کچھ کسیکا نیک و بد نہیں معلوم ہوتا تھا تمام عالم اس تاریکی کی رات میں تھا اسی نے ہستی کی صبح پیدا کی اور مخلوق کو وجود کی روشنی میں لایا جس سے یہ بتایا جاتا ہے کہ وہی نیست سے ہست میں لانے والا ہے دوسری جہل اور بہیمیت کی سیاہی اور حب شہوات ولذات کی رات اسمیں سے صبح نکالنا فطرت اور ملکیت اور روحانیت کی روشنی پیدا کر دینا ہے۔ اس رات میں سے وہی نور کی صبح پیدا کرتا ہے جسمیں انسان نیک و بد اور غلط و صحیح میں امتیاز کرتا ہو اور حقائق صحیحہ پر قایم رہتا ہے تیسری ظاہری رات کی سیاہی جسمیں خبائث وشیاطین چور و قزاق موذی جانور نکلتے اور اپنا شر پھیلاتے ہیں وہی وہاں شب سے صبح کا نکالنے والا اور انکو دفع کرنے والا ہو کا ہے سو پناہ مانگنی چاہئے۔ اسکا آپ ہی بیان فرماتا ہے من شر ما خلق اسکی پیدا کی ہوئی چیزوں کے شر سے۔ خدا تعالیٰ نے جو ہستی کا باغ لگایا تو اس نے اس باغ میں سب قسم کے بوٹے لگائے ہیں میٹھے بھی۔ کڑوے بھی خاردار بھی ثمردار بھی

پھر ایک مخلوق دوسری کو اپنے کام میں بھی لاتی ہے۔ مثلاً شیر بھیڑ بکری کو کھاتا ہے۔ یہ شیر کے لئے خیر ہے اور بکری بھیڑ کے لئے شر علے ہذا القیاس یہ ہے وہ مخلوق کا شر۔ پھر شر عام ہے روحانی ہو یا جسمانی۔ روحانی شر عقائد کا فساد بری باتوں کیطرف میلان جسمانی شر خسارت مال وامراض غلبۂ اعداو غیر ذلک۔ شر کے صدہا اقسام ہیں سماوی ارضی اختیاری بلا اختیاری دنیا کا شر آخرت کا شر قبر کا عذاب جہنم کا عذاب۔ ان سب شروں سے اسی سے پناہ مانگنی چاہئے۔ شر بندہ کی مضرت ما خلق جو اس نے بنایا یعنی اس کی مخلوق انسان پر دنیا میں یا مرنیکے بعد جو کچھ مضرت پہونچتی ہے وہ سب اشیاء کے ذریعہ سے پہونچتی ہے جو اس کی مخلوق ہے۔ سانپ نے ڈس لیا آگ نے جلایا غذا نے فساد پیدا کیا یہ سب شر ہیں بندہ کے حق میں۔ مگر بالخصوص ان تین شرون سے تو ضرور ہی پناہ مانگنی چاہئے جو بڑے شر ہیں (۱) ومن شر غاسق اذا وقب اندھیری کے شر سے جبکہ پھیل جاوے۔ اول تورات کی اندھیری ہے جو محسوس ہے اور اسی لئے اکثر مفسرین نے غاسق سے مراد اندھیری رات لی ہے۔ اندھیری رات میں موذی اور درندے جانور نکلتے ہیں انسے اذیت پہونچتی ہے اور چور و قزاق بھی نکلتے ہیں لوگوں کو شر پہونچاتے ہیں جن و خبائث نکلتے ہیں کس لئے کہ نور سے انکو نفرت ہے کیونکہ انکا مادہ ظلمانی ہے۔ ان سے بھی بنی آدم کو اذیت پہونچتی ہے۔ دوسری بہیمت اور قوائے شیطانیہ کی اندھیری ہے معاذ اللہ جب یہ آگر گھیر لیتی ہے تو پھر شر ہی شر ہے اس میں غصہ ہے تو وہ ہے جو نہیں کرنا تھا وہ کرادیتا ہے۔ طمع ہے تو وہ ہے جو دام میں پھنسا کر داین کے قید خانہ میں قیدی کرادیتی ہے اور شہوت وہ بلا ہے کہ الٰہی توبہ پھر ادراک و شعور میں بھی فرق آجاتا ہے اچھے کام برے اور برے کام اچھے معلوم ہونے لگتے ہیں وہ نور عقل و ایمان زائل ہوجاتا ہے تیسری حجابات روحانیہ کی اندھیری ہے جو واصلان محبوب پر طاری ہوجاتی ہے اور انکو مشاہدہ سے محروم کردیتی ہے پھر اس سے بڑھکر انکے لیے کیا شر ہے جو شر محض ہے ان سب شرون سے اسی سے پناہ مانگنی چاہئے جو ان سب اندھیریوں کو دور کرکے روشنی نکالتا ہے اور خدا کے صفات میں سے بالخصوص رب الفلق کو ان شرور سے پناہ مانگنے میں ذکر کرنے کی یہی وجہ ہے۔

(۲) ومن شر النفاثات فی العقد گرہوں میں پھونکنے والیوں کی شر سے بھی پناہ مانگنا چاہئے۔ نفث لغت میں پھونکنے اور دم کرنے کو کہتے ہیں نفاثات نفاثۃ کی جمع ہے۔ اور بعض قرار نے نافثات بھی پڑھا ہے وہ نافثۃ کی جمع ہے نفاثۃ وہ عورت جو بہت پڑھ پڑھ کر پھونکتی ہو اور تاگے میں گرہیں لگاتی ہو جسکو جادوگرنی کہتے ہیں۔

مفسرین کا ایک گروہ ظاہری معنی پر محمول کرتا ہے کہ جادوگرنیاں جو جادو کرتے وقت پھونک پھونک کر تاگے میں گرہیں لگاتی ہیں انکے شر سے پناہ مانگنی چاہئے۔ اکثر علماء فرماتے ہیں کہ سحر میں اثر ہے جیسا کہ نظر میں ہے اور اس کا صدہا بار لوگوں نے مشاہدہ کیا ہے خدا پاک سے پناہ مانگنی چاہئے کہ انکے جادو کا اثر نہ چلے۔ ورنہ آدمی کو دیوانہ کردیتی ہیں۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ سحر کا فی نفسہ تو کوئی اثر نہیں نہ عقل سلیم اسکو تسلیم کرسکتی ہے۔ البتہ قوت وہمیہ میں ایک اثر ضرور پیدا ہوتا ہے جب جادوگر پھونک پھونک کر تاگوں میں لگاتے ہیں تو قوت متوہمہ اس سے منفعل ہوتی ہے اور یہ وہم قوی ہوتا جاتا ہے کہ جادوگر کا اثر مجھ پر ہوا پھر آیندہ جو کچھ افعال طبیعہ یا صحت میں تغیر پیدا ہوتا ہے وہ اس وہم کے سبب سے ہوتا ہے اور وہم کی مضرت کی صدہا مثالیں اور بہت سی سچی حکایتیں ہیں۔ نقل ہے کہ ایک عورت نے اپنے سوتیلے بیٹے کے بیمار کرنے کے لئے یہ کہدیا

کہ تمنے جو آبخورے سے سوتے سے اٹھکر پانی پیا اس میں سانپ کا چھوٹا سا بچہ تھا میں نے دیکھا تھا میں اور کام میں مصروف ہوگئی اسکو مار نہ سکی افسوس تم پی گئے اب وہ پیٹ میں بڑا ہوکر کیا کریگا؟ الغرض ایسا خیال پکڑا یا کہ اب جو پیٹ میں ریاح سے قراقر ہوتا ہے تو وہ یہی سمجھتا ہے کہ سانپ کا بچہ پھرتا ہے تو بت یہانتک پہونچی کہ نحیف وضعیف ہوتا گیا ہلاکت تک پہونچ گیا۔ ہر چند علاج کئے جاتے تھے کچھ بھی اثر نہیں ہوتا تھا۔ اس راز سے ایک اور عورت بھی واقف تھی اس نے لڑکے کے والد سے کہا اسکا علاج میرے ہاتھ میں ہے اور فوراً تندرست ہو جاوے گا اس نے بیمار سے کہا کہ میں اپنے منتر کے زور سے اسکو تیرے پیٹ سے نکالدوں گی ہر روز آکر کچھ بڑبڑاتی اور اسپر دم کر جاتی ایک روز ایک سانپ کا بچہ بھی مخفی طور پر ساتھ لے آئی مریض سو رہا تھا کہ اسکو اسکے پائجامہ میں آہستہ سے چھوڑ دیا اسکے کاٹنے کا اندیشہ نہ تھا دانت توڑ دیئے تھے زہر کی نلی نکالڈالی تھی اور فوراً لڑکے کو بیدار کیا کہ دیکھ کیا ہے اس نے کوئی چیز پائجامہ میں پھرتی دیکھی گھبرا کر پائجامہ اتار پھینکا تو اسمیں سانپ تھا اس عورت نے کہا دیکھو یہی تو تیرے پیٹ میں تھا جو نکل گیا بیمار کو یقین آگیا وہ خیال جاتا رہا یوماً فیوماً تندرست ہوتا گیا اس قسم کے بہت سے شعبدے دیکھنے میں آئے ہیں اور عمل مسمریزم کی تو اسی پر بنیاد ہے اور قوت وہمیہ ہر ایک شخص میں ہے خواہ نیک ہو یا بد مگر زیادہ مادہ کم علموں میں ہوتا ہے خصوصاً لڑکوں اور عورتوں میں اسلئے انپر وہم کی زیادہ فسونگری چل جاتی ہے اور اسی طرح جاہل اور ناشائستہ اقوام کا حال ہے اور انہیں لوگوں میں سحر اور جھاڑے منتر کا زیادہ چرچا بھی ہوتا ہے پھر گرہوں میں پھونکنے والیوں کے شر سے پناہ مانگنے کے یہ معنی ہیں کہ انکی فسونگری کو عقل سلیم دفع کر دیا کرے وہم وخیال فاسد اپنا سکہ نہ جمانے پائے۔ وہم کی ظلمت طاری نہونے پائے اور اسی لئے رب الفلق سے پناہ مانگی جاتی ہے کہ اے رب تو روشنی کی صبح وہم کی رات سے نکالتا ہے مجھے وہم کی اندھیریوں سے محفوظ رکھیو۔

ف جادوگر تو مرد بھی ہوتے ہیں نفاثات جمع مونث کے صیغہ لانے کی کیا وجہ؟ جمہور کے قول پر تو یہ وجہ ہے کہ بیشتر یہ جادوگری بسبب کم عقلی اور دنائت طبع کے انہیں میں ہوئی ہے اور جو کوئی مرد ہوکر بھی یہ کام کرتا ہے تو وہ بھی نامرد عورت ہو اور عورتوں کی جماعت میں داخل ہے (۲) بعض فرماتے ہیں کہ نفاثات سے مراد نفوس ہیں سو وہ عرب کی زبان میں مؤنث ہیں تب یہ معنی ہوئے کہ نفوس انسانیہ کے اثر بد سے جو لوگوں کے دلوں کی گرہوں میں پھونکتے ہیں پناہ مانگو (۳) بعض کہتے ہیں جماعتیں مراد ہیں۔ اور جماعت کو صیغہ مؤنث سے تعبیر کیا کرتے ہیں (۴) نفاثات سے عورتیں مراد نہیں بلکہ اس قسم کے اور الفاظ قرآن مجید میں مستعمل ہوئے ہیں جیسا کہ ذاریات وناشطات جس سے مراد طبائع ہیں جو انسان کے دل ودماغ وجگر وغیرہ اعضا ہیں جنکو وصل اور استحکام کے لحاظ سے عقد کے ساتھ استعارہ کے طور سے تعبیر کیا ہے اپنا اثر بد پھونکتے اور سکہ جماتے ہیں۔

ابو مسلم۔ نفاثات فی العقد کے یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ مراد عورتیں ہیں مگر انکی جادوگری اور گرہوں میں پھونکنے سے ظاہری تاگوں میں پھونکنا مراد نہیں بلکہ مردوں کے ارادوں اور انکی مستحکم رائوں میں (جنکو بطور استعارہ کے گرہوں سے تعبیر کیا جاتا ہے کسی بات پر قوی ارادہ کرنیکو کہتے ہیں گرہ باندھ لی) تغیر پیدا کر دیتی ہیں اور نفث استعارہ ہے ڈھیلا کر دینے سے کس لئے کہ جب گرہ کو کھولنا ہوتا ہے تو اسمیں ذرا تھوک لگاتے ہیں کہ نرم ہوکر کھل جائے۔

پس آیت کے یہ معنی ہوئے کہ عورتوں کے شر سے پناہ مانگنی چاہیئے جو مردوں کی ہمتوں اور مستحکم ارادوں کو مکر کی پھونک مارکر ڈھیلا کردیتی ہیں اور حقیقت میں عورت کی طرف مرد کو ایک طبعی کشش ہے۔ پھر یہ مردوں پر وہ فسونگری کرتی ہیں کہ ایک قصد کو توڑکر دوسری طرف لگادیتی ہے عورت کے جادو سے خدا کی پناہ اسکے بنائے سیکڑوں عاقل و فرزانہ دیوانہ بن گئے عقائد حسنہ اور اعمال صالحہ ترک کردیئے اس جادو کی تاثیر کے تو معتزلہ اور حکمار فرنگ بھی قائل ہیں۔ یہ شر بھی بڑا شر ہے اور اسی لیئے قرآن مجید میں ایک جگہ یوں آیا ہے زین للناس حب الشهوات من النساء الخ اور پھر یہ بھی فرما دیا ہے ان من ازواجکم واولادکم عدواً لکم فاحذروهم کہ تمہارے زن و فرزندوں میں سے ایسے بھی ہیں جو تمہارے دشمن ہیں انسے بچتے رہا کرو۔

الحاصل یہ دوسرا شر کہ جس سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے حب الشہوات ولذات کا شر ہے جسکا جادو انسان کے دل و دماغ اور باطنی قوتوں پر چلتا ہے اور یہ گرہیں ہیں ان میں وہ ایسا منتر پڑھ پڑھ کر پھونکتی ہیں کہ سب ڈھیلے ہوجاتے ہیں مگر وہ رب الفلق کہ جو سیاہی میں سے روشنی نکالتا ہے اگر اپنی پناہ میں لے لے اور تائید کرے اور قوی بہیمیہ کی تاریکی میں سے صبح نور فطرت پیدا کردے تو کچھ بھی غم نہیں ؎ گر ہزاراں دام باشد ہر قدم ❊ گر تو با ما ئی نباشد ہیچ غم ❊

ف اس آیت میں یا اور کسی آیت میں اسبات کا ذکر تک بھی نہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر بھی کسی نے سحر کیا تھا یا نہیں اور کیا تھا تو کس نے اور کب کیا تھا اور اسکا کیا اثر ہوا تھا؟

آنحضرت صلعم پر سحر ہوا تھا یا نہیں

یہ ساری بحث ایک بالائی بات ہے جسمیں علمار کا اختلاف ہے۔ اکثر اہل روایت کہتے ہیں کہ مدینہ میں لبید بن اعصم یہودی نے اپنی بیٹیوں سے حضرت پر جادو کرایا تھا اور انہوں نے آنحضرت صلعم کے بال مبارک پر کچھ پڑھ کر اور ایک تاگے میں گرہیں لگا کر ایک کنوئیں میں جو خشک تھا جسکو ذروان کہتے تھے رکھوادیا تھا۔ اس نفاثات فی العقد میں انکی لڑکیوں کیطرف اشارہ بتاتے ہیں اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم علیل ہوگئے تھے دو روز یہ حالت رہی تھی پھر جبرئیل علیہ السلام نے مطلع کیا تو حضرت علیؓ و طلحہؓ گئے اور اس کنوئیں سے وہ تاگا اور بال نکالکر لائے جوں جوں اسکی گرہیں کھلتی جاتی تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آرام ہوتا جاتا تھا۔

مگر معتزلہ اور بالخصوص قاضی وغیرہ ان روایت کا صاف انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ غلط اور بے اصل روایات ہیں اور یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ کفار نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو طعن کی راہ سے مسحور کہتے تھے یعنی جادو کیا گیا اگر یہ واقعہ صحیح مان لیا جاوے تو پھر ان کا یہ طعن صحیح ہوجاتا ہے اور آنحضرت صلعم کی شان ارفع تھی کہ کسی کی کوئی مضرت پہونچے کس لئے کہ اللہ کا وعدہ تھا واللہ یعصمک من الناس کہ اللہ تجھے لوگوں سے محفوظ رکھیگا۔ پھر اس حفاظت میں کون خلل انداز ہوسکتا ہے؟

فریق سابق کہتا ہے کہ وہ مسحور بمعنی مجنوں کہتے تھے یعنی جادو سے کسی نے انکو دیوانہ کردیا ہے جو ایسی باتیں کہتا ہے اور اس قسم کے سحر سے کہ جس سے عقل و ہوش میں کچھ فرق نہ آوے ان کو کوئی نفع نہیں پہونچتا تھا اور یہ سحر اس قسم کا نہ تھا۔ اور لوگوں سے محفوظ رکھنے کے یہ معنی ہیں کہ تجھے کوئی قتل نہ کرسکے گا جیساکہ کفار ارادہ کرتے تھے یہ نہیں کہ کوئی بیماری یا جسمانی مضرت یا اور کوئی ایذا بھی نہ پہونچے گی کس لئے کہ احد کی لڑائی میں دندان مبارک شہید ہوئے خیبر میں یہودیہ نے بکری میں ملاکر زہر دیا جسکی مضرت ہر شروع گرمی پر نمایاں ہوتی تھی پھر جب یہ امور اس حفاظت کے مخالف نہیں تو یہودیہ کے جادو کرنے سے بیماری پیدا ہوجانا اور وہ بھی چند روزہ کیونکر مخالف ہوسکتی ہے؟

[کا] سحر کا اثر نمایاں ہوجانا منافی شان نبوت نہیں کس لئے کہ یہ بحیثیت بشریت اثر نمودار ہوا تھا اور کہانے پینے سونے [وغیر]ہ خواص بشریہ میں آپ بھی شریک بشر ہیں اور مصلحت اسمیں یہ تھی کہ کفار جو آپ کو جادوگر کہتے تھے انکا گمان غلط [ہوجا]تا تھا کس لئے کہ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ جادوگر پر کسیکا جادو نہیں چلتا۔

تعویذ باندھنے اور دم کرنے کا کیا حکم ہے

[سو]الـ۔ تعویذ لکھکر باندہنا یا کوئی کلام پڑھکر دم کرنا دفع مرض کے لئے شرعاً کیسا ہے؟ علماء کے اس میں دو قول ہیں (۱) بعض [ک]ہتے ہیں نہیں کرنا چاہئے کس لئے کہ مشرکین اور یہود کا دستور ہے جبکی مذمت اس آیت سے ثابت ہے اور نیز احادیث [صحی]حہ میں آیا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میری امت میں سے ستّر ہزار شخص بلاحساب جنت میں جائیں گے ہم الذین [لا ی]سترقون ولا یتطیرون وعلی ربہم یتوکلون۔ متفق علیہ۔ کہ وہ جو نہ جھاڑ پھونک کراتے ہیں نہ فال وشگن لیتے ہیں اور اپنے [ر]ب ہی پر توکل کرتے ہیں۔ ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ زینب جو عبداللہ بن مسعود کی بیوی تھیں وہ کہتی ہیں عبداللہ [بن] مسعود نے میرے گلے میں تاگا پڑا ہوا دیکھا تو پوچھا کیا ہے یہ؟ وہ کہتی ہیں میں نے کہا یہ تاگا پڑا ہوا ہے (گنڈا) تب ابن [م]سعود نے اسکو پکڑکر توڑ ڈالا اور کہا تم میرے گھر والے شرک سے بے نیاز ہو میں نے سنا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جھاڑا ور تعویذ اور ٹوٹکا شرک ہے جابر کہتے ہیں کہ کسی نے حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے حاضرات[۱] کی [با]بت پوچھا آپ نے فرمایا شیطانی کام ہے (رواہ ابوداؤد) مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے [فر]مایا کہ جس نے داغ دلوایا[۲] یا جھڑوایا وہ توکل سے دور ہوگیا۔ (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ) عیسے بن حمزہ کہتے ہیں کہ میں عبداللہ [بن] حکیم کے پاس گیا اور انکو حمرہ[۳] تھی میں نے کہا آپ تعویذ کیوں نہیں ڈال لیتے۔ انہوں نے کہا اللہ کی پناہ اس سے [ر]سول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو کوئی کچھ تعویذ گنڈا لٹکاویگا تو اسی کے حوالے[۴] کیا جاوے گا خدا تعالے [ک]ی کا توکل بس ہے۔

(۳) اکثر اہل علم کا قول ہے کہ تعویذ یا جھاڑنے میں بشرطیکہ کلمات شرک نہوں اور اس میں بھی دوا کیطرح خدا کی عطا کی [ہ]وئی تاثیر سمجھتا ہو کچھ مضائقہ نہیں۔ یہ جو احادیث مذکورہ بالا میں ممانعت مذکور ہے یا تو ان تعویذ اور گنڈوں اور منتروں کی [ب]ابت ہے کہ جنکو جاہلیت میں مشرکین عمل میں لاتے تھے اور ان میں غیر اللہ سے استمداد واستعانت تھی اور یا ان خاص [ل]وگوں کے لئے حکم تھا کہ جنکی توکل میں شان بلند تھی اور عوام کے لئے ممنوع نہیں اور حق سبحانہ نے جسطرح دوا میں عطا [ک]ی ہے اسیطرح اسماء میں بھی دی ہے انکار کرنا مکابرہ ہے اور اسی لئے آنحضرت صلعم قل اعوذ برب الفلق وقل اعوذ [ب]رب الناس وغیرہ ادعیہ پڑھکر دم کرتے تھے اور صحابہ نے بھی ایسا کیا ہے اور کلمات مبارکہ بھی لکھکر تعویذ کے طور پر باندھے ہیں۔ اس امر کے ثبوت کے لئے بہت سی احادیث ہیں جنکے نقل کرنے کی حاجت نہیں اور جو کوئی توکل کرے [تو ا]سکا تو اولے ہے۔

---

[۱] اکثر عامل جنوں کو حاضر کرنے کے لئے کیا کرتے ہیں ۱۲ [۲] عرب میں مرض کا علاج داغ بھی تھا اس سے منع فرمایا کہ ناحق شکل بگاڑنا ہے اور کیا کوئی دوا نہیں ۱۲ [۳] حمرہ حالے پہلے سے سرخ رنگ کے دانے نمودار ہوجانا ایک مرض چیچک کے اقسام سے ہے جسکو سرخ باد کہتے ہیں ۱۲

[۴] یعنے اللہ تعالے کی حمایت دور ہوکر اب وہ تعویذ گنڈا ہی اس کا کارساز رہ گیا جو بغیر حکم الٰہی کچھ نہیں کر سکتا ۱۲ منہ

اب تیسری شر سے پناہ مانگنے کا ذکر فرماتا ہے جو وہ بھی بڑا ہی شر ہے فقال ومن شر حاسدٍ اذا حسد۔ اور کہہ کہ میں حاسد کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جبکہ وہ حسد کرے۔

حسد دوسرے کی نعمت کو دیکھکر جلنا اور اسکے برباد کرنے کی کوشش کرنا اور طرح طرح کے حیلے اور تدابیر عمل میں لانا۔ اور غبطہ دوسرے کی نعمت دیکھکر اپنے لئے بھی اسکی آرزو کرنا بغیر اسکے کہ اسکا برباد کرنا چاہتا ہو اسلئے حسد حرام ہے اور غبطہ جائز ہے۔

دنیا میں جسقدر شر ہیں وہ دو ہی قسم کے ہیں اول وہ جو بغیر ارادہ اور کسی خاص کاوش کے پیش آتے ہیں جیساکہ اتفاقاً آگ میں جلجانا پانی میں غرق ہوجانا دوسرا وہ کہ ارادہ واختیار سے سرزد ہوں جیساکہ قتل۔ لوٹ چوری وغیرہ اور یہ شر جو بالارادہ سرزد ہوتا ہے حتی المقدور بچنے کی راہ بھی باقی نہیں چھوڑتا اور بالارادہ جسقدر شر ہیں انکی بنیاد حسد پر ہے۔ حاسد کے اندر جب حسد کی آگ بھڑکتی ہے تو وہ دوسرے کی بربادی کے لئے اپنی خرابی اور بربادی کی بھی پروا نہیں کرتا اس لئے یہ شر بڑا شر ہے۔

اس لئے حکماء نے کہا ہے کہ یہ وہ مرض جہانسوز ہے کہ جسکی آگ میں پہلے حاسد جلتا ہے۔ پہلا گناہ جو عالم میں پیدا ہوا وہ ابلیس کا حسد حضرت آدم علیہ السلام سے تھا آپ بھی برباد ہوا اگر حضرت کو بھی مبتلائے مصیبت کر ہی چھوڑا۔ اور زمین پر جو پہلا گناہ ہوا وہ قابیل کا حسد اپنے بھائی ہابیل سے تھا کہ اپنی عقبےٰ بھی برباد کی اور اس مظلوم کو بھی قتل کیا۔

اس کے شر سے خدا محفوظ رکھے یہ بدنصیب انسان کے خیالات بھی بدل ڈالتا ہے اس لئے اس سے پناہ مانگنی چاہیے تاکہ وہ قادر مطلق اسکی مضرت کے اسباب سے محفوظ رکھے اور اسمیں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ خدا حسد کی صفت بد سے بھی محفوظ رکھے یہ دل میں پیدا نہونے پائے ورنہ پھر وہ سعادت جو پہلے تعلیم ہوئی تھی برباد ہوجاتی ہے یہود باوجودیکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو نبی برحق سمجھتے تھے مگر حسد کی آگ میں جل مرے سعادت سے محروم رہ گئے۔ حاسد کو کوئی سعادت نصیب نہیں ہوتی اسکا دل ملعون ہوجاتا ہے۔

ف بعض عارفین اس سورۃ کی اس طرح سے تفسیر کرتے ہیں کہ جب خدا تعالی نے سورہ اخلاص میں الوہیت کی شان بیان فرمادی تو اب مخلوقات کے مراتب کی شرح کرتا ہے اسلئے کہ ظلمات عدم طاری تھے اور اسکے بحر میں سب غرق تھے اسلئے اس نے ان عدم کی اندھیریوں کو پھاڑکر نور وجود نکالا اس لئے فرمایا کہ قل اعوذ برب الفلق کہہ مجھے اسکی پناہ ہے جو اندھیروں کو پھاڑکر ہستی کے نور میں لایا۔ اور ممکنات پیدا کئے۔ پھر ممکنات کی دو قسم ہیں ایک عالم بالا جسکو عالم امر کہتے ہیں۔ ارواح وملائکہ۔ وہاں خیر ہی خیر ہے شر نہیں دوسرا عالم خلق یعنی عالم محسوس جس میں شر بھی ہے اور خیر بھی اسلئے اسکے بعد فرمایا من شر ما خلق کہ عالم خلق کے شر سے محفوظ رہنے کی دعا کرو اس سے پناہ مانگو پھر عالم خلق یا علویات ہیں یا سفلیات ہیں علویات میں بھی چنداں شر نہیں لیکن سفلیات میں جمادات نباتات حیوانات تین ایسی قسم ہیں کہ جن میں شر ہے کہ کس لئے کہ جمادات میں تو کوئی قوت نفسانیہ نہیں وہ تو شر ہی شر ہے کس لئے کہ عدم ظلمت ہے اس لئے سب سے اول اس کے شر سے پناہ مانگنے کا ذکر کرتا ہے فقال من شر غاسق اذا وقب اور نباتات میں ایک قوت غاذیہ ایسی ہے جو اسکو طول وعرض وعمق میں بڑھاتی ہے اور یہی اس کی گرہ ہیں جن میں وہ قوت نباتیہ ہوسکتی ہے پھر نباتات

قرآن مجید کی اس آیت الا لہ الخلق والامر میں انہیں دونوں عالموں کی طرف اشارہ کرتے ہیں ۱۲ منہ

کے شر ظاہر ہوتے ہیں اسلئے اسکے بعد انکے شر سے پناہ مانگنے کا ذکر فرمایا ومن شر النفاثات فی العقد پھر حیوان میں قوی حیوانیہ ہیں حواس ظاہرہ اور حواس باطنیہ اور بالخصوص شہوت اور غصہ اور طمع اور یہ سب کے سب روح کو عالم غیب کی طرف متوجہ ہونے اور جلال الٰہی میں مشغول ہونے سے حاسد بنکر روکتے ہیں اسلئے ان سے پناہ مانگنے کا ذکر اس جملہ میں آیا ومن شر حاسد اذا حسد۔

اب عالم سفلی میں انسان ہی باقی رہا اس لئے اس کے مراتب کا ذکر سورۃ قل اعوذ برب الناس میں کیا گیا۔

ف۔ واضح ہو کہ اس سورۃ میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو اول تو اجمالاً جملہ شروں سے پناہ مانگنے کی تعلیم کی اور پناہ بھی کس سے مانگے رب الفلق سے جو اندھیریوں میں سے روشنی نکالنے کا رب ہے۔ اسکے بعد تین شر کو بالخصوص ذکر کیا تعمیم کے بعد تخصیص کے طور اور وہ تین شر یہ ہیں (۱) اندھیرے کا شر جبکہ پھیل پڑے خواہ رات کا اندھیرا ہو جسمیں موذی چیزیں نکلتی ہیں خواہ قوت بہیمیہ کا اندھیرا جبکہ نور عقل پر چھا جاوے اور انسان کو اندھا کر دے (۲) گرہوں پر پھونک مارنے والیوں کا شر عام ہے کہ تاگے کی گرہوں پر جادو منتر پڑھکر پھونک مارنا ہو جیسا کہ ڈائنین اور جادوگرنیاں کیا کرتی ہیں یا انسانی مدارک ومشاعر دل ودماغ کو اپنے حسن وجمال کے منتر سے بیکار کرنے والی عورتیں ہوں یا عورتوں کے سوا وہ شہوات ولذات ہوں جو انسان کے دل ودماغ کی گرہوں کو اپنے منتر سے ڈھیلا کر دیتی اور مخبوط بنا دیتی ہیں (۳) حاسد کا شر خواہ کوئی انسان ہو یا اسی کے اندر کا نفس امارہ ہو جبکہ روح پر حسد کر کے اسکی ترقی کو مٹانا چاہئے۔ الغرض یہ تینوں شر ایسے ہیں کہ جنمیں ظلمت ہے اول شر میں تو ظلمت ظاہر ہے دوسرے میں بھی ظلمت ہے۔ جادوگرنیوں کے جادو سے بھی نور عقل پر قوت متوہمہ کی ظلمت طاری ہو جاتی ہے اور اسی طرح حسین عورتوں کے ناز وکرشمہ بھی بہیمیت کی ظلمت پھیلا دیتے ہیں اور شہوات کی ظلمت تو اندھا ہی کر دیتی ہے۔ تیسری شر میں بھی ظلمت ہے کس لئے کہ نفس امارہ کا حسد جب روح کے مقابلہ میں زور کرتا ہے تو ظلمات کا تلاطم ہونے لگتا ہے اور اسی طرح کوئی انسانی حاسد بھی کھڑا ہو جاتا ہے تو معاذ اللہ اندھیری مچا دیتا ہے۔ سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ کر دکھاتا ہے اور خود اسکے اندر تو ظلمات کے دہوئیں اٹھتے ہیں پھر ان تینوں شروں سے جو ظلمات تھے پناہ مانگنے میں خدا تعالیٰ کی صفت رب الفلق ہی مناسب تھی یعنے رب النور

پس ان ظلمات پر اس رب النور ہی کی مدد اور پناہ کافی ہے اس سے پناہ مانگنی چاہئے تاکہ وہ اپنے نور کی تجلی ڈالے اور وہ اندھیرا دور ہو جاوے۔ یہ کمال بلاغت ہے۔

ف یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شر کی بنیاد ظلمت پر ہے اور خیر کی نور پر اس لئے رب الفلق کا اس صفت کے ساتھ یاد کرنا اور اس سے پناہ مانگنا نور پیدا کر دیتا ہے۔ اور اس خاصیت کا جو چاہے تجربہ کر دیکھے۔

اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ

سورۃ الناس مدینہ میں نازل ہوئی اسمیں چھ آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ مَلِكِ النَّاسِ ۙ اِلٰهِ النَّاسِ ۙ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ ۙ

اے نبی یوں کہا کرو کہ میں پناہ مانگتا ہوں لوگوں کے رب کی ۔ لوگوں کے بادشاہ کی لوگوں کے معبود کی اس خطرہ ڈالنے والے پیچھے ہٹ جانے والے کی بدی سے

الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۙ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ ۝

جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے ۔ وہ جنوں میں سے ہو یا آدمیوں میں سے ہو ۔

ع ۲۹

ترکیب

قل اعوذ قرأ الجمهور بالهمزة وقرئ بحذفها ونقل حركتها الى اللام برب الناس متعلق باعوذ ملك الناس عطف بيان لرب الناس قرأ الجمهور ملك الناس باسقاط الالف فی ملک والملک بکسر اللام السلطان القاهر اله الناس ایضاً عطف بیان من شر الوسواس متعلق باعوذ وهو المستعاذ منه ۔ الوسواس بفتح الواو وعند الفراء اسم بمعنی الموسوس بکسرها مصدر ای الوسوسة کالزلزال بمعنی الزلزلة والوسوسة حدیث النفس یقال وسوست الیه نفسه وسوسة ای حدثته حدیثاً واصلها الصوت الخفی ومنه الوسواس للصوت الحلی ۔ الخناس نعت له مبالغة من الخنس وهو التاخر خنس یخنس اذا تاخر ومنه قوله تعالیٰ فلا اقسم بالخنس ۔ قال مجاهد اذا ذکر الله خنس ای تاخر الشیطان واذا لم یذکر تقدم الذی الخ الجملة فی محل الجر علی الصفة للخناس او فی محل الرفع بتقدیر هو او فی محل النصب علی الذم من الجنة والناس بیان للخناس او الوسواس وقیل متعلق بیوسوس ای یوسوس فی صدورهم من جهة الجن والانس وقیل بدل من شر باعادة الجار وقیل حال من الضمیر فی یوسوس ای یوسوس وهو من الجن والناس والجنة والجن بالکسر بمعنی واحد فی الصراح جن بالکسر پری وهو خلاف الانس ۔ الواحد منه جنی بکسرتین جنة بالکسر پریاں ۔ قوله تعالیٰ من الجنة والناس ۔ و دیوانگی ۔ قوله تعالیٰ ام به جنة فالاسم والمصدر علی صورة واحدة ۔ انتهیٰ ملخصاً ۔ والناس اصله عند سیبویه اناس فحذفت فاؤه وعند غیره لم یحذف منه شیئ واصله نوس اذ التصغیر نویس والواحد منه الناسی ۔

تفسیر

یہ سورہ بھی جمہور کے نزدیک مدینہ میں نازل ہوئی اور بعض کہتے ہیں مکہ میں نازل ہوئی وہی گفتگو ہے جو سورہ فلق میں تھی اسکا شان نزول اور ربط وہی ہے جو سورۃ قل اعوذ برب الفلق میں بیان کر آئے ہیں اس میں چھ آیت ہیں ۔
خلاصہ اس ربط کا یہ ہے کہ اس سورۃ میں ان شرون سے پناہ مانگنے کا ذکر ہے جو خاص انسان کے قلب پر پہونچتے ہیں اور ایمان کے زائل کرنے میں ان کو بڑا دخل ہے بخصوصاً عامہ ایمانداروں کے لئے جسکی تفصیل یہ ہے ۔

کہ انسان کی تین حالت ہیں اول طفولیت کا زمانہ جسکو عقل ہیولانی کا وقت کہتے ہیں۔ اس وقت تو حضرت کو اعضاء جسمانی کے کمزور ہونے کے سبب بدیہیات بھی معلوم نہیں ہوتے ماں باپ کو بھی نہیں پہچان سکتے۔ وہاں تو محض تربیت ہی تربیت ہوتی ہے جسکا متکفل وہ خداوند تعالیٰ ہے۔ اور اپنی شان ربوبیت کا کس کس طرح سے جلوہ دکھاتا ہے۔ ماں کی چھاتیوں میں دودھ پیدا کرتا ہے اور اس نادان محض کی جبلت میں دودھ کا چوسنا القا کرتا ہے لیے زمانہ کے لحاظ سے قل اعوذ برب الناس ارشاد فرمایا اور پناہ مانگنے میں اپنی اس قدیم ربوبیت کو یاد دلایا جس سے کوئی آدمی بھی محروم نہیں۔ پھر اسکے بعد نشو و نما شروع ہوتے ہوتے اس مرتبہ پر پہونچتا ہے کہ بدیہیات کا علم حاصل ہو جاتا ہے اور بدیہیات کو ترتیب دیکر نامعلوم چیزوں کو فکر و نظر سے حاصل کرنے لگتا ہے اب ایک تو یہ علمی زور حاصل ہوا دوسرے بدن کا زور اٹھتی جوانی کا نشو و نما لذات و شہوات کی رغبت اسکے اوپر بادشاہی کا رنگ جما دیتی ہے اپنی ترنگ میں کسیکو خاطر ہی میں نہیں لاتا شاہانہ مزاج پیدا ہو گیا نہ آخرت کی فکر نہ کوئی مال اندیشی اس زمانہ کے آفات اور شر بھی ایسے ہیں کہ الٰہی توبہ۔ اس زمانہ کے لحاظ سے پناہ مانگنے میں ملک الناس ارشاد فرمایا کہ تو کیا ہے اور تیرا زور اور علم کیا ہے شاہنشاہ مطلق ہم ہیں ہمارے دیئے ہوئے قویٰ کے لشکروں پر تو کیا غرور کرتا ہے جب چاہیں اپنے لشکروں کو تجھ سے لے سکتے ہیں اور دوسرے لشکر بھیجکر تجھے پامال کر سکتے ہیں تو اپنے زور و پر گھمنڈ نہ کر بلکہ تمام انسانوں کے بادشاہ سے جو بڑا زور آور ہے پناہ مانگ۔ پھر اسکے بعد جب جوانی کا خمار ٹوٹتا ہے تو اسکو ادہر اُدہر کی بھی سوجھتی ہے جیسا کہ سورۂ احقاف میں فطرت انسانی کے اس زمانہ کا نقشہ کھینچا ہے وبلغ اربعین سنۃ قال رب اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علی وعلی والدی وان اعمل صالحا ترضاہ واصلح لی فی ذریتی انی تبت الیک وانی من المسلمین کہ جب چالیس برس کو پہونچا تو کہنے لگا کہ اے میرے رب مجھے توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا جو مجھپر اور میرے ماں باپ پر مبذول ہوئی ہیں شکر کروں اور وہ عمدہ کام کروں جو تجھے پسند آویں میں نے تیری طرف رجوع کیا اور میں تیرے فرماں برداروں میں سے ہوں اور معلومات کا بھی ایک بڑا ذخیرہ اسکے سینہ میں جمع ہوا اور جو کمال اس میں ودیعت رکھے گئے تھے اور جنکا تخم اسکی استعداد کی زمین میں ڈالا گیا تھا اب وہ سب باہر آگیا اور اسکو حکماء کے نزدیک عقل بالفعل کا مرتبہ اور کمال کا مرتبہ کہتے ہیں۔ اب اسپر شان الوہیت آشکارا ہوئی۔ اس مرتبہ کمال کے لحاظ سے یہ جملہ ارشاد فرمایا الہ الناس کہ لوگوں کے معبود سے جسمیں جملہ کمالات اور تمام صفات کاملہ موجود ہیں اور تیرا یہ کمال اس کے کمال کے آگے کچھ بھی نہیں پناہ مانگ اب اپنے ان تینوں اوصاف کو (جو انسان کی عمر کے تینوں حصوں کے مناسب تھے اور اسی لئے ربوبیت ملکیت الوہیت کو الناس) کی طرف مضاف کیا ہے) بیان فرماکر یہ ارشاد فرماتا ہے کہ ہم کس سے پناہ مانگنے کو کہتے ہیں اور وہ کیا ہے جن سے پناہ مانگنی چاہئے وہ کونسا شر ہے؟ پھر آپ ہی بتلاتا ہے من شر الوسواس کہ وسوسہ ڈلنے والے کی برائی سے وسواس بفتح و کے معنی ہیں وسوسہ اور خطرہ ڈلنے والا اور بکسرہ و اسکے معنی ہیں خطرہ اور وسوسہ بہرحال

خطرہ اور وسوسہ ہو یا وسوسہ اور خطرہ ڈالنے والا ہو اسکے شر سے پناہ مانگنی چاہئے۔ اور دل سے کہنا چاہئے کہ الٰہی تو جو رب الناس ہے۔ سب کی پرورش اور تربیت تیرے ہی ہاتھ میں ہے اور تو جو ملک الناس لوگوں کا بادشاہ ہے سب تیری رعیت ہیں سب پر تیرا زور چلتا ہے رپرورش کرنے والا کبھی بادشاہ نہیں بھی ہوتا جیسا کہ ماں باپ اور آقا یا عزیز و اقارب پرورش کرتے ہیں مگر بادشاہ نہیں سب پر زور نہیں مخالف کے زور اور اسکے شر کو نہیں روک سکتے۔ مگر تو پرورش کرنے والا بھی ہے اور بادشاہ بھی ہے تجکو یہ فوقیت ہے اور بادشاہ بھی کیسا بادشاہ الہ الناس تو لوگوں کا خدا بھی ہے۔ بادشاہ کو اختیارات شاہی حاصل ہوتے ہیں نہ اختیارات خدائی وہاں وہ بھی اوروں کی طرح مجبور ہوتا ہے۔ موت اور بلائے آسمانی اور قضا و قدر کے احکام میں اسکی کچھ بھی نہیں چلتی مگر تو تو خدا بھی ہے تیرے زور اور تیری قدرت کے کرشموں کو کسی انسان کی عقل احاطہ نہیں کر سکتی۔ تجھ میں بے انتہا طاقتیں ہیں تو جیسا کہ تو نے سورہ قل ہو اللہ میں آپ بتلایا ازلی ہے ابدی ہے یکتا ہے صمد ہے یعنی بے نیاز ہے کسیکا کسی کام میں محتاج نہیں سب تیرے ہی محتاج ہیں۔ مجھکو وسواس یعنی وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے محفوظ رکھ میں تیری پناہ میں آتا ہوں تجھ سے پناہ چاہتا ہوں تو پناہ دے تیرا پرورش کردہ ہوں تیری رعیت و محکوم ہوں تیرا بندہ ہوں ابتداء آفرینش سے اب تک اور آیندہ تیری ہی عنایات کا خوگر ہوں میرے کئی رابطے تجھ سے ہیں تو ہمیشہ کا کرم گستر ہے میں موروثی خانہ زاد اور رعیت ہوں۔

پھر وہ وسوسہ ڈالنے والا کون ہے جسکے شر سے پناہ مانگی جاتی ہے اور پناہ مانگنے کا آپ ہی اپنی رحمت سے حکم دیتا ہے جسپر قبولیت کا اشارہ ہے ؟ اسکو آپ ہی بیان فرماتا ہے الخناس وہ وسوسہ ڈال کر ہٹ جانیوالا چور اور رداؤ گھات والا قزاق ہے۔ خنوس پیچھے ہٹنا کام کرکے سٹک جانا جیسا کہ چوروں بدمعاشوں کی عادت ہوتی ہے۔ خرمن ایمان میں چنگاری ڈالدی اور چلدیئے پھر اور بھی توضیح کرتا ہے کہ وہ وسواس کیا کیا کرتا ہے ؟ الذی یوسوس فی صدور الناس کہ وہ لوگوں کے دلوں میں وسوسہ اور بد خطرہ اور ناپاک خیال ڈالا کرتا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ... آخر وہ ہے کون ؟ من الجنۃ والناس وہ جن ہے ابلیس اور اسکی ذریت جنکو قلوب بنی آدم تک رسائی ہے اور طرح طرح کے وسوسے ڈالا کرتے ہیں اور انہیں پر موقوف نہیں آدمی بھی ایسے ہیں جو ایمان میں یا نیک کام میں یا کار خیر میں وسوسہ اور شبہ ڈال کر چلتی گاڑی میں روڑا لگا دیا کرتے ہیں کہیں ملمع کار تقریر سے کہیں پر افسوں تحریر سے کہیں ناصح مشفق بنکر کبھی پیر و مرشد بنکر فقیری کا لباس پہنکر الغرض ہزاروں بہروپ بدلکر انسانی شیطان ایسے کام کرتے ہیں جنکی نسبت مولانا روم مثنوی میں فرماتے ہیں۔ ؎

اے بسا ابلیس شکل آدم ست پس بہر دستے نباید داد دست

ان انسانی شیطانوں کا ہر وقت اور ہر زمانہ میں ظہور ہوا ہے خصوصاً اس اخیر زمانہ میں کہ جسکی خبر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے پہلے سے دی تھی بہت کچھ زور ہے۔ ایمان کا تھامنا آجکل ایسا مشکل ہے کہ جیسا ہاتھ میں انگارے کا تھامنا۔ ایک طرف کو غیر مذاہب کے واعظ اس آزادی کے زمانہ میں ایسے نکل پڑے کہ جیسے برسات میں حشرات الارض۔ کہیں پادری اور انکے کاسہ لیس ہیں جو طرح طرح سے دام تزویر پھیلاتے ہیں وعظ اور خطرات ڈالنے والی کتابوں کی تصنیف اور اخبارات و رسائل کی شہرت پر بس نہ کرکے مدارس بھی قایم کر دیئے پھر عورتوں کے دلوں میں اپنے زہریلے تخم بونے کی کوشش

فسادکی ناس انسانی خناس سے وسواس کی توضیح

میں بھی کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھتے۔ سادہ لوح انکی چپڑی چکنی باتوں میں آکر اپنی مستورات کو بھی تختہ مشق بنانے کے لئے انکے حوالے کئے دیتے ہیں کہیں یتیم خانے بناکر مصیبت زدوں کے بچوں کو شکار کرتے ہیں اور روٹی کھلاکر انکا ایمان چھین لیتے ہیں کہیں شفاخانے بنا رکھے ہیں خیراتی اور رفاہ کے کاموں کی آڑ میں ایمان سے برگشتہ کرتے ہیں۔

پھر مدارس میں بھی الحاد کی تعلیم دیجاتی ہے اور اسکو نیو سائنس بتایا جاتا ہے اور کس کس پیرایہ سے ایمان اسلام اور اس کے ارکان و شعائر کی توہین کیجاتی ہے قہقہے اڑائے جاتے ہیں پھر انکے خوشامدی اور کاسہ لیس جو نئے فلسفے کے شیدا ہیں بلباس اسلام لوگوں کو ملحد و دہریہ بنا رہے ہیں کہیں معراج کا انکار کہیں خرق عادات کا انکار معجزات انبیا علیہم السلام پر تمسخر انکے برکات نفوس مقدسہ پر مضحکے پھر عام بدکاری کے اسباب ایسے پیدا ہو گئے کہ جن سے بچنا مشکل شراب کا دریا رواں فاحشہ عورتوں اور برہنہ تصاویر اور لہو و لعب اور طرح طرح کے باجے اور تھیٹر اور تماشے ایسے نکل پڑے کہ جن سے کوئی شہر اور کوئی محلہ خالی نہو گا دواؤں میں شراب کھانوں میں شراب۔ پھر قانون نے شریعت کو درہم برہم کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا لوگوں سے شریعت چھوڑا کر رسم و رواج کی پابندی پر پروانہ دیدیا۔ پھر سود اور اسکے معاملات کی ایسی وبا پھیلائی کہ جس سے کوئی تجارت اور کوئی معاملہ نہ بچ سکے پھر انکے خوشامدی ان باتوں کے جواز میں ایسی ملمع کار تقریروں لکچروں میں کیا کیا کاریگریاں کرتے ہیں[1] کہ اسکو دیکھکر بیچارہ شیطان بھی ششدر رہجاتا ہو تو تعجب نہیں شاگرد رشید استاد سے بھی سبقت لے گئے۔ لعنۃ اللہ علیہم اجمعین ؛

لعنۃ اللہ

پھر ان کے دیکھا دیکھی وہ مذاہب بھی اٹھ کھڑے ہوئے کہ جنکی بدبو سے دنیا سڑ گئی تھی اور اب تک سڑ رہی ہے پھر وہ سیاہ باطن نئی روشنی کی خوشبو میں مل مل کر اس ناپاکی کو کیسا عطر بناکر دکھا رہے ہیں۔ اور اسلام اور اسکے ہادی کے پر نور چہرہ پر کیسے کیسے بدنما دھبے لگانے کی کوشش کرتے ہیں اور اسلام کی فرضی تصویر دکھاکر اسکا چہرہ بگاڑ کر دکھاتے ہیں کہ دیکھنے والے کو گھن آجائے۔ ان کے خطرات و وسواس کی شرح کروں تو ایک دفتر تیار ہو جائے۔ پھر خود مسلمانوں میں جو زمانہ کے اثر بد سے لوگوں نے کجیاں پیدا کرکے ان کا نام اسلام اور سنت رکھا ہے اور پھر انکے مولویوں درویشوں نے جو جو وسواس پیدا کرکے عامہ مسلمانوں کو راہ راست محمدی میں ٹھوکریں کھلائی ہیں اور کھلا رہے ہیں۔ خدا تعالیٰ انسے بھی محفوظ رکھے۔ یہ ہے انسانی خناسوں کے وسواس کی تفسیر جنکے شر سے پناہ مانگنے کا حکم ہوا ہے اب میں کسیقدر شر الجنہ کی بھی تفسیر کرتا ہوں۔ انس رض سے روایت ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کے اندر خون کی

---

[1] سود کے جواز کے لئے کبھی تو یہ تقریر ہے کہ سود عرصہ کے مفلس لوگوں کی داد ستد تک محدود تھا کیونکہ غریب آدمیوں کی ضرورت پر قرض دیکر انسے سوایا ڈیوڑھا لینا انسانی مروت کے خلاف تھا مگر شاہی بنکوں سے منافع لینے میں یہ بات نہیں کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ سود کا مسئلہ شارع نے ناتمام چھوڑ دیا ہے یہ قیود جو لگائی ہیں تو فقہا نے فرصت میں بیٹھکر لگائی ہیں اسلام کے وسیع دائرہ معاش کو تنگ کر دیا ہے کبھی یوں کہا جاتا ہے کہ ہندوستان دار الحرب ہے یہاں سود لینا درست ہے۔ مگر دار الحرب کے معنی پوچھے جاتے ہیں تو حکام وقت کے ڈر سے چپ ہو جاتے ہیں کس لئے کہ دار الحرب کے پھر اور احکام بھی تو ہیں۔ کبھی یوں کہا جاتا ہے کہ سود جو ربوا کا ترجمہ ہے خاص قرض لینے دینے میں ہے باقی تجارت اور ہنڈی سٹے اور نوٹوں کے منافع سے کچھہ تعلق نہیں ۱۲ منہ

طرح شیطان پھرتا ہے (متفق علیہ) ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انسان سے شیطان پوچھتا ہے کہ یہ چیز کس نے بنائی اور یہ کس نے یہاں تک کہ کہتا ہے کہ اللہ کو کس نے پیدا کیا پھر جب یہ نوبت پہونچے تو کہہ دینا چاہئے کہ میں اللہ اور اسکے رسول پر ایمان لایا ہوں۔ (متفق علیہ) ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان کا بھی ابن آدم کے دل پر گذر ہوتا ہے اور فرشتہ کا بھی شیطان کے گذرنے سے شر پر آمادگی اور حق کی تکذیب پر تحریک ہوتی ہے۔ اور فرشتے کے گذر سے نیک کام کرنے اور حق کی تصدیق کرنے کی تحریک ہوتی ہے پھر جسکو یہ بات نصیب ہو تو اللہ کا شکر کرے اور جسکو پہلی بات پیدا ہو تو شیطان مردود سے پناہ مانگے۔ (رواہ الترمذی)

اور یہ ممکن ہے کس لئے کہ فرشتے اور اسیطرح شیطان جسم لطیف رکھتا ہے سو انکا انسان کے مجاری دم میں مداخلت کرنا کچھ بھی مشکل نہیں اور اسی لئے دل پر دریا کی طرح موجیں اٹھا کرتی ہیں کبھی نیکی کی طرف اور کبھی بدی کی طرف دل میں از خود خواہش پیدا ہوتی ہے تو اسکا محرک نیک کاموں میں فرشتہ کا الہام ہوتا ہے۔ اور بد کاموں میں خطرۂ شیطانی ہوتا ہے پھر جو اس خطرۂ شیطانی پر جم گیا برباد ہوا۔ اور اصل مادہ اس شیطانی اور ملکی گذر کا انسان کے قوائے بہیمیہ اور قوی ملکیہ کا ہیجان ہے۔ اور اسی لئے بعض نے غلط فہمی سے صرف مادہ کو شیطان اور فرشتہ سمجھکر شیطان اور فرشتہ کے وجود مستقل کا انکار کر دیا یہ بھی ایک شیطانی خطرہ ہے۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انسان کے اندر قوت وہمیہ بھی ایک بڑا شیطان ہے وہ اسکو کچھ کا کچھ دکھا دیتی ہے اور اسکے علوم و معارف حقہ میں فرق ڈالدیتی ہے جسقدر گمراہ فرقے ہیں اسی قوت وہمیہ کے مارے ہوئے ہیں اس لئے اس سے پناہ مانگنے کا ارشاد فرمایا جس سے اشارہ ہے کہ اپنے علوم و معارف حقہ پر جو تمکو مشکوٰۃ نبوت سے پہونچے ہیں مستقیم اور ثابت قدم رہو خیالات کے گھوڑے دوڑا کر ہلاکت کی کھائی اور خسران کے گڑھے میں نہ گرو۔

ف سورہ قل اعوذ برب الفلق میں رب الفلق ایک صفت ذکر کرکے تین چیزوں سے پناہ مانگنے کا ذکر تھا اور اس سورہ میں تین صفات ذکر کرکے ایک چیز سے پناہ مانگنا فرمایا وہ کیا ہے شر وسواس خناس۔ اسمیں کیا مصلحت ہے؟ (۱) تو یہ کہ اس میں جسمانی شروں سے پناہ مانگی گئی تھی جسکے لئے ایک صفت رب الفلق کافی تھی اور اس سورہ میں روحانی اور دینی شر سے پناہ مانگی گئی ہے اسلئے اسکے لئے تین صفات رب کا ذکر کرنا مناسب ہوا تاکہ معلوم ہو کہ دینی شر بڑا شر ہے اس لئے اس سے پناہ مانگنے میں خدا پاک کے تین اوصاف رب الناس ملک الناس۔ الٰہ الناس کا ذکر کرنا مناسب ہوا۔

(۲) یہ کہ اس سورۃ میں ان تین شروں سے پناہ مانگنے کا حکم ہے جو اعلےٰ اور اوساط کو لاحق ہوتے ہیں اور اسمیں اس شر سے بچنے کا حکم ہے جو عوام کو زیادہ لاحق ہوتا ہے جو نہایت کمزور ہوتے ہیں اسلئے ان کو خدا تعالیٰ کے یہ تین وصف محافظ عطا کئے گئے کہ ان صفات عالیہ کے ذریعہ سے شر شیطانی سے پناہ مانگو۔

ف۲ بعض مفسرین نے من الجنۃ والناس کا بیان قرار دیا ہے جو یوسوس فی صدور الناس میں مذکور تھا تب یہ معنی ہونگے کہ وہ خناس جو جنوں اور آدمیوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا کرتا ہے اس کے شر سے پناہ مانگو۔ یہ بات تو ٹھیک ہے کس لئے کہ جس طرح نیک و بد خطرات انسانوں کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں اسی طرح جنوں کے دلوں میں بھی اور وہ بھی انسان کی طرح مکلف

اور ما سوا ان میں بھی نیک اور بد ہیں ان کے دلوں تک بھی جس طرح فرشتہ ملہم خیر کا گزر ہوتا ہے۔ اسی طرح خناس ملہم شر کا گزر ہوتا ہے۔ ان میں بھی مؤمن اور کافر ہیں چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس قوم کے لئے بھی نبی ہیں اسلئے اس قوم کے ایمانداروں کو بھی پناہ مانگنا سکھایا ہے۔

مگر یہ کلام باقی رہے گا کہ ناس کا اطلاق کیا جن پر بھی ہوتا ہے جس کے بیان میں من الجنۃ واقع ہوا ہے۔ اکثر کہتے ہیں کہ ناس کا اطلاق انسان ہی پر ہوتا ہے نہ جن پر بعض فرماتے ہیں ہوتا ہے جیسا کہ رجال کا اطلاق سورۂ جن میں جنوں پر بھی ہوا ہے یعوذون برجال من الجن۔

ف۳ اس سورہ میں خدا پاک کے تین اوصاف مذکور ہوئے۔ اگرچہ وہ بندے کی تو تینوں حالتوں کے مناسب ہیں جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ مگر وسواس خناس سے ان تینوں صفات کو کیا اثر پہنچتا ہے؟ ضرور پہنچتا ہے۔ کس لئے کہ جس کے شر سے پناہ مانگی گئی ہے وہ وسواس خناس ہے چونکہ اس میں لطافت بھی ہے جو دلوں تک پہنچتا ہے اور بدن انسان میں خون کی طرح دورہ کرتا ہے اور پھر کام کر کے چلدیتا ہے وہ قزاق ہر ایک کے قابو میں نہیں آتا اور جو پکڑا جاوے اس کو سزا بھی ہر ایک نہیں دے سکتا۔ اس لئے اس کے شر سے پناہ مانگنے میں باری تعالیٰ کے صفات میں سے وہ تین صفات اختیار کئے گئے جو اس کے لئے کافی ہوں۔ رب الناس میں لطافت رب کی طرف اشارہ ہے اور پاسبانی کی طرف بھی کس لئے کہ رب وہ ذات ہے جس میں جمیع صفاتِ کمال ہیں اور منجملہ ان کے لطافت علم وخبر بھی ہے جس بغیر ظاہری و باطنی تربیت ممکن نہیں وہ خناس جب کبھی دل میں آئے گا اس کو فوراً معلوم ہو جائے گا اور تربیت کا مقتضیٰ ہے کہ باطن کو بھی شر سے محفوظ رکھے اس لئے اس کے پہرے دار بھی خاصانِ خدا کے اردگرد رہا کرتے ہیں یحفظونہ من امر اللہ اور اس قزاق کی گرفتاری کے لئے ملک الناس کی صفت مذکور ہوئی۔ کس لئے کہ شاہانِ عالیشان بڑے بڑے چوروں قزاقوں کو بس میں کر لیا کرتے ہیں اور پھر قابو میں کرنے کے بعد سزا دینے کے لئے الٰہ الناس کی صفت کا اظہار فرمایا۔ کس لئے کہ خدائی سے بڑھ کر پھر اور کوئی مرتبہ ہی نہیں، سب کو اعمال کی جزا اور سزا دینا اسی کی شاہنشاہی اور خدائی مقتضٰے ہے۔

ف۴ سورۂ قل اعوذ برب الفلق میں پناہ گمراہی اور حجابات حاجزہ سے مانگی تھی جس کے غالباً تین سبب ہوا کرتے ہیں۔ کبھی قوت وہمیہ اور بہیمیت کا غلبہ اور کبھی لذات وشہوات کی رغبت جس کی طرف ومن شر النفثٰت فی العقد میں اشارہ تھا۔ اور کبھی قوی ملکوتیہ کا دب جانا اور عوارض ہیولانیہ و اسباب ظلمانیہ کا غلبہ پانا جسکی طرف ومن شر حاسد اذا حسد میں اشارہ تھا اس لئے استعاذہ میں خدا تعالیٰ صفت رب الفلق کا ذکر کیا جو تنویر کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اور اس سورہ میں شیطانی وسواس سے پناہ مانگنے کا حکم ہے۔ اور شیطان کا استیلا انسانیت پر پورا پورا ہو جاتا ہے جو طرح طرح سے تخلیات باطلہ اور اشکال مختلفہ میں ظہور کرتا ہے...... اس لئے اس سے استعاذہ کرنے میں تین صفات جبروت ذکر ہوئے۔ ربوبیت، ملکیت، الوہیت کہ جن کے استیلا شیطانی استیلاء کو جگہ نہیں ملتی۔

ف۵ ابتدا قرآن کی وصف ربوبیت سے تھی الحمد للہ رب العالمین فرمایا تھا۔ اور اختتام وصف الوہیت پر ہوا الٰہ الناس فرمایا تاکہ معلوم ہو جاوے کہ ربوبیت کی حق شناسی یہی ہے کہ اس کی الوہیت میں کسیکو شریک نہ کیا جاوے اور اسکی شکر گزاری

گزاری کے ساتھ عبادت و اطاعت میں عمر گزار دی جاوے۔ ولہ الحمد ظاہراً و باطناً۔

بتاریخ ۴ شعبان ۱۳۱۴ھ بوقت صبح بمقام دہلی کتاب تمام ہوئی

قطعہ تاریخ از مولوی سکندر یار خانصاحب دہلوی

سلمہ اللہ تعالیٰ

زہی تفسیر حقانی ز تصنیفات مولانا	زدیدارش فرو ریزد بدل انوار فیض حق	سکندر جست تاریخش ز ہاتف این ندا آمد	شدہ تاریخ سال او گل ز گلزار فیض حق

ولہ ایضاً

لکھی تفسیر حقانی ہے کیا خوب	مصنف کو خدا نے دی جو توفیق	ہوئی تاریخ کی جب فکر مجھکو	کہا دل نے یہ ہے تنویر تحقیق ۱۳۱۴

ولہ ایضاً

شدہ تفسیر حقانی چہ مرغوب	زدیدارش نمود منظر حق	نمودم فکر بہر سال تاریخ	بگوش آمد ندا این مظہر حق ۱۳۱۴

هذا ما سطره فخر العلماء الاعلام الحبر القمقام زين الاسلام المدرس في مدينة النبي الكريم عليه الصلوٰة والسلام

مولانا عبد الرحمن بن احمد بن عبد القادر المدني سلمه الله عن شر كل غوي وغبي

بسم الله الرحمن الرحيم

حمداً لمن جعل كتابه العزيز اصلاً للعلوم وباباً للسعادة، وسبباً للفوز والنجاة والهداية والسيادة، وجعل العلماء مفتاحاً لهذا الباب ونوراً يستضاء بهم في جميع البلاد، وفضلهم على من سواهم من خلقه من حاضر وباد، فقال جل من قائل هل يستوي الذين يعلمون والذين لا يعلمون وقال هل تستوي الظلمات والنور ففيه كفاية لاهل الشعور، وشكراً لمن اصطفى منهم من شاء لخدمة كتابه الاسنى الكريم، وافاض عليهم من فتوحات الالهية لفهم مبانيه وتفسير معانيه ما يقف دونه فهم كل فيلسوف وحكيم، ونظمهم في سلك قوله تعالى وما يعلم تاويله الا الله والراسخون في العلم، واصلي واسلم على المخصوص بجوامع الكلم والهادي الى اقوم الطريق وعلى اله واصحابه الواصلين غاية السبق في ميدان التحقيق **اما بعد** فيقول الفقير الى رحمة ربه الغني عبد الرحمن بن احمد بن عبد القادر الياس المدني خادم العلوم ببلدة اشرف رسول واكرم نبي۔ انه اقتعدت غارب الاغتراب وانتضى الغربة عن الاقران والاتراب ودخلت بلاد الهند مجبوراً عن التقدير قائلاً رب لما انزلت الي من خير فقير وجعلت جل قصدي في هذا السفر الاستفادة والافادة ودفع الغموم والهموم بملاقاة العلماء السادة۔ كما هو داب السلف الكرام وعادة۔ كيلا اؤب صفر اليدين وارجع بخفي حنين فحلولي ووصولي اليها فزت بالعلماء الكرام وظفرت بزيارة الكملاء العظام منهم مفتي الانام المرجع في جميع الاحكام البحر الزاخر الحبر الماهر سحاب المطر عديم النظير في هذا الجم

الغفير شيخ المشائخ العلم الشامخ الملقب بحجة الله المفتي مولنا لطف الله متع الله المسلمين بطول بقائه ونضر رياض العلوم بهائه ومن جملة ما طلعت عليه بتوفيق العليم الحنان تفسير القرآن العظيم الشان المسمى بفتح المنان فوجدته فريدا في جنسه جامعا لكل المحاسن في نفسه عميم النفع لكل عالم وطالب علما في فنه يهتدي به الى جميع المطالب كشف عن مخدرات المعاني القناع بحسن بيان وتوضيح واقناع يشفي به الداء العضال ويزداد المهتدي به هداية ويهتدي به الضال هو البحر الا ان للبحر ساحل وللبحر جزر وليس له جزر كيف لا وهو تاليف العالم العلامة الحبر المدقق الفهامة وحيد دهره وفريد عصره الجامع بين المنقول والمعقول من فروع واصول من شهدت عليه الفصاحة نظامها ومدت اليه البلاغة رواقها وسلمت اليه دقائق المعاني اعنتها ودقائق ازمتها حتى صار بحرا مداه لا يصارم ولا يبارى وفرد في حلبة العلم وميدانه لا يسابق ولا يجارى بابه تحط المشكلات رحالها فتصدر عن رحابه وقد حل اشكالها جامعا لجميع المحامد والمفاخر صادقا عليه قول الشاعر ؎ ليس على الله بمستبعد ان يجمع العالم في واحد وهو الشيخ مولانا ابو محمد عبد الحق الدهلوي بيد اني اطلب من مؤلفه اداما الله وبلغه مناه في اخرته ودنياه ان يترجم بلسان العرب وارجو منه اجابتي لهذا المطلب ليعم نفعه اهل كل لسان من قاص ودان واسئل الله الكريم رب العرش العظيم ان يحسن له ولي العواقب ويكفيني واياه شر كل حاسد مراتب وان يجمعني واياه في دار النعيم ببركة نبيه الكريم انه على ما يشاء قدير وبالاجابة جدير واصلي واسلم على سيدنا محمد صلوة مستمرة الدوام واله واصحابه ومن تبعهم واهتدى بهديهم من الانام۔

هذا ما كتبه الفاضل الكامل العارف العامل شيخ الطريقة العلية القادرية مولنا محمد عمر الملقب بشاه سراج الحق نار الله سره

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الذي خلق الانسان وعلمه البيان وانزل على عبده ايات بينات من الهدى والفرقان والصلوة والسلام على افضل الانبياء سيدنا محمد اكرم الخلق من الانس والجان المويد باوضح الحجج والبرهان المبعوث بالكتاب لعلي الشان وعلى اله واصحابه البالغين اقصى البراعة والبيان المنعوتين في الصحف والقرآن وبعد فان الفاضل الاديب والكامل الاريب مصلا فاضل في المعقول والمنقول فخر الاماثل في الفروع والاصول عالم انوار التفاسير القرآنية ماهر اسرار الاحاديث النبوية المحقق المدقق سيدنا واستاذنا الاحق مولانا ابو محمد عبد الحق لازال ذاته محققا للحق ومبطلا للباطل قد صنف كتابا جليلا المسمى بالتفسير الحقاني جامع نكات الاصولية والفروعية فاتح مغلقات العقلية والنقلية حيث لم يسمعها الاذان ولم ير عيون الازمان محجبة للنواظر ومطربة للجواهر تميل اليها الطباع وتلذذ بها الاسماع كافية للمتمسكين بعروة الوثقى وافية للمتشبثين بغاية القصوى والى يختفي للشمس ضوء عن ابصار في ضحو النهار وكيف يستر فار المسك بحثو خياشم الورى في يوم حار فيا ايها الطالبون الصادقون هلموا الى مقاصدكم واشكروا الى انجاح مراصدكم فانه نعم البضاعة واحسن متاع الدنيا والاخرة واخر كلامنا وختم مرامنا ان الحمد لله رب العلمين۔

حرره العبد الاحقر المدعو محمد عمر الملقب بشاه سراج الحق

یہ تاریخیں حضرت فاضل اجل شاعر بے مثیل علامہ فہامہ فرید زمانہ فخر عرفی رشک فیضی خسرو ثانی مولانا مولوی عبد العلی لکھنوی مدراسی نے ارسال فرمائی ہیں ناظرین حضرت کا تہ دل سے اور مصنف صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتے ہیں

حامدا و مصلیا

تواریخ عربی و فارسی و اردوی تفسیر حقانی منظومہ حضرت آسی محمد عبد العلی مدراسی سلمہ اللہ تعالی

تبصر وقل ایها المستکین — هو الحق للحق حصن حصین
علی رفعة الدرس بدر منیر — وفی مجلس الوعظ صدر امین
به فی العلی شمس علم اضاءت — به بدر نور الهدی یستبین
لارباب علم امام همام — لاصحاب فن دلیل قمین
ومن فوهه فظ لم یصدر الا — حدیث وای وفقه مبین
مصباح تقریره غیر مطفی — ومراة تفسیره لا ترین
فمن شاء سوء له حان حینا — ومن عانه فهو نعم المعین
لحساده قال ربی تعالی — واملی لهم ان کیدی متین
بتاریخه قد جاء اسی آسی — لحق حقیق به نستعین

لقد جاء حق بتفسیر حق — هو العبد للحق حبر فطین
اذا هل للتوادی ندی الایادی — لصحح الافاضات رکن رکین
لقرع الکنایات اصل اصیل — لشرح الاشارات متن متین
عوالی مقاماته فی المعالی — معالی مقالاته لا تشین
واما له الفیض رسا ووعظا — فدر سمین ودر ثمین
له فی المعالی مدیح معلی — له فی العوالی علام رزین
فاما المستی فنعم الجلیس — واما المخطی فبئس القرین
فتفسیره جاء تفسیر حق — من الحق فالحق حق مبین
اما ان هذا النور من الحق — الا ان هذا کتاب مبین

۱۳۱۴ھ — ۱۳۱۴ھ

ولہ ایضا قصیدہ تاریخیہ در فارسی و اردو

۲۰۷ شعر

لکم بشری الا یا ایها الاخوان خلانی — لکم طوبی اما یا ایها الخلان اخوانی

ایمانی

سر سمع الاغانی را امید سمع خوش خوانی — در سبع المثانی را نوید حلقه جنبانی
بده ساقی می باقی ز راح روح و ریحانی — که تا روح از سیه مستی زند تف بر تن آسانی
سماع سور وجدانی و چشم نور عرفانی — شنید اسرار رحمانی و دید آثار سبحانی
مرو از راه نفسانی بقعر چاه شیطانی — بپرواز فرش ظلمانی بسوی عرش رحمانی
مزین هست هر ایوان بصنعتهای حقانی — معنون هست هر عنوان بحکمتهای لقمانی

رسانم مژده تازه بگوش از جوش حقانی — نوازم کوس آوازه بجوش از هوش حقانی
دمد در باغ ایمانی وزد در راغ حقانی — نسیم نوبهارانی شمیم صبح گاهانی
درین راه هدی سر کن حدی خوانی وجدانی — که گردد زان بسی طی هفت منزل کل آسانی
چه می چینی بجای گل بدامان خار نفسانی — چه می بینی کتاب حکمت و نان یونانی
بهر جاده بشارتها چه آبادی چه ویرانی — بهر سو کن اشارتها چه پیدائی چه پنهانی

چه نسبت جنس عالی را بوصف نوع تحتانی　　چه نسبت نوع سافل را بذات جنس فوقانی

نه حجت خاک افشان دست سفلی بر سر علوی　　نه برهان چاک دامان جسم تعلیم هیولانی

نجات یونس از ماهی بود اندر رانج یا نجی　　دلیل عصمت یوسف شد از پس چاک دامانی

الا ای فلسفی باید سپر انداختن اینجا　　هلا ای مدعی شاید سبق نشناختن خوانی

کمال علم اگر جویی مجوش از درد نامردی　　جمال علم اگر خواهی منوش از درد نفسانی

اگر بنشینی اندر هشت خلد رحم و همدردی　　لهیب هفت دوزخ را بآب سرد بنشانی

چو چلچل میزنی تا کی بباغ اندر دم کوکو　　چو بلبل میکنی تا کی بباغ اندر نواخوانی

رضای حق اگر جویی فنا شو جان بجانان ده　　سبکروحی اگر خواهی بیفگن بار جسمانی

کمر بند از دم چستی درین منزل مکن سستی　　مبادا کز وصول راه حقانی فرومانی

تو کمتر ذره با خاور تابان چه می تابی　　تو احقر قطره با قلزم عمان چه میمانی

قیاس علت و معلول حکمت را بیکسو نه　　یمانی نقل را نتوان سند عقل هیولانی

ببین از دیده کثرت جمال شاهد وحدت　　که در اثبات توحید است نفی اول و ثانی

سمند فکر و رخش عقل و خنگ فکر را پی کرد　　دم دعوای طی هفت خوان راه عرفانی

معاذ الله از حوری که می باشد پس از کوبے　　چسان از باغ دوزخ برآید سرو بستانی

برآر از قید آب و گل دم آور کاخ جان و دل　　بزن چون بایزید از سر خروشها بانگ سبحانی

بهر گل قلقل مستی فزایی اندر دم حق حق　　بهر گل بلبلی بستان بسر آیی ز خوش الحانی

بدل در گنبد تن نعرهٔ الله اکبر زن　　مشو چون بزدل درین منزل اگر شیر نیستانی

کرا قدرت که دریابد مواد جوهر کلی　　کرا طاقت که پیماید سواد ملک امکانی

بیا اندر بلاغت هم فصاحت را چه می جوی　　ببین اندر درایت هم روایت را چه میخوانی

نه باشی در پی آن دم و در روزه [illegible] مولد هم　　نه در چار آخشیج و پنج حس و شش جهت مانی

کجا زاید ز شب آبستن دنیای دون فردا　　کجا آید ز گرگ نفس سرکش کار چوپانی

همین نسبت بود با نوع سافل جنس عالی را　　که فوقانی بود این جنس و آن نوعست تحتانی

کجا این نارسائی گنبد دست کوتاهی　　کجا آن ذروهٔ بام فلک سای ثناخوانی

برا اهل ظاهریت سای را بر روی آوردن　　بدان ماند که بر گنبد نهی جوز خراسانی

هماناً درک کنه حمد و نعت واجب و ممکن　　برون است از درون سرحد امکان انسانی

نه ضبط منطق اندر ربط حکمت با سخن رانی　　نه ربط حکمت اندر ضبط منطق با زباندانی

رهی پا از سر جان در ره جانبازی مردان　　کنی وا باب منت از کلید فتح منانی

چو علم دین و ایمان را سری داری بسر بگذر　　ز بحث حیص و بیص این و آن و وهم یونانی

اگر در خانه کس داری بسوی راز وا آری　　ولا شیشهٔ دانش بزن بر سنگ نادانی

نخواهی دید روی پر صفای علم و دانش را　　که تا گرد و غبار جهل از دامن نیفشانی

بپای سر بیا گر داری اندر سر سر مجلس　　چه مجلس مجلس جانان چه جانان جان جانانی

عبادت کی بود خالص ز غشهای ریاکاری　　قناعت کن که شو خالی ز خواهشهای نفسانی

کمال خلق اگر خواهی جمال خلق را خو کن　　حیات روح اگر جویی بدر کن خوی حیوانی

همانا خوشتر آن عابد که داغ اندر دلش باشد　　نه آن زاهد که دارد از ریا داغی به پیشانی

اگر پیرایهٔ دانش نبود نقل ایمان را　　بیک ارزن نیرزیدے کتاب عقل یونانی

دلا تا چند بر دروازهٔ دنیای دون باشی　　بیا در دین حق بشنو صدای حلقه جنبانی

مزن نی همچو نامردان بخط النفس ای [illegible]　　بزن هی همچو مردان هیولی از گرم جولانی

روی در چه چو نصب العین داری عینک تاری　　شوی آگه کتاب حق شمار اگر تو برخوانی

بحمد الله درین دوران خزان رفت و بهار آمد　　چه در صحن بستان هر شجر از فرط ریانی

برای نغز گفتاری چو در سفتن هوا داری　　کنی وا چون صدف لب را بآب ابر نیسانی

ازین اکسیر اعظم چون مس دل را طلا سازی　　درین در سنجی خاک افشان کنی زر افشانی

چو خواهی کسر عسر جادهٔ جان بی تیسیر خوان　　ولا آطی نه خواهد شد ره مشکل به آسانی

ز روی شرط انتاج قران اصغر و اکبر　　کل اندر جزء نه جزء در کل الشکل اول و ثانی

بیفگن توبه وه خاک ای جان ببین بنیاد دین بهمت　　بیفشان آستین ای دل برین آلوده دامانی

چو نفس دون بد حالی چه خواهی خانه بربادی　　چو بوم شوم بدفالی چه جویی خانه ویرانی

بشو از صفحهٔ دل نقش دنیای دنی نکسیر　　بکن حاصل مقام ملأ اعلی از پر افشانی

بدست اندر درین هر یکی حیران و سرگردان　　چه کلک گوهر افشانی چه سلک سبحه گردانی

ملک در ذکر او حیران فلک در فکر او گردان　　ز عشقش مهر و مه را دور آتش لعل حیرانی

جمال شاهد عین العیون واجب اعلی اتر　　نه در رگ قوت ادراک اعیان امکانی

کشا باب مجازی از حقیقی و ز مجازی هم　　سر خود را بنغمه هم زن زخمه بر قانون حقانی

همانا اندرین آبادی و جهان باقی
چو طفلان مسکینی ز خاک و گل تعمیر ویرانی

بدارم گوهر سلکم ببازار خریداری
بیارم اشهب کلکم بمضمار سخن رانی

وهم سرور هوای چرخ شهباز سخن دانی
سمند خامه را آرم درین میدان جولانی

سرم شد مخزن الاسرار و جانم سبحة الابرار
کر گشتا یدر بروییم فتح باب سر حقانی

منم امروز تفسیر الحقائق همچو غزالی
منم امروز تحریر الدقائق همچو دوانی

هم اکنون رو بروییم شیخ اول گو کی نادان
هم ایدون شیخ ثانی پیش من طفل دبستانی

قلم اندر کفم همچون علم بر صفحه میدان
زبان اندر بیان در معرکه تیغ صفاهانی

منم امروز کشاف المعانی همچو جار الله
منم امروز خلاق المعانی همچو خاقانی

بیا بنشین ببین نحتی درین تحریر حق گوئی
بخوان پی پر بگو وه وه برین تفسیر حقانی

اگر داری هوای های و هوی حق سرائیدن
بیا بشنو صدای نغمه تفسیر حقانی

بنه یکسو خیال هفت خوان رستم دستان
بطی وادی سبع منزل تفسیر حقانی

طبیعی و ریاضی و الهی تا بکی خوانی
بیا بنشین بخوان حرفی ازین تفسیر حقانی

اگر پرسی ز من احوال این تفسیر میگویم
جهان را نیست جان ایست جان را نیست گر دانی

اگر از رو نیاز حق شنیدن آرزو داری
بیا بنگر درین تفسیر اسرار خدا دانی

تو نافهمی بدین تقریر اگر مصحف نیاموزی
تو نادانی بدین تفسیر اگر قرآن نمیخوانی

ازین تقریر فرقان گو نمی از تفسیر جلی بر و
ازین تفسیر قرآن نیز چه باسفر بتوانی

خدایا تا بلب آید دلیل واجب و ممکن
مسلم باد امکان رخ اش چون خط برهانی

چه حق علم الیقین عین الیقین حق الیقین باشد
چه حق الحق احق با حق شد این تفسیر حقانی

چنین تفسیر نتوان یافت کس در عالم امکان
و ان تفانینا یا مدعی بالمثل والثانی

نه چیده دامن گلچین چنین چیز از گل رنگین
ندیده دیده حق بین چنین تفسیر حقانی

چه تفسیر آنکه باشد غیرت تفسیر بیضاوی
چه تفسیر آنکه باشد رشک تفسیر شوکانی

چه تفسیر آنکه مستغنی است از تفسیر این و آن
چه تفسیر آنکه مستعلی ست بر عرش سخندانی

چه تفسیر آنکه تحریرش سواد عین حور العین
چه تفسیر آنکه تقریرش حدیث شاه عدنانی

چه تفسیر آنکه توضیح حدیث سرور عالم
چه تفسیر آنکه تلویح کلام پاک ربانی

چه تفسیر آنکه باشد مخزن اسرار لاهوتی
چه تفسیر آنکه باشد مطلع انوار سبحانی

چه تفسیر آنکه باشد مرکز ادوار دینداری
چه تفسیر آنکه باشد نقطه پرگار ایمانی

چه تفسیر آنکه تعلیمش علم در عالم امکان
چه تفسیر آنکه تادیبش مؤدب با ادب دانی

چه تفسیر آنکه در آفاق نامش نامور آمد
چه تفسیر آنکه در عالم علم اسمش بحقانی

چه تفسیر آنکه کشف سر حق حرفی ز حق بوئی
چه تفسیر آنکه شرح متن حق گوئی و حق دانی

چه تفسیر آنکه دانندش ز تفسیر کبیر اکبر
چه تفسیر آنکه خوانندش ز هر یک قاضی و دانی

چه تفسیر آنکه گوئی ز انبثار آب و رنگ سنگ
بدارد در بغل صد جلوه سرو چراغانی

چه تفسیر یکی از علامه علم کلام حق
چه تفسیر یکی از فهامه منطق بیهمانی

چه تفسیر آنکه نامی نام او علامه عبد الحق
که حق بر نام او ز و سکه تفسیر حقانی

ازان جوهر نما دریای زخار گهر سنجی
و زین گوهر نما طغرای ترجیع سلیمانی

ازان الطف نسیم نافه مشک تاتاری
و زین الطیب شمیم نفحه بیز روح و ریحانی

ازان مسدود شد اسباب [illegible]
و زین مردود شد اسباب [illegible]

چه تفسیر آنکه باشد مجمع علم و فنش جامع
چه تفسیر آنکه باشد مولوی عبد الحق بانی

چه عبد الحق که الحق نام او بر صفحه هستی
شرف دارد براسما همچو بسم الله عنوانی

چه عبد الحق که تحدیثش بود تحدیث حق بینی
چه عبد الحق که تفسیرش بود تفسیر حقانی

چه عبد الحق که ذهنش واقف اقوال غزالی
چه عبد الحق که طبعش کاشف امثال میدانی

چه عبد الحق که او انسان عین عین انسان است
چه انسان کز وی این صنعت بلیغ استان لسانی

هم او در خیر و میز مطلب فقه و حدیث اکمل
هم او در ذوق و شوق مقصد تفسیر حقانی

دم تقریر منقولی مدقق همچو شیبانی
بوقت بحث معقولی محقق همچو دوانی

کمند منطقش را برج و باروی طاق بیتانی
سمند حکمتش را همعنان گردون گردانی

چمن پیرای عقل و هنگ اهل الرای علم دین
بهار آرای آب و رنگ باغ فقه نعمانی

بدانش ختم شد تفسیر را بی وهر نوعی
بوصفش صادق آمد بحر زخار همه دانی

کشش چهره نشد اندر چهار اقلیم هندوستان
بل اندر هفت اقلیمش نزد پهلو بیحانی

ولی تصدیق آن فرمود این عجز نما سفری
بلی مصداق آن گر دید این تفسیر حقانی

بفیض جود و بخشش موج چشمه جاری
بفضل و علم و دانش لجه دریای عمانی

اگر حق بر زبان آری چنین حبر مفسر را
محقق میتوان خوانی مدقق میتوان خوانی

مفسّر این چنین باید محدّث این چنین شاید | که از سرّ احادیث آورد تفسیر حقّانی
باین جادو بیانی سحر خوانی نیست مانندش | نه جامی نظامی هم نه فردوسی خاقانی
ز سنگ سخت این کوه گران بی دعوی معجز | عصای نی دبیر آورد آب چون موسی عمرانی
کشود از ناخن فکر رسا آن عقده لاینحل | که در حلّش عقول عشره عاجز شد ز نادانی
معانی از مبانی وز معانی رازها روشن | چو زیر برقع زرین نمایان شکل نورانی
انیس جلوت و کثرت جلیس خلوت وحدت | رفیق عزلت و صحبت حقیق فیض سبحانی
مبانی یاسمن بویان معانی رشک گلرویان | معانی عنبرین مویان همه عنبرافشانی
تو گوئی سبزپوشان گلستان قدم اینجا | بصد فر گشته نازل از فراز عرش رحمانی
بخوان سلوتت خواهد چو رو بر مانده آری | بسوی حضرتت خواند باخلاصش گر خوانی
بچشم قیس هم چشم زلیخا هر دو باید دید | جمال شاهد لیلی کمال ماه کنعانی
پئے دلدادگان شاهد خوش خال زیبا خط | بود حسن خطش آئینه دار حسن وجدانی
بهر لفظش بود فتح الخفای سرّ پیغمبر | بهر حرفش بود کشف الغطای راز ربّانی
چه گویم صورت مطبوع طبع آب و رنگ | که شد آئینه از فرط صفایش غرق حیرانی
صفایش را چه می‌پرسی جلالیش را چه میخواهی | هر آئینه در آئینه نماید شکل حیرانی
بهر مبنی و معنی باهمی ربط آنچنان باشد | که قلب لام الف واقع شود چون لام الف خوانی
هم آمد حال را سیرت نمای صورت جانان | هم آمد قال را صورت نمای سیرت جانی
بیاض صفحها خنده کنان بر صفحه دندان | سواد حرفها چشمک زنان بر چشم فتانی
سواد اندر بیاض او سویدا روشن اندر دل | بیاض اندر سواد او ظلمت آب حیوانی
دو چشم لفظ و معنی عشوه ساز صورت و سیرت | دو زلف ظاهر و باطن نمای پیدائی و پنهانی
سطور نظمی از جوهر چه جوهر جوهر اصلی | حروف نثری از گوهر چه گوهر گوهر کانی
بیار ای طالب تفسیر مصحف نقد دل بر کف | که سودای چنین جنس گران شد بر تو ارزانی
بدیده سرمه جذب القلوب از نور حق بینی | بعارض غازه حسن قبول از رنگ حقّانی
زهی حسن قبول او که هر گه پیش کردندش | قبول آمد بدرگاه نبی الانسی و جانی
بمیدان زبان فرس تا اینجا سخن راندم | درآرد وی معلّی هم عنان تا هم بجولانی
کہاں ہے قوت و یارا کہ او کیسے جا ہے عقل کل | یہاں تک نوں ہیں ابجد خوان فن لوح ثنا خوانی

بنثر جانفزای دل حبیب و فیضی و طغرا | بنظم دلکشای جان حکیم و قدسی شانی
علاجی درد قومی از نهی حاذق طبیب آمد | که در دار الشفای او نماید درد درمانی
چه سرها گفت از سرهای معقولی و منقولی | چه درها سفت در سلک سیاق نظم قرآنی
بحمد الله بصد تصحیح و تنقیحی که می‌باید | چه خوش خط طبع شد شرح کلام پاک ربّانی
نماید منجلی خط جلیش چشم پیران را | ضعیفان را افزاید قوتی از قوت روحانی
بیاض روشن از روشن سوادش جلوه دارد | تو گوئی صبح نورانی دمید از شام ظلمانی
برون اوصاف شان از لبس التباس اوهامی | بری دامان شان از آلایش لواث شهوانی
گه از مضمون نقمت مصدر صفات قهاری | گه از فحوای نعمت مظهر الطاف پنهانی
سوادش غیرت لیلا بیاضش رونق بیضا | ضیای طبع خنده بر ضیای صبح خندانی
نظر در سنبل پیچان زلف سطر او قیدی | نگه در دورهای حلقه آیات زندانی
ازین آئینه باید دید حسن صورت و معنی | وزین گنجینه شاید چید درهای ثنا خوانی
مصفا صفحه تاب از چشمه خورشید خاور برد | مجلا کاغذ آب از چاه در مهتاب نورانی
لباس طبع پوشید و فزون شد جوهر حسنش | چه جوهر جوهر تابان رشک لعل پیکانی
بنام ایزد که از حسن صفای آب و رنگ او | پرید آب رنگ از جوهر یاقوت رمّانی
مسلسل سطر پیچان آیتها ز سلک لؤلؤ برد | چه لولو لولو لالا چه لالا لاله قانی
هم اسطر سطر خداوند قدم را جام جم آمد | هم آئینه نمای شکل حال شاه عدنانی
سوادش از سواد زلف لیلای خدا بینی | بیاضش از بیاض روی سلمای خدا دانی
مصفا از صفای سطحه مرآت اسکندر | مجلا از جلای چشمه خورشید نورانی
الا ای جوهری بنگر درینجا حق نما جوهر | چه جوهر جوهر گوهر چه گوهر گوهر کانی
مخطط هر ورق چون خال و خط لو خطان آمد | چه خط کز فرط خوبی خط کشد بر خط ریحانی
بطرز خوب هم خوش طبع شد این نسخه دلکش | بخوبی و خوشی اسلوبی ندیدم مثل آن ثانی
چنان مقبول عالم آمد از احقاق حق الحق | که چون قرطاس زرتش میبرد هر قاصی و دانی
پس آنگهی خوش بنی چون سالش از جبریل پرسید | بگفتا یا رسول الله زهی تفسیر حقانی
پس از عذر ثنای حق و نعت شاه عدنانی | کہ ان کو نوں ہے گونگی ہو زبان نطق انسانی
کلام نفسی واجب کی کیونکر ہو ثنا ممکن | کہ نفس الامر میں ممکن سے باہر ہے ثنا خوانی

کہاں ممکن ہے ہو ممکن ابد کے معنی الحب
کہاں حادث ہے ہو حادث ازل کی شرح پایانی

کجا وہ فرع نامحکم کجا یہ اصلِ مستحکم
کہاں وہ عقل یونانی کہاں یہ نقل ایمانی

جو دیکھو اس طلسمی خانۂ دنیا میں عبرت سے
کہ ویرانی میں آبادی ہے آبادی میں ویرانی

ہے منطق انکی لونڈی اور حکمت ہے غلام ان کا
بجا ہے گر کہوں میں انکو شیخ اول و ثانی

کہوں کیونکر نہ انکو شہسوار عرصۂ معنی
کہ ہر دم زیر ران انکے ہے شبدیز سخن رانی

ہے زیبا جو لکھیں باب فضل انکی فضیلت میں
ہے اولیٰ جو کریں اصحاب علم انکی ثنا خوانی

وہاں ہے حقہ دریائی تفسیر حدیث انکا
زباں ہے چشمۂ آب روان فقہ نعمانی

بیاں ہے دلگداز بزم ایوان سخن سنجی
زباں ہے یکہ تاز رزم میدان زباندانی

وہ حرکت ارتجال فکر کی یا گردش گردوں
وہ جودت انتقال ذہن کی یا برق جولانی

نگارین کلک گوہر سلک انکا رنگ صنعت ہے
عیاں ہے حال خط لو عروس نظم قرآنی

فصاحت اور بلاغت سے نہ پر کیونکر ہو یہ تفسیر
کہ اردو فارسی عربی کی حاصل ہے زباندانی

بہت ہیں اب بھی دجالون کذابون دنیا میں
سواد دجال اعور کے کہ ایک آنکھ اسکی ہے کانی

ہوا ہے منکروں پر ظاہر اس تفسیر سے کچھ یہ
جنان و دوزخ و میزان و حوض و حور و غلمانی

مگر سچ پوچھو تو ہر ایک نے اطراف عالم میں
اسی تفسیر سے قدر اس مفسر کی ہے پہچانی

ہوئی سرد اس سے بالکل دہریت کی گرم بازاری
کہ گویا آگ پر باطل کی حق کا پڑ گیا پانی

ہے جس سے بڑھ گئی سب دین حق کی حشمت و شوکت
ہے جس سے گھٹ گئی سب نیچری دنیا کی طغیانی

کہیں تحقیق ربط و وقف و وصل و ضبط و قصر و مد
کہیں تدقیق رسم خط توقیفی عثمانی

مبانی اور معانی میں ہے ربط و اتحاد ایسا
کہ جیسا لام الف میں لام الف کا ربط وجدانی

کتاب فصلت آیاتہ شان نزول اس کا
کتاب احکمت آیاتہ اسکی ثنا خوانی

سواد نقط سے ہے جلوہ گر بیضا ضیا معنی
عیاں جس طرح مشکیں کاکلوں سے شکل نورانی

اگر چاہو نجات اخروی اور دولت دینی
لو اسکو نقد جان و دل سے اے اخوان ایمانی

سوا نیزے پہ جب خورشید ہوگا روز محشر میں
یہی تفسیر ہوگی سر پہ چتر ظل سبحانی

ہے اسمیں غایت اعجاز کی معجز نما تاریخ
پس آسی آیت قرآن ہے اس تفسیر کی آئی

کلام نفسی و تعبیر لفظی میں ہے ضد باہم
کہاں وہ واجب باقی کہاں یہ حادث فانی

کجا تشریق بیضا کی کجا تنویر مہتابی
کہاں تقدیس واجب کی کہاں تحدیث امکانی

میں الحق حق ہی کہتا ہوں کہ جز علامہ عبد الحق
ہے کس میں ایسی حق گوئی و حق بینی و حق دانی

مطب میں بوعلی سینا و افلاطون و فارابی
ادب میں سیبویہ ابن رشد و شیخ جرجانی

فصاحت میں ہیں جامی بلاغت میں ہیں میلانی
روایت میں ہیں زین قافی درایت میں ہیں درانی

علم کرتا ہے انکا علم حق اظہار عالم میں
قلم کرتا ہے انکا مثل نیساں کی گہر افشانی

محقق ہو تو ایسا ہو مفسر ہو تو ایسا ہو
مناظر ہو تو ایسا ہو کہ بات اسکی ہو برہانی

ہے شہرت میں ہوئے تیز پائے فرش بحر و بر
ہے رفعت میں ہما چرخ سائی عرش حقانی

بتادی مذہب تحقیق حق بینی کی راہ راست
دکھادی شان تحقیق حق دانی کی جولانی

ہر آیت کے دقائق اور حکایت لکھ دیے بالکل
بتائے کھول کر مصحف کے سب اسرار پنہانی

ظہور حق سے اس تفسیر حقانی کی حق یہ ہے
کہ گویا دہریوں اور ملحدوں کی مر گئی نانی

خصوصاً دہریت اور نیچریت کا ہے رد اس میں
بہ اثبات بدیہیات و نظریات برہانی

فنائے کائنات و نفخ صور و حالت برزخ
عذاب قبر و ایجاب سوال و حشر ابدانی

کتاب فصلت آیاتہ تفصیل میں ہے مثل
کتاب احکمت آیاتہ حکمت میں لاثانی

یہ آئینہ ہے احقاق حق و ابطال باطل کا
یہ گنجینہ ہے لعل و گوہر ایماں کا لاثانی

ہے جس سے عسکر ابرار کی جمعیت خاطر
ہے جس سے لشکر کفار کی ثابت پریشانی

کہیں احقاق حق ہے اور کہیں ابطال باطل ہے
کہیں ہے علم ایمانی سے رد فن یونانی

نہیں تشبیہ یہ لائق ہے فائق اس سے ربط اسکا
کہ نقطہ خط میں خط نقطے میں ہی نکتہ ہے پنہانی

یہ ہے تفسیر حقانی ہے حق یعلو و لا یعلی
ہوا ہے ظاہر اس تفسیر سے اعجاز قرآنی

بحمد اللہ کہ کیا ہی چھپ گئی تحقیق و صحت سے
یہ ہے تفسیر قرآنی یہ ہے تقریر فرقانی

چلو اے جوہر تفسیر قرآن کے خریدارو
کہ پائی گوہر جنس گراں نے کیا ہے ارزانی

ملیگا اجر اس تفسیر کے سب چھپنے والوں کو
رہیگا فیض اسکا تا بقائے عالم فانی

ہے اسمیں آیت مصحف سے نکلا سال لاثانی
کتاب احکمت آیاتہ تاریخ قرآنی
۱۳۱۲ھ

تاریخ اختتام

تفسیر حقانی و خاتمہ جلد ہشتم در سال ۱۳۱۴ھ از جناب ساقی داد خاں صاحب

بحمد اللہ ز فضل کبریائی
چو شد تفسیر حقانی تمامش
پئے دفع مطاعن تلخ اعدا
ز بید ہندواں و کید نیچر
ز مکر و خدعہ اعدائے اسلام
جزاک اللہ اے علامۂ عصر

بہ تکمیل آمدہ تفسیر شیریں
برائے اہل دیں تفسیر شیریں
ضرورت بود از تفسیر شیریں
کشاید عقدہا تفسیر شیریں
خبر دارت کند تفسیر شیریں
چہ خوش آوردۂ تفسیر شیریں

ز مولانائے عبد الحق محقق
بتقلید صحابہ و ائمہ
ز تورات و اناجیل و دساتیر
قبائح شرک و ہم اوہام بدعت
غرض بہر افادہ دین برحق
عدو را پا شکست از بہر تاریخ

زہے تفسیر با تقریر شیریں
بطرز کاملیں تفسیر شیریں
خبرہا میدہد تفسیر شیریں
صراحت میکند تفسیر شیریں
ز حق دارد اثر تفسیر شیریں
سروشم گفت از تفسیر شیریں ۱۳۲۰ – ۱۳۱۴ھ

تاریخ تفسیر حقانی نتیجۂ فکر شاعر بیبدل منشی مکمل حکیم شیخ غلام محی الدین صاحب متخلص بندہ

حنفی القادری ثم چشتی النظامی سکرٹری انجمن محافظ حجاج و انجمن تبلیغ الاسلام و مالک شفاخانہ فیض واقع شہر بمبئی

لوحش اللہ دفتر لاریب فیہ
کردہ از استدلال عقلیہ ثبوت
بر صفات و ذات و اثبات ملک
دفع شبہات و شکوک ملحدین
اختلاف قرأت و قرا ہم
گشت این تفسیر خضر راہ حق
شرح روح و عالم اخری نوشت
بو محمد عبد حق ذی فضل و علم
ماحی تاریکی بدعات و شرک
باز نازان ست نطقم بر زباں
آں نظام الملک آصف جاہ و شان
ناز بر عہد شہ ملک دکن

معنی و تفسیر قرآں حبذا
شان توحید جناب کبریا
بر وجود و شکل و ماہیت بپا
کردہ روئے نبوت جابجا
زد رقم از خامۂ معجز نما
بہر گمراہان دین مصطفےٰ
کردہ اثبات جزا و ہم سزا
رافع شرع محمد مصطفا
جلوۂ خورشید ورع و اتقا
باز شد جاں و دلم فرحت فزا
میر محبوب علی خاں ذو العطا
می کند تفسیر حقانی بجا
مصرعۂ تاریخ دل ناگاہ خواند

از تفاسیر ست این تفسیر نیک
گشت رد ہر سوال منکریں
کرد بحث آورد اقوال نبیل
غیر ادیان و ملل را نسخ ساخت
از جواب شافیش لب بستہ اند
بہر ہر نیچر جواب باصواب
ایں مفسر کیست اسم سامیش
فاضل اکمل فقیہ بے مثل
معرکہ آرائے بحث علم دیں
اے کہ در عہد ہمایوں طبع شد
شاہ اسلام و شہ ملک دکن
مژدۂ طبعش چو شد شہرت پذیر
طبع شد تفسیر حقانی چہا ۱۳۱۴ھ

داد تصریحات شرح و بسط را
از جواب شافی و علم خدا
با دلائل با وثوق اہتدا
از براہین و حجج صد مرحبا
منکرین معجزات انبیاء
داد از آیات و تفسیر ہدا
بر زبان من رواں شد مرحبا
عالم علم حقایق با خدا
مرد میدان حقایق بے ریا
نام والا بر لب آمد حبذا
عدل گستر خلق پرور با خدا
فکر لاحق شد پئے سن بندہ را

قطعات تاریخ تالیف تفسیر حقانی از نتیجہ طبع شاعر بی بدل فاضل بیمثل حافظ محمد یعقوب صدیقی متخلص بہ انیق جونپوری ابن شیخ رمضان علی صاحب

قطعہ

مرحبا فاضل علام ادیب بے مثل
چست کیا آپ کی تقریر ہے ماشاءاللہ

یہ طلاقت یہ سلاست یہ روانی کلام
کیا ہی جادو بھری تحریر ہے ماشاءاللہ

ایسی تفسیر نہ دیکھی نہ سنی ہوگی کبھی
واعظو! لو۔ زہے تقدیر ہے ماشاءاللہ

مرض جہل وضلالت کے مٹانیکو انیق
واقعی نسخہ اکسیر ہے ماشاءاللہ

ایسی تحقیق و دلائل سے مدلل کہئے؟
اردو میں کونسی تفسیر ہے ماشاءاللہ

کہدو یہ منکر بے دین سے کہ رستہ کاٹے
دین حق کی کھلی شمشیر ہے ماشاءاللہ

مرض شرک وجہالت کا اڑادے خاکہ
نسخہ حق کی یہ تاثیر ہے ماشاءاللہ

آئے آئینہ تحقیق میں صورت دیکھے
ہاں کدھر منکر بے پیر ہے ماشاءاللہ

کیوں نہ مقبول خلائق ہو کلام حق ہے
چار سو دہر میں تشہیر ہے ماشاءاللہ

کور باطن اسے آنکھوں سے لگائیں آکر
نسخہ سرمۂ تبصیر ہے ماشاءاللہ

لکھدو اب بے سر افراط سن ہجری یہ
واہ جی کیسی یہ تفسیر ہے ماشاءاللہ
۱۳۰۱ھ ۱۳

ایضاً

کیوں نہ ہو بیمثل تفسیر مقدس کا کلام
اور اردو میں کوئی تفسیر ایسی ہے کہو

یہ وہ محبوب دل آرائے جہاں ہے زاہدو!
ہے بجا اس کے لیئے گر جان سے سودا کرو

شکر خالق کا بجالاؤ کہ عین احسان ہے
تحفۂ اسلام یہ حق سے ملا ہے واعظو

ایسی جامع ہے یہ تفسیر مقدس واہ واہ
دین کا اے مومنو حل اس سے ہر عقدہ کرو

دیکھکر اس پایہ کی تفسیر اردو میں انیق
بول اٹھا بے ساختہ دل کہ سن ہجری لکھو

بے سر آور داک مصرع میں دو تاریخ ہیں
ناظر الاسلام منظور زمانہ ہے سنو
۱۳ ھ ۱۳ ۱۳ ھ ۱۳

ایضاً

لکھی کیا ہی شرح کلام حق ہوئے حل معانی جو تھے ادق
ہے کدھر خیال ترا انیق ہے انتشار یہ کس لئے

ہیں کہاں محقق ما سبق کریں اس کی قدر و منزلت
سن ہجری تو سر احترام سے لکھ۔ وسیلۂ آخرت

ایضاً

مرحبا آفریں جزاک اللہ
جزائے مفسر علام
پائے علت چو دور از و کردم
ایں چہ تفسیر دلبر زیباست
گشت تفسیر بے مثالش نام
عشو ہائیش کشند جان انام

ایضاً

تعالی اللہ چہ تفسیر مقدس
بہ سدرہ مدح خواں روح الامینش
سن ہجری سر وش از روئے ایمان
بہ نور جلوۂ حسن معانی
بمن گفتا بگو۔ مرغوب دینش
ثنا خواں در جنان ہر حور عینش

ایضاً

لکھی واہ تفسیر کیا مرحبا!
فھذا من اللہ فوز کبیر
برابر کا سر کا ٹکرائے انیق
فقل ان ھذا عدیم النظیر

ایضاً

ہے لکھی تفسیر حقانی عجیب
ہر ورق کوڑا ہے بہر منکرین
از سر اخلاص بولا چرخ پیر
مصرعہ تاریخ ہجری کے لئے
اے جوان لکھ یہ مہر و اعظین
تھی جو مجھ کو فکر انیق کمترین

تاریخ طبع

ایں چہ تفسیر شد جہاں آرا
ہمہ آفاق ز دست نورانی
سال طبعش چو جستجو کردم
انکشاف تمام یافت از و
گفت ہاتف چراغ ایمانی
ہمہ اسرار سر قرآنی

دیگر قطعہ تالیف

وللہ در المؤلف انیق
فھذا عجیب فصیح متین
ھدا لی لاجل لسنۃ ملہم
الا ان ھذا الکتاب مبین

دیگر تاریخ طبع

شدہ مطبوع عالم مرحبا تفسیر قرآنی
ز سال طبع پرسید ند اہل طبع چون از من
زہے انوار ایمانی خہے الطاف ربانی
دلم گفتا بگو۔ زہ طبع شد تفسیر حقانی

واضح رہے کہ ۱۳۱۳ھ میں یہ جلد ہشتم قریب الاختتام تھی شاعر فاضل نے تاریخوں میں ہی سال ملحوظ رکھا مگر ۱۳۱۴ھ میں اتفاق اختتام ہوا

تقریظ تفسیر حقانی (طبع ششم)

از جناب مولانا مولوی حافظ محمد عبد التواب صاحب چشتی (مولوی فاضل) مؤلف سیرۃ الحبیب و برکات رمضان حیاۃ بعد المماۃ وغیرہ

تَبَارَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ۝ وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ کَانَ دَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا ۝ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَخُلَفَائِہٖ وَسَائِرِ الْمُؤْمِنِیْنَ الْمُبَشَّرِیْنَ بِاَنَّ لَھُمْ مِّنَ اللّٰہِ فَضْلًا کَبِیْرًا ۝ وَعَلَی الْفُقَھَاءِ وَالْمُحَدِّثِیْنَ وَالْعُلَمَاءِ الرّٰسِخِیْنَ الَّذِیْنَ فَسَّرُوا الْقُرْاٰنَ اَحْسَنَ تَفْسِیْرًا ۝ اَمَّا بَعْدُ

خلّاقِ عالم نے انسان کو عقل سلیم عطا فرما کر تمام مخلوقات پر اس کو فضیلت و برتری کا شرف عطا فرمایا۔ وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ اور یہی وہ انسان ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیفہ اور نائب مقرر کیا۔ حیث قَالَ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً ط اور اسی ضعیف البنیان بے چارے انسان کو وہ بارِ امانت بھی سونپا گیا۔ جس کے لینے سے تمام مخلوق نے ڈر کر انکار کر دیا تھا۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَھَا وَاَشْفَقْنَ مِنْھَا وَحَمَلَھَا الْاِنْسَانُ ط (احزاب ع ۹ پ ۲۲)	ہم نے امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا تو انہوں نے اس کے اُٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور آدمی نے اس کو اُٹھا لیا۔

اسی بنی نوع انسان کے فرد کامل جناب رسالت مآب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین کا خطاب عطا فرما کر نبوت و رسالت کے سلسلے کو ختم کر دیا۔ ع بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ط (احزاب ع ۶ پ ۲۲)	محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں ولیکن وہ خاتم النبیین ہیں۔

نزول قرآن

ان ہی نبی کریم اور مقدس ہستی رسول اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ مقدس کتاب نازل فرمائی گئی جو فرقان حمید اور قرآن مجید کے نام نامی سے ملقب و مشہور ہے جس کی ہر آیت مومنین کے لئے باعث رحمت اور نسخہ شفا ہے۔ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا ھُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَۃٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۝ (بنی اسرائیل ع ۹) جس زمانہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔ اور اسلام ایک ہاتھ میں تبلیغی علم اور دوسرے میں قرآن شریف لیکر اقوام عالم کے سامنے آیا۔ وہ زمانہ نہایت تاریک اور ہر قسم کے معاصی صغیرہ و کبیرہ گناہوں سے پُر تھا ہر جا سو کفر و شرک و بت پرستی کی گھنگھور گھٹائیں چھا رہی تھیں۔ اور آفتاب ھدایت کو جہالت کی بدلیوں میں چھپانے کی پوری کوشش کی جا رہی تھی۔ اور خدائے واحد کی یکتائی اور اس کی قدرت کاملہ اور اس کی کارسازی کو کوئی جانتا سمجھتا نہ تھا اوہام پرستی کا زور تھا۔ کوئی جنّات کو پوجتا کوئی فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں بتلاتا۔ وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِکَۃَ الَّذِیْنَ ھُمْ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا (زخرف ع ۲ پ ۲۵) اُس وقت داعی اسلام نے تمام اقوام کو باواز بلند للکارا اَنَّمَآ اِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ۔ اور فَاعْبُدُوْہُ وَاسْجُدُوْا لَہٗ کہ لوگو! تمہارا معبود حقیقی تو صرف خدائے واحد ہی ہے اور اسی ایک اللہ کی عبادت و پرستش کیا کرو۔ اور اسی کو سجدہ کرو۔ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَھُنَّ (حٰم سجدہ ع ۵ پ ۲۴)

اثر قرآن

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے کلام الٰہی کی آیات سُن کر لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہوتے اور خشیت خداوندی سے ایسی رقت طاری ہوتی کہ بیساختہ آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے۔

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَی الرَّسُوْلِ تَرٰٓی اَعْیُنَھُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ (مائدہ ا پ ۷)	جب وہ ان آیتوں کو جو رسول پر نازل ہوتی ہیں سنتے ہیں تو انکی آنکھوں کو دیکھیگا کہ ان سے آنسو جاری ہیں

کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی شخص قرآن شریف کی ترجمانی نہیں کر سکتا تھا۔ آنحضور کی زبان مبارک قرآن شریف کی بہترین تفسیر تھی۔ وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰى ۝ (النجم ع ۱ پ ۲۷) وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے بلکہ یہ قرآن وحی منزل من اللہ ہے

دور صحابہؓ اور ضرورت تفسیر

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفاء اربعہؓ کا زمانہ آیا۔ ان کے بعد تابعین اور تبع تابعین کا دور ہوا۔ الغرض تمام کے تمام خیر القرون (اچھے زمانے) تھے کہ جن میں کلام ربانی کے مطالب و معانی جاننے اور آیات الٰہی کی تفاسیر سمجھنے والے آنحضورؐ کے احباب اصحاب اور اتباع بکثرت موجود تھے۔

اس دور کے بعد جب اسلام اطراف اکناف عالم میں ترقی کرتا ہوا آگے بڑھتا گیا۔ اور مختلف زبانوں مختلف مذاق اور مختلف طبقات کے لوگوں سے اس کو واسطہ پڑا تو کسی کی زبان عربی تھی۔ تو کسی کی محض عجمی۔ اور عربی زبان بھی تھی تو وہ عربی نہ تھی۔ کہ جس صاف زبان میں کلام الٰہی نازل ہوا ہے۔ هٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ ط

اور عربی زبان میں اتنے ماہر اور ایسے سمجھدار بھی سب ملکوں میں ایسے متبحر عالم نہ تھے کہ جو آیات کے ان مفہوم اور مصداق کو سمجھ سکیں۔ کہ جن اغراض کے لئے کلام الٰہی نازل ہوا ہے اس لئے تفسیر کی ضرورت پڑی! اور علماء ربانیین نے وَجَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ط کو مدِنظر رکھتے ہوئے اپنی تمام کوششوں کو کلام الٰہی کی تفسیر لکھنے میں صرف کر دیا۔ اور تفسیر خازن جلالین۔ بیضاوی۔ اتقان تفسیر کشاف تفسیر کبیر روح البیان۔ روح المعانی وغیرہ وغیرہ مستند مختصر و مطول اور متوسط تفسیریں عربی میں لکھیں۔ (جزاھم اللہ خیر الجزاء) جن کا علامہ مفسر حقانی رحمۃ اللہ علیہ نے مقدمۃ القرآن میں تذکرہ فرمایا ہے۔

پھر جبکہ یہ سرچشمۂ ہدایت یعنی اسلام بادیہ عرب اور اس کے مضافات کو سیراب کرتا ہوا بلاد عجم کی سرزمین جہالت و بت پرستی اور خطۂ کفرستان یعنی ہندوستان تک پہنچا اور اس کی سیرابی اور شادابی کا باعث ہوا۔ تو اہل ہند۔ فارس۔ ایران ترکستان وغیرہ کے مسلمانوں کی خاطر علماء کرام نے فارسی میں تفسیریں لکھیں۔

شاہان اسلام کے عروج اور ہندوستان میں دار الخلافہ ہونے کے باعث فارسی کا دور دورہ تھا۔ سرکاری شاہی دفاتر کی زبان فارسی تھی۔ روزمرہ بول چال میں فارسی ہی بولی جاتی۔ الغرض تحریر و تقریر میں فارسی ہی زبان استعمال ہوتی تھی۔ شدہ شدہ تغیرات عالم کی نیرنگیوں سے وہ زمانہ آگیا کہ یک لخت حالت بدل گئی۔ ع آں قدح بشکست و آں ساقی نماند! اور بلاد ہند میں فارسی کی جگہ اردو زبان رائج ہوگئی۔ اور ماہرین علوم عربیہ و فارسیہ اور اساتذہ اور ان کے قدر دان ایک ایک کرکے اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ

یہ وہ زمانہ تھا۔ کہ بلاد ہند میں مسلم افراد کی تعداد کروڑوں تک پہنچ گئی تھی۔ اور ان کے لئے

اردو میں جامع مانع تفسیر کی ضرورت

اور سخت ضرورت تھی۔ تو علماء ربانیین نے تبلیغ اسلام کی خاطر کلام الٰہی کے معانی و مطالب عام مسلمانوں کو سمجھانے کے لئے اردو میں قرآن شریف کے ترجمے کئے اور بہت سی تفسیریں لکھیں جیسا کہ علامہ مفسر حقانیؒ نے ذکر فرمایا ہے لیکن اردو بھی آئے دن اپنا رنگ و لب و لہجہ بدلتی رہی! اور زمانۂ حال کے لوگوں کے لئے پہلے زمانہ کی اردو فارسی تفسیروں سے اخذ مطالب کرنا اور معانی کا سمجھنا دشوار ہو گیا تو ان دقتوں کو دیکھ کر آج سے پچاس سال پیشتر علامہ مفسر حقانی نے اردو میں

تفسیر حقّانی

لکھی یہ وہ زمانہ تھا کہ ہندوستان میں بھی توہم پرستی کا رواج تھا۔ الحاد بیدینی کا چار سو چرچا کہیں آریوں کی مادہ پرستی زوروں پر تو کہیں سناتن دھرمیوں کی مہادیو اور پیپل پوجا اور طرح طرح کی بت پرستی اپنا رنگ لا رہی تھی کہیں رام لیلا اور دسہرہ ہو رہا ہے تو مسلمانوں میں تعزیہ پرستی اور گور پرستی کا رواج ہے۔ بدعات کا اتنا زور کہ قبروں سے منتیں مانی جاتی ہیں کہیں اسلام کی سچی تعلیم اور اس کی توحید کے مقابلہ میں ثالث ثلثہ تین خداؤں کی خدائی جنگ کے چرچے اور قرآن اس کے خلاف پکار کر کہہ رہا ہے لَوْ كَانَ فِیْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (الانبیاء ع ۲ پ ۱۷) اگر زمین و آسمان میں خدا کے سوا اور معبود ہوتے تو یہ کبھی کے برباد ہو گئے ہوتے۔

اور کہیں تعلیم جدید کے اثرات سے نیچریت اور دہریت کے باعث خود مسلمانوں میں خانہ جنگی ہو رہی تھی شیعہ سنی الگ کٹے مرتے تھے حنفیوں و اہل حدیث میں آئے دن آمین بالجہر اور رفع یدین کی بابت تو تو میں میں ہوتی رہتی تھی! ادھر عقائد اور ارکان اسلام کا انکار تو ادھر نیچریت اور دہریت معجزات اور بزرگوں کی کرامات جنوں اور ملائکہ کے وجود سے منکر اور دوزخ جنت کو خیالی واہمہ بتلاتی تھی۔ معاذ اللہ منہا۔

عوام میں اتنی استعداد نہ تھی۔ کہ ان شکوک و شبہات کا جواب دے سکیں اور خود تشفی حاصل کر سکیں یا عربی فارسی اردو قدیم تفاسیر سے اخذ مطالب کر لیں۔ کیونکہ قدماء کی تفاسیر کی

عالمانہ عبارتیں اور دقیق مضامین ان کے فہم سے بالاتر تھے۔ اس لئے فخر المفسرین بدۃ المحدثین عمدۃ المتکلمین فاضل اجل مولوی عبد الحق صاحب مرحوم و مغفور حنفی قادری چشتی دہلوی مفسر حقانی نے

فتح المنان

کے نام سے آٹھ جلدوں میں ایک مبسوط تفسیر اُردو میں لکھی جس میں اسلام کی سچی تعلیم اور اس کی صداقت اور ارکان اسلام و عقائد و عبادات و معاملات کو کلام الٰہی کے ترتیب الحمد سے لیکر والناس تک نمایاں طور سے ظاہر کرتے ہوئے ہر مسئلہ پر ہر پہلو سے پوری بحث کی ہے۔ مخالف اسلام کا کوئی شک و شبہ یا سوال باقی نہیں چھوڑا کہ جس کا عقلی نقلی طور سے مسکت جواب دیا ہو۔ پھر خوبی یہ کہ تفسیر سلف صالحین اور عقائد اہل سنت والجماعۃ کے طریقہ پر لکھی گئی ہے۔ وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۤءُ اور مسلمانوں کا ہر طبقہ اس تفسیر سے مستفید ہو سکتا ہے۔ علمائے کرام اور عربی دان حضرات کے لئے آیات کی تفسیر سے پہلے ترکیب شان نزول ربط آیات نیز صرفی نحوی لغوی تشریح و تحقیق منطق و فلسفہ سے استدلال فن مناظرہ کے مباحث علم معانی و لاغت وغیرہ کی اصطلاحات اور رموز و نکات بیان فرمائے ہیں۔

عوام اُردو دانوں کے لئے سلیس اُردو میں زیر متن با محاورہ ترجمہ۔ پھر ہر ایک آیت کے مشکل الفاظ کے معنی اور اُردو میں پوری تشریح لکھنے کے بعد عام فہم تفسیر لکھی ہے۔ پھر صوفیائے کرام کے فیوضات ملفوظات اور تصوف کے اسرار و نکات کی باریکیاں آیات کی تفسیر کے ضمن میں اپنا خاص رنگ اور روحانی اثر الگ دکھلا رہے ہیں۔

اس تفسیر کے ساتھ ہی مقدمۃ القرآن میں علامہ مفسر حقانی نے تفسیر کی وہ تمام خوبیاں و فوائد لکھ دیئے ہیں جن کا ماننا ہر مفسر قرآن کے لئے ضروری اور ہر تفسیر پڑھنے والے کے لئے لابدی ہے اور آخر میں جغرافیۃ العرب ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس میں تاریخی مقامات کے نقشے اور قرآن شریف میں ذکر کئے ہوئے شہروں کے حالات درج ہیں۔ جن کے پڑھنے سے مطالب قرآن کے سمجھنے میں کافی مدد ملتی ہے۔

الغرض یہ تفسیر ہر طرح سے قابل قدر تفسیر ہے جس طرح آج سے پچاس سال پیشتر اس کی ضرورت تھی اسی طرح اب بھی بلکہ اس سے زیادہ اس کی طرف لوگوں کی حاجت ہے۔

اس بنا پر محض نفع رسانی خلائق کی خاطر بصرف زر کثیر میرے مکرم حاجی الحرمین جناب حاجی شیخ محمد اسحٰق صاحب سوداگر ناظم انجمن ہدایت الاسلام دہلی نے طبع کرا کر شائع کیا۔

بحمد اللہ تعالیٰ مکمل تفسیر آٹھ جلدوں میں چھپ کر تیار ہو چکی ہے۔ تفسیر کا یہ چھٹا ایڈیشن اپنی ظاہری خوبیوں کے لحاظ سے بھی نہایت اعلیٰ ہے۔ لکھائی چھپائی عمدہ کاغذ سفید چکنا ولایتی ۲۰×۲۶ تقطیع کا ہے۔ یوں تو فقیر ہیچ مداں طبع ششم کی طباعت سے پیشتر ہی اس تفسیر کے مطالعہ سے مستفید ہوتا رہا ہے۔ مگر بفضل ایزد متعال چھٹے ایڈیشن کی پانچویں چھٹی۔ ساتویں۔ آٹھویں جلدوں کی تصحیح فقیر کی نگرانی میں ہوئی بار بار اور مکرر پڑھنے سے جو حقائق اور نکات منکشف ہوئے اور فوائد علمیہ حاصل ہوئے ان سے متاثر ہو کر عام مسلمانوں سے یہ عرض ضروری ہے کہ اس تفسیر سے کوئی اسلامی درسگاہ خالی نہ رہنی چاہیئے۔ اور ہر مسلم گھر میں قرآن شریف کے معانی سمجھنے کے لئے ہر مسلمان کو اس تفسیر کا رکھنا اور مطالعہ کرنا ازبس ضروری ہے وَمَا عَلَيْنَاۤ اِلَّا الْبَلَاغ۔ اللہ تعالیٰ کارپردازانِ تفسیر کو دارین میں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین وَآخِرُ دَعْوٰنَاۤ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

کتبہ

فقیر محمد عبد التواب چشتی غفر لہٗ از مدرسہ امینیہ دہلی۔ ۲۴ محرم الحرام ۱۳۴۹ھ مطابق ۲۲ جون ۱۹۳۰ء یوم یکشنبہ

تشکر و امتنان

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکریہ کہ اُس نے مجھے اس تفسیر کی خدمت کی توفیق دی آخر میں ان تمام حضرات کا جنہوں نے مجھے تفسیر کی طباعت و اشاعت میں مدد دی۔ خصوصاً مولوی حافظ محمد عبد التواب صاحب چشتی کا خلوص دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے تفسیر کی اکثر جلدوں کی تصحیح نہایت جانفشانی کے ساتھ فرمائی۔ فقط والسلام

احقر اشتیاق احمد چشتی غفر لہٗ